سِندھ کے اُردو نثر نگار

مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی

نگران

الحاج جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب
ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، پی۔ ایچ۔ ڈی، ڈی۔ لِٹ
پروفیسر و صدر شعبہ اردو۔ سندھ یونیورسٹی۔ حیدر آباد

مقالہ نگار

ایس۔ ایم۔ منہاج الدین

سنہ ۱۹۷۳ء

فہرست مضامین

حصہ دوم

"سندھ کے اردو نثر نگار، سوانحی حالات، تبصرہ و نمونہ تحریر"

حصہ سوم

"ـــــگـذارش احـــوال واقعـــی "

سندھ میں اردو شاعری کے موضوع پر اکثر کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں مولانا افسر صدیقی امروہوی کا مقالہ مطبوعہ سہ ماہی اردو ۱۹۳۷ء کا سرفہرست آتا ہے ـ اس کے بعد پیر حسام الدین راشدی صاحب کے مضامین اس سلسلے میں نظر کے سامنے آئے اور ابھی ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ صاحب کی تصنیف "سندھ میں اردو شاعری" نے بہت سی اہم حقیقتوں کو سامنے لا دیا ـ مشتاق علی جعفری صاحب کی کتاب "سندھ کے جدید اردو شعراء" بھی اس موضوع پر بڑی محنت سے لکھی گئی ہے لیکن سندھ میں اردو نثر سے متعلق ابھی تک کوئی کتاب منظرعام پر نہیں آئی ـ جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب قبلہ، پروفیسر و صدر شعبہ اردو سندھ یونی ورسٹی کے ایما پر جب میں نے پی ـ ایچ ـ ڈی کے مقالہ کے لیے یہ موضوع پسند کیا تو اس کی دشواریوں سے اچھی طرح واقف تھا لیکن جب راہ پر واقف اسرار اور صاحب کمال مل جائے تو رہ رو کو زیادہ تشویش اور اندیشہ کی ضرورت نہیں رہتی، چناں چہ یہ سمجھ کر " کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا " میں نے اس دشوار وادی میں قدم رکھ ہی دیا اور شکر ہے اس قادر مطلق کا کہ میری یہ دشوار منزل طے ہو رہی ہے اور منزل مقصود میرے سامنے ہے ـ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب قبلہ، پروفیسر و صدر شعبۂ اردو نے ہر منزل پر جس طرح میری دست گیری فرمائی اور اپنی علمی

بصیرت سے میری رہنمائی فرمائی اس کے لیے میں صمیم قلب سے ان کا شکرگذار ہون ـ اپنی کم علمی کی بنا پر مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ کوتاہیان اور فروگذاشتین اس مین رہ گئی ہون گی، اس لیے کہ یہ نقش اول ہے، تو ان کوتاہیون اور فروگذاشتون کا تنہا مین ذمہ دار ہون اس لیے کہ اگر مس مین آہن ملا ہو تو اسے کیمیاگر کیا کرے ـ

اس مقالے کی سب سے بڑی خصوصیت اور انوکھاپن یہ ہے کہ اس کا مواد کتابون سے حاصل نہین کیا جاسکتا تھا اس لیے اس مقالہ کو "سرچ" تو کہا جاسکتا ہے لیکن "ریسرچ" نہین ـ اس علم و آگہی کے لیے مجھے سفینہ سے زیادہ سینہ پر بھروسا کرنا پڑا ـ وادئ مہران کا ایک ایک شہر اور ایک ایک گلیان چھان مارین ـ کراچی، حیدرآباد، سکھر، شکارپور، جیکب آباد، لاڑکانہ، نواب شاہ، سعیدہ آباد، سیون، پیر جھنڈو، منصورہ، گوٹھی پٹسین، سلطان کوٹ، پیر جوگوٹھ، خیرپور وغیرہ وغیرہ کو گھر آنگن بنا دینا پڑا ـ وہان کے ذی علم لوگون سے ملا ـ شہری اور غیر شہری ان سے یاد داشتین حاصل کین ـ بہت سی خاندانی اور پبلک لائبریریون کو کھنگالا ـ قلمی کتابین اور مخطوطے جو نظر آئے ان کا غور سے مطالعہ کیا اور ان خاکسترون کو کریدنے مے سے اگر کوئی چنگاری بھی چمکی تو اس سے روشنی حاصل کرنے مین نہین جھجکا ـ ایک ایسے مقام کی بھی نشان دہی کی گئی جہان مسجد پر کتبے سے کچھ حقیقتین سامنے آجاتی تھین ـ وہان بھی پہنچا ـ غرض اپنی جدوجہد اور کد و کاوش مین حتی الامکان مین نے کوئی کوتاہی نہین کی اور اس جدوجہد کے نتیجے مین جو کچھ حاصل کرسکا ہون، پیش کر رہا ہون ـ

منصورہ کے " شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج لائبریری" مین پرنسپل محمد سلیم صاحب کی مہربانی سے ایک مخطوطہ دیکھنے کو ملا جو ۱۱۹۶ ھ کا ھے ـ یہ "بھگوت گیتا " کا ترجمہ ھے ـ اس کا مصنف غالبا " حویلی سیوستان کا رھنے والا " مولرام ولد مھتہ آنند رام " ھے ـ اس مین بھگوت گیتا کا تقریبا " تین حصہ فارسی مین اور ایک حصہ مقامی پراکرت مین ترجمہ کیا گیا ھے ـ یہ کتاب بڑے سائز مین تقریبا " پانسچ سو صفحات پر مشتمل ھے ـ اردو کا حصہ خصوصیت کے ساتھ مہابھارت کی لڑائی سے متعلق ھے ـ فارسی کی عبارت مین بھی ھندی الفاظ بکثرت آئے ھین ـ فارسی کا ترجمہ اس نوعیت کا ھے :ـ

> [1] " این مہا پران سری بھگوت گیتا کہ مطالب متعلق برویدانت و دھرم و لیلائے سری مہاراج جیو است بہ یمن تائیدات سری مہاراج جیو از دست ھیچ مدان نیاز ارتسام غلام مولرام ولد مھتہ آنند رام سورگ باشی بہ تاریخ بست و پنجم ماہ ذی الحجہ ۱۱۹۶ ھ بہ ھئیت دوادس سندھی ماہ پہری سمت ۱۸۲۸ صورت اتمام یافت ـ "

آخری چوتھائی حصہ کا ترجمہ اس پراکرت مین کیا گیا ھے جس کو سندھی اور اردو زبان کی ایک " سیال اور ملوان زبان " سے موسوم کیا جاسکتا ھے ـ یہ زبان ایسا "ملغوبہ " ھے جسے ھم نہ سندھی کہہ سکتے ھین نہ ھندی یا اردو ھی مگر ھے بہرحال یہ اردو ھی کی ایک ابتدائی اور بے ھنگم شکل ـ نمونہ ملاحظہ ھو :ـ

---

[1] یہ مخطوطہ شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج، منصورہ، (حیدر آباد)، کے کتب خانہ مین محفوظ ھے ـ

"اب مہا بھارت کا کوتک کہس ھی ۔ سات چھوٹے سیفسان
داستان ڈھیڑن کی طرح فوج

پاشوان کے ار باھران چھوٹے دھراشٹ کے پوترون کے ایہسہ
اور بارہ بیٹون یہ

دونون کورکھیتر جاے اکٹھے ھین ۔ اب راجہ دھراشٹ سنج کون پوچھی ھی ۔
راجہ دھرا شوواچسہ ھی سنجی دھرم کا کھیتر جو ہے کور کھیتر ش مکھن
پراپت ھی ھین ۔ میرے پوتران ار پاشو کے پوتر شہون کیا کیا
حاصل بیٹے اور بیٹا مجھے کیا کرتے

سو مجھکون کہو ۔ راجہ کا بچسن سن کر سنج بولتے ھیا ۔"
الفاظ سچ بول رہا ھون

اسی طرح لاڑکانہ مین ایک بیاض موسوم بہ "اکسیر العاظم" قلمی ملی ۔ کچھ تحریرین سندھی زبان مین ھین اور کچھ اردو مین ۔ اس بیاض کا مصنف فقیر ھری سنگھ عاصی حضرت شاہ نصیرالدین نقشبندی (نوشہرہ فیروز ضلع نواب شاہ) کا مرید اور عقیدت مند ہے جیساکہ اس نے اس بیاض کے دوسرے صفحہ پر لکھا ہے :-

"فقیر ھری سنگھ صوفی طالب شاہ نصیرالدین نقشبندی
نوشہرو فیروز ۔"

اس بیاض مین شاہ نصیرالدین کا اردو، سندھی اور سرائیکی، اس کے علاوہ ھری سنگھ عاصی کا اپنا سندھی، سرائیکی اور اردو کلام ہے ۔ ان کے علاوہ ۶۳ شعراء کا کلام

بھی جمع کیا گیا ہے ۔ جن مین خیر محمد، موھن فقیر، دریا خان، عثمان، سچل سرمست، دلپھٹ، اصغر سندھی وغیرہ کے نام بھی شامل ھین ۔ اس بیاض کے فہرست والے صفحہ پر سندھی زبان مین لکھا ھوا ہے :— (ترجمہ)

" مین نے اس بیاض کو کوئٹہ مین بیٹھ کر ۱۲ اگست ۱۹۰۲ء کو مرتب کیا .... ھم پہلی اگست ۱۹۰۲ء کو کوئٹہ پہنچے ۔ ۲۵ اگست ۱۹۰۲ء کو کوئٹہ سے قندھار روانہ ھوئے اور میرے مرشد میرے ساتھ تھے ۔ "

اس بیاض مین ایک اردو تحریر اس طرح کی ملتی ہے جو ھری سنگھ عاصی کی لکھی ھوئی ہے :—

" عریضے دو حرفے پایمالی پا بوطرفی، جناب عالی، ایک کورا دوسری تعالی، وہ بھی حضور کے امیدواری مین نے گالی[2] ۔ حضور کا آفتاب چمکتا رھے ۔ ایسا نہ ھو کہ بندہ لٹکتا رھے ۔ فقط ۳ جولائی ۱۸۹۲ء از مقام ڈوزان بولان بلوچستان ۔ "[1]

اردو کے یہ عام نمونے سندھ مین اردو کے سیال شکل یا مختلف سانچون کی نشان دھی کرتے ھین ۔

---

[1] از بیاض کشیر العاظم (قلمی) ص ۲٦۲

[2] " گالی " خاص سندھی لفظ " گاری " کا اردو تلفظ ہے ۔ " گاری " کے معنی ختم کردی یا گذار دی ۔

نوٹ :— بیاض اکشیرالعاظم میمن عبدالمجید سندھی، پروفیسر اسلامیہ کالج سکھر کی مہربانی سے راقم الحروف کو دیکھنے کو ملی ۔ جس کے لیے مین ان کا شکر گزار ھون ۔

سندھ کے شہروں اور گلیوں کی خاک چھانتا ہوا ایک مرتبہ مٹیاری پہنچا تو وہاں کی جمعہ مسجد پر یہ کتبہ کندہ دیکھا ؎

حیف توں سوتا رہے بروقت ازان
مرغ ماہی سب اٹھیں یاد خدا کےواسطے

کام دوزخ کا کئے جنت کا ہے توں امیدوار
کس رے جنت تو بنا ہے پارسا کے واسطے

کام وہ کرلے جس کے بلاس گور مین
باغ رضوان کی کھلے کھڑکی ہوا کے واسطے

یا الٰہی خاتمان ہر مومن کا بلخیر ہو
دونوں ہاتھوں کو اٹھاتا ہوں دعا کے واسطے

اس مسجد کے بارے مین تحقیق سے پتا چلا کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی اور ان کے دادا عبدالکریم بلڑی والے کا یہ مکان تھا ۔ مسجد کی بنیاد خود شاہ عبداللطیف بھٹائی صاحب نے رکھی تھی بعد مین میروں کے عہد حکومت مین اس کی مرمت میر مراد علی نے ۱۲۱۸ ھ مین کروائی ۔ اس مسجد کی تعمیر کی تاریخ کہین پر نہین لکھی ہوئی ہے لیکن ظاہر ہے کہ جب شاہ عبداللطیف بھٹائی نے اس کی بنیاد رکھی تھی تو یقینا" بارھوین صدی ہجری مین بنی ہوگی ۔ کتبہ کے بارے مین متیقن نہین کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے عہد مین کندہ کیا گیا تھا یا مرمت کے وقت میر مراد علی نے لکھوایا تھا ۔ اس کتبہ مین رضوان کی بجائے رُدوان، اذان کی بجائے ازان،

تو کی بجائے تون، باعث کی بجائے باعس، وہ کی بجائے وُ، خاتمہ کی بجائے خاتمان، دعا کی بجائے دوعا، قسمر کی بجائے کسر اور کھڑکی کی بجائے کھڑکی لکھا ہوا ہے جو قدامت پر دال ہے۔

استاذی جناب ڈاکٹر غلام مصطفے خان صاحب قبلہ، پروفیسر و صدر شعبۂ اردو کی عالمانہ ہدایت، مربیانہ شفقت اور بصیرت افروز رہ نمائی کا اعتراف تو ایک امر واقعہ ہے جس کے بغیر اس مقالہ کی تکمیل ہی ممکن نہ تھی لیکن ان کے علاوہ جن بزرگوں کرم فرماؤں اور دوستوں سے مجھے مدد ملی ہے ان کے تعاون کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ نعیم ندوی صاحب نے نہ صرف اپنے مفید مشوروں سے میری مدد فرمائی بلکہ ہر اس موقع پر جب کہ میرا قدم منزل کی سنگلاخی سے ڈگمگانے لگتا یا میری ہمت جواب دینے لگتی تو بڑھ کر سہارا دیتے اور اپنی محبت اور ہمدردی سے مجھ مین ایک نئی روح پھونک دیتے۔محترم مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد، ڈاکٹر نبی بخش خان صاحب بلوچ ڈائرکٹر ادارۂ تعلیمات سندھ یونیورسٹی، ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتا صاحب پروفیسر و صدر شعبہ تقابل ادیان و علوم اسلامیہ (Department of Comparative Religion and Islamic Culture) سندھ یونیورسٹی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب کراچی یونیورسٹی، پروفیسر سید وقار عظیم صاحب پنجاب یونیورسٹی کا بھی شکر گذار ہون کہ اپنی انتہائی مشغولیتون کے باوجود جب کبھی بھی ان بزرگون کی خدمت مین استفادے کے لیے پہنچا انھون نے خندہ پیشانی

سے میری مشکلات کو حل کرنے میں میری مدد فرمائی ۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب پروفیسر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی، پروفیسر علی نواز جتوئی صاحب شعبۂ سندھی سندھ یونیورسٹی، ڈاکٹر ابراہیم خلیل صاحب حیدرآباد، پرنسپل محمد سلیم صاحب اورینٹل کالج منصورہ، پروفیسر میمن عبدالمجید سندھی صاحب پروفیسر ڈاکٹر سردار احمد خان صاحب پروفیسر فاروق صاحب پروفیسر ارشد جمیل صاحب اساتذہ اسلامیہ کالج سکھر، آفاق صدیقی صاحب پرانا سکھر، رفیق کار پروفیسر حافظ ثناء اللہ صاحب پروفیسر عبدالغنی فاروق صاحب اساتذہ گورنمنٹ کالج شکرگڑھ، پروفیسر اشرف یزدانی صاحب سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور، پروفیسر نذر محمد صاحب گورنمنٹ کالج شیخوپورہ، پروفیسر فیاض تحسین صاحب گورنمنٹ کالج ملتان، شاہد معین الدین دردائی صاحب ایم ۔ ایس سی اسٹیٹ بینک کراچی، اسلم فیاضی صاحب شیراز رسول صاحب حیدرآباد، عبدالواحد ارائین صاحب شیخ احسان اللہ صاحب غیاث الدین صاحب شکارپور، پروفیسر ایم ۔ یو عرشی صاحب گورنمنٹ کالج لاڑکانہ، پروفیسر ایاز صاحب گورنمنٹ کالج حیدرآباد وغیرہ سے مجھے کافی تعاون حاصل ہوا ۔ میں ان سب بزرگوں کرم فرماؤں اور دوستوں کا شکرگذار ہوں

برادر عزیز عابد معین الدین دردائی کا بھی شکرگذار ہوں کہ انھوں نے کراچی جیسے حشر بہ داماں شہر میں بہت سے علمی اشخاص کے ٹھکانوں کی تلاش میں میرا ہمیشہ ساتھ دیا اور آبلہ پائی کے باوجود میرا ساتھ نہیں چھوڑا ۔

آخیر میں محترم دوست خالد فاروق صاحب (ریلوے سروس لاہور) کا شکرگذار ہوں کہ جن کی وجہ سے سفر میں حد درجہ سہولت رہی اور محترمہ بشیرہ بیگم، مسرت خاتون اور فرحت خاتون کا کہ جنھوں نے ٹائپ شدہ مقالے کی اصلاح میں میری بے حد مدد فرمائی ۔

منہاج

مقدّمه

مقدمہ

کلہوڑون سے پہلے ارغون، ترخان اور مغل حکمرانون کے دور مین سندھی زبان عوام کی زبان تو تھی لیکن ادبی مجلسون مین اس کا گذر نہین تھا ـ ہرجگہ اور ہر شعبہ مین فارسی کا دخل تھا ـ دفتری اور سرکاری زبان فارسی ہی تھی ـ بقول پروفیسر میمن عبدالمجید سندھی صاحب :—

[1] " اس زمانہ (ترخانی عہد) مین فارسی شاعری کا دور دورہ تھا ـ جو فارسی جانتا تھا اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ...... سندھی شاعری کو گویا علمی اور امیرون کی محفلون سے نکال دیا گیا تھا ـ جب امیرون نے اسے نکال دیا تو فقیرون اور عوام نے سندھی کی روحانی اور اخلاقی شاعری کو اپنے دل مین جگہ دی ـ "

کلہوڑون کے دور حکومت مین سندھی زبان کا نشاۃ الثانیہ شروع ہوا اور سندھی زبان و ادب کی ہر صنف مین ترقی ہونے لگی ـ لیکن اس کے ساتھ انہون نے فارسی اور اردو سے بھی بے اعتنائی نہین برتی ـ اسی دور مین شاہ عبداللطیف بھٹائی

---

[1] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (تیرھوین جلد) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۱ھ ص ۲۹۳ ـ ۲۹۲

جیسا صوفی شاعر پیدا ہوا جس نے سندھی شاعری کو مالا مال کردیا ۔ مہدویہ اور درازا تحریک نے بھی اسی دور میں جنم لیا ۔ مہدویہ تحریک کے اندر تو میاں آرام شاہ کلہوڑا قاضی قاضن خود بھی شریک تھے اور اس کے بانی سید محمد میران جونپوری کے مریدان خاص میں شامل تھے ۔

تال پوروں کے عہد میں اردو کی خاص طور پر ترقی شروع ہوئی ۔ تال پور حکمران خود اردو کے شاعر تھے اور ان میں سے اکثر صاحب دیوان بھی تھے ۔ ان کی دیکھا دیکھی ان کے امراء اور درباریوں نے بھی اردو کی جی کھول کر سرپرستی کی، لیکن سندھ میں اردو نثر کی ترقی دراصل ان سیاسی اور سماجی تحریکات کی مرہون منت ہے جو ۱۸۵۷ء کے بعد سے یہاں مسلسل چلتی رہیں ۔ شمالی ہند کی طرح سندھ کے علماء اور عوام کو انگریزوں سے شدید نفرت ہوگئی تھی کیوں کہ ان فرنگیوں نے نہ صرف شاہان دہلی اور لکھنو کو پابند سلاسل کرکے ان کا تاج و تخت چھینا تھا بلکہ سندھ کے مقبول حکمران میران تال پور پر بھی ظلم و ستم ڈھائے تھے ۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ حالات کے سامنے بے بس تھے ۔ سرسید احمد کی تعلیمی تحریک سے کراچی کے ایک بزرگ حسن علی آفندی نے متاثر ہوکر "نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن" کی شاخ قائم کی اور پھر ۱۸۸۵ء میں سرسید کے خیال کے مطابق مدرسۃ الاسلام کی بنیاد ڈالی ۔ اس کو مزید تقویت پہنچانے کے لیے ۱۹۰۷ء میں کراچی میں مولانا الطاف حسین حالی کے زیر صدارت "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ" کا اجلاس منعقد ہوا جس میں اور کئی تجاویز کے ساتھ وہ تجویز

بھی منظور ہوئی جس کے تحت تعلیمی مقصد کے لیے سندھ کے مسلمان زمین دارون سے مال گذاری پر ایک پیسہ فی روپیہ ٹیکس کی درخواست کی گئی تھی ۔ ۱۹۱۷ء مین سندھ مین مسلم لیگ کے قائم ہونے کے بعد وقتاً " فوقتاً " کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس یہان منعقد ہوتے رہے ۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران برصغیر کے تمام مسلمانون کی ہمدردیان ترکی اور دوسرے اسلامی ممالک کی طرف تھین ۔ فطری طور پر ترکی کے مسلمانون پر اتحادیون کے مظالم کی داستان سن سن کر سندھی عوام برطانوی سامراج سے متنفر ہوگئے ۔ اور اس طرح برصغیر کے مسلمانون کی جنگ آزادی مین سندھی عوام بھی دوش بہ دوش حصہ لینے لگے اور شمالی ہند سے ان کا گہرا رابطہ قائم ہوگیا ۔ تحریک خلافت جو ترکی خلیفہ کی حمایت مین برصغیر کے مسلمانون نے چلائی تھی سندھی عوام نے اس مین بھی تن من دھن سے شرکت کی ۔

تحریک خلافت کے علاوہ " خاکسار " اور " احرار " تحریکین جب شروع ہوئین تو اس مین بھی سندھی عوام کسی سے پیچھے نہین رہے ۔ ۱۹۰۸ء مین مسلمانون کو ہندوؤن کے استحصال سے بچانے کے لیے سندھ کو الگ صوبہ بنانے کی تحریک شروع ہوئی جو ۱۹۳۶ء مین کامیاب ہوئی اور سندھ کو بمبئی سے علاحدہ کر کے ایک صوبہ کی شکل دی گئی ۔ اسی زمانہ مین سوشلسٹ تحریک کے تحت " ہاری " تحریک ظہور پذیر ہوئی جس کے روح و روان کامریڈ عبدالقادر تھے ۔ غرض یہ دور، تحریکون کا دور تھا اور ان تمام تحریکات کی زبان اردو تھی ۔ اردو ہی برصغیر کے تمام مسلمانون کو تسبیح کے دانون کی طرح ایک دھاگے مین پرونے کا کام دے رہی تھی ۔ اس لیے

۱۸۸۵ء سے اردو نثر کا رواج سندھ مین بہت زورون پر ھوا ۔ سندھی لیڈران تقریرین اردو مین کرتے اور مضامین بھی اخبارات اور رسائل مین اردو ھی مین کثرت سے شائع کراتے تھے ۔ سندھی اور اردو اخبارات و رسائل کا بھی سندھ سے اجرا ھوا ۔ بہت سی کتابین مذھبی، ادبی، تنقیدی، سماجی اور فنی موضوعات پر اردو مین لکھی جانے لگین ۔ پیر جھنڈو کا خاندان اردو نثر نگاری مین اس لیے زیادہ قابل توجہ ھے کہ ان کے آباؤ اجداد پیر صبغۃ اللہ شاہ راشدی (متوفی ۱۲۴٦ھ / ۱۸۳۰ء) بہت عرصہ پہلے سید احمد شہید کی جہاد تحریک مین شامل ھوچکے تھے ۔ اور اسی وقت سے ان کا گہرا تعلق برصغیر کے مجاھدین اسلام سے ھوچکا تھا ۔

مذھبیات :-

اس سلسلے مین پیر سید رشداللہ شاہ، پیر سید فضل اللہ شاہ، پیر سید بدیع الدین شاہ، مرزا قلیچ بیگ، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا عبداللہ لغاری، پیر صبغۃ اللہ شاہ ایرانی، مولانا محمد صاحب دادخان، آغا تاج محمد خان، مولانا فضل احمد غزنوی اور پروفیسر علی نواز جتوئی خاص طور پر قابل ذکر ھین ۔ ان بزرگون نے مذھب کے موضوع پر متعدد کتابین لکھین ۔ ان مین خصوصیت کے ساتھ مرزا قلیچ بیگ کی ایسی شخصیت ھے جس نے اردو نثر مین مختلف اصناف پر متعدد کتابین لکھی ھین جن مین سے کچھ طبع ھوچکی ھین اور کچھ غیر مطبوعہ مسودے کی شکل مین محفوظ ھین ۔ مولانا فضل احمد غزنوی نے تفسیر و احادیث کے موضوع پر بھی کتابین لکھی ھین ۔

ڈراما :-

سندھ مین ڈراما نویسی کا ذوق بمبئی کی "وکٹوریہ تھیٹریکل کمپنی" کے آنے کے بعد پیدا ہوا ۔ سندھی زبان مین کئی ڈرامے لکھے گئے لیکن اردو مین مرزا قلیچ بیگ، "خورشید" (۱۸۷۸ء) مین اور "لیل و نہار عرف تقدیر کا کھیل" (۱۹۰۵ء) مین لکھ کر سبقت لے گئے ہین ۔ یہ دونون ڈرامے مسودے کی شکل مین مرزا اسد بیگ، قلیچ آباد، حیدرآباد کی لائبریری مین محفوظ ہین ۔

سوانح :-

سوانح نگاری مین حکیم فتح محمد صغیر سیوانی، مولانا عبیداللہ سندھی، قاضی علی اکبر درازی، پیر حسام الدین راشدی، شیخ مبارک ایاز اور رشید احمد لاشاری سندھ مین اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہین ۔ ان کی متعدد کتابون کا ذکر اس مقالہ مین کیا گیا ہے ۔

ادب و نقد :-

ادبی اور تنقیدی میدان مین ڈاکٹر ابراہیم خلیل، آغا تاج محمد خان، پیر حسام الدین راشدی، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، رشید احمد لاشاری، محمودہ رضویہ، پروفیسر غلام علی الانہ، پروفیسر میمن عبدالمجید سندھی، عبدالرزاق راز اور عبدالرزاق شاہد سومرو وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر شخصیتین ہین ۔ انھون نے اردو مین متعدد گران مایہ ادبی اور تنقیدی مضامین اور کتابین لکھی ہین جن کا تذکرہ اس مقالے مین کیا گیا ہے ۔

ناول اور افسانے :-

سندھی زبان میں چھوٹے قصے اور کہانیوں کا سلسلہ ۱۸۵۳ء سے شروع ہوا تھا جیسے " حکیم ایسپ کی کہانیاں " "بلی چوہے کا قصہ " " بھیجے زمین دار کی کہانی " " سدھاتوری اور کدھاتوری کا قصہ " وغیرہ ۔ یہ سب کتابیں بچوں کے نصاب میں بھی شامل تھیں ۔پھر جب فورٹ ولیم کالج میں اردو میں داستانیں لکھی جانے لگیں تو ان میں سے اکثر کے ترجمے اردو سے سندھی میں کئے گئے جیسے باغ و بہار اور الف لیلیٰ کا ترجمہ پاگل خنداں کے نام سے فسانۂ عجائب کا ترجمہ کچھ داستانیں طبع زاد بھی لکھی گئیں ۔ بعد میں اسی قصہ اور داستان نے افسانے اور ناولوں کا چولا بدل لیا ۔ مرزا قلیچ بیگ نے ۱۸۸۷ء میں سب سے پہلا ناول " دل آرام " اور ۱۸۹۰ء میں دوسرا ناول " زینت " لکھ کر سندھی زبان میں ناول نگاری کی بنیاد رکھی ۔ مرزا قلیچ بیگ کا کوئی اردو ناول نظر سے نہیں گذرا لیکن ان کے بعد سندھ میں اردو زبان میں کافی افسانے اور ناول لکھے جانے لگے ۔ سرور علی سرور حیدرآبادی کا انجام ظالم کریم بخش نظامانی کا "پندرھویں صدی " اور "کامیٹ موسوف کی ڈائری " (مخطوطہ) اور قاضی خادم کا ناول " شمع ہر رنگ میں جلتی ہے " ناولوں میں اور محمود رضویہ کا " سوز و ساز " "مشک و عود " "ھست و بود " " نمود وراز " میرمحمد نظامانی کا " کیسے بھلاؤں " کریم بخش نظامانی کا " ایک اور صبح " "تیر مرتی ماتھ " "لاٹھی ٹوٹ گئی " " تین بکرے " اور شیخ عبدالرزاق راز کا "ماروی کے دیس میں " اردو افسانوں اور کہانیوں میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں جن کا تعارف اس مقالے میں کرایا گیا ہے ۔

سفرنامہ :-

اردو میں ایک سفرنامہ پیر اسحاق جان سرہندی کا " سفرنامۂ ایران " کے نام سے ۱۹۶۰ء میں اور دوسرا غلام علی آزجہ کا " دیس بدیس " طبع ہوا ہے جو اس مقالے میں شامل کرلیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ اردو میں سندھیوں کا لکھا ہوا کوئی اور سفرنامہ میری نظر سے نہیں گذرا ۔

تاریخی اور علمی :-

تاریخ نویسی اور علمی موضوعات پر لکھنے کا مذاق سندھیوں میں شروع سے پایا جاتا ہے ۔ پھر پاکستان بننے کے بعد اس ذوق میں اور ترقی ہوئی ۔ سندھی اور اردو دونوں زبانوں میں ان موضوعات پر کتابیں لکھی جانے لگیں ۔ پیر حسام الدین راشدی کی کوششیں اس بارے میں خاص طور پر قابل ستائش ہیں ۔ ان کی کتاب " مرزا غازی خان ترخان اور اس کی بزم " اور "مکلی نامہ " خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ان کے علاوہ پروفیسر لطیف لطف اللہ بدوی کی تصانیف "پنہل چیسر اور سوہندی " " فتح سندھ " "تاریخ اندلس " " رام راج کی سازشیں " " تاریخ ادبیات سندھ اور محمود ؑ رضویہ کی " ملکۂ مشرق " قابل ذکر کتابیں ہیں جن کا ذکر اس مقالہ میں کیا گیا ہے ۔

صحافت :-

سندھ میں صحافت کی ابتدا ۱۸۳۲ء میں ایک اردو اخبار مسمہ لکھنو ہفت وار سے ہوئی تھی ۔ اس اردو ہفتہ وار کے بعد سندھیوں میں صحافیانہ شعور بیدار ہوا اور وہ صحافت کی اہمیت کو سمجھنے لگے ۔ پھر روزنامہ ، ہفتہ وار اور ماہ نامہ اخبار و

رسائل نکلنے لگے ـ سندھ کی دفتری زبان اس وقت تک فارسی تھی اس لیے ۱۸۸۵ء
مین شمس العلماء مرزا مخلص علی کے زیر ادارت ایک ہفتہ وار فارسی اخبار "مفرح القلوب"
کے نام سے جاری ہوا ـ مرزا مخلص علی کے بعد ان کے بیٹے محمد شفیع، پوتے مرزا
محمد صادق اور پڑپوتے مرزا محمد جعفر نے اپنے باپ دادا کی روایت کو قائم رکھتے
ہوئے صحافت مین اہم کردار ادا کیا ـ ۱۸۸۱ء مین ہفتہ وار فارسی اخبارات "اکلیل"
کراچی سے اور دوسرا "خورشید" سکھر سے مرزا محمد صادق نکالتے رہے ـ ۱۸۴۳ء
کے بعد جب انگریزوں کا سندھ پر مکمل تسلط ہوگیا تو ۱۸۵۲ء مین مسٹر اسٹریچ
نے انگریزی مین بھی سندھین Sindhian نامی اخبار نکالنا شروع کیا ـ یہ ہفتہ مین
دو مرتبہ بدھ اور سنیچر کو نکلتا تھا ـ اس کے علاوہ ایک اور انگریزی اخبار "بیکن"
(Beacon) بھی نکلتا تھا ـ

۱۸۶۶ء مین "سندھ سدھارا" کے نام سے سندھی مین ایک پندرہ روزہ
اخبار کا اجرا ہوا اور پھر سندھ مین صحافت کی ترقی دن دونی رات چوگنی ہونے لگی ـ
مختلف سیاسی اور سماجی تحریکوں نے صحافت کو اور بھی ترقی دی ـ ابتدا مین اردو
اخبارات سندھ سے کم نکلتے تھے اس کی وجہ بمبئی مین اس کی شمولیت تھی ـ اردو
اخبارات بمبئی سے نکلتے تھے جو سندھ کے مسائل پر بھی روشنی ڈالتے رہتے تھے ـ
لیکن بیسوین صدی عیسوی کے اوائل سے سندھ مین کچھ رسائل اور اخبارات اردو مین
نکلنے لگے ـ رسالہ "سہارا" رسالہ "الاسلام" وغیرہ اس سلسلے مین خاص طور پر
قابل ذکر ہین ـ پاکستان بننے کے بعد سندھ صحافت کے میدان مین لاہور اور بھارت پر

بھی سبقت لے گیا ــ سیکڑون کی تعداد مین معیاری روزنامے، ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہنامے رسائل و اخبارات اردو زبان مین شائع ہو رہے ہین ــ پاکستان بننے سے قبل اگرچہ اردو مین بہت کم اخبارات اور رسائل نکل رہے تھے لیکن صحافیون کی اس وقت بھی سندھ مین کمی نہ تھی ــ بے شمار ادیب اور صحافی اپنے مضامین لاہور، دھلی، لکھنو اور بمبئی کے اخبارات و رسائل مین پابندی سے بھیجتے رہتے تھے اور اپنے خیالات، نظریات اور تحریکات کو عوام کے سامنے پیش کرتے رہتے تھے ــ مشہور صحافیون مین میر رحیم داد خان مولائی شیدائی، میرزا گل حسن کربلائی، مولانا صاحب داد خان، سید الطاف حسین بخاری احسقر، پیر علی محمد راشدی، قاضی محمد اکبر، مولانا فضل احمد غزنوی، پروفیسر علی نواز جتوئی، پروفیسر میمن عبدالمجید سندھی، حکیم فتح محمد سیوانی، محمد ہاشم مخلص، نکہت پروین، مولانا غلام محمد گرامی، آصف جیلانی، پیر سید محب اللہ شاہ، پیر سید بدیع الدین شاہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہین جنھون نے " سہارا، الاسلام، انقلاب، زمیندار، احسان، شہباز، لیل و نہار، جنگ وغیرہ کے ذریعہ صحافت اور علم و ادب کی بیش بہا خدمات انجام دی ہین ــ

ترجمے :-

ترجمے اس لحاظ سے ادب مین بڑی اہمیت رکھتے ہین کہ اس کے ذریعہ ہم مختلف زبانون کے ان مول جواہر پارون کو اپنی زبان مین منتقل کرکے اسے مالا مال کرسکتے ہین ــ اردو ادب ترجمون کے معاملے مین شروع ہی سے بہت پیش پیش رہا ہے ــ اور اس بنا پر اس نے دیکھتے دیکھتے اپنے دامن مین بے شمار خزانے سمیٹ لئے ہین ــ

سندھی ادبا٫ مین قاضی علی اکبر درازی، پروفیسر لطف اللہ بدوی، غلام مصطفے قاسمی، شمس العلما٫ مرزا قلیچ بیگ، میر محمد نظامانی اور ظفر حسن خاص طور پر قابل ذکر ہین جنھون نے سندھی اور دوسری زبانون کے ترجمون سے اردو ادب کو مالا مال کردیا ہے ۔

بچون کا ادب :۔

بچون کے ادب کے لیے عبدالواحد سندھی بہت زیادہ مشہور ہین ۔ اس سلسلے مین انھون نے اردو کی اور بچون کی بڑی خدمات انجام دی ہین ۔ روٹی کس نے پکائی، بندر اور نائی، بی مینڈکی اور کوا، لومڑی کا گھر، جادو کا گھر، چل میرے مٹکے ٹمک ٹم پان کھاکر طبلہ بجاکر، پکڑ دم کٹے کو، دال تو خوب پکی، پانسے ہوئے دیو کو کس نے ہرایا، چھوٹی رانی، مچھیرا اور اس کی بیوی، عیدومیان کی عیدین قرآن پاک کیا ہے، اسلام کیسے پھیلا، اسلام کے مشہور امیرالبحر، اسلام کے مشہور سپہ سالار اور اس طرح کی بہت سی کتابین اخلاقی مذہبی اور سماجی موضوعات پر لکھ کر انھون نے سندھ کے بچون مین اردو کا شوق پیدا کرایا ۔

بچون کے لیے کتابین لکھنے والی ایک دوسری شخصیت محمودہ رضویہ کی ہے ۔ اردو کی یہ بھی مستند ادیبہ ہین ۔ انھون نے بھی بچون کے لیے دو بھائی، ننھا مجاہد، جان باز، جیسی کئی دلچسپ کتابین لکھی ہین ۔ ان تمام اشخاص کا ذکر اس مقالے مین اردو کے نثر نگار کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور ان کی خدمات کو روشناس کرانے کی کوشش کی گئی ہے ۔

حِصّہ اوّل

حصہ اول

اقوام اور زبان کی حقیقت

اس آیت کریمہ " یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا " [1] کے مطابق جہان یہ علم ہوتا ہے کہ انسان ایک آدم کی اولاد ہونے کے باوجود مختلف قبائل اور خاندانوں مین بٹا ہوا ہے وہان اس دوسری آیت کریمہ کو پڑھ کر " وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ " [2] ہم پر یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ دنیا کی ساری زبانین اور جاکر ایک ہی مان کی ذریات ہونے کے باوجود گونا گون اور مختلف النوع معلوم ہوتی ہین اور اس کو اللہ تعالٰی نے اپنی نشانیون مین سے ایک نشانی قرار دیا ہے ۔

---

[1] " اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس مین ایک دوسرے کو پہچانو تو تمہاری جماعتین اور قبیلے بنادے ہین ۔ " (سورۃ حجرات ۔ آیت ۱۳)

[2] " اس کی قدرت کی نشانیون مین سے آسمانون اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانون اور رنگتون کا اختلاف بھی ہے ۔ دانشمندون کے لیے اس مین یقینا بڑی بڑی عبرتین ہین ۔ " (ترجمہ از "تفسیر ابن کثیر" اردو) سورۃ ۔ روم آیت ۲۲)

سندھ کا سیاسی پس منظر | محمد بن قاسم سے پہلے بھی حضرت عمر کے دور خلافت مین مغیرہ بن عاص نے سندھ پر بحری حملہ کیا تھا اور دیبل پر لنگرانداز ہوکر دشمنون کو شکست دی تھی لیکن یہ وقتی اور عارضی تھا ۔ مال غنیمت لے کر اسلامی فوج واپس ہوگئی ۔ ان حملون کا مقصد زیادہ تر بحری ڈاکوؤن کا انسداد تھا جو تاجرون اور مسافرون کے جہازون کو لوٹ کر سندھ اور کاٹھیاواڑکی بندرگاہون مین پناہ گزین ہوجاتے تھے ۔

مغیرہ بن عاص کے بعد سندھ پر بری حملہ ۲۲ھ مین ہوا جب کہ تمام ایران فتح کرلینے کے بعد عبداللہ بن عامر بن ربیع مکران پر حملہ آور ہوئے اور وہان سندھی اور مکرانی دونون متحدہ فوجون کو شکست دے کر مکران کو زیر نگین کرلیا ۔ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مکران کے راجا کی حمایت مین سندھ کے راجا نے عربون سے پرخاش مول لی ۔

سندھ پر عربون کا مکمل قبضہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد مین ہوا جب کہ دیبل کی بندرگاہ پر بحری قزاقون نے ایک عرب تاجر کی بیوی بچون کے قافلہ اور سامان سے لدے جہاز کو لوٹ لیا تھا اور حجاج بن یوسف کے احتجاج کے باوجود راجا داھر نے اس کی تلافی کرنے سے انکار کردیا تھا ۔ مشہور ہے کہ اس لٹے ہوئے قافلے کی ایک عورت "فریاد یا حجاج" پکار اٹھی تھی جس کی اطلاع پاکر حجاج بے اختیار چیخ اٹھا تھا کہ "ھان مین آیا" ۔ اس واقعہ سے متاثر ہوکر گورنر حجاج نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے اجازت لے کر اپنے

بھتیجے محمد بن قاسم کو داہر کی سرکوبی پر مامور کیا ۔ محمد بن قاسم سے داہر کی فوجون کی کئی خون ریز جنگین ہوئین ۔ آخری اور فیصلہ کن جنگ جس نے سندھ بلکہ برصغیر کی تاریخ بدل دی ۱۰ رمضان المبارک روز پنجشنبہ ۹۳ھ کو ہوئی اور اس سے سندھ اسلامی سلطنت کے زیر نگین آگیا ۔

محمد بن قاسم نے سندھ پر فتح حاصل کرلینے کے بعد سب سے اہم کام یہ کیا کہ اضلاع سندھ کے بڑے بڑے زمین دارون کو تبلیغ اسلام کے لیے خطوط بھیجے اس طرح نوراسلام کی ضیا پورے سندھ مین تیزی سے پھیلنے لگی ۔ سندھ کے زمین دار جاگیردار اور عوام اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد اللہ اپنے خدا کے کلام اور رسول کے پیغام اور اسوۂ حسنہ سے واقف ہونے کے بھی خواہش مند ہوئے ۔ اس طرح عربی زبان اسلامی کلچر تہذیب اور اخلاق سندھ اور اطراف سندھ مین پھیلنے لگا ۔ مال گذاری کی وصولی پر محمد بن قاسم نے سندھ کے برہمنون کو ہی اس ہدایت کے ساتھ متعین کیا کہ :۔

[1] " جہان تک ممکن ہو رعایا پر جبر و ظلم نہ کرین ۔ ان کی طاقت اور استطاعت سے زیادہ لگان اور جزیہ نہ وصول کیا جائے ۔ ہمیشہ آپس مین اتفاق رکھین اور رعایا کے لیے جو مفید ہو اس کی اطلاع دین تاکہ اس پر عمل در آمد کیا جائے ۔ "

ساتھ ہی اس نے ہندوؤن کو مذہبی امور کے ادا مین ہر طرح کی آزادی دے دی ۔ بلکہ تحصیل خراج پر جو عمال مقرر تھے ان کو ہدایت کی کہ خراج کی آمدنی

---

[1] تاریخ سندھ از ابوظفر ندوی ص ۸۱ ۔ مطبوعہ ۱۹۲۷ء اعظم گڑھ ۔

مين سے تين فی صد علاحدہ کر کے ان غریب برھمنون کو دے دیا جائے جو
مدد کے مستحق ہون ۔ فاتح سپہ سالار کی اس فیاضانہ اور رحم دلانہ کارروائی
نے سارے ہندو رعایا کا دل جیت لیا ۔

محمد بن قاسم کی ایک خاص پالیسی یہ بھی رہی کہ وہ راج کارون سردارون
اور وزراء مین سے جو مطیع ہوجاتے ان کو ان کی صلاحیتون اور رتبے کے
مطابق ملکی اختیارات اور انتظامات مین اپنا شریک کار بنالیتا تھا چنان چہ راج کمار
کسکا جس نے فتح اسکلندہ مین پوری جان بازی دکھائی تھی اور وزراء اور
سردارون مین سی ساکر اور موکا اس کی مثالین ہین ۔ اس پالیسی سے فاتحین
اور مفتوحین کے شیر و شکر ہونے مین بڑی مدد ملی ۔ ساری نفرت اور دوری بہت
جلد ختم ہوگئی ۔ عرب فاتحین کی زبان کلچر اور تمدن مسلم اور غیر مسلم
سندھیون کے لیے نہ صرف قابل قبول بلکہ دل کشی اور دلچسپی کا باعث بن گیا ۔
اس سے سندھ مین عربی زبان اور اسلامی کلچر کے پھیلنے مین بہت مدد ملی ۔

پچیس تیس برس تک اہل سندھ اسلامی حکومت کے ماتحت رہنے کے بعد
نہ صرف عربون کی زبان کلچر اور اخلاق سے متاثر ہوئے تھے بلکہ اب یہ
دارالخلافہ کی سیاست مین بھی حصہ لینے لگے تھے ۔ سندھ کے لوگ مرکزی فوج
اور مرکزی حکومت کے مختلف شعبون مین دخیل ہوگئے تھے ۔ سیاسی اور فوجی
امور کے علاوہ علمی میدان مین بھی سندھی اپنے عرب بھائیون سے پیچھے نہین
رہے تھے ۔ ابوعطا جس کی عربی شاعری کے عام عرب معترف تھے اور علامہ

ابن اثیر نے بھی متعدد جگہ اس کے اشعار کو پیش کر کے اس کے کمال کا اعتراف کیا ہے، سندھی تھا۔ اب سندھی قوم نسل اور زبان کے لحاظ سے ایک آمیزہ کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ ان میں کچھ تو خالص سندھی مسلمان تھے، کچھ عرب و سندھ سے مخلوط نسل کے تھے اور کچھ خالص عرب تھے جنھوں نے سندھ کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔

سندھی زبان کو آب و تاب دینے اور قابل توجہ بنانے میں بھی عربوں ہی کا ہاتھ رہا ہے۔ عربوں سے پہلے سندھی زبان کی تشکیل زیادہ تر مفرد الفاظ پر مبنی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے سندھی زبان کو اپنی تصنیف " سندھی بولی جی مختصر تاریخ " میں عربی النسل لکھ دیا ہے۔ جس میں اسلامی فتوحات سے پہلے صرف و نحو کے کوئی اصول اور قواعد موجود نہ تھے۔ محض ایک خام اور نامکمل شکل اس کی نظر آتی تھی۔ عربی زبان نے اس کو ہزاروں الفاظ صرف و نحو اور بہت سی ترکیبیں عطا کیں اور اس نیم پختہ زبان کو ایک مکمل شکل میں پیش کیا۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو :۔ (ترجمہ) [1]

" سندھی بولی کی تشکیل اور بننے کا بنیادی دور تقریباً " رائے اور برھمن حکومت اور عرب حکومت کا دور ہے اور اس دور کو چھٹی صدی عیسوی سے گیارھویں صدی عیسوی تک سمجھنا چاھئے۔ اسی دور میں

---

[1] تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی (حصہ اول) صفحہ ۲۸۶ ۔ ۲۸۷ مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاھور ۱۹۷۱ء

موجودہ سندھی بولی متشکل ہوئی۔ہمارے پاس یقینی تو کیا کوئی احتمالی دلیل بھی اس کے لیے موجود نہین کہ برہمنون اور عربون کی حکومت سے قبل موجودہ سندھی زبان کا کوئی ہلکا سا خاکہ بھی کسی صورت مین موجود تھا ...... "

" معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک زبان کی تشکیل اکثر مفرد الفاظ پر مبنی تھی ـ .... افعال ابھی تک جملے کے ربط و ارتباط اور ترکیب کے لازمی اجزا نہین بنے تھے ـ "

"ماضی کے مطالعہ سے الفاظ کی تشکیل اور بناوٹ کے لحاظ سے ہم سمجھتے ہین کہ عربی کے اثر سے قبل سندھی الفاظ حروف صحیحہ کے مرکبات تھے جیساکہ سندھی کے اکثر الفاظ مثلاً" مکھ ، نتھ ، ککڑ ، مکڑ ، گدڑ (گیدڑ) وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے ـ

سندھی چون کہ بہت خام زبان تھی اس لیے عام نحوی خصوصیات مثلاً" ضمائر ، افعال ، اسماے فاعل ، اسماے مفعول وغیرہ عربی سے سندھی زبان مین آئے ـ سندھی مین ضمیر متکلم "اٴ" عربی الاصل ہے جو "انا " سے ماخوذ ہے ـ عربی صیغۂ مفعول سے آخری "ل "اپناکر سندھی نے اپنے عام اسماے مفعول بنائے ـ کیون کہ سندھی کے اسماے مفعول مین آخری حرف "ل " ہوتا ہے ـ "

خلفاے بنو امیہ کے زوال اور پھر عباسی خلفاے بغداد کے انحطاط کے بعد سندھ پر ھبّاری خاندان کی حکومت قائم ہوگئی اور سندھ دارالخلافہ بغداد سے ایک گونہ علاحدہ ہوگیا ـ اس خاندان کا پہلا حکمران منذر بن زبیر کا پوتا عمر بن عبدالعزیز

تھا جو قبیلہ قریش کی ایک شاخ کا فرد تھا ۔ اس کا مورث اعلیٰ ھبار بن اسود تھا یہ خاندان عرب سے سندھ آکر شہر بانیہ میں بس گیا تھا ۔عمر بن عبدالعزیز بڑا چالاک آدمی تھا ۔ اس نے پورے سندھ پر قابض ہونے کے بعد بھی دارالخلافہ سے رشتہ نہیں توڑا ۔ برابر خلیفہ کا خطبہ پڑھواتا رہا ۔ کم زور خلفاء اسی کو بہت بڑی نعمت سمجھتے رہے اور کبھی اس کے معاملات میں مداخلت نہ کی ۔ اوائل تیسری صدی ہجری میں ھباری خاندان سندھ میں برسر اقتدار آیا تھا ۔ ۲۷۹ھ میں اس خاندان کی کم زوری سے فائدہ اٹھاکر بنو سامہ ملتان پر قابض ہوگئے جس کا پہلا فرمان روا اسد قریشی تھا ۔ تقریبا " ایک سو سال بعد ۳۷۲ھ میں اسماعیلیوں نے ملتان میں بغاوت کرا کے بنو سامہ خاندان کا تختہ الٹ دیا ۔ اور خود قابض ہوکر فاطمی خلیفہ کا سکہ اور خطبہ جاری کردیا ۔

۴۰۱ھ کے بعد ملتان کے اسماعیلیوں نے اپنی طاقت مجتمع کرکے منصورہ پر بھی قبضہ کرلیا جو ھباری خاندان کا دارالسلطنت تھا ۔ اس طرح ھباری خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور ان کی جگہ ملتان اور منصورہ دونوں میں اسماعیلیوں کی حکومت قائم ہوگئی ۔ منصورہ کا والی ابو خفیف تھا ۔ محمود غزنوی (قرامطہ) اسماعیلیوں کا سخت دشمن تھا اور یہ لوگ بھی اس کی تباہی اور ایذا رسانی کے درپے تھے ۔ ملتان کو ۴۰۱ھ میں وہ فتح کر چکا تھا اور اس کے حاکم داؤد بن نصر کو گرفتار کرکے قلعہ غورک میں مقید کردیا تھا ۔ سومنات سے واپسی پر ۴۱۶ھ میں ابو خفیف بھی مارا گیا اور منصورہ محمود غزنوی کے زیر نگین آگیا ۔ اس واقعہ کے

بارے مین ابن اثیر لکھتا ہے :-

سلہ
" سلطان نے منصورہ کا قصد کیا - یہان کا والی (ابو خفیف) اسلام سے پھر گیا تھا یعنی اسماعیلیہ ہوگیا تھا - اس کو جب سلطان کی آمد کی خبر ہوئی تو شہر سے نکل کر بھاگا اور اپنے آدمیون کو لے کر جھاڑیون مین چھپ گیا - سلطان محمود نے اس کا تعاقب کیا اور دو طرف سے اس پر حملہ آور ہوا - اس مین بہت سے آدمی مارے گئے اور بہت سے دریا مین ڈوب گئے - " (ترجمہ)

منصورہ کی سلطنت محمود کے زیر نگین ہونے کے بعد اگرچہ اسماعیلیون کی ظاہری حکومت کا خاتمہ ہوگیا تھا لیکن مصر کے فاطمی خلفاء کی مدد سے یہ برابر سازش مین مشغول رہے اور منصورہ کے اطراف کے ایک طاقتور زمین دار سومرا نامی کو اپنا سردار منتخب کر کے برابر حصول اقتدار کے لیے جدوجہد کرتے رہے - یہان تک کہ سلطان عبدالرشید غزنوی کے عہد مین جب غزنوی سلطنت کم زور ہوئی تو یہی شخص پورے سندھ پر اپنی حکومت قائم کر کے خاندان سومرا کا بانی ہوا جس کی مختلف شاخون نے سندھ پر تقریبا " تین سو ترپن برس تک حکومت کی - ۷۵۲ھ مین سمہ خاندان کے انار بن بابیہ سمہ نے ان کو شکست دے کر سندھ کی سلطنت پر قبضہ کرلیا اور ایک نیا شہر سامونی نامی قائم کر کے اپنا پایہ تخت بنایا - بقول معصومی سمہ خاندان کے سولہ حکم ران "جام" کے لقب کے ساتھ کسی

سلہ الکامل ابن اثیر جلد (نہم) ص ۱۱۹ مطبوعہ مصر سنہ نہ دارد

نہ کسی طرح سندھ پر حکم ران رہے ۔ ان کا مغلون سے برابر تصادم ہوتا رہا ۔ ان کا آخری حکم ران جام فیروز تھا ۔ سمہ خاندان کے زوال کے بعد ارغون خاندان کا آفتاب اقبال طلوع ہوا ۔ ارغون چنگیز خان کی نسل سے تھے ۔ اس خاندان کا سب سے پہلا شخص جس نے ٹھٹھہ (سندھ) پر حملہ کر کے قبضہ کیا وہ شاہ بیگ ابن امیر ذوالنون ابن میر حسن تھا ۔ یہ خاندان سندھ پر صرف چھتیس برس حکم ران رہا ۔ ارغون کے بعد ترخان خاندان کا عروج ہوا ۔ اس کا بانی عیسیٰ خان ترخان بڑا بہادر اور باتدبیر سردار تھا لیکن اس کا بیٹا عبدالباقی ترخان حواس باختہ سردار تھا ۔ اس کی وفات کے بعد جانی بیگ نے بڑی شان اور دبدبہ سے سندھ کی حکومت چلائی لیکن اکبر بادشاہ کے اقبال کے سامنے اس کی کچھ نہ چلی اور بالآخر وہ سپر انداز ہوکر اکبری دربار کے امراء مین شامل ہوگیا اور اپنے بیٹے غازی بیگ ترخان کو سندھ کی حکومت دلوادی ۔ اس طرح کچھ عرصہ تک سندھ براہ راست مغلون کی سلطنت مین شامل رہا اور سندھ کے گورنر دہلی سے آتے رہے ۔ اس دور مین فارسی کا بہت عروج ہوا اور بعض فارسی گو شعراء اردو مین بھی تفنن طبع کے لیے شاعری کر لیتے تھے لیکن سندھی کی ترقی مین رکاوٹ نہ ہوئی ۔ سندھی عوام کی زبان رہی اور سمہ خاندان کے دور مین سندھی زبان و ادب کی جو ترقی شروع ہوچکی تھی وہ برابر جاری رہی ۔

ترخان کے بعد سندھ پر کلہوڑون کی حکومت قائم ہوئی ۔ اس خاندان کو

حضرت عباس سے نسبی تعلق ہونے کا شرف حاصل تھا ۔ اسی لیے اس خاندان کے لوگ اپنے کو عباسی کہتے تھے ۔ اس خاندان کی ابتدا روحانی کسب و کمال سے ہوئی تھی ۔ اس خاندان میں بہت سے صوفیاے باکمال گذرے تھے ۔ چنان چہ آخر وقت تک پیری مریدی کا سلسلہ اس خاندان میں بادشاہت کے ساتھ جاری رہا ۔ میاں نور محمد خان کلہوڑا اس خاندان کے بہت اولوالعزم حکم ران گذرے ہیں جن کے زمانے میں علم و ادب کی بڑی سرپرستی ہوئی اور سندھی زبان نے بھی بہت ترقی کی ۔ کلہوڑوں کے بعد تال پور خاندان سندھ پر حکم ران ہوا ۔ اس خاندان میں بھی بڑے بڑے اولوالعزم حکم ران گذرے ۔ اس کے آخری حکم ران نصیرالدین تال پور تھے جن سے ۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے تخت و تاج اپنے قبضہ میں لیا ۔ پھر تقریبا " ایک سو سال تک اس ملک کی قسمت انگریزوں سے وابستہ رہی اور وہ اس کو اپنے مفاد کے مطابق بناتے بگاڑتے رہے ۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان آزاد ہوا اور برصغیر کو ہندوستان اور پاکستان دو حصے میں تقسیم کیا گیا تو سندھ مملکت خدا داد پاکستان کے ایک صوبہ کی حیثیت سے نئی آن بان سے دنیا کے نقشہ پر ابھرا ہے اور اب یہاں ہندوستان کے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کے آجانے سے یہ اردو ادب کا گہوارہ اور مرکز شمار کیا جاتا ہے ۔

سندھ کا تمدنی اور تہذیبی پس منظر

برصغیر پاک و ہند کے دوسرے صوبوں کی طرح سندھ کا تمدن بھی مزاج کے اعتبار سے ایک مخلوط تمدن ہے جس کی تعمیر مختلف افکار و نظریات اور تہذیب و تمدن سے ہوئی ہے ۔ موہنجوڈارو

اور ہڑپہ کی دریافت کے بعد یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ دو ہزار تین سو سال قبل مسیح مین وادی سندھ ایک عظیم حکومت کا گہوارہ تھی اور اس کے دو دارالحکومت تھے ۔ ایک ہڑپہ اور دوسرا موہنجوڈارو ۔ ہڑپہ راوی کے مشرقی کنارے پر واقع تھا اور موہنجوڈارو ہڑپہ سے چار سو میل دور لاڑکانہ مین دریاے سندھ کے کنارے، واقع تھا اور یہ دونون ایک مملکت کے دو ہم عصر پایہ تخت تھے ۔[1] تاریخ اپنے کو بار بار دہراتی ہے کے اصول پر اسی طرح کی مثال ہمین نوین صدی ہجری مین عربون کے زمانۂ اقتدار مین بھی ملتی ہے جب کہ وادی سندھ کے شمالی حصے کا پایہ تخت ملتان (ہڑپہ کے قریب) اور جنوبی حصے کا پایہ تخت منصورہ (موہنجوڈارو کے قریب) موجود تھا ۔[2]

موہنجوڈارو کے عہد کے وادی سندھ کی تہذیب موجودہ تحقیقات اور انکشافات کی بنا پر ایک ہزار میل سے زیادہ وسیع علاقے پر پھیلی ہوئی تھی ۔ اس وسیع علاقے مین ہزارون بستیان آباد رہی ہون گی جن مین سے چنہوڈارو، علی مراد، امری، داھر کوٹ اور کوٹ ڈیجی نامی متعدد بستیون کی نشان دہی بھی ۳۱ تک ہوچکی ہے ۔ موہنجوڈارو کے علاقون مین ہزارون مکانات، لاتعداد گلیان اور بے شمار کوئین، حوض، غسل خانے ملتے ہین ۔ یہان کی گلیان کشادہ نظر آتی ہین ۔ گندہ پانی کے نکاس کا خاص انتظام بھی تھا ۔ موہنجوڈارو اور ہڑپہ کی کھدائی

(1) Prehistoric India By Stuart Piggot, page 149-50, Published in 1952, London.

(2) Five thousand years of Pakistan By R.E. M. Wheeler, page 30, Published in 1950, London.

سے بہت سی دلچسپ چیزوں کا انکشاف ہوا ہے مثلاً" ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں غلہ کی کوٹھیاں، مزدوروں کے لیے کوارٹر اور مردوں کے لیے قبرستان تھے ۔ شہر کے چاروں طرف ایک شہر پناہ کا بھی پتا چلتا ہے ۔ وادی سندھ کے آثار اور کھنڈرات کو دیکھ کر ایک انگریز محقق بے ساختہ کہہ اٹھا تھا کہ وہ اپنے کو آج کے لنکا شائر کے تخیلی کھنڈرات میں کھڑا پا رہا ہے ۔ پھر موہنجوڈارو کی شاہ راہ اول اور شاہ راہ مشرق کے اتصال کو اس نے اکسفورڈ سرکس کے چوراہے سے تشبیہہ دی تھی[1] پہلی نظر میں اس انگریز مصنف کا ریمارک عجیب سا معلوم ہوتا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ بے بنیاد نہیں ۔ متمدن اور مہذب قوم سے آباد شہروں کی بنیادی بات ان کا باقاعدہ منصوبہ کے تحت آباد اور اس کے محل وقوع کا خارجی اور داخلی رکاوٹوں سے پاک ہونا ہے ۔ دوسری اہم بات وہاں ایسی مرکزی بااختیار انتظامیہ کا وجود ہے جو سڑکوں، گلیوں، کنووں کی دیکھ بھال کرتی ہو اور یہ دونوں باتیں وادی سندھ کے قدیم کھنڈرات سے ظاہر ہوتی ہیں ۔ ہمیں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہاں کے باشندے غایت درجہ مہذب اور متمدن شہریوں کی طرح فارغ البال زندگی گذارتے تھے اور سماجی قوانین کی پابندی ان کا شعار تھا ۔ ان کے مکانات کشادہ، گلیاں وسیع اور ہرجگہ گندے پانی کے نکاسی کا انتظام تھا ۔ ہر مکان میں علاحدہ باورچی خانہ اور غسل خانہ موجود تھا ۔ اکثر مکانات میں بالائی منزل بھی تھے جن پر جانے کے لیے زینے بنے ہوئے تھے ۔

---

[1] وادی سندھ کی تہذیب از محمد ادریس صدیقی ص ٥٦
مطبوعہ ۱۹۵۹ء کراچی

صنعت کارون اور کاری گرون کے لیے کوارٹر اور کام کرنے کے لیے بھٹیان بھی موجود تھین - ان بھٹیون کا صحیح مصرف تو نہین معلوم لیکن دریافت شدہ شواھد سے پتا چلتا ھے کہ یہ کانسی گرنے کی بھٹیان تھین - وھان کے لوگ تجارت کے ساتھ ساتھ زراعت مین بھی بڑے ماھر تھے - مویشی پالنے سے انھین خاص شغف تھا - روئی یہان کی خاص پیداوار تھی اور قرینہ اغلب ھے کہ اس پیداوار کی مناسبت سے آریون نے اس کا نام " سندھو " رکھا ھوگا کیون کہ سنسکرت مین سندھو کے معنی " روئی " کے ھین - طرح طرح کے کپڑے بننے مین یہ لوگ بڑے ھوشیار تھے - ان کے کپڑے دوسری جگہ بھی جاتے ھون گے -

وھان کے مرد بالعموم کپڑے پہنتے تھے - امیر لوگ اور سرداران قوم سوزن کاری کیے ھوئے منقش کپڑے استعمال کرتے تھے وھان کے بعض مجسمون سے پتا چلتا ھے کہ وھان کے لوگ ایک ساڑھی یا سوزن کاری کی ھوئی چادر اس طرح اوڑھ لیتے تھے کہ بایان بازو ڈھانکتے ھوئے داھنے ھاتھ کی بغل سے گذر کر پیٹھ کی طرف مڑ جاتی تھی - ایک مجسمے مین دھوتی قسم کی ایک پوشاک بھی دکھائی گئی ھے - عورتون مین آرائش گیسو کا کم اور زیورات پہننے کا زیادہ شوق تھا - ان کے زیورات مین سونے چاندی کے قیمتی ھار سادہ اور جڑاؤ منکے ناک کی کیلین دست بند کنگن اور کڑے دریافت ھوئے ھین جن سے پتا چلتا ھے کہ اس دور مین عورتین ان زیورات کو کثرت سے استعمال کرتی تھین - سنگھار کی شوقین تھین اور افزائش حسن کے لیے ان کے یہان سرمہ اور غازہ کا استعمال ھوتا تھا

کیون کہ موہنجوڈارو کی باقیات مین سرمہ دانیان اور سلائیان بہ کثرت ملی ہین ۔

وادی سندھ کے قدیم باشندے رقص و سرود کے بھی رسیا تھے کیون کہ کانسی کے بنے رقاصاؤن کے بہت زیادہ مجسمے دستیاب ہوئے ہین ۔ علاج معالجہ سحر جادو وغیرہ مین بھی یہ بڑے چالاک تھے ۔ علم نجوم مین ان کو خاص دست گاہ حاصل تھی ۔ ان کے بعض بعض مذھبی عقائد آریون سے ملتے جلتے ہین ۔ اصنام پرستی، ناگ دیوتا اور دوسرے جانورون کے ساتھ درختون اور دریاؤن کی پرستش بھی ان کے مذھبی عقائد مین شامل تھی ۔ دیوتاؤن کے سامنے رقص و سرود کے یہ بھی قائل تھے ۔

وادی سندھ کے قدیم باشندے اپنا ایک رسم الخط اور زبان بھی رکھتے تھے لیکن ان کے زوال اور بربادی کے ساتھ ان کی زبان کا بھی پتا نہین رہا ۔ موہنجوڈارو اور ہڑپہ کے کھنڈرات سے دستیاب شدہ چند مہرون اور ظروف پر کندہ کچھ کتبے اس دور کے ہم لوگون کے سامنے ہین لیکن وہ اب تک ناقابل فہم ہین اور ہم ابھی تک ان کا صحیح نشان و پتا نہین چلا سکے ۔ اکثر ماہرین لسانیات نے جن مین مسٹر ویڈل[1] (L.A. Waddell) سر جان مارشل[2] (Sir Johan Marshall) پروفیسر بروا (Birwa) ڈاکٹر کرمارکر اور مولانا ابوجلال ندوی[3] خاص

---

(1) L.A. Waddel, The Indo Sunerian seals deciphered, Published in 1925, London.

(2) Mohenjodaro and the Indus civilization, II, By Johan Marshall, page 430-432, Published in 1931, London.

(3) مولانا ابو جلال ندوی "رسالہ تاریخ و سیاست" مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان بابت نومبر ۱۹۵۳ء ۔

طور پر قابل ذکر ہین اپنی اپنی سمجھ اور علم و فراست کے مطابق اس کسی
نشان دہی کرنے کی کوشش کی ہے لیکن نمایان کامیابی کسی کو حاصل نہین ہوئی
اور یہ مسئلہ جہان تھا آج بھی وہین ہے لیکن وادی سندھ کے ان قدیم
کستبون سے یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ عبارت مین اس پختگی تک پہنچنے کے لیے
بہت سے ابتدائی نقوش بنے اور مٹے ہون گے جن سے یہ ترقی یافتہ شکل پیدا
ہوئی ہوگی ۔

موہنجوڈارو عہد سے قطع نظر عرب فاتحین جس وقت سندھ مین داخل ہوئے
اس وقت یہان برہمنون کی حکومت تھی جن کے ظالمانہ اور متکبرانہ انداز اور غیرمتوازن
قانون نے یہان کی تمام غیر برہمن آبادی کو ظلم و تشدد کی چکی مین پیس کر رکھ
دیا تھا۔لوٹ مار، غلط کاری اور افلاس مین عوام مبتلا تھے ۔ حکم ران طبقہ کے علاوہ
عام طبقے جن مین بہت بڑی اکثریت بودھ مذہب کے پیروون کی تھی، جانورون
کی زندگی گذارنے پر مجبور کر دئیے گئے تھے ۔ خوش حالی اور فارغ البالی نام کی
کوئی چیز وہان موجود نہ تھی ۔ تجارت زراعت سب ہی کا حال برا تھا ۔ ان
حالات مین محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا جن کا وجود وہان کے عوام اور ملک
کے لیے رحمت الٰہی ثابت ہوا ۔ انھون نے نہ صرف تمام باشندون کی مذہبی
آزادی کو بحال رکھا بلکہ مندرون اور پروہتون کے اخراجات کے لیے جاگیرین عنایت
کین ۔ مظلومون کی حمایت اور دادرسی کی، قتل و غارت گری اور ظلم و تشدد کا مکمل
طور پر خاتمہ کر کے امن قائم کر دیا ۔ ملک کی معاشی اور اقتصادی حالت کو فروغ

دیا ۔ زراعت اور تجارت مین مختلف منصوبون کے تحت بڑی بڑی ترقیان کین، جگہ جگہ باغ لگائے اور پورے ملک کو گل و گل زار بنا دیا ۔ بقول بشاری :۔

سلہ" یہان سرسبز و شاداب باغات سطح زمین پر پھیلے ہوئے ہین ۔ یہان کے درخت لمبے لمبے ہوتے ہین اور پھل اچھے ۔ عام شہر آخروٹ اور بادام کے درختون سے ڈھکا پڑا ہے ۔کیلا اور دوسرے تر میوون کی کثرت ہے ۔"

عربون کے بعد جتنے حکم ران خاندان آئے سب ہی سندھ کی اقتصادی اور تمدنی ترقی مین کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کرتے گئے ۔ مثلاً "مغلون کے عہد عروج مین اس عظیم الشان شاہنشاہی نے عمومی حیثیت مین جو امن قائم کردیا تھا اس سے سندھ کافی مستفید ہوا ۔ اس عہد مین سندھ کی صنعتون نے بہت ترقی کی اور اس کی تجارت دنیا کے مختلف حصون مین پھیل گئی ۔ ٹھٹھہ بین الاقوامی تجارت کا مرکز بن گیا ۔ اس عہد مین بڑے بڑے فرنگستانی تاجرون نے صوبے مین اپنی فیکٹریان قائم کین ۔" لیکن سب سے زیادہ تمدنی، صنعتی، اقتصادی، علمی اور ادبی ترقی کلہوڑون اور تال پورون کے عہد حکومت مین ہوئی ۔

سندھ کے باشندے متوسط قد کے جفاکش لوگ ہین جسم گٹھے ہوئے، رنگ سانولے، آنکھین اور بال سیاہ، دانت غیر معمولی طور پر عمدہ اور مضبوط، سرون پر لمبے بال، پگڑیان بہت بڑی باندھتے ہین ۔ مسلمان زیادہ تر سنّی اور حنفی ہین ۔ ان مین طبقات بندی شروع سے اب تک چلی آرہی ہے لیکن طبقات بندی کے مضر

سلہ تاریخ سندھ از ابوظفر ندوی ص ۳۳۲

اثرات اور تلخی سے پہلے یہ لوگ بہت کم آشنا تھے ـ ان میں معمولی حاری اور کاشتکار بھی تھے اور بڑے بڑے زمین دار، جاگیردار اور سردار بھی ـ علماء فضلاء اور سادات بھی تھے اور صوفیائے کرام بھی ـ عوام ان سب کی عزت کرتے تھے اور خاص کر علماء، فضلاء، سادات اور صوفیاء کی حد درجہ قدر و منزلت کرتے تھے ـ عوام باہم محبت اور صلح و آشتی سے رہتے تھے جیسے ایک خاندان کے لوگ رہتے ہوں ـ دیہات میں بالعموم کچے مکانات ہوتے تھے اور شہر میں اونچے اونچے شان دار اور پر شکوہ مکانات ہر جگہ دکھائی دیتے تھے ـ عام لوگ کھیتی باڑی اور صنعت و حرفت کے کاموں میں مشغول رہتے تھے ـ عام آدمیوں کا لباس شلوار (سُتھن)، لمبا کرتہ (پہرن) اور بڑی پگڑی ہوتا تھا ـ ہندو دھوتی، انگرکھا اور پگڑی پہنتے تھے ـ ٹوپیوں کا دستور تال پوروں کے عہد حکومت میں زیادہ ہوا ـ داڑھی کے ساتھ ساتھ سر کے بال بھی لمبے رکھتے تھے ـ ہندوؤں کی طرح داڑھی منڈانے کا رواج ان میں کبھی نہیں رہا ـ

سندھ کے لوگوں کی عام اور مرغوب غذا چاول اور مچھلی تھی ـ گندم کا استعمال بھی بہ کثرت تھا ـ غریب لوگ جوار اور باجرا کی روٹیوں اور پیاز پر بسر کرلیتے تھے امراء شکار کے بڑے شوقین تھے اور پرندوں کا گوشت بہت شوق سے کھاتے تھے ـ

انگریزوں سے پہلے ہر عہد حکومت میں غلہ اور تمام اجناس کی بڑی ارزانی تھی خاص کر کلہوڑوں کے زمانے میں گندم وغیرہ پانچ آنے اور دس آنے فی من تک ملتا تھا ـ اس لیے عوام کی زندگی بڑی خوش‌حالی سے گذرتی تھی ـ یورپین اقوام کے

کارخانون کے قیام کے بعد دست‌کارون کے لیے دشواریان پیدا ہوئے لیکن ورنہ اس سے پیشتر ہر گانو مین دست‌کار مختلف چیزین بناتے تھے اور ان سے اہل ملک کی ضرورتین پوری ہوتی تھین بلکہ ان کی ضرورتون سے جو فاضل ہوتا تھا وہ باہر کے ملکون مین بھیجی جاتی تھین ـ

سندھ پر عربون کے قبضہ کے بعد اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان کی ترقی تو فطری بات تھی وہ خوب ہوئی لیکن سندھی زبان کو بھی علمی اور تصنیفی شکل دینے مین ان ہی کا ہاتھ رہا ہے ـ عربون سے پہلے سندھی بول چال کی زبان ضرور تھی لیکن اسے باقاعدہ زبان نہین کہا جاسکتا تھا ـ قواعد صرف و نحو کا فقدان تھا جو عربی زبان نے فراہم کیا ـ عربون نے اپنی عربی زبان کے ساتھ سندھی کی ترقی مین بھی پوری سرگرمی دکھائی ـ عربون کے بعد محمود غزنوی اور مغل بادشاہون کے دور مین جب فارسی دفتری زبان ہوئی تو اس وقت بھی سندھی کی ترقی مین کوئی کمی نہین آئی ـ وہ اُسی طرح ترقی کرتی رہی ـ پھر کلہوڑون اور تال پورون نے سندھی زبان و ادب کو بام عروج پر پہنچایا ساتھ ہی وہ اردو کی ترقی اور ترویج کے لیے بھی کوشان رہے ـ عوام برابر سندھی مین گفتگو کرتے تھے لیکن پڑھا لکھا طبقہ عربی اور فارسی مین بھی گفتگو کرتا تھا ـ عربون کے دور سے تال پورون کے عہد تک اتنے علماء، فضلاء، ادباء، شعراء، فقہاء، مہندس، محدثین اور مفسرین اس سرزمین سے پیدا ہوتے رہے کہ ان کو احاطہ تحریر مین اس جگہ لانا ممکن نہین ـ مولانا اسلامی موسیٰ بن یعقوب ثقفی محمد بن ابی الشوارب

اور ابو محمد منصوری جیسے علماء اور فقہاء اسی سرزمین کے فرزندون مین تھے ـ ابوالعطا سندھی، اسحاق، ابوضلع سندھی، منصور، کشاجم سندھی بن شاھک، ابونصر فتح بن عبداللہ سندھی یہ سب وہ مایہ ناز شعراء اور ادباء ھین جن کا ذکر ابن ندیم نے اپنی تصنیف الفہرست مین بڑے اھتمام سے کیا ھے ـ

کلہوڑون کے عہد مین جو علماء، فضلاء اور شعراء گذرے ھین ان مین سے کچھ کے حالات ھمین میر علی شیر قانع کی تصنیف تحفۃ الکرام اور مقالات الشعراء مین ملتے ھین ـ مغلون کے عہد حکومت یعنی سولھوین اور سترھوین صدی عیسوی مین علماء، فضلاء، ادباء، شعراء اور صوفیاے کرام کی جو کثیر تعداد سندھ مین تھی اس کا پتا ھمین شیخ فرید بھکری کی تصنیف ذخیرۃ الخوانین سے ملتا ھے ـ

ٹھٹھہ کی آبادی شیخ فرید بھکری کے زمانے مین ڈھائی لاکھ تھی ـ اس اوسط درجہ کی آبادی مین ذخیرۃ الخوانین کے مطابق چار سو درس گاھون کا موجود ھونا کوئی معمولی بات نہین ـ اس سے علوم و فنون مین دلچسپی اور حکومت کی علم پروری اور سرپرستی کا پتا چلتا ھے ـ ساتھ ھی یہ بات بھی ذھن نشین رکھنی چاھئے کہ علم و فضل مین یہ دلچسپی اور غلو صرف ٹھٹھہ ھی تک محدود نہ تھا بلکہ سندھ کا ھر خطہ اور ھر پرگنہ ھر دور مین دماغی اور روحانی فضائل کا سرچشمہ بنا رھا ھے ـ میر علی شیر قانع کے تحفۃ الکرام کا مطالعہ کرنے کے بعد پتا چلتا ھے کہ اس مین جن اکابرین علوم و فنون کا تذکرہ کیا گیا ھے وہ سب سندھ کے مختلف خطے اور پرگنون کے رھنے والے تھے ـ

اس سرسری جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ سندھ کئی ہزار سال سے اب تک اعلی تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے اور یہاں ہر دور میں دماغی اور روحانی سرچشمے جاری رہے ہیں ۔ اب جب کہ سندھ پاکستان کا ایک صوبہ ہوگیا ہے اس میں تہذیب و تمدن کی حیران کن ترقی ہو رہی ہے اور کراچی کو بجا طور پر ہم عروس البلاد کہہ کر پکار سکتے ہیں ۔

السنۂ عالم کی گروہ بندی | دنیا میں جو زبانیں مروج ہیں ماہرین علم الالسنہ نے ان کی گروہ بندی دو اصول کے تحت کی ہے ۔ گروہ بندی کا پہلا اصول زبانوں کی لفظی اور صرفی خصوصیات کا جائزہ لینا ہے جس کے تحت زبانیں دو گروہ میں بٹ جاتی ہیں ۔ ایک گروہ تو ایک لفظی زبانوں کا ہے جن کے اساسی الفاظ میں اشتقاق نہیں ہوتا یعنی مادے کے ارد گرد شکلی تبدیلیوں سے معنی نہیں بدلتے اور ان میں سابقے اور لاحقے نہیں ہوتے ۔ اس گروہ میں چینی، برما، ہندچینی، ملایا وغیرہ کی زبانیں شامل ہیں ۔

دوسرا گروہ اس کے برخلاف ان باقی ماندہ زبانوں کا ہے جن میں اشتقاق ہوتا ہے اور مادے کے اردگرد شکلی تبدیلیوں سے معنی میں بڑا فرق آجاتا ہے اور جن کے اندر سابقے اور لاحقے کا بہ کثرت استعمال ہوتا ہے ۔ اس گروہ کی زبانوں میں عربی، عبرانی، سنسکرت، لاطینی، جرمن، انگریزی، اردو، ہندی اور فارسی وغیرہ زبانیں آتی ہیں ۔

گروہ بندی کا دوسرا اصول نسلی اور تاریخی یگانگت کی بنا پر قائم کیا جاتا ہے اس کے مطابق جملہ زبانون کو تین بڑے خاندانون مین تقسیم کیا جاتا ہے [1]

(الف) هند یوروپی (ب) سامی (ج) تورانی ـ

(الف) هند یوروپی سے آٹھ شاخین نکلین (۱) هند آریائی (۲) آرمینی (۳) یونانی (۴) البانی (۵) ایطالی (۶) سلتی (۷) جرمنی (۸) بالطك سلاوی ـ

پھر هند آریائی سے دو زبانین پیدا هوئین (۱) هندی اور (۲) ایرانی هندی مین سنسکرت پراکرت اور اردو زبانین شامل هین اور ایرانی کے زمرے مین قدیم فارسی، ژنداوستائی، پهلوی، جدید فارسی، کردی، اسپهتی اور افغانی زبانین آتی هین ـ

یونانی خاندان مین یونی اینکس، دوری اور جدید یونانی زبانین شامل هین ـ

ایطالی خاندان مین امری سیمی، لاطینی اور اس سے نکلی هوئی زبانین جیسے فرانسیسی، پرتگالی، اطالوی، هسپانوی وغیره آتی هین ـ

جرمنی خاندان مین مشرقی جرمنی کی گوتھك زبان شمالی جرمنی کی آئس لینڈ، ڈنمارك، سوئیڈن، ناروے کی زبانین اور مغربی جرمنی کی اینگلوسکسن جدید انگریزی اور هالینڈی زبانین آتی هین ـ

---

[1] ملاحظه هو لسانی مطالعے از پروفیسر محمد معین الدین دردائی ص ۸ ـ ۹ مطبوعه ۱۹۷۱ء لاهور

بالطك سلاوی خاندان مین اول بالطکسی زبان آتی ہے جس مین لیتوانیا کی لیتوانی زبان، لیتونیا کی لیتونی زبان، شامل ہے اور دوسری سلاوی آتی ہے جس مین قدیم سلاوی، روسی، پولونی، تشیکسی، سروی، کرداقسی اور بلغاری زبانین شامل ہین

(ب) سامی حامی کی دو شاخین ہین ۔ مشرقی اور مغربی ۔ مشرقی جس مین اشوری اور بابلی زبانین شامل ہین اور مغربی جس مین کلدانی، سریانی، کنعانی، عربی، حبری اور حبشی زبانین شامل ہین ۔

(ج) تورانی مین دراوڑی، تلنگو، مونشرا ادی باسی اور اسی طرح کی دیگر زبانین شامل ہین ۔

زبان نسلی اور تاریخی یگانگت کی بنا پر[1]

زبان

تورانی — سامی — ہند یورپی

ہند یورپی: ہند آریائی، آرمینی، یونانی، البانی، ایطالی، سلتی، جرمنی، بالطو سلاوی

یونانی: یونی ایتکی، دوری، جدید یونانی

ایطالی: امری سبیی، لاطینی، فرانسیسی، پرتگالی، اطالوی، ہسپانوی

ہند آریائی: ہندی، ایرانی

ایرانی: قدیم فارسی، ژند اوستائی، پہلوی، جدید فارسی، کُردی، آسیتی، افغانی

ہندی: سنسکرت، پراکرت، اردو

جرمنی: گوتھک، آئس لینڈ، ڈنمارک، سویڈن، ناروے، اینگلوسکسن، جدید انگریزی، ہالینڈی

بالطو سلاوی: لیتوانی لیتونی، قدیم ـ سلاوی، روسی، پولونی، شیکی، سروی، کروانی، بلغاری

سامی: مشرقی، مغربی

مشرقی: آشوری، بابلی

مغربی: کلدانی، سریانی، کنعانی، عربی، حمیری، حبشی

تورانی: دراوڑی، تلنگو، موشرا ادی باسی

---

[1] لسانی مطالعے از پروفیسر معین الدین دردائی مطبوعہ مجلس دانشوران لاہور ۱۹۷۰ء ص ۱۰ ـ ۱۱

سندھ کا لسانی پس منظر

آریون کے ورود سے پہلے بھی سندھ مین دوسری قومین آباد تھین اور وہ اپنی زبانین رکھتی تھین ـ پروفیسر سید احتشام حسین کے ایک مقالہ[1] کے مطابق آریون سے پہلے اس برصغیر مین نگریٹو، آسٹرک اور دراوڑ قومین موجود تھین اور یہ سب اپنی تہذیب اور زبانین رکھتی تھین ـ نگریٹو اور آسٹرک قومون کی زبان کا تو سراغ نہین ملتا لیکن دراوڑ قوم کی تہذیب اور زبان کا حال اب پوری طرح منکشف ہوچکا ہے ـ بقول علمائے السنہ، جنوبی ہند مین تامل، تلنگو، کنٹری اور ملیالم جیسی چار اہم اور رائج زبانین دراوڑی خاندان سے ہی تعلق رکھتی ہین اور اب موہنجوڈارو اور ہڑپہ کی کھدائی کے بعد اس امر کا بھی انکشاف ہوگیا ہے کہ وادی سندھ مین بسنے والے یہ قدیم لوگ دراوڑ تھے اور ان کی زبان بھی دراوڑی ہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی ـ لیکن ابھی چون کہ اس کھدائی سے نکلی ہوئی تحریرین صحیح طور پر پڑھی نہین جا سکین اس لیے ابھی قطعی فیصلہ نہین کیا جاسکتا کہ دراوڑی زبان کی کون سی شاخ یہان رائج تھی، لیکن تھی بہرحال دراوڑی ہی ـ

ماہرین لسانیات نے اس کا انکشاف کیا ہے کہ سنسکرت بلکہ تمام ہند آریائی زبانین دراوڑی زبانون سے بہت زیادہ اور گہرے طور پر متاثر ہین ـ علامہ سید سلیمان ندوی نے اس بارے مین اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے :ـ

---

[1] ملاحظہ ہو رسالہ اردوے معلٰی دہلی ص ٢٧ ـ لسانیات نمبر شمارہ ٢ ـ ٥

ــه
" ہندوستان کے اصلی رہنے والے دراوڑی اور ہندوستان کی
اصل زبانیں تامل تلنگو اور کنڑی وغیرہ دراوڑی زبانیں ہیں ـ
سنسکرت اور پرانی ہندی خود باہر کی زبانیں ہیں جن کا اس ملک
سے چند ہزار برس سے زیادہ کا تعلق نہیں ـ "

مسٹر بیمز نے زبانوں کی تقسیم اور درجہ بندی کے سلسلے میں دراوڑی زبانوں کو تورانین فیملی میں شامل کیا ہے اور پھر آریائی زبانوں کو دراوڑی زبانوں سے متاثر بتایا ہے ـ مسٹر بیمز کے اس خیال کی تائید دیگر علمائے السنہ سے بھی ہوتی ہے ـ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موہنجوڈارو اور ہڑپہ کے باسیوں یعنی دراوڑی قوموں سے آریوں نے لکھنا پڑھنا کس طرح سیکھا تو اس کا جواب ہے کہ جس طرح وحشی منگولوں اور تاتاری فاتحین نے مفتوح بغدادیوں، عربوں، ایرانیوں اور خوارزمیوں سے زوال بغداد کے بعد سیکھا تھا ـ بلاشبہہ آریہ قبیلوں نے دراوڑی تہذیب، مذہب، ثقافت، روایات و اساطیر سے بہت زیادہ اثر قبول کیا ہے ـ بہ قول مصنف "اٹھ وایرین ایڈ ہندی" "ہند آریائی قبیلوں نے ہندوستان کی کول اور دراوڑ نسلوں کے ساتھ مخلوط ہوکر ایک خاص نسلی، مذہبی، تہذیبی اور لسانی مرکب بنایا ـ ہندو قوم، ہندو تہذیب اور ہندو دھرم مخلوط و مرکب ہیں ـ "

ــه نقوش سلیمانی از سید سلیمان ندوی ص ۳۲۷ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۱ء

(2) Outlines of Indian Philology By Johan Beames, (Second Edition) page 9-10, Published in 1868, London.

ــه بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا از ڈاکٹر اختر اورینوی ص ۲۰ مطبوعہ پٹنہ ۱۹۵۷ء

چیٹرجی، بھنڈارکر اور گریرسن کا نظریہ ہے کہ آریائی زبانیں دیگر زبانوں سے متاثر ضرور ہوئی ہیں لیکن اس مخلوط زبان میں آریائی زبان کا عنصر بہت غالب ہے۔ ڈاکٹر اختر اورینوی نے اپنی تصنیف "بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا" میں اس نظریہ کی تردید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

سلہ

" ہند آریائی زبان کا اولین نمونہ نراسنسا گاتھا بھی خالص آریائی نہیں ۔ جب ہندوستان میں آریہ قبیلے آئے تو مخلوط بولیاں بولتے آئے تھے جن میں آریائی عناصر کے ساتھ غیر آریائی عناصر بھی موجود تھے ۔ نیز یہ کہ ہند آریائی بولیوں میں دراوڑی (داسا داسیو) عناصر مشرقی ایرانی دور سے ہی ملتے آئے تھے ۔ پنجاب سندھ مدھ دیش جنوبی اور مشرقی ہند میں لسانی اختلاط کی آنچ اور تیز ہوگئی جس کے بہ کثرت شواہد ملتے ہیں ۔ "

رگ وید کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قدیم ترین وید ہے اور مختلف آریائی قبائل کی بولیوں کا نمائندہ ہے لیکن اس کی زبان اور صوتیات پر دراوڑی اثر بہت زیادہ نمایاں ہے مثلاً" :۔ وکیپی (معنی بندر) ، کلا (فن) ، کال (وقت) ، کوٹ (جھونپڑی) ، گن (جماعت) ، نانا (بہت سے) ، پشپا (پھول) ، راتری (رات) ، سائم (شام) ، اور اسی طرح پوجن ، پھل ، بیج ، روپ یہ سب دراوڑی الفاظ ہیں جو رگ وید میں موجود ہیں اور یہ لین دین کا سلسلہ برابر جاری رہا ۔

سلہ بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا از ڈاکٹر اختر اورینوی ص ۲۲
مطبوعہ پٹنہ ۔ ۱۹۵۷ء

ترکیب و صرفی قواعد مین بھی هند آریائی زبان دراوڑی زبانون سے بہت زیادہ اثر پذیر ہے ۔ مثلاً حروف منفصل جار دونون مین متروك هین ۔ نحو کے اعتبار سے بھی بقول چٹرجی هند آریائی اور دراوڑی زبانون مین بڑی یگانگت پائی جاتی ہے ۔ یہان تك كه تامل یا تلنگو کا ایك جمله اپنے الفاظ کی ترتیب کے لحاظ سے جیون کا تیون صرف لفظون کے بدلنے سے هندی اردو یا بنگالی مین منتقل هوسکتا ہے ۔ برخلاف اس کے انگریزی یا فارسی جملے بجنسه کسی جدید هند آریائی مین منتقل نہین هو سکتے ۔

دراوڑی اور هند آریائی زبانون کے محاورون مین بھی بڑی یگانگت پائی جاتی ہے ۔ ایك اور مشابہت ان دونون کے درمیان اشیا اور حرکات سے پیدا هونے والی آوازون کے مطابق الفاظ کی تخلیق ہے جیسے کھٹکھٹانا، تھپتھپانا، هنهنانا، غرآنا، سنسناهٹ، گھرگھراهٹ وغیرہ ۔ اس طرح بازگشتی (Echo-Words الفاظ کا هند آریائی زبان مین وجود دراوڑی هی کے اثرات کے تحت ہے ۔ اس مین الفاظ کی نیم تکراری کیفیت ظاهر هوتی ہے جیسے روٹی ووٹی، کوٹ ووٹ، کتاب وتاب، گھڑی وڑی وغیرہ ۔

غرض برصغیر مین آریائی زبانین صرف و نحو، صوتیات، ترکیب و ساخت اور الفاظ کے لحاظ سے دراوڑی زبانون سے بہت زیادہ متاثر هوئین اور اب وہ اثرات اردو هندی زبانون مین بھی بہت نمایان هین ۔

اس لسانی ارتقا کے نقوش مندرجه ذیل ماخذون مین دیکھے جاسکتے هین :-

(۱) ویدک لٹریچر (۲) برهمنائین جو ویدک عہد کے بعد برهمنون نے ویدون کی شرح اور تفسیر کے طور پر لکھین (۳) پانینی اور پاتنجلی کے قواعد جو کلاسکس سنسکرت مین لکھے گئے ۔ (۴) قدیم پراکرتین جو قدیم ترین چٹانون اور لاٹون مین براهمی رسم الخط مین کندہ هین (۵) پالی پراکرت اور دوسری پراکرتون مین لکھے هوئے دهارمک مخطوطات (٦) کالی داس، بھوبھوتی، اسوگھوش کے قدیم ڈرامے جن مین سنسکرت اور پراکرت دونون کا استعمال ملتا هے (۷) هیم چندر گجراتی کا پراکرت گرامر (۸) آخری دور کا پراکرتی ادب جو بہت قلیل هے اور جسے هم اپ بھرنش کا ابتدائی سرمایہ بھی کہہ سکتے هین ۔

یہ حقیقت هے کہ آریون کے سندھ مین آمد سے پہلے یہان دراوڑی زبانین بولی جاتی تھین ۔ آریون کے ورود کے بعد سندھ مین سنسکرت اور آریون سے بولی جانے والی دیگر زبانون کا دور شروع هوا ۔ "اردو سندھی کے لسانی روابط" کے مصنف کے مطابق :۔

> "آریہ لوگ جو زبانین بولتے هوئے هندوستان مین داخل هوئے وہ ڈھائی تین هزار سال تک ارتقا کی منزلین طے کرتی رهین ۔ ان مین تین دور اهم اور نمایان هین ۔ سنسکرت اور اس کی هم عصر بولیون کا دور ۔ پراکرتون کا دور ۔ آپ بھرنشون کا دور ۔ "[1]

---

[1] اردو سندھی کے لسانی روابط از ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی ص ۱۳ مطبوعہ ۱۹۷۰ء لاهور

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سندھ مین آریون کی آمد کب ہوئی اور کس کس طرح ہوئی ۔ رگ وید مین ایک جگہ ذکر ہے کہ آریہ لوگ پانی کی سہولت کی وجہ سے "سپت سندھو" یعنی سات دریاؤن کے کنارے آباد ہوگئے ۔ ان سات دریاؤن مین پانچ تو پنجاب کے ہین چھٹا سرسوتی اور ساتوان سندھو ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ رگ وید کے زمانے مین پنجاب اور گندھارا کے علاوہ سندھ مین بھی آریاؤن کے خاندان پہنچ چکے تھے ۔ پھر رگ وید ہی سے ہمین یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور مین سندھ کے راجا کا نام سوتیہ بھاویہ اور اس کی رانی کا نام روماسا تھا ۔ یہ راجا کروی (Krivi) خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو بعد مین پنچال کے نام سے مشہور ہوا ۔ یہی کروی (Krivi) خاندان کے آریاؤن نے سندھ مین دراوڑون سے جنگ کرکے ان کو مغلوب اور ہڑپہ اور موہنجوڈارو جیسے متمدن اور مہذب شہر کو خرابہ مین تبدیل کردیا ۔ ان ہی فاتح و مفتوح قومون کے اختلاط سے سندھی زبان پیدا ہوئی ۔

مہابھارت کے زمانے مین سندھ کا راجا جیدرتھ تھا جس کا دوسرا نام مہابھارت مین سوویر بھی آیا ہے ۔ سندھ گزیٹر کے مطابق بارہ تیرہ صدی قبل مسیح جو جنگ مہابھارت چھڑی تھی اس مین یہ راجا جیدرتھ اپنے سالے کورون کی مدد کرتا ہوا مارا گیا ۔ اس کے مرنے کے بعد سندھ پانڈون کے قبضے مین آگیا جن کی راج دھانی مدھ پردیش مین تھی ۔ پانڈون کے سندھ پر قابض ہونے کے بعد یہان کی زبان پر مدھ پردیش کی بگڑی ہوئی زبان کا بہت گہرا اثر پڑا ۔

آریون کے بعد اور مسلمانون کی آمد سے پہلے ایرانی، یونانی، ترکی اور دارد ی نام کی کئی قومین سندھ اور پنجاب پر یکے بعد دیگرے حملہ آور ہوتی رہین اور ان کے لسانی اثرات سندھ و پنجاب کی زبانون پر بہت گہرے مترتب ہوتے رہے ۔ ان قومون کے سیاسی غلبہ اور لسانی اثرات کے بارے مین ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اپنی کتاب "سندھی بولی جی مختصر تاریخ "مین بہت تفصیل سے لکھا ہے اس مین سے کچھ اس جگہ درج ہے :۔

سلہ "دارا :۔ (۵۲۰ ۔ ۵۱۵ ق م) جس کی فتوحات نے قدیم ایرانی زبان کے اثرات کے لیے راستہ ہموار کیا ۔ پانچوین صدی قبل مسیح سے لے کر چوتھی صدی قبل مسیح تک یہ زبان اثر انداز ہوتی رہی ۔

سکندر :۔ (۳۲۵ ۔ ۳۲۶ ق م) اور بلخ کے یونانی حکم ران (۱۹۵ ۔ ۱۵۰ ق م) جن کی فتوحات سے یونانی زبان کے اثر کا دروازہ کھلا ۔ یونانی اثرات کا زمانہ تیسری صدی قبل مسیح سے لے کر دوسری صدی قبل مسیح تک ہے ۔

ساکا اور متھین :۔ (۱۵۰ ۔ ۱۲۰ ق م) کے حملون نے ترکی اور دارد ی زبانون کو اثر انداز ہونے کا موقع دیا ۔

کوشان شاہ کنشک :۔ (۲۰ ۔ ۵۰ عیسوی) کے دور مین پالی پراکرت کو عروج حاصل ہوا تو اس کے اثرات مقامی بولیون پر پڑے ۔

سلہ "سندھی بولی جی مختصر تاریخ "از ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ص ۱۱
مطبوعہ حیدرآباد (سندھ) ۱۹۶۲ء

پارتھیون :- (۱۰۲/۱۶۰ — ۲۰۰ عیسوی) کے حملون نے ترکی اور داردی اثرات کے لیے دوبارہ دروازہ کھولا — تیسری صدی عیسوی مین ساسانی تسلط چوتھی صدی عیسوی مین بیاطلہ کے غلبے اس کے بعد سفید ھن (۴۷۰ — ۴۸۰ عیسوی) اور خسرو نوشیروان (۵۳۱ عیسوی) کے حملون سے ترکی اور ایرانی زبان کا اثر اور بڑھا — "

ان زبانون کے باہم اختلاط سے سندھ مین ایک سیال زبان عالم وجود مین آچکی تھی لیکن ابھی اس کا ٹھوس سانچہ تیار نہین ہو پایا تھا کہ مسلمان فاتحین کا سندھ مین ورود ہوا — ان کی آمد سے یون تو ہندوستان کی سبھی آریائی اور غیر آریائی زبانین متاثر ہوئین لیکن بالخصوص اردو اور سندھی زبانین بہت زیادہ متاثر ہوئین — اس کی بڑی وجہ مسلمان فاتحین کی رواداری مساوات اور بھائی چارہ کے جذبات تھے — محمد بن قاسم نے سندھ کے ہر علاقہ مین جہان جہان سندھیون کی آبادیان تھین عربون کی بستیان بسائین تاکہ یہ دونون بھائیون کی طرح شیر و شکر ہوکر رہین — اس کا نتیجہ حسب خواہ نکلا — عربون اور سندھیون کے درمیان شادی بیاہ بہ کثرت اور آزادانہ ہونے لگے چنان چہ مشہور سپہ سالار مہلب کے دو بیٹون مفضل اور عبدالملک کی مان سندھی خاتون تھین اور ان کا نام "بحلی" [1] تھا — بنو امیہ کے آخری جنرل یزید بن عمر کی مان بھی سندھی ہی تھین اور اپنے دور کی

---

[1] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (تیرھوین جلد) ص ۴۳۹ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۱ء

حسین ترین عورتوں میں شمار کی جاتی تھیں ـ ان کے قتل پر سندھ کے مشہور شاعر ابوعطا نے بڑا دردناک مرثیہ لکھا ہے[1] ان ثقافتی اور سماجی تعلقات کی وجہ سے سندھی زبان و ادب پر جہاں عربی زبان کا گہرا اثر پڑا وہاں عربوں کی علمی نشاۃ الثانیہ میں سندھی زبان کا بھی کم اثر نہیں نظر آتا ـ بغداد اور دمشق کی علمی، ادبی اور فنی مجلسوں میں سندھی علماء، فضلاء، اطباء، ہئیت اور ریاضی دان کافی نظر آتے ہیں جن کی خلفاء کی طرف سے جی کھول کر قدر افزائی کی جاتی تھی لیکن مجموعی طور پر عربی زبان پر سندھی کا اثر اتنا ہمہ گیر نہیں معلوم ہوتا جتنا سندھی زبان و ادب پر عربی کا ـ مثلاً:ـ

(۱) عربی کے بے شمار الفاظ سندھی زبان کا سرمایہ بن گئے اور ان میں سے زیادہ تر اس طرح ضم ہوگئے ہیں کہ انہیں سرسری طور پر پہچانا بھی نہیں جاسکتا ـ نمونہ کے طور پر کچھ الفاظ "اردو سندھی کے لسانی روابط" سے درج ذیل ہیں :ـ

[2] " آفت، آخرت، اصلاح، اخلاق، اوائل، اقوام، احوال، اعلیٰ، اصل، ایمان، بصل، احسان، باطنی، بالغ، باعث، تقرر، تعاون، تحقیقات، ثابت، ثواب، ثقافتی، جمل، جامع، جدید، جمہوریت، جواز، جدوجہد، حیران، حیات، خادم، خاطر، خارج، خریف، دینار، دائم، دوران، دفاعی، دعویٰ، ذاتی،

---

[1] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (تیرھویں جلد) ص ۳۳۹

[2] " اردو سندھی کے لسانی روابط " از ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی ص ۲۶۲ ـ ۲۶۹ مطبوعہ ۱۹۷۰ء لاہور

ذکر و اذکار، ذخیرہ، رباب، رسم و رواج، رائج، رحم، زوال، زوجی، سیاحت، سقیم، سبب، شاھد، شئے، شروعات، شرائط، شمولیت، صنعت، صورت، صلاح، صبوحی، صدر، ضعفی، ضرب، ضائع، طمع، طعام، طبع، ظاھر، ظلم، علم، عکس، غیر، غبار، غداری، فتح، فن، فضل، قبول، قریب، قلم، قانون، قلت، قسط، کافور، کربلا، لفظ، لیاقت، لحاظ، مکر، مقام، مشہور، منتخب، نسبت، نجات، نافذ، ھوا، ھدایت، وقت، وجود، وقار، وضاحت، وساطت، یقین وغیرہ

(۲) مذھبی الفاظ مثلاً" اللہ، رسول، ایمان، شریعت، صدقہ، حج، زکواۃ، درود، کلمہ، نماز وغیرہ کے رائج ھونے کے علاوہ سندھی زبان کی مذھبی کیفیت بدلنے لگی ـ سنسکرت اصل کے مذھبی الفاظ و اصطلاحات کی جگہ ھم معنی عربی الفاظ آگئے ـ مروت، ضیافت، شجاعت، مصیبت، عادات و اطوار، تہذیب و اخلاق، عقل، ورثہ وغیرہ جیسے تخیلات کے عام الفاظ دیسی الفاظ کو ھٹاکر زبان کا حصہ بن گئے ـ اس عمل کا اثر سندھی صرف و نحو پر بھی پڑا اور کئی نحوی اجزاے ترکیبی جیسے بالکل، یعنی، البتہ، منجملہ وغیرہ جیسے نحوی اجزا سندھی الفاظ کے ساتھ استعمال ھونے لگے ـ

(۳) چند عربی مصادر کو سندھی زبان نے اپنے طور پر افعال بناکر اپنے یہاں لے لیے مثلاً" دفن سے دفنائن (دفن کرنا)، نیت سے نیتن (نیت کرنا)، ضرب سے ضربن (ضرب لگانا)، ترک سے ترکن (ترک کرنا) وغیرہ ـ

(۴) کچھ عرصہ بعد جب فارسی سندھ کی درباری زبان بنی تو اس کے توسط سے عربی شاعری کے بحور، اوزان، ہیئتین، صنائع و بدائع، تلمیحات اور دیگر اصناف سخن جیسے قصیدہ، مرثیہ، مسدس، مخمس، رباعی اور قطعہ وغیرہ سندھی زبان مین رائج ہوگئین اور خالص سندھی اصناف سخن کے شانہ بہ شانہ ترقی کرتی رہین ـ

(۵) عربی زبان کا سب سے بڑا اثر سندھی زبان پر یہ ہوا کہ اس نے اپنا قدیم ناگر رسم الخط ترک کر کے عربی حروف اور رسم الخط اختیار کرلیا جو آج تک رائج ہے ـ اس موجودہ رسم الخط کو "سندھی عربی مور تخطی" کہتے ہین ـ

(٦) سندھی زبان کو سنوارنے اور ترقی دینے مین چونکہ عربی کے جید علماء اور صوفیاء کا بڑا ہاتھ رہا ہے اس لیے بھی سندھی زبان پر عربی زبان کا گہرا اثر پڑا ـ سندھی ادب کی ابتدا مذہبی کتب سے ہوئی ہے اس لیے لازمی طور پر سندھی مین ابتدائی کتابون کے لکھنے والے بھی علماء تھے ـ مرزا قلیچ بیگ نے ایک جگہ سندھی ویاکرن مین بہت صحیح لکھا ہے کہ :-

سلہ "سندھی مین تصنیف و تالیف کی ابتدا دینی کتب سے ہوئی ـ ان کے لکھنے والے سندھ کے علماء اور بزرگان دین تھے ـ ان مین بہت سے مشہور ہوگذرے ہین مثلاً " سید صفائی بکھر والے، سید معصوم شاہ بکھر والے، قاضی محمود علامہ ٹھٹھے والے،

سلہ اردو سندھی کے لسانی روابط ۰۰۰ ص ۷۹

مخدوم ابوالخیر، شیخ عبدالواسع صوفی، مخدوم ابوالحسن ٹھٹھے والے، میان محمد محسن شاعر ٹھٹھے والے، میرعلی شیر قانع ٹھٹھے والے، میان عبدالرحیم گروڑ والے، شاہ عبدالکریم بلڑی والے، شاہ عبداللطیف بھٹائی وغیرہ یہ سب سندھ کے مشہور عالم تھے جنھون نے عربی فارسی اور سندھی زبان مین اکثر دینی اور تاریخی کتابین تصنیف کی ھین ـ "

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اپنی قابل قدر تصنیف " سندھی بولی جی مختصر تاریخ " مین سندھی پر عربی زبان کے اثرات کو بڑی وضاحت سے پیش کیا ھے ـ لکھتے ھین :ـ

" فتح اسلام کے بعد عربون کے معاشرے اور عربی زبان کے زیر اثر سندھی زبان مین مزید مرکزیت پیدا ھوئی، زبان کی نفسیاتی کیفیت بدلی، زبان کے عددی سرمائے مین اضافہ ھوا، زبان کی ساخت رسم الخط اور صرف و نحو پر اثر پڑا ـ ملک مین علمی ترقی کی وجہ سے سندھی زبان کے عالم اور شاعر پیدا ھوئے ـ عرب عالمون نے بھی سندھی زبان و ادب اور رسم الخط مین دلچسپی لی ان کے متعلق تبادلہ خیال کیا اور اپنی معلومات اپنی تصانیف مین قلم بند کین ـ سندھی زبان پہلی مرتبہ عربی رسم الخط مین لکھنے مین آگئی ـ" (ترجمہ)[1]

ادبی سطح سے قطع نظر لسانی سطح پر عربی زبان نے سندھی زبان پر جو اثرات ڈالے ھین ان مین عربی الفاظ فقرے کہاوتین اور تراکیب کے ساتھ بہت سے عربی حروف تہجی کا داخل ھوجانا ھے ـ ث ح ص ض ط ظ ذ ع اور ق سندھی زبان کو عربی زبان نے دیئے ـ مختصر یہ کہ جدید سندھی زبان

---

[1] " سندھی بولی جی مختصر تاریخ " ... ص ۵۰

بقول مصنف "اردو سندھی کے لسانی روابط " "مسلمانون کی ساختہ نہ سہی پرداختہ ضرور ہے ۔ وہ عربی فارسی کے سایہ عاطفت مین پلی ہے اور اسی لیے ان کا دودھ پی کر ہی وہ توانائی حاصل کی ہے جس نے اسے دنیا کی علمی و ادبی زبان کی صف مین کھڑا ہونے کے قابل بنایا ۔۔۔۔ نغمہ ہندی ہے تو کیا لَے ان کی حجازی ہے ۔"[1]

دارالخلافہ بغداد کے کم زور ہوجانے کے باعث سندھ خلفائے بغداد کے زیرنگین نہ رہ سکا اور سلطان محمود غزنوی نے اس پر قبضہ جمالیا ۔ اس طرح عربون کے بعد سندھ فارسی بولنے والے حکم رانون کے قبضہ مین چلا گیا اور محمود غزنوی سے لے کر ناصرالدین محمود تک سندھ کی درباری زبان فارسی رہی ۔ ان کے بعد جب سندھ مین سندھی مسلمانون کی حکومت آئی تو اس وقت بھی دینی اور مذہبی تعلق کی بنا پر عربی اور فارسی زبان سے سندھ کا رشتہ اسی طرح برقرار رہا ۔ سندھی کے ایک قابل اعتماد مصنف بھیرومل سندھ مین فارسی اثرات کے متعلق لکھتے ہین :-

[2] "۱۰۲۴ء مین محمود غزنوی نے سندھ سے خلفاء کے نائبون کو نکال باہر کیا ۔ غزنوی خاندان کے وقت سے فارسی کا میل جول ہوا ۔۔۔ ۱۵۲۱ء سے سندھ مین ارغونون کی حکومت ہوئی ۔ اس وقت سے سندھ مین فارسی زبان کی تعلیم کا سلسلہ باقاعدہ شروع ہوا ۔۔۔۔ دہلی کے بادشاہون کی حکومت سے فارسی کا تعلق بڑھ گیا

---

[1] اردو سندھی کے لسانی روابط ۔۔۔ ص ۸۲

[2] ایضاً ۔۔۔ ص ۸۳ ـ ۸۴

کلہوڑوں اور میروں کی حکمرانی میں ھندو اھل کار خانگی خطوط
بھی فارسی میں لکھتے تھے ۰۰۰۰۰ کلہوڑوں اور میروں کی صاحبی
میں ٹھٹھ اور روھڑی گویا سندھ کی یونیورسٹیاں تھیں ۔ ھندو اور
مسلمانوں کے بچوں کے لیے آخوندوں (ملاؤں) کے مکتب ھوتے تھے
جن میں آج کل کے اسکولوں کی طرح درجے نہ ھوتے تھے ۔ کریما،
گلستان، بوستان، پندنامہ اور دوسری فارسی کتابیں پڑھاتے تھے۔"

اس بیان سے ظاھر ھوتا ھے کہ محمود غزنوی کے عہد سے لے کر انگریزوں کے قبضہ تک سندھ میں فارسی عوام میں مقبول رھی اور ھر ذی علم اور صاحب تصنیف سندھی فارسی زبان پر عبور رکھتا تھا ۔ اس طرح جب وہ سندھی زبان میں بھی کوئی کتاب لکھتا تھا تو فارسی اثرات سے اپنے قلم کو نہیں بچا سکتا تھا ۔ ان حالات میں سندھی زبان پر فارسی اثرات بہت زیادہ پڑتے گئے اور کافی الفاظ فارسی کے سندھی میں داخل ھوگئے جن میں سے کچھ نمونے "ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی نے اپنی کتاب "اردو سندھی کے لسانی روابط میں پیش کیا ھے ۔ مثلاً" :-

[1] "آرزو آتش آسمان آواز آزار آگاہ آسودگی آبدار آسان
آزمائش آباد آبرو آبادی افسوس امید ابر باندی بادشاہ
بیدار بخت بےکار بیابان بنیاد بزرگ بہار بندگی بارش
بلبل باغ بندش بہشت بےجا بارگاہ برباد برقرار بحالی
بہترین بہی خواہ ترکش تنگ و دو تباہ تن تندرست تیزی

---

[1] اردو سندھی کے لسانی روابط ۰۰۰۰۰ ۲۶۹ ۔ ۲۷۲ ۔

طفنی پابند پروردگار پری پلاؤ پرهیز پیروی پوشاک پاک
چمن چست چاشنی خاوند خدا خرمن خواهش خوبی خشکی
خاندانی خرابی خودی خاموش خریدار دبستان داور درزی
دستار درویش دسترخوان دشمن دنگل دوست درخت دام
دل دستور دیوار دامن دور دوزخ دریا درد دیر
درخواست درمیان درگاه دربار داستان دردناک رائگان رخسار
رفتار راه روپیه رنگ روز راز رخ روزمره ریشم روشنی رائےدهی
رومال روپوش رسوا رهائش زمین زبانی زرخیز زنده [illegible]زور زخم
زر زبان زبردست ساربان سر سرسام سوگند سامان
سود سرد ساخت سپاهی سرگرم سرکار سربراه سرحد سروکار
سنگین سرسبز شهم شرمسار شاگرد شمشیر شاه شاخ شکار
شاهد شکست شاداب شادی فرمان فروغ فراهم فریاد فرزند
کار کاکل کچکول کوهستان کباب کمک کاش کوشش کم زور کبوتر
کسی کاروبار گروه گویا گران گریبان گل گدا گذارش گنجائش
گرم جوشی گرمی گدگی گلشن گلزار گرفتار لشکر لاش مشک
مهمان مرد مگر مفت مست مرهم مردار مهربانی نازک نیک
نشیب نشست نرم نماز نادان نادار نمائنده نشانی نمائندگی
نوجوان واپس ویرانی هوش هنر هموار هنگامی همدردی هرگز
یادگار یکسان یار ـ "

صوتی اعتبار سے بھی سندھی زبان پر فارسی کا بہت خوشگوار اثر پڑا ـ سندھی

زبان نے فارسی کے خ ز غ ف حروف تہجی کو قبول کرکے کھ ج گ

اور پھ کے مقابلے میں اپنے اندر زیادہ صوتی لطافت پیدا کردی ـ

۱۸۴۳ء مین تال پورون سے جب انگریزون نے سندھ کی حکومت چھینی تو انھون نے فارسی کو ھٹاکر انگریزی کو دفتری اور سرکاری زبان بنا دیا ـ اور اس کے بعد سے رفتہ رفتہ سندھ مین عربی فارسی کے اثرات کم ھوتے گئے ـ اور اس کی بجائے انگریزی الفاظ سندھی زبان مین شامل ھونے لگے ـ لیکن سات سمندر پار سے آنے والی اس قوم نے مسلمانون کے برخلاف اپنے مفتوحین سے بہت الگ تھلگ رھنے کو اپنا شعار بنایا ـ پھر ان دونون زبانون کے درمیان خاندانی اور مذھبی رشتے کا فقدان بھی تھا اس لیے عربی اور فارسی والی بات تو ممکن نہ تھی پھر بھی کافی انگریزی الفاظ سندھی زبان مین شامل ھوگئے اور اس وقت جدید سندھی زبان مین وہ آزادی کے ساتھ مستعمل ھین ـ مثال کے طور پر ان الفاظ کو لیجئے :ـ

اسٹیشن اسکول اسپتال اسمبلی اسکیم انچارج اسٹاف اردلی
اسٹیج اسپیکر اسپیچ اسٹیم اسٹیمر اسپرٹ الماری اسٹول اپیل
آرڈیننس آکسیجن اسپیشل بوٹ بٹن بل بلٹی بس پتلون پلٹن
پاسپورٹ پستول پارسل پریس پوزیشن پروگرام پریشر پروفیسر
پوسٹ کارڈ پولیس پبلک پریزیڈنٹ پارٹی ٹیلی گرام ٹیلی فون
ٹیوب جج جنرل جیل چارج چرچ درجن ڈاکٹر ڈگری
ڈویژن ڈسمس ریل رپورٹ ریڈیو ریکارڈ رجسٹر رائفل ریزلٹ
سمن سوسائٹی سکریٹری سولجر سروے فل فیملی فلم کمپاونڈ
کیس کارڈ کمانڈر کیک کنٹرول کارتوس کلاس گورنر گراموفون سینما

گدام گرانٹ لسٹ لائین لوکل بورڈ لیگ منی آڈر منسٹر ممبر میٹنگ منٹ نوٹ نمبر وارنٹ ووٹ واچ ھوٹل یونیورسیٹی وغیرہ وغیرہ

سو سال کی غلامی کے بعد ۱۹۴۷ء مین برصغیر کو جب انگریزون کی غلامی سے نجات ملی تو مسلمانون کی اکثریت والے علاقون کو ملاکر ایک خود مختار نئی اسلامی مملکت کی بنیاد پڑی جہان ھندوؤن کی تنگ دلی، سفاکی اور ظلم و بربریت سے تنگ آکر منقسم ھندوستان کے لاکھون مسلمان پناہ لینے پر مجبور ھوئے اور سندھ اپنی قدیم روایات کی بنا پر مسلمانون کے اس مظلوم اور ستم رسیدہ قافلے کو اپنے سینے سے لگانے مین سب سے پیش پیش رھا ـ چون کہ ان عام آنے والون کی مادری زبان اردو ھے اور پھر قومی اور سرکاری زبان بھی مملکت خدا داد پاکستان کی اردو ھی قرار پائی ھے اس لیے اردو کو سندھ مین غیر معمولی فروغ ھو رھا ھے ـ اور کراچی اس وقت دھلی اور لاھور سے کسی طرح اردو کی خدمت کرنے اور ترقی دینے مین پیچھے نہین ھے ـ عروس البلاد کراچی اردو شعر و ادب کا اس طرح گہوارہ بنا ھوا ھے جس طرح کبھی دھلی، لکھنو، عظیم آباد، رام پور اور حیدرآباد (دکن) رہ چکے ھین ـ علمی رسائل و اخبارات سے لے کر ٹھوس اور مفید علمی، ادبی، مذھبی اور تحقیقی تصانیف ھزارون کی تعداد مین شائع ھو رھی ھین ـ کئی اھم ادبی اور علمی انجمنین جیسے آل پاکستان انجمن ترقی اردو کراچی، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرس، اردو بورڈ، نفیس اکیڈمی وغیرہ اپنی بیش بہا اور قابل قدر

تصانیف سے اردو علم و ادب ؟ کے سرمایہ مین اضافہ کر رھی ھین ـ سندھ کے دوسرے اہم شہرون جیسے حیدرآباد' میرپور خاص' نواب شاہ' سکھر اور شکارپور وغیرہ مین بھی جہان منقسم ھندوستان بہار' اترپردیش' مدھ پردیش' دھلی وغیرہ سے مہاجرین آکر آباد ھوگئے ھین علمی اور ادبی سرگرمیان جاری ھین ـ

قدیم سیاحون نے آج سے کئی سو سال پہلے سندھ کی لسانی صورت حال کا جائزہ لیتے ھوئے لکھا تھا کہ " سندھ مین عربی اور سندھی بولی جاتی ھے ـ" لیکن آج ھم سندھ کی زبان " اردو اور سندھی " پاتے ھین ـ اور کچھ کہا نہین جاسکتا کہ " جذب و انجذاب " " لین اور دین " کا یہ فطری عمل کب ایک اور نئی مخلوط اور مرکب زبان کو جنم دے دے کیون کہ عربی زبان کے برعکس اردو اور سندھی کئی ھزار سال سے ایک دوسرے کے ساتھ لسانی اشتراک کے گوناگون رشتون مین بندھی ھوئی ھین ـ یہ دونون نسلی' جغرافیائی' تاریخی اور تہذیبی اعتبار سے نہ صرف ایک دوسرے سے قریب ھین بلکہ ایک ماں کی دو بیٹیان ھین جو مدت تک بچھڑی رھنے کے بعد ایک دوسرے سے پیار و محبت کے ساتھ گلے مل رھی ھین ـ

اردو زبان کا آغاز و ارتقا | یہ امر تو طے شدہ ھے کہ اردو جدید ھند آریائی دور کی ایک اہم زبان ھے لیکن اس دور کے آغاز کے متعلق کوئی فیصلہ کن رائے قائم نہین کی جاسکتی ـ یون بعض محققین کے نزدیک یہ جدید ھند آریائی دور ۱۰۰۰ ء سے شروع ھوجاتا ھے لیکن ڈاکٹر اختر اورینوی کا خیال ھے کہ

ﻟﮧ[1]
" ۱۰۰۰ء تا ۱۲۰۰ء لسانی اعتبار سے ایک عبوری دور ھے جس مین پرانے سانچے بدل رہے تھے - زبانون مین صوتی ھئیتی اور تولید کی تبدیلیان ھو رھی تھین - استقلال کا دور گذر چکا تھا اضطراب کا زمانہ آگیا تھا - یہ کیفیت ھندوستان کی سماجی سیاسی اور اقتصادی سطحون پر بھی ظاھر ھو رھی تھی - "

اس دور تغیر مین ھندو اور مسلم دو بڑی قومون اور ان کی تہذیبون کا تصادم اور پھر اختلاط ھوا - اس دور کی بھاشائین سیال حالت مین تھین اور ھر تغیر و تبدل سے اثر پذیر ھو رھی تھین - اسی بنا پر چسٹرجی نے لکھا ھے کہ :-

" اگر ھندوستان پر مسلم قبضہ نہ بھی ھوتا تو بھی لسانی تبدیلیان رونما ھوتین اور ایک نیا لسانی دور جنم لے کر رھتا لیکن ھان، نئی ھند آریائی زبانون کی پیدائش اور ان کے اندر ادب کی تخلیق اتنی جلد نہ ھوتی جتنی مسلمانون کے زیر اثر ایک نئے تہذیبی دور کا آغاز ھوجانے سے ھوئی - " (ترجمہ)

نفس مضمون پر آنے سے پہلے جدید ھند آریائی زبانون کے ارتقا کے سلسلے مین یہ پانچ نکتے ذھن نشین کر لیے جائین تو بہتر ھے :-

(۱) جس طرح قدیم ھند آریائی بولیون سے پراکرتین وجود مین آئی تھین اسی طرح ھر پراکرت سے کئی جدید بھاشائین پیدا ھوئین - جو ان کی اصل کے لحاظ سے

ﻟﮧ[1] بہار مین اردو زبان و ادب کا ارتقا از ڈاکٹر اختر اورینوی ص ۳۷-۳۸ مطبوعہ پٹنہ ۱۹۵۷ء

ﻟﮧ[2] ایضاً " ..... ص ۳۸

ان کی گروپ بندی کرنی چاہئے ۔

(۲) کوئی نہ کوئی بولی ہر دور مین اپنی دوسری ہم عصر بولیون پر فوقیت حاصل کرکے آگے بڑھنے کی کوشش کرتی رہی ہے ۔ مہاراجا آشوک سے پہلے مغربی بولی غالب تھی ۔ آشوک کے زمانے مین "مشرقی اردھ ماگدھی" نے فوقیت حاصل کرلی ۔ پھر کوشن عہد مین مغربی اور وسطی بولیون کی بن آئی اور وہ ہندوستان گیر ہونے کا دعوی کرنے لگین ۔ ان کے بعد مغربی اپ بھرنشون کا ستارہ چمکا ۔ پھر برج بھاشا کا سب بولیون پر سکہ چلنے لگا اور آخر مین ہندوستانی (اردو) بن سنور کر سامنے آئی ۔

(۳) کسی جدید ہند آریائی زبان کو ہم وسطی ہند آریائی بولی کی براہ راست ترقی یافتہ شکل نہین کہہ سکتے ۔ ہندوستان کی لسانی زندگی مین باہمی لین دین برابر ہوتا رہا ہے ۔ لسانی لہرین باہم دگر پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی رہی ہین جن کی گتھی کو سلجھانا بعض وقت مشکل ہوجاتا ہے ۔

(۴) جدید ہند آریائی زبانون کا ترکیبی اور صرفی ارتقا یکسان ہوا ہے اور اس وجہ سے وسطی ہند آریائی بولیون کے درمیان بھی خاص مماثلت اور یگانگت پائی جاتی ہے ۔ اور یہ یگانگت بقول البیرونی جدید ہند آریائی عہد کے آغاز (۱۰۲۵ء) تک بولیون کے فرق کے باوجود پائی جاتی تھین ۔

(۵) جدید ہند آریائی زبانون کا ذخیرۂ الفاظ چار عناصر پر مشتمل ہے (الف) تتسم (ب) تدبھاؤ (ج) دیسی (د) بدیسی

(الف) تتسم سے مراد خالص سنسکرت کے وہ الفاظ ہین جن کی ہیئت اور صوت مین کوئی خاص تبدیلی نہین ہوئی ہو جیسے سمندر، دیو، دیش وغیرہ ـ بعض مرتبہ تتسم مین تھوڑی صوتی تبدیلی یا تلفظ مین فرق آجاتا ہے ـ

(ب) تدبھاؤ سے مراد وہ عوامی اور مقامی الفاظ ہین جو جدید ہند آریائی سنسکرت یا براہ راست ویدک سے حاصل ہوئے ہون اور ان پر زمانہ کسی شکست و ریخت کا نمایان اثر پڑا ہو ـ جدید ہند آریائی زبانون کے الفاظ کی اکثریت اسی تدبھاؤ عنصر کی ہے ـ یہ وسطی ہند آریائی اور جدید ہند آریائی بولیون کا قیمتی سرمایہ ہے ـ یہ الفاظ صدیون کی نت نئی تبدیلیون کے بعد بل کھاتے، سکڑتے، پھیلتے، اپنے منبع کی سے نکل کر صدیون کا سفر کرتے، خزانے لٹاتے ہوئے، ہم تک پہنچتے رہے ہین ـ یہ الفاظ اپنا چولا بدلنے مین بڑے مشاق ہین اور ان کے اسی چولا بدلنے سے لسانی دور اور علاقائی بولیان جنم لیتی رہی ہین ـ ان کی لچک داری سے ہی جدت اور نیرنگی پیدا ہوتی ہے ـ تدبھاؤ عنصر کے الفاظ ہر نئی ہند آریائی زبان مین بہ کثرت ملتے ہین ـ اردو مین شامل چند الفاظ ملاحظہ ہون :-

مان باپ بھائی بہن روٹی پانی کھانا پینا آنا جانا سونا پسوڑ پودے کھیت ندی ناؤ ہاتھ پاتو آنکھ کان ناک جینا مرنا وغیرہ وغیرہ ـ

اب ذرا تتسم کی شکست و ریخت کا نظارہ بھی کیجئے ان کی ہیئتی

تبدیلی صدیون کی منزل کس طرح طے کرتی ہے :-

سنسکرت کا ایک لفظ ہے پتر - اس سے بنا پتر ← پت ← پوت ← پتا ← بیٹا

دوہتر بہ معنی دختر - اس سے دھاؤ بنا دوھیت ← دیہیتا ← دھیتا

دھیدا ← دھیآ ← دھی (ھندی) ← جھیا ← جھسی (بنگالی)

دھیا ← دھیدیا ← بھیٹیا ← بٹیا ← بیٹی - اسی طرح بھراتر

سنسکرت سے بھائی، ماتر سے مان، پتر سے باپ، دیوش سے دن اور

دورش سے دیکھنا بن گیا -

(ج) دیسی سے مراد وہ الفاظ ھین جو کول اور دراوڑی عہد سے منتقل ھوتے

ھوئے ھم تک پہنچے ھین - ان کو آریائی ماخذ سے کوئی تعلق نہین -

یہ ان عوامی بولیون کی یادگار ھین جو آریائی بولیون کے اثر و نفوذ سے پہلے

ملک مین مستعمل تھین - جیسے پھل بیج روٹ تھلا کلیا وغیرہ

ان ھی دیسی الفاظ کے تحت آھنگ دار الفاظ بھی آتے ھین جیسے کھٹکھٹانا،

تھپتھپانا، جھلملانا، لہلہانا، وغیرہ

(د) بدیسی :- بدیسی سے مراد وہ غیر ملکی الفاظ ھین جو جدید ھند آریائی

زبانون مین شامل ھوگئے ھین - اس ضمن مین فارسی عربی ترکی اور

انگریزی کے الفاظ آتے ھین -

اردو زبان اس دور کی پیداوار ھے جب دوسری جدید ھند آریائی زبانین

اپ بھرنشون سے بن رھی تھین - صرف فرق یہ ھے کہ اس کی تخلیق دوسری

جدید ہند آریائی زبانوں کے مقابلے میں زیادہ مرکب، پیچیدہ، بالیدہ اور ارتقایافتہ ہے ۔ جدید ہندوستانی زبان ہوتے ہوئے بھی اسے صرف آریائی نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ اس کو اپنے دراوڑی ورثہ پر اتنا ہی فخر حاصل ہے جتنا ہند آریائی، ہند ایرانی یا سامی ورثہ پر ۔

" قدیم اردو " یعنی " ابتدائی ریختائیں " ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پیدا ہوتی رہی ہیں اور ان کے ارتقا میں عربی فارسی زبانوں کا خاص حصہ رہا ہے ۔ اس مسئلہ پر پروفیسر معین الدین دردائی نے اپنی کتاب لسانی مطالعے میں خاطر خواہ روشنی ڈالی ہے ۔

ایک اور بات جو اردو زبان سے متعلق ذہن میں رکھنے کی ہے وہ اس کی " علاقائی " اور " ہندوستان گیر " دو حیثیتیں ہیں ۔ اس عمل ارتقا میں " قدیم اردو " کے مختلف سانچوں کی منزلیں آئی ہیں اور ان منزلوں میں ایک اہم منزل " کھڑی بولی " کے سانچے سے بننے والے " ریختہ " کی منزل تھی ۔ اس معیاری سانچہ کے مضبوط اور مستحکم ہوجانے کے بعد عہد وسطی میں "معیاری اردو " کے ہندوستان گیر بننے کی مختلف منزلیں آئیں اور پھر جدید ہند آریائی زبانوں میں یہ سب سے زیادہ نکھر کر سامنے آئی ۔

بھارت میں پروان چڑھنے والی تین پراکرتیں شورسینی مہاراشٹری اور ماگدھی ہیں ۔ شورسینی وسطی مغربی علاقے میں پھیلی ہوئی تھی ۔ مہاراشٹری جنوبی علاقے میں اور ماگدھی مشرقی علاقے میں ۔ یہ تینوں پراکرتیں ایک دوسرے کو

متاثر کرتی رهی هین اور ان کے اثرات هند کی دوسری پراکرتون پر بھی پڑتے رهے هین ـ لہذا ماگدھی پراکرت کے اثرات شور سینی اور مہاراشٹری پر زمانے تك پڑتے رهے اور خود پالی ایك ایسی اردھ ماگدھی زبان تھی جس پر مغربی پراکرتون کا نمایان اثر پڑا ـ علاوہ ازین مہاراشٹری پراکرت صرف شور سینی سے فیض یاب نہین بلکه اس کی ایك شاخ تھی ـ [1]

اردو زبان مختلف مقامی بھاشائین اور عربی فارسی کے میل سے بنی هے ـ اردو کے اس پختہ پر ارتقا کے کئی دور گذرے هین ـ ڈاکٹر اختر اورینوی نے اپنی تصنیف " بولیون کا سنگم " مین اس کی وضاحت کرتے هوئے لکھا هے کہ " جتنی بھاشائین هند مین تھین اتنی هی ریختائین بنین ـ ان مختلف ریختاؤن کے عہد کو " اردوے قدیم " کا عہد کہنا چاهئے ـ اس کے بعد " اردوے وسطیٰ " کا عہد آتا هے ـ پھر اس دور کی تکمیل کے بعد " معیاری اردو کی منزل آتی هے جو آج تك جاری هے ـ " [2]

اردوے قدیم کا عہد تو وہ هے جو ہین مقامی بھاشا کے ساتھ عربی و فارسی الفاظ ملتے رهے ـ یہ " دور آمیزش" ایك وسیع دور تھا جس مین صدیان صرف هوگئی هون گی ـ اس کے بعد " دور ترکیب " شروع هوا جس مین ریختائین آمیزہ نہین بلکه شیر و شکر کی طرح مرکب بن گئی تھین ـ ملکی اور غیر ملکی الفاظ اختلاط

---

[1] بہار مین اردو زبان و ادب کا ارتقا ۰۰۰ ص ۲۷

[2] بولیون کا سنگم از ڈاکٹر اختر اورینوی ص ۱۹ ـ ۲۸ مطبوعہ پٹنہ ـ سنہ نہ دارد

کی منزلون سے گذر کر ایک خاندان کے ممبر بن گئے تھے اور ایک متحدہ کبھ
کی تخلیق ہونے لگی تھی ۔ ریختاؤن کے مرکب بننے کا عمل اردوے قدیم کے
مختلف طبقون مین ہوا اور ایک حد تک اس کے اثرات "اردوے وسطیٰ" اور
"معیاری اردو" تک قائم رہے اور ہے ۔ اس دور مین لسانی عمل اور رد عمل
نے ایک اور شکل اختیار کرلی تھی وہ یہ کہ علاقائی ریختاؤن کو "کھڑی بولی"
کی ریختہ متاثر کر رہی تھی ۔ "اردوے وسطیٰ" کے دور مین یہ رو اور تیز
ہوگئی ۔ جس مین کھڑی بولی کا ادبی حیثیت سے غلبہ ہونے لگا اور "علاقائی
ریختہ" عوامی زبان کی حیثیت سے مروج ہوگئی ۔ "مقامی ریختائین" ادبی
اور تہذیبی مجلس سے اٹھ گئین اور صرف لوک ساہتیہ مین اپنے نازو انداز دکھانے
پر مکتفی ہوگئین ۔ یہی دور "معیاری اردو" کا دور کہلایا ۔

"معیاری اردو" کے عالم وجود مین آنے کے بارے مین ہمین ہندوستان کی
لسانی تاریخ سے روشنی ملتی ہے ۔ یہ برابر دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی ہندوستان
مین ہمہ گیر تہذیب قائم ہوئی یا ملک کے نظام مین مرکزیت پیدا ہوئی تو علاقائی
زبانون مین سے کوئی ایک زبان مختلف اسباب و علل سے آگے بڑھی اور ملک کے
وسیع حصے مین معیاری بن کر پھیل گئی ۔ ایک زمانے مین سنسکرت نے یہ فرض
انجام دیا تھا ۔ پھر شورسینی اور پالی پراکرت نے پھر مغربی اپ بھرنشون نے ۔
نئے ہند آریائی عہد مین بھی علاقائی بھاشاؤن کے درمیان سیادت کے لیے مقابلہ
ہوتا رہا ۔ لیکن اس عبوری دور مین زبان سیال حالت مین تھی ۔ رفتہ رفتہ سانچون

کا انجماد شروع ہوا ۔ کبیرداس کی زبان سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت معیاری دور کی تعمیر شروع ہوگئی تھی لیکن زبان سیال حالت میں تھی ۔ اس پر اودھی کھڑی بولی اور برج بھاشا تینوں کا اثر ملتا ہے ۔ کبیر کے بعد جب شہنشاہ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں آگرہ کو مرکزیت حاصل ہوئی تو سلطنت کا سہارا لے کر برج بھاشا سیادت کے مقام پر پہنچ گئی ۔ اس کو عبدالرحیم خان خانان اور سورداس جیسے فن کار مل گئے لیکن ابھی تاریخ کو حرف آخر لکھنا باقی تھا ۔ اکبر اور جہانگیر کے بعد شاہ جہان نے جب دارالسلطنت آگرہ سے دہلی منتقل کیا تو دہلی کے نواح کی زبان ہریانی (بانگرو) برج اور میواتی بولیون کے ساتھ کھڑی بولی کا اثر بڑھنے لگا ۔ رفتہ رفتہ کھڑی بولی کا سکہ مرکز کے علاوہ سارے ملک میں چلنے لگا ۔ اور یہی اردو کا معیاری سانچہ بنا اور اس پر تشیہیا "

گریرسن گارسان دتاسی، بیمز ، سونیتی کمار چیٹرجی، ڈاکٹر زور، محمود شیرانی، پروفیسر احتشام حسین، مسعود حسین ، شوکت سبزواری اور ڈاکٹر اختر اورینوی سب ہی متفق ہیں لیکن قدیم اردو کے اولین فارمون کے متعلق ڈاکٹر اختر اورینوی سے ان لوگون کا اختلاف پایا جاتا ہے ۔

اردو کے قدیم فارم سے متعلق محمد حسین آزاد نے مقدمہ آب حیات میں ، ڈاکٹر محی الدین زور نے ہندوستانی لسانیات میں، ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اردو زبان کا ارتقا میں، ڈاکٹر مسعود حسین نے تاریخ زبان اردو میں ، پروفیسر احتشام حسین نے ہندوستانی لسانیات کا خاکہ (بیمز) کے ترجمے میں ،

ڈاکٹر اختر اورینوی نے "بہار مین اردو زبان و ادب کا ارتقا" مین اور پروفیسر معین الدین دردائی نے لسانی مطالعے مین خاطر خواہ بحث کی ہے ۔

ڈاکٹر زور اور پروفیسر محمود شیرانی پنجابی کو، ڈاکٹر مسعود حسین ہریانی (بانگرو یا جاٹو) کو، محمد حسین آزاد برج بھاشا کو، گریرسن بیمز اور سونیتی کمار چیٹرجی کھڑی بولی کو، علامہ سید سلیمان ندوی سندھی کو، ڈاکٹر شوکت سبزواری شورسینی کی بجائے پالی کو، اردو کا بنیادی سانچہ قرار دیتے ہین لیکن ڈاکٹر اختر اورینوی اور پروفیسر معین الدین دردائی کا خیال ہے کہ اردو کے قدیم کے بہت سے سانچے ہے ۔مختلف مقامی بھاشاؤن سے مختلف ہیئتائین تیار ہوئین لیکن سب سیال حالت مین رہین ۔ آئیے اب ان کا تجزیہ کیا جائے ۔

محمد حسین آزاد کے برج بھاشا والا نظریہ اب زیادہ قابل اعتبار نہین رہا ۔ پہلے زور اور شیرانی کے نظریات کو لیجئے ۔ ڈاکٹر زور کا جدید ترین خیال حسب ذیل ہے :-

> "[1] زبان اردو کا پنجابی سے جتنا قدیم اور گہرا تعلق ہے اتنا کسی اور زبان سے نہین ۔بعض لوگ غلط فہمی یا مقامی تعصب کی وجہ سے اردو کو ہندی یا سندھی یا برج بھاشا یا کھڑی بولی کی بیٹی سمجھ لیتے ہین ۔"

پروفیسر محمود شیرانی اردو پر پنجابی کا اثر تو مانتے ہین لیکن ارتقائے اردو کا واضح نقشہ وہ نہین پیش کر سکے ہین ۔ ایک جگہ پنجاب مین اردو مین لکھتے ہین :-

---

[1] رسالہ نقوش لاہور بابت جولائی ۱۹۵۲ء

"ساتوین صدی ھجری مین اس (اردو) مین وہ خصوصیات نظر آتی ھین جو ایک طرف اس کو پنجابی سے اور دوسری طرف برج سے ممیز کرتی ھین ۔"

اس اقتباس سے ظاہر ھوتا ھے کہ پروفیسر شیرانی بھی یہ مانتے ھین کہ پنجابی ریختہ اور اردو کی شکل مین نمایان فرق ھے ۔ ڈاکٹر زور کے یہان تضاد اور ابہام حد سے زیادہ ھے ۔ وہ اپنے نظریہ کو طرح طرح سے پیش کرتے ھین اور ھر موقعہ پہلے سے زیادہ مبہم اور ناقابل فہم ھوجاتے ھین ۔ ایک جگہ لکھتے ھین :-

[1] "اردو ھندی اور پنجابی تینون زبانون کے ارباب کو معلوم ھوگا کہ یہ تینون زبانین باھم دگر کتنی پیوست ھین اور یہ کہ سرزمین پنجاب نے ھندی اور اردو کی شکل مین ھندوستان اور پاکستان کو کیسی عظیم الشان نعمتین عطا کی ھین ۔"

پھر وہ اپنی تصنیف ھندوستانی لسانیات مین لکھتے ھین :-

[2] "اردو نہ تو پنجابی سے مشتق ھے اور نہ کھڑی بولی سے بلکہ اس زبان سے جو ان دونون کی سرچشمہ تھی ۔"

پھر ذرا اور آگے چل کر لکھتے ھین :-

[3] "اردو پر بانگرو یا ھریانی زبان کا بھی قابل لحاظ اثر ھے ۔"

---

[1] رسالہ نقوش لاھور بابت جولائی ۱۹۵۲ء
[2] ھندوستانی لسانیات از ڈاکٹر محی الدین زور (دوسرا ایڈیشن) ص ۹۱ مطبوعہ مکتبہ معین الادب اردو بازار لاھور ۱۹۵۰ء
[3] ایضاً " .... ص ۹۲

قدیم اردو مین پنجابی اثرات سے کسے انکار ہوسکتا ہے ۔ سندھ کے بعد پنجاب ہی
وہ علاقہ ہے جہان مقامی بھاشا مین بدیسی الفاظ کا اختلاط ہونے کے بعد ریختہ پن
شروع ہوا ہوگا لیکن یہ نہین بھولنا چاہئے کہ پنجابی ریختہ منجملہ اور ریختاؤن
کے ایک ریختہ ہے ۔

اب ڈاکٹر مسعود حسین کے نظریہ کو لیجئے ۔ وہ اردوے قدیم کا بنیادی
فارم ہریانی (بانگرو) کو بتاتے ہین ۔ لکھتے ہین :۔

لے
" مسلمان پنجاب سے فارسی آمیز یا جدید پنجابی بولتے دہلی
مین داخل ہوتے ہین ۔ دہلی مین اور اس کے آس پاس ان کی
مڈ بھیڑ کئی بولیون سے ہوتی ہے ۔ آس پاس کے علاقون مین
ایک طرف پرانی ہریانی اور دوسری طرف پرانی کھڑی بولی بولی
جاتی تھی چونکہ قدیم زمانے مین مشرقی پنجابی انھین دونون
بولیون کے زیر اثر پیدا ہوئی تھی اس لیے پنجابی بولنے والون
کو برج بھاشا کی بہ نسبت کھڑی بولی اور ہریانی اپنے زیادہ قریب
دکھائی دی ۔ "

اس نظریہ کو اٹل اور ناقابل ترمیم کہنے مین ابھی تامل ہے کیون کہ عصر قدیم مین
بولیان آپس مین خلط ملط تھین اور دوسرے دہلی کے نواح کی بولیون (ہریانی
اور ہندوستانی) کے قدیم نمونے ناپید ہین :۔

لے مقدمہ تاریخ زبان اردو از ڈاکٹر مسعود حسین خان ص ۹۱ ۔ ۹۲
مطبوعہ اردو مرکز لاہور ۱۹٦٦ء

اب علامہ سید سلیمان ندوی کے نظریہ کو لیجئے ۔ نقوش سلیمانی مین لکھتے ہین :۔

[1] " قرین قیاس یہی ہے کہ جس کو ہم آج اردو کہتے ہین اس کا ہیولیٰ اس وادیٔ سندھ مین تیار ہوا ہوگا ۔ "

ایک اور دوسری جگہ اس کو اور زیادہ واضح طور پر اس طرح لکھتے ہین :۔

[2] " یہ مخلوط زبان سندھ گجرات اودھ دکن پنجاب اور بنگال ہر جگہ کی صوبہ وار زبانون سے مل کر ہر صوبہ مین الگ الگ پیدا ہوئی ۔ "

ان تمام نظریات مین علامہ سید سلیمان ندوی کا نظریہ بہت زیادہ حقیقت سے نزدیک اور واضح ہے ۔ اس پر ڈاکٹر زور نے نقوش (جولائی ۱۹۵۲ء) مین ایک مقالہ لکھ کر اعتراضات کیے ہین لیکن میرے خیال مین وہ علامہ کے نفس مضمون کو اچھی طرح سمجھ نہین سکے ۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری اردوے قدیم کا بنیادی فارم پالی کو بتاتے ہین لیکن ساتھ ہی وہ شورسینی پراکرت اور اپ بھرنش سے کلی طور پر رشتہ توڑ لیتے ہو مصر ہین ۔ یہ بڑی انتہا پسندی ہے ۔ پالی خود ایک معجون مرکب ہے ۔ شورسینی اور اپ بھرنش سے رشتہ توڑ کر پالی سے رشتہ جوڑ لینے مین لسانی طور پر بڑی قباحت پیش آئے گی ۔ پھر بھی ڈاکٹر سبزواری کے بیان سے ایک لسانی نکتہ کی وضاحت ہوتی ہے ۔

---

[1] نقوش سلیمانی از سید سلیمان ندوی ص ۳۱ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۱ء
[2] ایضاً " .... ص ۲۵

ڈاکٹر اختر اورینوی اور پروفیسر معین الدین دردائی کا کہنا ہے کہ اردوے قدیم کا بنیادی سانچہ ایک نہین بلکہ کئی ہے ۔ جتنی بھاشائین ہند مین تھین اتنی ہی ریختائین بنین ۔ ڈاکٹر اختر اورینوی لکھتے ہیں :۔

لہ " ابتدائی اردو یا اردوے قدیم کا تصور میرے ذہن مین یون ہے کہ کم و بیش ملک کے ہر خطے مین وہان کی مقامی بھاشا کے ساتھ عربی و فارسی الفاظ ملتے رہے اور اس آمیزش سے ریختہ کی ابتدائی قماشین پیدا ہوئین ۔"

پروفیسر معین الدین دردائی نے لسانی مطالعے مین ایک جگہ لکھا ہے :۔

لہ " اردو زبان ہندوستان کے مختلف علاقون اور صوبون مین کس طرح ارتقائی منزلون سے گذری اور پھلی پھولی یہ بڑی دلچسپ روئداد ہے ۔ "

میرے خیال مین ماہرین لسانیات نے اردو کے ارتقا کے سلسلے مین دو منفرد پہلوؤن کو خلط ملط کر دیا ہے اور ذرا افراط و تفریط سے کام لیتے ہوئے ایک دوسرے کے نقطہاے خیال کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش نہین کی ہے ۔ قدیم اردو کے مختلف سانچون کا ریختہ پن ایک خاص پہلو ہے جس کو معیاری اردو کے سانچے سے ذرا ہٹ کر مطالعہ کرنا چاہئے ۔ ان دونون پہلوؤن کو خلط ملط کر دینے سے یہ غلط فہمی اور ابہام پیدا ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر زور، پروفیسر شیرانی، ڈاکٹر مسعود حسین،

لہ بہار مین اردو زبان و ادب کا ارتقا ص ۲۸

لہ ملاحظہ ہو لسانی مطالعے ...... ص ۹۱ ـ ۹۲

اور ڈاکٹر سبزواری نے ان دونوں پہلوؤں پر شرح و بسط سے نظر نہیں ڈالی ۔ پھر یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ خالص یک رنگی بھاشا کا وجود بولیوں کے عبوری دور میں کس طرح ممکن ہوسکتا تھا ۔ قدیم اپ بھرنش اور قدیم اردو کے نمونے ابھی علمائے انکشافات و تحقیقات سامنے لا رہے ہیں ۔ بہت سے فیصلے بدل سکتے ہیں ۔ حتمی فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام لینا مناسب نہیں ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ معیاری اردو کی بنیاد کھڑی بولی پر ہے مگر کھڑی بولی کی اصل کا قطعی فیصلہ کرنا ابھی مشکل اور مشتبہ ہے ۔ دوسرے یہ کہ قدیم ترین ریختہ کس بھاشا سے بنی اس کا تعین کرنا ممکن نہیں ۔ ہند کی ہر آریائی اور غیر آریائی بھاشاؤں میں "قدیم ریختہ" کے نمونے ملتے ہیں خاص کر اس سلسلے میں پنجابی ریختہ، سندھی ریختہ، گجراتی ریختہ، ہریانی ریختہ اور دکنی ریختہ کو بہت اہمیت حاصل ہے ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ سرحدی ریختہ کھڑی بولی ہندوستانی ریختہ، برج ریختہ، اودھی ریختہ، مگدھی ریختہ اور بنگالی ریختہ سے آنکھیں موڑ لی جائیں ۔

سندھ میں اردو کی ابتدا | جیساکہ اوپر مذکور ہوا زبانوں کے باہم اختلاط سے سندھ میں ایک سیال زبان عالم وجود میں آچکی تھی ۔ ٹھیک اسی وقت عرب فاتحین کا سندھ میں ورود ہوا ۔ ان کی آمد نے لسانی دنیا میں زبردست انقلاب لا یا ۔ سندھی زبان میں بے شمار عربی الفاظ شامل ہوگئے ۔ عربوں میں یہ بھی رواج تھا کہ وہ جس ملک میں رہتے وہاں کی زبان کو عربی حروف میں لکھتے تھے

امویون اور عباسیون کی تقریبا " دوسو سال تک سندھ پر براہ راست حکومت رہی ۔
پھر محمود غزنوی نے جب عربون سے اقتدار چھین کر خود اپنے قبضے مین لیا و
وہان عربی کے ساتھ فارسی کا بھی سکہ چلنے لگا ۔ عربی کی جگہ فارسی دفترون
مین آگئی ۔ سندھی زبان عربی کے ساتھ فارسی سے بھی پورے طور پر متاثر
ہوئی ۔ غزنوی کی افواج مین افغانی، ترکی، بلوچی، ایرانی اور ہندوستانی سپاہی
بڑی تعداد مین موجود تھے جو آپس مین سندھ کی سرزمین مین شیر و شکر کی طرح
رہ رہے تھے ۔ بعض علمائے السنہ کا خیال ہے کہ ان سب کے میل جول سے سندھ
مین اردو زبان کا بیج جو عرصے سے دبا ہوا تھا یکایک لہلہاتا ہوا باہر نکل آیا ۔
محمود غزنوی کے دربار کے شعراء اور فضلاء حکیم سنائی، مسعود سعد سلمان
وغیرہ نے بھی اس کی آب یاری مین خاص مدد کی ۔

سندھی تہذیب کئی تہذیبون کا مجموعہ تھی اس پر اسلام نے سونے پر
سہاگے کا کام کیا ۔ چنانچہ سندھ مین اسلام کے پھیلتے ہی ایک صحت مند
معاشرے نے جنم لیا جس نے دیکھتے دیکھتے سندھ کو تصوف اور روحانیت کا سرچشمہ
بنادیا ۔ عربی اور عجمی دور مین عراق، شام اور حجاز سے متعدد علمی خاندان
سندھ مین آکر وطن پذیر ہوگئے ۔ ان خاندانون کے افراد نے سندھ مین دینی
ثقافتی اور روحانی خدمات انجام دین اور ان کے دم سے علم دین، تصوف اور
روحانیت کی شمع برابر روشن رہی ۔

سندھ میں اردو کے قدیم نظم و نثر کے نمونے

ان ہی صوفیاے کرام نے اس سیال زبان کے سانچے تیار کیئے ۔ اور پھر اسی کے ذریعہ مقامی آبادی کو خدا اور رسول کے پیغامات سنائے ۔ تصوف اور روحانیت کی تعلیمات سے ان کے ظاہر و باطن کو سنوارنے میں لگ گئے ۔

یہ صوفیاے کرام مسلمان فاتحین کے ساتھ سارے سندھ میں پھیل گئے تھے ۔ یہ روحانیت اور اپنے اعلی مقصد کی حقانیت کے بل پر فاتحین کی فوجوں سے بے نیاز سندھ کے گوشے گوشے میں بے تکلف اور بے جھجک پہنچ جاتے ۔ان کا واحد مقصد عوام تک پیغام حق پہنچانا تھا اور اس کے لیے عوام کے دلوں تک پہنچنے کی ضرورت تھی ۔ دلوں تک پہنچنے کے لیے سب سے پہلے "ہم زبانی" کی ضرورت ہوتی ہے ۔ چنان چہ یہ عربی فارسی بولنے والے صوفیاے کرام نے خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق تک پہنچنے کے لیے مقامی پراکرت کو وسیلہ بنایا ۔ ہرجگہ عوام سے ان ہی کی زبان میں باتیں اور تبلیغ اسلام کرتے ۔ اپنی کہتے ان کی سنتے ۔ ان کی اس کوشش نے سیال زبان کو دیکھتے دیکھتے سانچہ کی شکل میں تبدیل کر دیا ۔ چنان چہ شمالی ہند[1]، دکن[2]، گجرات[3] اور بہار[4] کی طرح سندھ

---

[1] حضرت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی (متوفی ۷۲۴ھ) کا یہ فقرہ "ترکا سمجھ دار ہے" جناب حامد حسن قادری نے اپنی تصنیف "داستان تاریخ اردو" میں نقل کیا ہے ۔ اس فقرہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بوعلی قلندر نے حضرت امیر خسرو کو اپنا کلام سنایا جسے سن کر حضرت امیر خسرو آب دیدہ ہوگئے ۔ حضرت بوعلی قلندر نے انھیں آب دیدہ دیکھ کر فرمایا "ترکا سمجھ دار

(مسلسل ہر ص)

مین بھی صوفیاے کرام کے اردو ملفوظات اوائل آٹھوین صدی ھجری سے ھمین ملنے لگتے ھین اور اس بارے مین سندھ برصغیر کے کسی علاقے سے بھی پیچھے

(بہ سلسلہ ما سبق)

ھے "حامد حسن قادری صاحب نے حضرت بوعلی قلندر کا یہ دوھا بھی نقل کیا ھے ۔ ـــہ

سجن سکارے جائین گے اور نین مرین گے رو ئے
بدھنا ایسی رین کو بھور کبھی نا ھـــو ئے

حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیری (متوفی ۶۶۲ھ / ۱۲۶۵ء) کا یہ شعر حامد حسن قادری صاحب نے سیرالاقطاب کے حوالے سے پیش کیا ھے ـــہ

ـــہ اس طرح اس مین ڈوب اے صابر ۔ کہ بجز ھـو کے غیر ھو نہ رھے

سیرالاقطاب ۱۰۵۶ھ کی تصنیف ھے اور حضرت صابر کلیری کا وصال ۶۶۲ھ مین ھوا ھے اس لیے یقین کے ساتھ نہین کہا جاسکتا کہ یہ شعر مستند ھے ۔

حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دھلوی کا یہ فقرہ "تم اوپرے تل" جو انھون نے اپنے مرید حضرت شیخ سراج الدین عثمانی معروف بہ اخی سراج (متوفی ۷۵۸ھ / ۱۳۵۷ء) کی طرفداری پر فرمایا تھا مشہور ھے ۔

۲ دکن کے صوفیاے کرام مین حضرت شیخ عین الدین گنج العلم (پیدائش ۷۰۶ ھ / ۱۳۰۷ء ۔ وفات ۷۹۵ ھ / ۱۳۹۳ء) حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (پیدائش ۷۲۰ ھ / ۱۳۱۸ء وفات ۸۲۵ھ / ۱۴۲۲ء) حضرت شمس العشاق میران جی (متوفی ۹۰۲ ھ / ۱۴۹۶ء) اور ان کے فرزند حضرت شاہ برھان الدین جانم وغیرہ کے اسماے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ھین ۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے مندرجہ ذیل مقولے اور اشعار حامد حسن قادری صاحب نے داستان تاریخ اردو ص ۳۹ مین بعض قلمی بیاض کے حوالے سے پیش کیے ھین :-

(مسلسل)

نہین ہے ۔ مثال کے طور پر ہم اس جگہ حضرت جلال الدین بخاری اور بابا

(یہ سلسلہ ما سبق)

(۱) بھوکوں موے سوں کچھ اپڑ نا ہے   خدا کون اپڑنے کی استعداد ہو رہے
(۲) او معشوق ہے مثال نور نبی نہ پایا   اور نور نبی رسول کا مرے جیو مین بھایا
اپس این دیکھاوے کیسی آرسی لایا

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا رسالہ معراج العاشقین جو قدیم اردو زبان مین ہے انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع ہوچکا ہے ۔

شمس العشاق میران جی کی اردو تصانیف شرح مرغوب القلوب، جل ترنگ اور گل باس مخطوطہ کی شکل مین موجود ہین جن کی نشان دہی حامد حسن قادری نے کی ہے ۔

شاہ میران جی کے فرزند حضرت شاہ برہان الدین جانم کی بھی ایک اردو تصنیف رسالہ کلمۃ الحقائق کا انکشاف ہوچکا ہے ۔ رسالہ کلمۃالحقائق کی عبارت اس طرح کی ہے ۔

" یہ تن اژدھا (علاحدہ) دستا (نظر آتا) ولیکن جینا بکار (متحرک) ٹوٹنے نہین بلکہ ستنتر بکار روپ دستا ہے ۔ یک تن قرار نہین ۔ جیون مرکب روپ "

۳؎ حضرت شیخ وجیہہ الدین گجراتی کے چند اقوال کو حامد حسن قادری صاحب نے اپنی تصنیف داستان تاریخ اردو ص ۲٦ (تیسرا ایڈیشن) مین بحرالحقائق کے حوالے سے اس طرح درج کیا ہے ۔

(الف) "اس نہین ہور کیا خوب ہے اس دنیا مین کہ دل خدا سون مشغول ہووے "

(ب) "عارف اسے کہوین جو خدا سون بھریا ہووے ۔"

حضرت سید برہان الدین عبداللہ بن محمود الملقب بہ قطب عالم (متوفی ۸۸۰ ھ) کا یہ فقرہ " لوہ ہے یا لکڑ یا پتھر یا کیا ہے " بہت مشہور ہے ۔ یہ فقرہ حضرت نے رات کو پچھلی پہر کسی چیز سے ٹھوکر لگنے کے بعد فرمایا تھا ۔ اسی

(مسلسل)

فرید گنج شکر کو پیش کر سکتے ھین ۔ اخبار الاخبار مین لکھا ھے کہ مخدوم جلال الدین بخاری کے دادا ساتوین صدی ھجری مین بخارا سے ترک وطن کر کے بھکر

(بہ سلسلہ ما سبق)

طرح آپ کا یہ جملہ بھی حامد حسن قادری صاحب نے اپنی تصنیف داستان تاریخ اردو ص ٢٦ مین درج کیا ھے ۔ " چشتیون نے پکائی اور اسے بخاریون نے کھائی ۔ " اس جملہ کا شان نزول یہ ھے کہ حضرت قطب عالم کے صاحب زادے حضرت سید سراج الدین محمد بن عبداللہ الملقب بہ شاہ عالم نے ایک مرتبہ جب اپنے والد ماجد سے حضرت شاہ بارک اللہ چشتی احمد آبادی کے خواب دیکھنے اور ان کو بشارت نبوی کی تعمیل مین شاہ عالم کا خطاب دینے کا واقعہ سنایا توآپ نے وہ واقعہ سن کر یہ جملہ فرمایا تھا ۔

٤ ۔ صوبہ بہار کے صوفیاے کرام مین بہت سی جلیل القدر شخصیتون کا نام آتا ھے جنھون نے اپنے اردو (ھندی) دوھے، فالنامے، کہ مکرنے، مجرب نسخے اور نقش پیش کر کے اس بات کا ثبوت فراھم کر دیا ھے کہ صوبہ بہار مین نومولود سیال زبان نے ساتوین صدی ھجری سے "مگدھی سانچے" کی شکل اختیار کرلی تھی ۔ ان بزرگون مین حضرت مخدوم جہان شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری (پیدائش ٦٦١ ھ وفات ٧٨٢ ھ) کا نام سر فہرست آتا ھے ۔ حضرت مخدوم جہان کا یہ شعر نسخہ اور فالنامہ پروفیسر محمد معین الدین دردائی کی تصنیف صوفیاے بہار اور اردو کے حوالے سے درج ذیل ھے :-

شعر ۔ شرفا کوڈ راون نس اندھیاری رات ۔ وان نہ پوچھے کوئی تمھاری جات

نسخہ ۔ لودھ پھٹکری مردہ سنگ ھلدی زیرہ ایک ایک ٹنک
افیون چنا بھر مرچین چار ارد برابر تھوتھا ڈال
پوست کے پانی مین پوٹری کرین آنکھ کے پیڑا ترتے ھرین

فالنامہ ۔ دس چار کچھ آگم ٦و ے آٹھ پانچ پھل مانگے پاو ے
تین گیارہ پھیپسے راج نو سو سترہ کر ے اکاج ۔

حضرت مخدوم جہان شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری کے مرید اور خلیفہ حضرت مخدوم مولانا مظفر بلخی کے یہ دو دوھے پروفیسر محمد معین الدین دردائی صاحب

(مسلسل)

مین آباد ہوگئے تھے ۔ لیکن پیر حسام الدین راشدی صاحب نے تذکرہ صوفیاے سندھ مصنفہ مولانا اعجاز الحق قدوسی کے پیش لفظ مین خود حضرت مخدوم جلال الدین بخاری کے بارے مین ہی بھکر مین وارد ہونا لکھا ہے ۔ ان کے الفاظ ہین :۔

سلہ "حضرت جلال الدین سرخ بخاری جب اپنے وطن سے نکلے تو
سب سے پہلے بھکر (سندھ) پہنچے اور وہان کے جید صوفی
حضرت سید بدرالدین کی صاحب زادی سے عقد کیا ۔ اس بی بی کے

(بہ سلسلہ ما سبق)

نے اپنی تصنیف " بہار اور اردو شاعری " ص ۱۲ اور " صوفیاے بہار اور اردو " ص ۳۸ مین درج کیے ہین ۔ اس کے حوالہ سے پیش کیے جاتے ہین :۔ ؎

(۱) جی مگن مین ہے کہ آئی ہین سہانی رتیان
جن کے کارن تھے بہت دن سے بنائین گتیان

(۲) آدمی کون تن پنکھیروا جنگل کر تہہ اداس
کنکر پتھر جل بتھہ دستی نہ چھوڑ نہ باس

حضرت مخدوم احمد چرم پوش (درگاہ امیر بہار شریف) کے کچھ فقرے پروفیسر محمد معین الدین دردائی کی " صوفیاے بہار اور اردو " مین ملتے ہین جو انھون نے پروفیسر حسن عسکری (پٹنہ) کے مقالہ " اردو و ہندی زبانین " کے حوالے سے درج کیا ہے ۔ اس جگہ حضرت مخدوم احمد چرم پوش کا ایک شعر کتاب مذکور کے حوالے سے درج ذیل ہے ؎

مینا من نمونہ شرومنس کہا ہوئے   اینہین بیدیا بیدان میان سرنہ کسی کوئے

اسی طرح حضرت محمد امیجری کے ملفوظات بھی مناقب محمدی (قلمی) مین ملتے ہین جن جس کی تفصیلی نشان دھی پروفیسر محمد معین الدین دردائی صاحب نے اپنی کتاب صوفیاے بہار اور اردو مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی مین کی ہے ۔

سلہ تذکرہ صوفیاے سندھ از مولانا اعجاز الحق قدوسی کا پیش لفظ ص ۲۲

بطن سے سید احمد کبیر تولد ہوئے جن کے صاحب زادے حضرت مخدوم جلال الدین جہانیان جہان گشت ہیں — حضرت جہانیان جہان گشت کا اس سرزمین سے بہت ہی گہرا تعلق رہا ہے — سلطان فیروز اور سلاطین سندھ کے درمیان آپ ہی کی کوششوں سے صلح ہوئی — "

حضرت جلال الدین بخاری اور مخدوم جہان شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری کے درمیان گہرے مراسم تھے — اور اکثر یہ دونوں ملتے رہتے تھے — ان

ل؎ جیساکہ مولانا اعجاز الحق قدوسی نے وضاحت فرمائی ہے کہ "حضرت مخدوم جلال الدین" "سرخ" کے پوتے کا نام بھی مخدوم جلال الدین بخاری ہی تھا — اور "جہانیان جہان گشت" ان کا لقب تھا — کیوں کہ ہم عصر کتب مناقب الاصفیا از حضرت مخدوم شعیب فردوسی اور معدن المعانی ملفوظات حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری کے مطابق حضرت جلال الدین بخاری کا فیروز شاہ تغلق مرید تھا اور انہی نے فیروز تغلق اور سلاطین سندھ کے درمیان صلح کرائی تھی — ان سے حضرت مخدوم جہان شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری کے مراسم تھے — ان کے بارے میں مونس القلوب (ملفوظات مخدوم احمد لنگر دریا بلخی فردوسی) ص ۷۹ میں لکھا ہے کہ ایک بار مخدوم جلال الدین بخاری فیروز تغلق کے یہاں عرصہ تک نہیں جا سکے تو اس نے ان کے خادم سے وجہ دریافت کی — اس خادم نے بتلایا کہ حضرت کے نہیں جا آنے کی وجہ مخدوم شرف الدین احمد یحیٰی منیری کا ایک مکتوب ہے جو ابھی حال میں بہار سے آیا ہے اور جسے حضرت معتکف ہوکر باقاعدہ مطالعہ فرما رہے ہیں —

دونوں بزرگوں کا ایک مکالمہ معدن المعانی (ملفوظات مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری) میں مرقوم ہے جس میں دونوں کی زبان مبارک سے اردو فقرے بے ساختہ نکلے ہیں ۔ ملاحظہ ہو :۔

[1] " هم درین محل جلال الدین مذکور گشت که به زبان هندوی نیکو گفته است هر که گفته است " باٹ بھلی پر سانکری " ۔ بعد ازان بندگی مخدوم عظمة الله بر زبان مبارک راند " دیس بھلا پر دور " ۔ "

" باٹ بھلی پر سانکری " یعنی راہ اچھی پر تنگ اور " دیس بھلا پر دور " کی ترکیب سندھی اور مگدھی سانسپا کی نشان دھی کر رھی ھے ۔

حضرت جلال الدین بخاری جہانیاں جہان گشت (بھکری) کا ایک اور جملہ جماعت شاھی ملفوظات حضرت شاہ عالم میں بھی درج ھے ۔ لکھا ھے کہ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی سید راجو قتال کے حق میں یہ حکم فرمایا [2] " انسان خوجسے عسان راجے " ۔

حضرت راجو قتال کی زبان مبارک سے بھی نکلے ہوئے ایک فقرہ کی نشان دھی کی گئی ھے ۔ یہ فقرہ اس وقت بولا گیا تھا جب حضرت دھلی کسی ضرورت سے گئے ہوئے تھے ۔ وھاں پہنچ کر جب سلطان فیروز تغلق سے ملاقات ہوئی تو آپ نے سلطان کی مزاج پرسی اس طرح فرمائی تھی :۔

---

[1] معدن المعانی ص ۲۰۳ ۔ مطبوعہ ۱۳۰۱ ھ

[2] سندھ کے جدید اردو شعرا ۰۰۰ ص ۸

" کاکا فیروز چسنکا ہے "[1]

حضرت ابوالفیض قاضی بن علا بن عالم ترحتی نے بھی اپنے ملفوظات معدن الاسرار میں حضرت مخدوم جلال الدین جہانیان جہان گشت کا یہ فقرہ نقل کیا ہے :-

" کھندا ہے پھندا کہان "[2]

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر چشتیہ سلسلے کے بڑے جلیل القدر صوفی گذرے ہیں ۔ آپ کی ولادت مصنف تاریخ فرشتہ کے مطابق ۵۸۴ ھ میں ملتان کے قصبہ کھتوال میں ہوئی تھی جو اس وقت سندھ میں شامل تھا ۔ بعد میں آپ شہر اچ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے ۔ آپ کے خلیفہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی کا جب وصال ہوا تو ان کی اہلیہ الملقب بہ مادر مومنان اپنے صغیر سن فرزند شیخ برہان الدین کو لے کر حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئیں ۔ حضرت نے کم سنی کے باوجود آپ کو بیعت کرلیا تو "مادر مومنان" نے عرض کیا "حضرت خوجا بالا ہے" یعنی حضرت یہ تو ابھی بچہ ہے ۔ حضرت باباگنج شکر نے فرمایا " مادر مومنان پونم کا چاند بھی بالا ہوتا ہے ۔"[3]

بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے اپنی کتاب "اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیائے کرام کا حصہ" میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے کچھ اردو اشعار درج

---

[1] سندھ کے جدید اردو شعرا ۰۰۰۰ ص ۸

[2] ملاحظہ ہو " صوفیائے بہار اور اردو " از پروفیسر محمد معین الدین دردائی ص ۳۱ مطبوعہ ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۷۲ء

[3] سندھ کے جدید اردو شعراء ص ٦

کئے ھین جو حضرت امیر خسرو کے اشعار کی طرح کچھ فارسی اور کچھ اردو مین ملے جلے ھین ـ اسرار الاولیا کے حوالے سے درج ذیل ھے ــ

[۱] " عشق کا رموز نیارا ھــــے جز مدد پیر کے نہ چارا ھــے
وقت سحر وقت مناجات ھــے خیزدران وقت کہ برکات ھــے
نفس مبارا کہ بگویــد تــرا خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ھے
باتن تنہا چہ روی زیر زمین نیک عمل کن کہ وھی سات / ساتھ ھــے
پند شکر گنج بہ دل و جان شنو ضائع مکن عمر کہ ھیہات ھــے

جناب حامد حسن قادری صاحب نے اپنی تصنیف "داستان تاریخ اردو" مین ایک پرانی بیاض کے حوالے سے بابا فرید گنج شکر کی ایک اور نظم کے کچھ اشعار بھی درج کئے ھین جو یہان درج ھین :- ــ

[۲] تن دھونے سے دل جو ھوتا پوک پیش رو اصفیا کے ھوتے غــوک
ریش سبلت سے گر بڑے ھوتے بوگٹڑوان سے نہ کوئی بڑے ھوتے
خاک لائے سے گر خدا پائین گائے بیلان بھی واصلان ھوجائین

یہ مکالمے، فقرے اور اشعار چھٹی صدی ھجری کے ھین جب کہ دکن اور برصغیر کے بہت کم علاقون مین اردو نے ٹھوس شکل اختیار کی تھی ـ یہ فخر وادیٔ سندھ

---

[۱] ـــہ اسرار الاولیا ملفوظات حضرت بابا فرید گنج شکر مترجمہ پروفیسر محمد معین الدین دردائی ص ۱۸ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء

[۲] ـــہ داستان تاریخ اردو از حامد حسن قادری صاحب ص ۱۹ مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ ۱۹۶۱ء

کو حاصل ہے کہ اس وقت یہاں صوفیاء اور عوام دونوں ایک سیال زبان کو سانچے میں ڈھالنے کی جدوجہد میں مشغول تھے ۔ سندھ میں صوفیاء کی اردو خدمات کی ایک جھلک تو آپ نے دیکھ لی ۔ اب عوام کے رجحان کو بھی ملاحظہ فرمائیے ۔ تاریخ فیروز شاہی (عفیف) مقدمہ چہاردھم میں مذکور ہے کہ سلطان محمد تغلق کے ٹھٹھہ پر فوج کشی اور بیمار ہوکر انتقال کے بعد سلطان فیروز تغلق اس کا جانشین ہوا ۔ فیروز شاہ نے جام بانبھ فرمان روائے سندھ پر پھر حملہ کیا لیکن وہ بھی بعض آفات ارضی و سماوی کا شکار ہوکر ناکام گجرات لوٹا ۔ فیروز شاہ کے ناکام لوٹنے پر ٹھٹھہ کے لوگوں نے بڑی خوشیاں منائیں اور اس خوشی میں ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا :-

" برکت شیخ پٹھا اک موا اک تھا " [۱]

تاریخ فیروز شاہی کے الفاظ ہیں :-

" و اول کرت کہ سلطان فیروز از ٹھٹھہ بے غرض سمت گجرات بازگشت ٹھٹھیان این سخن را ورد حجت ساختند و می گفتند ــــــ "
برکت شیخ پٹھا اک موا اک [illegible] تھا " ۔

---

[۱] حضرت شیخ پٹھا سندھ کے ایک ولی کامل گذرے ہیں ۔ ٹھٹھہ سے تقریبا ڈیڑھ میل دور موضع آری میں ایک پہاڑی پر آپ کا مقبرہ ہے ۔ یہیں آپ نے ریاضت و عبادت بھی کی ۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے ۔ آپ کا وصال ٦٦٦ ھ میں ہوا ۔ ٹھٹھہ کے لوگ آپ کے بہت معتقد ہیں ۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو تحفۃ الکرام ص ۲۵۲ و حدیقۃ الاولیا (قلمی) مملوکہ سندھ یونیورسٹی ص ۵۵ ــ ۵٦

"اك ہوا " سے ان کا اشارہ محمد تغلق کی طرف تھا جو فوج کشی کے دوران بیمار ہوکر ٹھٹھہ میں فوت ہوا اور "اك نسٹھا " سے اشارہ فیروز شاہ تغلق کـــی طرف ہے جو آفات ارضی و سماوی سے مجبور ہوکر جنگ کا فیصلہ کئے بغیر ٹھٹھہ سے گجرات واپس ہوگیا تھا ۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھ سات سو سال پہلے (۷۵۱ھ میں) بھی سندھ میں عوام اردو بولتے اور سمجھتے تھے ۔

۹۸۸ھ سے دکن کی طرح سندھ میں بھی اردو شاعری کے نمونے ملنے لگتے ہیں ۔ اس کے لیے ہمیں ذخیرۃ الخوانین سے رجوع کرنا ہوگا جس میں میر معصوم علی بھکری کے چھوٹے بھائی میر فاضل بھکری کے اردو شعر گوئی کی نشان دہی کی گئی ہے ۔ لکھتے ہیں :۔

" او شعر بہ زبان ہندی از قسم کافی بہ کمال فصاحت می گفت "[۱]

میر فاضل بھکری اور دکن کے سب سے پہلے اردو شاعر سلطان قلی قطب شاہ کا دور ایک ہے ۔ یہ دونوں دسویں ہجری کے تھے ۔ شمالی ہند میں اس وقت کے کسی شاعر کا دیوان یا مجموعہ کلام اردو میں نہیں ملتا ۔ بارھویں صدی ہجری میں سندھ پر کلہوڑا خاندان حکم ران تھا جس کی علمی سرپرستی اور داد و دہش کی بڑی دھوم تھی ۔ اس عہد میں مصنف مقالات الشعرا کے بیان کے مطابق سندھی نژاد اردو شعرا کی تعداد پچاس کے قریب تھی ۔ شمالی ہند میں یہ دور ولی گجـــراتی (المتوفی ۱۱۱۹ھ) آبرو فائز حاتم وغیرہ شعرا کا سمجھا جاتا ہے

---

[۱] سندھ کے جدید اردو شعرا .... ص ۱۳

پھر بارھوین صدی کے آخر سے تیرھوین صدی کے وسط تک ٹال پور حکم ران سندھ پر حکم ران رھے ۔ اردو شاعری کے لیے سندھ مین یہ زرین دور شمار کیا جاتا ھے ۔ اسی دور مین شاھو بنی روبل فقیر خلیفہ نبی بخش خان اور سچل سرمست جیسے باخدا صوفی شعرا پیدا ھوئے ۔جنھون نے سندھی کے ساتھ اردو شاعری کو بھی اپنی تبلیغ اور اظہار خیال کا ذریعہ بنایا ۔ شاھو بنی روبل فقیر ریاست خیرپور کے رھنے والے تھے ۔ " سندھ کے جدید اردو شعرا " کے مصنف نے ان کا ایک شعر نقل کیا ھے لیکن حوالہ نہین دیا ھے :۔

کیا مجھ سون خوشی خطا کہ سجن بولتا نہین
کس بے درد سون ملا رے سجن بولتا نہین

ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹوی (۱۰۲۰ ـ ۱۱۲۰ ھ) کا دیوان اب دستیاب ھے ۔ اس سے کچھ اردو اشعار پیش کیے جاتے ھین ؎

جسطا اس بھوک سون ھم لوک رھتا زخوردن ساگ مولی بوک رھتا
مری جان دیکھنا پھر دکھ نہ دینا کہ محتاج تو کیے/کب مفلوک رھتا

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے بھی دو اردو اشعار ملتے ھین :۔

بلبل روئے رین دن کہان بھئی گل زار[1]
ان کی قیامت آج ھے جن کے بچھڑے یار
لا الـہ کر آرسی الا اللہ سے دیکھ
محمد صورت رب کی اس مین مین نہ میکھ

---

[1] سندھ کے جدید اردو شعرا ۰۰۰ ص ۱۸

حضرت سچل سرمست کے کافی اردو اشعار اب منظر عام پر آگئے هین مثلاً" ــــ

عشق هے امام میرا دیگر امام کیا هے   مئی خانه مین بنا هون اك جرعه جام کیا هے

ــــــ

پکڑ کر تیغ لاهوتی سر میدان آون کا   کلی اب چهوڑ دل بر کی طرف دیگر نه جاؤن کا

ــــــ

تیرهوین صدی کے آخر (یعنی ١٨٤٣ء) مین حیدرآباد کے قریب میانی کے میدان مین تال پورون کا آفتاب اقبال غروب هوا اور سندھ پر مکمل طور پر انگریزون کا قبضه هوگیا ــ اتنے بڑے انقلاب کے باوجود اردو نے سندھ کا دامن نهین چهوڑا ــ اور وه اسی طرح همت و جرأت اور استقلال سے عوام کی خدمت کرتی رهی ــ اس دور کے میان قدر بخش بیدل مخدوم عبدالکریم غلام حسین افضل سبزپوش ٹهٹهوی سید غلام علی گدا هاشمی خاص طور پر قابل ذکر اردو شعرا مین شمار کئے جاتے هین ــ

ــــــــــــــــــــ

حصه دوم

حضرت سائین عبدالغنی قدس اللہ سرہ

"حضرت سائین عبدالغنی قریشی قادری کے جد اعلی مغلون کے دور آخر مین دانا پور (پٹنہ) سے ہجرت کر کے احمد نگر (دکن) مین پناہ گزین ہوئے ـ دانا پور مین آپ کا خاندان ایک اچھے زمین دار ہونے اور پیری مریدی کی وجہ سے بہت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ـ اور غالباً؟ اس خاندان کے ترک وطن کرنے کا یہی باعث بھی ہوا کیون کہ انگریزون کے تسلط کے بعد اس خاندان کو انگریزون سے بہت زیادہ خطرہ اور خوف تھا ـ ترک وطن کے وقت حضرت سائین عبدالغنی کے والد ماجد مولانا محمد بشیر صاحب جوان تھے لیکن ان کی شادی نہین ہوئی تھی ـ احمد نگر (دکن) مین آپ اپنے ایک قدیم آشنا مولانا قاضی عبدالکریم صاحب (قاضی شہر) کے مکان مین ٹھہرے تھے ـ قاضی صاحب کی خواہش پر سائین عبدالغنی صاحب کے دادا نے اپنے فرزند مولانا محمد بشیر قریشی کی شادی ان کی صاحبزادی سے کردی ـ وہان سے پونا ہوتے ہوئے آپ کا خاندان کراچی پہنچا اور پھر یہین سکونت پذیر ہوگیا ـ حضرت سائین عبدالغنی کے دادا نے کراچی صدر مین ایک دومنزلہ مکان تعمیر کرایا اور ملازمت اور کاروبار کے ذریعہ گذر اوقات کرنے لگے ـ حضرت سائین عبدالغنی کی پیدائش یہین کراچی مین تقریباً "١٢٦٠ھ / مطابق ١٨٤٤ء مین ہوئی ـ

حضرت سائین عبدالغنی نے ابتدائی تعلیم اپنے پھوپھی حافظ علم الدین صاحب قادری سے حاصل کی پھر علوم باطنی اور روحانی کی طرف راغب ہوگئے اور مرشد کامل کی تلاش مین اکیس سال تک شہر بہ شہر کو بہ کو کی خاک چھانتے پھرے ـ

حضرت سائین عبدالغنی کے والد بلکہ ان کا پورا خاندان ہی پیر صاحب پگارو حضرت سید محمد بقا شہید شاہ قادری کا معتقد تھا ۔ آپ کے والد نے حضرت سائین عبدالغنی کو بھی نو برس کے سن مین ان کے آستانہ پر بیعت کے لئے حاضر کیا ۔ لیکن سائین عبدالغنی کی تسکین قلبی وہان نہ ہوئی اور وہ اور مرشد کامل کے تجسس مین رہے ۔ تیرہ برس کے سن مین آپ فقر و درویشی کی طرف پوری طرح مائل ہوگئے ۔ دنیا سے دل ٹوٹ گیا ۔ اور وہ اپنے دوست سید قاسم علی قلعی گر کی دوکان مین قبر نما گڑھا کھود کر کڑی ریاضت مین مشغول ہوگئے ۔ آپ کے والد ماجد کو اس کی خبر ہوئی تو انھون نے سمجھایا کہ ابھی سے اتنی سخت ریاضت نہ کرو ۔ سائین عبدالغنی گھر تو آگئے لیکن پھر یکایک گھر سے روانہ ہوکر اجمیر شریف روضہ مبارک پر حاضر ہوئے وہان شیر علی شاہ نامی ایک فقیر ان کو اپنے ساتھ احمدنگر گجرات لے گیا اور وہان بڑی ریاضتین کرائین ۔ خانوادہ ادھیان کے سرگروہ سرفراز علی شاہ نے آپ کو مکمل شجرہ لکھ کر حوالہ کیا اور رخصت کیا ۔ وہان سے رخصت ہوکر آپ کراچی پہنچے ۔ کچھ دنون تک یہان ٹھہر کر پھر نکل گئے ۔ اور مختلف جگہ جگہ کی خاک چھانتے رہے کہین غارون مین چلہ کش ہوئے ، کہین اللہ والون کی صحبت سے مستفیض ہوئے ۔ آخر مین کسب کمال کے بعد اپنے مسکن قدیم پر کراچی واپس ہوئے اور رشد و ہدایت مین مشغول ہوگئے ۔ ۰ [1]

(۱) سائین عبدالغنی کے حالات زندگی کچھ تو ان کے پوتے سائین سعید سے اور کچھ ان کے ناتی محمد علیم الدین القادری علمی سے معلوم ہوئے ۔ حالات زندگی کی ترتیب مین رسالہ "مرغوب موجدان" سے بھی مدد لی گئی ہے ۔

حضرت سائیں عبدا لغنی کو اللہ نے جمال اور بڑا جلال دونوں عطا فرمایا تھا ـ آواز مین غیر معمولی شیرینی اور کشش تھی ـ آپ اکثر یکتارے پر اپنا عارفانہ کلام گاتے تو لوگون پر تحیر کی کیفیت طاری ہوجاتی ـ آپ کے صاحب زادے حضرت صوفی عبدالرشید نے ایک جگہ لکھا ہے [1] کہ آپ کو ترشتہ مرشدان کامل اور ولی اللہ بزرگون سے اکتساب فیض کا موقع حاصل ہوا تھا ـ اور پھر آپ نے ان سب کا نام بھی لکھا ہے ـ لیکن آپ کا سلسلہ طریقت حضرت شاہ گل حسن قلندر قادری سے چلتا ہے جیساکہ ان کے شجرہ سے ظاہر ہے ـ

کراچی مین آپ نے حلقہ ذکراللہ کی بنیاد رکھی ـ اور جونا دھوبی گھاٹ لیاری مین خلقہ شریف تعمیر کرایا جہان ہر اتوار کو چار بجے شام کے وقت تعلیم عرفان، ہدایت خودشناسی و خداشناسی دی جاتی ـ اور تمام مذاہب کے اصحاب کو اسی رنگ مین توحید باری تعالیٰ کی تعلیم دیتے ـ ہر چاند کے گیارہ تاریخ کو ذکر قادریہ ہوا کرتا ـ چودھوین رات کی ساری رات ذکر الٰہی مین بمعہ مریدین کے گذارتے اور شب و روز اسرار تصوف کے کلام موزون فرماتے ـ آپ کے صاحب زادے حضرت شاہ عبدالرشید ایک جگہ لکھتے ہین :ـ

[2] " دنیا مین رہ کر دنیا سے علیحدہ، دور دور سے تشنہ لبان آتے، سیراب ہوکر شادمان جاتے ـ آپ کی مجلس مین کیسا بھی غمگین آتا یک لخت اس کا غم کافور ہوتا ـ قبلہ کو ایسا مرد کامل

---

(۱) مرغوب موحدان ص ۸ مطبوعہ عباسی پریس کراچی ۱۳۵۸ھ
(۲) ایضاً " ص ۱۱

مل گیا جس نے قبلہ کے قبلہ اجتہاد و ریاضت کو ٹھکانے لگا دیا ،
من عرف نفسہ فقد عرف ربہ سے پورا پورا واقف کرادیا ،
قید و بند سے آزاد کرادیا ، منزل مقصود پرپہنچا دیا ۔"

آپ کا وصال ۲۱ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۳۸ء کو ہوا ۔ " قطب هند آه سائین غنی " سے وصال نکلتا ہے ۔ آپ کے وصال کی تفصیل " رسالہ موحدان " مین آپ کے صاحب زادے نے لکھی ہے ۔ آپ کا مزار اقدس لیاری قبرستان مین مرجع خلائق ہے ۔ آپ اردو ، هندی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے آپ کے کچھ کلام کا ایک مختصر مجموعہ "کلام پر عرفان غنی " کے نام سے طبع ہو چکا ہے ۔ نثر مین آپ کے ملفوظات بھی شائع ہوئے هین ۔ اسی سے آپ کے نثر کا نمونہ درج ذیل ہے :-

"[1] من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ۔ پس معلوم ہونا چاہئے کہ خداوند جل علا شانہ کی معرفت انسان کو اپنی معرفت سے حاصل ہوگی ۔ اپنی جان کی معرفت گویا خداوند پاک کی معرفت ہے ۔ سمجھنا چاہئے جو کچھ چیزین بالتفصیل جہان مین موجود هین وہ سب انسان مین بالاجمال موجود هین مگر اوس کے مشاہدے اور معائنے کے لئے مرشد کامل اور کسب ریاضت کی ضرورت ہے ۔

جب تک حالت ناسوتی یعنی حواس ظاہری سے حواس باطنی کی حالت اپنے اوپر طاری نہ کرے گا تب تک اپنی حقیقت کا کما حقہ مشاہدہ یا انکشاف ممکن نهین ۔ اس کے لئے تین باتین ضروری هین

---

(۱) ملفوظات حضرت سائین غنی مطبوعہ کامل پریس ص ۱۲ ــ ۱۵ سنہ نہ دارد

یا تو وھبی طور پر یعنی خدائے پاک کی مہربانی ہو ۔ یا مرشد پاک کی توجہ یا اپنے کسب ریاضت سے ۔ بغیر ان تین امر کے محال ہے کہ منزل مقصود تک پہنچے ۔ پہلی بات تو فقط شاذ و نادر ہے ۔ لاکھون کروڑون مین کسی ایک کو وھبی طور سے اپنی حقیقت کماحقہٗ کا انکشاف ہو ۔

دوسری بات خوش قسمتی سے ہی مرشد کامل تک پہنچے اور وہ بذریعہ نظر با اثر توجہ کرے جس سے سیر جان کی نعمت سے مشرف ہو ۔ مگر ہان عام طور سے علم معرفت حاصل کرکے راہ مقام منازل سے واقف ہوکر کسب و ریاضت و عمل کے ذریعہ سے عاشق صادق بہرہ ور ہوسکتا ہے ۔"



میر عبدالحسین خان سانگی

ہزہائی نس میر عبدالحسین خان سانگی تالپور فرمان روا میر محمد نصیر خان کے پوتے اور میر عباس علی خان کے صاحب زادے تھے ۔ آپ کی پیدائش ۱۸۵۱ء مطابق ۱۲٦۸ھ مین کلکتہ مین ہوئی جب کہ آپ کے والدین اور پورا خاندان ہی انگریزون کی قید مین تھا ۔ ۱۸٦۳ء مین جب آپ کا خاندان قید فرنگ سے آزاد ہوکر سندھ واپس ہوا تو آپ بھی اپنے چچا میر محمد حسین خان کے ساتھ سندھ پہنچے ۔ کلکتہ مین وہ فارسی کی تعلیم مرزا حسن علی عرف مرزا بزرگ المتخلص بہ "باونا" سے حاصل کرتے رہے تھے ۔ سندھ آنے کے بعد فارسی کی تعلیم کے لیے اخوند احمد بن عبدالحلیم ساونی ہالائی، اردو کے لیے مولوی ابوالحسن بن مولوی مہدی حسن لکھنوی اور سندھی کے لیے غلام محمد شاہ گدا متعین ہوئے ۔ اعلٰی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوکر فرسٹ اسپیشل مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز رہے[1]۔

---

[1] سوانحی حالات جناب نبی بخش خان بلوچ کی کتاب "سندھ مین اردو شاعری" ص ۲۳۰ ۔ ۲۳۱ مطبوعہ سندھ پرنٹنگ پریس (بار دوم) ۱۹۷۰ء سے لیے گئے ہین۔

میر عبدالحسین خان سانگی فارسی، عربی کے بہت بڑے فاضل اور سندھی، فارسی اور اردو کے قادرالکلام شاعر تھے ۔ سندھی میں سانگی اور اردو فارسی میں عبدالحسین تخلص کرتے تھے ۔ فن موسیقی سے آپ کو بہت شغف تھا اس لیے سندھی میں "کافیان" بہت لکھین ۔ ان کی یہ سندھی کافیان "سوز سانگی" کے نام سے مرتب ہوئی تھی جو اب نایاب ہے ۔ ۱۹۰۲ء تک ان کے دو دیوان شائع ہوئے تھے ۔ تیسرا دیوان ان کا ۱۹۰۸ء میں مرتب ہوا ۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے جب سانگی کی کلیات مرتب کی تو ان کے مذکورہ بالا تینون دیوان کو بھی اس میں شامل کردیا اور یہ ان کی مرتب کردہ "کلیات سانگی" ۱۹۶۹ء میں سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع ہوچکی ہے ۔

سانگی کو حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی سے حد درجہ عقیدت تھی ۔ انھون نے "شاہ جو رسالو" کے نسخے نقل کروائے اور خود بھی نقل کیئے ۔ ان کی سوانح حیات سے متعلق روایات "لطائف لطیفی" کے نام سے جمع کین ۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اس کو ۱۹٦٧ء میں مرتب کرکے بھٹ شاہ ثقافتی مرکز کمیٹی کی طرف سے شائع کرایا ہے جیساکہ ڈاکٹر بلوچ صاحب نے لکھا ہے کہ "لطائف لطیفی" سانگی نے ۱۹ جولائی ۱۸۸۸ء کو مکمل کیا تھا ۔

سانگی کا دور ادبی دور کہلاتا ہے ۔ انھون نے سندھی شعروادب کو قدیم رجحانات، پرانے اور فرسودہ خیالات سے آزادی دلاکر جدید رجحانات، اچھوتے اور نادر خیالات سے ہم کنار کرایا ۔ ان کی کلیات میں ان کی "۵۴" اردو غزلین ہین

اور ایک منظوم خط شامل ہے ۔ جناب ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے ان کے " کلیات " کے مقدمہ مین ایک جگہ لکھا ہے :۔

" ان کو ۱۹ ــ ۱۹۱۷ء کے درمیان اردو شاعری سے خاص دلچسپی رہی ۔ اس عرصہ مین اس نے اردو شعرا کے تذکرے اور دیوان مطالعہ کئے ۔ اس کے ساتھ ان افراد کے کلام کا انتخاب بھی کیا ۔ وہ ضخیم انتخاب تقریبا " چار حصون مین "ہندی شعراء" کے نام سے قلمی حالت مین موجود ہے ۔ ہندی یعنی اردو کے تقریبا " چھ سو شعرا کے کلام کا انتخاب کیا ہے ۔ ایک دیوان جس کا نام دیا ہوا نہین ہے وہ ٦/ مئی ۱۹۱۹ء کو مکمل کیا ۔ اس کے متعلق اردو مین (ان کی) یہ تحریر ملتی ہے ۔" (ترجمہ)[1]

میر عبدالحسین خان سانگی کی اردو نثر کا صرف یہی نمونہ دست یاب ہوا ہے جو اس جگہ درج ذیل کیا جارہا ہے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فارسی اور سندھی مین ہی زیادہ تر لکھتے تھے ۔ اردو لکھنے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی وہ اردو مین بہت کم لکھتے تھے اور جب لکھتے بھی تھے تو وہی قدیم فارسی اور عربی الفاظ سے مرکب انداز مین ۔ نمونہ تحریر ملاحظہ ہو :۔

" اس دیوان نایاب کے چیدہ پسندیدہ بقدر قلیل اور عبیر ناچیز اقرب الی الفہم چن کر جدا نسخہ انتخاب سہولت کے لیے کر کے[2]

---

[1] کلیات سانگی ۔ مرتبہ جناب ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ در ۱۹٦۹ء ص ۵۰ ــ ۵۱

[2] ایضا " ص ۵۱

دوسری کتاب پر نقل تسطیر کیا گیا ۔ وہ اور یہ تحریر روزی عبرت انگیز ھم حیرت خیز بہ معائنہ کنان خلف ھون گے اور وہ اس کو سلف کر کے مانیگے اور فرمائنگے فاعتبرو یا اولی الابصار ۔

خادم الفقرا عبدالحسین خان بن سرکار شوکت‌مدار
میر عباس علی خان نوراللّٰہ مرقدہ بہ کنار
دریاے سندھ کہنہ کیمپ بنگلہ خودم ۔
تاریخ ٦/مئی ۱۹۱۹ء "

اس انتخاب کے آخر کے حصہ مین ایک جگہ پر "یقین سرھندی "کے منتخب اشعار لکھنے کے ایک دو ورق بعد یہ لکھا ہوا ھے :۔

" انتخاب دیوان عاشق ھند و تمام ھوا "

۱۲ نومبر ۱۹۱۹ء
بنگلہ خودم کنار دریا ببیارو اندراج یافت
عبدالحسین خان ۔

میر عبدالحسین خان سانگی کا انتقال ۱۳۴۲ ھ مطابق ۱۹۲۴ء مین ھوا اور وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے قریب سپرد خاک کیے گئے ۔



شمس العلما مرزا قلیچ بیگ

علم و فضل اور شعر و ادب کے لحاظ سے سندھ ہمیشہ برصغیر کا بہت ہی مردم خیز خطہ رہا ہے ۔ ہزاروں علم و فضل کے گنجہاے گران مایہ یہاں زیر زمین دفن ہیں ۔ انہی گنجہاے گران مایہ کے ایک انمول رتن شمس العلما مرزا قلیچ بیگ بھی ہیں ۔ "آپ کی پیدائش ٹنڈو ٹھوڑو (قلیچ آباد) کے ایک چھوٹے سے مکان میں ۴ اکتوبر ۱۸۵۳ء کو ہوئی تھی ۔ یہ مقام باب الاسلام حیدرآباد کے قریب نہر پھولیلی کے بائیں کنارے پر واقع ہے ۔ آپ اپنے والد مرزا فریدون بیگ کے تیسرے فرزند تھے ۔ آپ کا خاندان سندھ کے حکمران میر کرم علی خان کے عہد حکومت میں یہاں آیا تھا اور اس وقت سے اسے برابر عزت کا مقام حاصل رہا ۔"[1]

مرزا قلیچ بیگ کی ابتدائی تعلیم بستی کے ایک مکتب میں اخوند شفیع محمد سے ہوئی ۔ عربی اور فارسی کی تعلیم قاضی احمد متعلوی سے انہوں نے حاصل کی ۔

---

[1] مرزا اعجاز علی بیگ نبیرہ مرزا قلیچ بیگ کی تحریری اطلاع کے مطابق جو محفوظ ہے ۔

پھر اپنے بڑے بھائی خان بہادر مرزا صادق علی بیگ ڈپٹی انسپکٹر اف اسکولز کے اتباع اور ایما پر وہ ھائی انگلش اسکول مین داخل ہوگئے اور "ایلس پرائز" لے کر بہت شان دار نمبرون سے میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا ۔ اسی زمانے مین آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا لیکن آپ نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور بمبئی کے "الفنسٹن کالج " مین داخلہ لے لیا ۔ خوش قسمتی سے وہان ان کو پروفیسر مرزا حیرت جیسا شفیق استاد مل گیا جن کی رہنمائی اور سرپرستی مین انھون نے فارسی زبان پر اہل زبان کی سی قدرت اور مہارت حاصل کرلی ۔ اور انھی کی صحبت مین انھین تصوف سے بھی آشنائی ہوئی ۔ وہان وہ اپنی تعلیم کو مکمل نہ کرپائے تھے کہ اچانک آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا ۔ اس غم نے انھین بہت بے حال کردیا اور وہ محزون و دل برداشتہ اپنے وطن حیدرآباد واپس آگئے ۔

وطن واپس آکر مرزا صاحب نے ۱۸۷۲ء مین حیدرآباد گورنمنٹ ھائی اسکول مین فارسی کے ٹیچر کی حیثیت سے ملازمت کرلی ۔پھر وہ اپنے بعض رشتہ دارون کے مشورے پر محکمہ مال (ریونیو) کے اندر میر منشی ہوگئے اور وہین سے اعلیٰ شعبہ جاتی امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۸۷۸ء مین "مختیار کار" کے عہدے پر ترقی پا گئے ۔ اس شعبہ مین انھون نے بڑی سرگرمی، ذمہ داری اور تن دھی سے کام انجام دیے ۔ ان خدمات کے اعتراف مین حکومت کی طرف سے ۱۹۰۶ء مین وہ تمغۂ "قیصر ھند" سے سرفراز کیے گئے ۔ ۱۹۱۰ء مین وہ سرکاری ملازمت سے ڈپٹی کلکٹر ہوکر ریٹائر ہوئے ۔

سندھ میں ان کی خاندانی شرافت اور وجاہت، ان کے گھر کا علمی و ادبی ماحول جس میں انھوں نے آنکھیں کھولیں، مشہور ادبی مراکز اور انجمنوں سے ان کی وابستگی اور سب سے بڑھ کر شعر و ادب سے فطری محبت نے انھیں اپنے آپ کو ادبی زندگی میں ڈھال دینے کے مواقع فراہم کئے اور ان سازگار حالات سے فائدہ اٹھاکر انھوں نے سندھی ادب کی خدمت میں بہت بڑا کردار ادا کیا۔

مرزا صاحب ایک عظیم اسکالر تھے۔ انھیں کئی مختلف زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ عربی، فارسی، سندھی، اردو، انگریزی، ترکی، بلوچی اور ھندی زبانوں سے نہ صرف انھیں اچھی طرح واقفیت تھی بلکہ ان میں سے بعض پر وہ اہل زبان کی سی قدرت اور مہارت رکھتے تھے۔ ان میں سے اکثر زبانوں میں ان کی تصنیف اور ترجمے سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ وہ سندھی اور اردو زبان کے قادرالکلام شاعر اور صاحب طرز ادیب تھے۔ اپنے معاصرین میں وہ بجا طور پر سندھی زبان کے شکسپیر اور عمر خیام کے نام سے مشہور تھے۔ انھوں نے سندھی زبان کی بہت زیادہ خدمت کی۔ اس بنا پر لوگ ان کو "بابائے سندھی" بھی کہتے تھے۔

مرزا صاحب کے نبیرہ اعجاز علی بیگ مرزا نے اپنے ایک انگریزی مضمون میں ان کی چار سو پچاس تصانیف کی نشان دہی کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ مرزا صاحب نے مختلف موضوعات اور اصناف ادب پر قلم اٹھایا ہے اور وہ جہاں ایک مورخ، جغرافیہ دان، ریاضی دان، فلسفی، منطقی اور طبیب کی حیثیت سے اپنا ایک مقام رکھتے ہیں وہاں انھوں نے ایک عالم دینیات، ماہر علم النجوم اور نقاد کی حیثیت سے بھی بہت سی

اہم تصانیف یادگار چھوڑی ہین ۔ ان مین سے کچھ مطبوعہ ہین اور بقیہ سب غیر مطبوعہ، ان کے ذی علم اور لائق ورثا کے قبضہ مین محفوظ ہین ۔ امید ہے کہ "سندھی ادبی بورڈ" ان نادر مخطوطات کو جلد از جلد عوام تک پہنچاکر علم دوستی اور ادب نوازی کا ثبوت دے گی ۔

مرزا صاحب نے یون تو اپنی ملازمت کی غیر معمولی مصروفیات کے باوجود علم و ادب کی خدمت مین کمی نہ کی لیکن چھپن برس کی عمر مین جب وہ ریٹائر ہوکر گھر بیٹھے تو پھر انھین دل کھول کر اور پورے جوش و ولولے سے شعر و ادب کی خدمت کے مواقع ملے ۔ انھون نے بعض اہم کتابون پر مقدمے اور تبصرے لکھے اور اکثر تحقیقی اور علمی کام کرنے والون کو اپنے علمی مشورے سے مدد فرماتے رہے ۔ ان کی علمی خدمات کے اعتراف مین حکومت برطانیہ نے انھین ۱۹۲۲ء مین "شمس العلماء" کا خطاب عطا فرمایا ۔

مرزا صاحب بہت سی ادبی علمی اور سماجی انجمنون کے ممبر تھے اور اس سے ان کو خدمت کرنے کے مواقع حاصل ہوتے رہتے تھے ۔ وہ سندھ اسلامیہ انجمن اور انجمن "شیعہ کانفرنس" کے سرگرم ممبر تھے ۔ ان کی طبیعت مین رواداری اور صلح پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندو، مسلمان، پارسی، یہودی، عیسائی، ہر طبقے مین یکسان مقبول تھے اور سب ہی ان کی علم دوستی اور مرنجا مرنج طبیعت رکھنے کے باعث عزت کرتے تھے ۔

مرزا صاحب اسلام کے شیدائی تھے اور مذہب اسلام سے ان کی یہ شیفتگی مختلف مذاہب کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد پیدا ہوئی تھی ۔ مشہور ہے کہ ایام جوانی مین ان کو ایک یوروپین خاتون (مس موریا) سے محبت ہوگئی تھی لیکن چون کہ اس کو حلقۂ ازدواج مین لانے کی پہلی شرط مذہب اسلام ترک کرکے عیسائیت قبول کرنا تھی اس لیے مرزا صاحب نے مذہب پر محبت کو قربان کردینا پسند کیا اور اس محبت کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہا ۔

مرزا صاحب کی خانگی زندگی بڑی پرسکون اور دل کش تھی ۔ وہ ایک محبت کرنے والے شوہر، شفیق باپ، ہمدرد ہمسایہ، باوفادوست اور رحم دل آقا تھے ۔ مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے شہرت اور دولت کے ساتھ اولاد کی نعمت سے بھی نوازا تھا ۔ آپ اٹھارہ لڑکے اور تین لڑکیون کے باپ تھے ۔

مرزا صاحب کا انتقال ستر برس کی عمر مین ۳ / جولائی ۱۹۲۹ء کو اپنے آبائی وطن ٹنڈو ٹھوڑو (قلیچ آباد) مین ہوا اور وہین اپنے آبائی قبرستان مین وہ سپرد خاک کیئے گئے ۔

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اپنی تصنیف " سندھ مین اردو شاعری " مین ان کی اردو شاعری کو تفصیل سے پیش کیا ہے ۔ ان کا بیان ہے کہ

لہ " مرزا قلیچ بیگ کو اوائل عمر سے شاعری کا شوق تھا ۔ قلیچ تخلص کرتے تھے اور فارسی، سندھی، سرائیکی مین عام اصناف سخن مین طبع آزمائی کی ۔ ترکی مین بھی اشعار کہے ۔ ان کی

لہ سندھ مین اردو شاعری ص ۲۲۱

تالیف " سودا ے خام " مین ان کا اردو کلام کافی موجود ہے۔"

مرزا صاحب ایک صوفی منش اور خدارسیدہ بزرگ تھے ۔ دوران تعلیم مرزا حیرت نے جس تصوف سے ان کو آشنا کیا تھا آگے چل کر اس نے ان پر گہرے اثرات مترتب کئے ۔ ان کی شاعری مین تو تصوف کی چاشنی ملتی ہی ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنے دنیاوی کامون مین بھی ایک باخدا انسان معلوم ہوتے تھے۔ ان کا اصول حیات اس شعر کے مطابق تھا :۔

به گیر رسم تعلـق دلا ز مرغابی
که او ز آب چو برخاست خشک پر برخاست

ان کے خاندان والون سے پتا چلا کہ وفات سے تیس سال قبل انھون نے اپنی قبر بھی تیار کروالی تھی اور کفن سے لے کر سوئی دھاگہ تک خرید کر رکھ چھوڑا تھا ۔ انتقال سے چند لمحے قبل آپ نے ایک مرتبہ "یا اللّٰہ " کا نعرہ مارا اور اپنے مالک حقیقی سے جاملے ۔ اپنی تاریخ وفات بھی انھون نے قبل ہی لکھ چھوڑی تھی اور وہ اس طرح ہے :۔

عمرم به همین سال چو هفتاد و شد و هفت
آمد ملک‌الموت ز درگاه حـق آخـر
گفتا که بسے زیستی در منـزل دنیا
شو عازم عقبـلی که به بینـی رخ داور
از فـرط مسرت ز دم آهـے و به مردم
در عالم ارواح رسیدم دم دیگـر

تاریخ وفاتم چون دلم خواسته از غیب
هاتف زکرم کرد ندا بخت موثر

۱۳۲۸ ھ

مرزا قلیچ بیگ کی مندرجہ ذیل تصانیف میری نظر سے گزری ھین :-

(۱) سودائے خام (حصہ اول) (۲) سودائے خام (حصہ دوم)

(۳) ابکار الافکار (حصہ اول) (۴) مخزن القوافی المعروف بہ تحفة الشعراء

(۵) خصائص القران (٦) توبہ اور اس کی حقیقت (۷) خورشید (ڈرامہ)

(۸) لیل و نہار عرف تقدیر کا کھیل (ڈرامہ)

(۱) سودائے خام حصہ اول مین مرزا صاحب کے فارسی اور سندھی اشعار جمع کئے گئے ھین ـ یہ ۱۹۱۳ء مین طبع بھی ھوچکا ھے ـ یہ دو سو آٹھ (۲۰۸) صفحات پر مشتمل ھے ـ

(۲) سودائے خام حصہ دوم مین مرزا صاحب کے فارسی اور سندھی اشعار کے ساتھ اردو اشعار بھی شامل کئے گئے ھین ـ اس کی ترتیب دیوان کے اصول پر نہین بلکہ مجموعہ اشعار کے طور پر ھوئی ھے ـ یہ مجموعہ ھنوز غیر مطبوعہ ھے ـ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اپنی تصنیف " سندھ مین اردو شاعری " مین مرزا صاحب کے اردو کلام کا نمونہ اس سے پیش کیا ھے ـ مرزا صاحب کی اردو شاعری کو پڑھ کر ان کی نادرالکلامی اور ندرت فکر کا اعتراف کرنا پڑتا ھے ـ

(٣) ابکار الافکار (حصہ اول) مین مرزا صاحب نے بعض مشہور اردو شعراء جیسے مومن، شاہ نصیر، غالب، ذوق وغیرھم کے پسندیدہ اشعار کو منتخب کرکے ایک جگہ جمع کیا ھے۔ یہ کتاب ان کی تصنیف کے زمرے مین تو نہین آتی البتہ بیاض کہی جاسکتی ھے لیکن اس کو انتخاب سے ان کے اعلیٰ استدراک شعری اور شاعری کے پاکیزہ مذاق کا ضرور صحیح اندازہ ھوتا ھے اور اس لحاظ سے یہ قابل قدر ھے ۔ اس کتاب کے آخر مین دو مذھبی نوعیت کے مضامین کے اردو ترجمے بھی درج ھین ۔ یہ قلمی نسخہ مرزا صاحب کے ورثاء کے پاس محفوظ ھے ۔

(۴) مخزن القوافی المعروف بہ تحفۃ الشعرا ۔ یہ کتاب مرزا صاحب کی فن شاعری مین مہارت اور اعلیٰ مذاق کی نشان دھی کرتی ھے ۔ اس کتاب کو افادیت کے تحت ۱۸۹۸ء مین "پیسہ اخبار" لاھور نے چھاپ بھی دیا تھا ۔ اس کی وجہ تصنیف پر روشنی ڈالتے ھوئے مرزا صاحب نے دیباچہ مین لکھا ھے :-

> " اما بعد واضح ھو کہ بہت مدت سے آرزو تھی کہ شاعرون کی مدد کے واسطے ایک ایسی کتاب لکھی جاوے جس مین ایک ردیف اور قافیہ کے جو جو الفاظ فارسی یا عربی زبان مین ھون وہ سب یکجا موجود ھوسکین ..... اس کتاب کے لکھنے مین لغات سروری سے مجھے بہت مدد ملی ھے ۔ اس طرح کہ فقط آخری حرف والے الفاظ جمع کرنے کی تکلیف معاف ھوگئی اور اکثر اردو معنی بھی اسی کتاب سے دیے ھین ۔ "

(۵) خصائص القرآن :۔ مرزا صاحب کی یہ مذہبی تصنیف ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے جو انھون نے ۱۹۲۱ء مین لکھی تھی ۔ اس کتاب کے پڑھنے سے مرزا صاحب کی مذہبی اور دینی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ وہ قران شریف کی تلاوت جس تعمق نظری اور مذہبی غلو کے ساتھ کرتے تھے وہ قابل تقلید ہے ۔ دیباچہ مین سبب تصنیف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہین :۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ اما بعد معلوم ہو کہ قرآن مجید مین کتنے ہی عمیق اسرار اور عجیب اثار اور رموز اور خواص موجود ہین جو باریک خیال اور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوسکتے ہین اور ان کے معلوم ہونے سے اہل اسلام وغیرہم حیران ہوتے ہین اور بہت حظ اٹھاتے ہین ۔ اس نظر پر بعضے مصنفان اس سے آگے چند کتابین لکھے ہین مثلاً" جواہر القران رموز القران میزان القرآن احکام القران ارشادات القران نجوم القران عنوان القران آئینۂ قران در التنظیم فیض الرحمن فی تسہیل القران وغیرہ ہم اور مین بھی اس سے آگے مفتاح القران انتخاب القران اور اشعار القران لکھا ہون ۔ اوسکے بعد چند مدت سے قران پڑھنے کے وقت اکثر میری نظر مین کوئی خاص چیزین نظر آتی رہین اور مین ان پریشان کرتا گیا ۔ آخر جب تمام ہوئے تب اون کو اس کتاب مین جمع کیا ہون اور اون کی تقسیم سات بابون مین کی گئی ہے ۔ "[۱]

---

[۱] خصائص القران قلمی در ذاتی کتب خانہ مرزا قلیچ بیگ ص ۱

اس دیباچہ کے پڑھنے سے ایک بات اور بھی واضح ہوتی ہے کہ مرزا صاحب نے خصائص القرآن سے پہلے بھی اس طرح کی تین کتابیں مفتاح القرآن، انتخاب القرآن اور اشعار القرآن کے عنوان سے لکھی تھیں جو اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہیں ۔

(٦) توبہ اور اس کی حقیقت :۔ یہ مرزا صاحب کا ایک خطبہ ہے جو انہوں نے " تھاسفیکل ہال " کراچی میں ١٣ دسمبر ١٩٢٠ء کو دیا تھا ۔ یہ اٹھارہ (١٨) صفحات پر مشتمل پر مغز اور مذہبی معلومات سے پر خطبہ ہے ۔

(٧ ۔ ٨) مرزا صاحب کے دو ڈرامے بھی ملتے ہیں ۔ ان میں سے ایک کا نام خورشید اور دوسرے کا نام لیل و نہار عرف تقدیر کا کھیل ہے ۔ خورشید (٨٨) اٹھاسی صفحات پر مشتمل پانچ ایکٹ کا ڈرامہ ہے جیساکہ مخطوطہ میں درج ہے اس ڈرامہ کا سنہ تصنیف ١٦ فروری ١٨٧٨ء ہے یعنی جب مرزا صاحب پچیس (٢٥) برس کے تھے دوسرا ڈرامہ " لیل و نہار عرف تقدیر کا کھیل " ہے ۔ یہ ١٠ دسمبر ١٩٠٥ء کو مکمل ہوا تھا ۔ یہ ڈرامہ تین ایکٹ پر مشتمل ہے ۔ اور ہر ایک ایکٹ میں کئی سین ہیں جس کے لیے ڈرامہ نگار نے " دکھاوا " کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ یہ دونوں ڈرامے نثر میں لکھے گئے ہیں ۔ جگہ جگہ بیچ میں غزلیں اور اشعار بھی لائے گئے ہیں ۔

ان دونوں ڈراموں میں ڈرامہ نگار نے آغا حشر کشمیری کا رنگ اختیار کرنا چاہا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوسکے ہیں ۔ یہ دونوں ڈرامے گرچہ بہت اچھے نہیں ہیں اور

ان مین فنی اور زبان کی خامیان پائی جاتی هین لیکن ڈرامه نگار کی اس لگن اور ولوله کا پتا چلتا هے جو ان کو اردو اصناف ادب سے تھا اور جس کے تحت یه کوشش کی گئی هے ۔ ڈرامه نگار نے ان ڈرامون کے مکالمے بیشتر مقفٰی لکھنے کی کوشش کی هے ۔ مثال کے طور پر دوچار مکالمے ملاحظه هون :۔

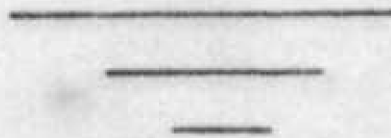
" اشرف ۔ (سوسن سے) نسترن بھی سات بگڑی بات جاتا هون

سلام ۔ جھگڑا تمام ۔

سوسن ۔ ٹھہرو ۔ اپنا وعده پورا کرو

اشرف ۔ وعده جهنم مین ڈالو ۔ اب میری آبرو سنبھالو ۔ "

مرزا صاحب کی اردو نثر علمی اور مذهبی طرز کی هوتی تھی اور اس مین صفائی اور دل کشی پائی جاتی هے ۔ فارسی عربی کے الفاظ برمحل اور خوبی سے استعمال کرتے تھے ۔



حکیم فتح محمد صغیر سہوانی (سیوستانی)

" حکیم فتح محمد حکیم سیہوستانی کے والد ماجد غلام محی الدین صاحب اپنے وقت کے بہت جید عالم اور دست شفا طبیب تھے ۔ یہ عباسی خاندان سندھ کے مشہور شہر سہون میں بہت عرصے سے متوطن ہے ۔ حکیم فتح محمد صاحب یہین اپنے آبائی گاؤں میں ١٨٥٣ء کو پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد ضلع دادو کے ایک گاؤں سیتا تحصیل کے مدرسے مین داخل ہوئے جو اس زمانے مین علوم شرقیہ کا مرکز خیال کیا جاتا تھا ۔ مولانا محمد عمر سیتائی اس مدرسے کے منتظم اور مدرس اعلی تھے ۔ یہان سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد نوشہرہ فیروز مین خان بہادر الہندو شاہ کے مدرسے مین کئی سال تک کام کرتے رہے ۔ ١٩٠٢ء مین حیدرآباد آگئے اور اپنے بھائی قاضی عبدالقیوم کے ساتھ مل کر گاڑی کھاتے مین مطب شروع کیا ۔ طبابت آپ کا خاندانی پیشہ تھا ۔ خلوص، ہمدردی اور لیاقت کی وجہ سے بہت جلد مقبول خاص و عام ہوگئے ۔ سندھ کے اکثر امراء اور روسا آپ سے طبی مشورے لینے لگے ۔ ١٩١٥ء مین لوگون کے اصرار پر آپ نے کراچی کچہری روڈ پر اپنا مطب قائم کیا اور بہت جلد مرجوعہ خلائق ہو گئے ۔ ١٩٢٥ء مین مونسپل کارپوریشن

کراچی کے میور منتخب ہوئے اور وہین مولانا محمد صادق (کھڈے والے) کے ساتھ مل کر مشہور علمی و دینی مدرسہ مظہرالعلوم کی بنیاد رکھی۔"[1]

حکیم صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز تیرہ سال کی عمر ہی سے شروع ہوگیا تھا ۔ آپ کو عربی، فارسی، سندھی اور اردو چارون زبانون پر پوری دست رس حاصل تھی اور سندھی، اردو، فارسی، تینون زبانون مین شعر کہتے تھے ۔ سندھی مین صغیر اور اردو مین حکیم تخلص کرتے تھے ۔ رسالہ ساقی کے جوبلی نمبر ۱۹۵۵ء مین لطف اللہ بدوی صاحب نے حکیم صاحب کی لیاقت علمی اور شاعری کا اعتراف ان الفاظ مین کیا ہے :-

"مولوی فتح محمد صغیر (حکیم) اپنے دور کے ادیبون مین بلند مقام رکھتے تھے ۔ ان کی تصنیفات مین سے سیرت النبی کمال و زوال مومن جی صاحبی بہار اخلاق مشہور کتابین ہین مخدوم شہباز قلندر کے حالات مین ایک چھوٹا سا رسالہ بہ نام آئینہ سکندر اردو زبان مین بھی لکھا ہے ۔غالبا" سندھ کا یہ اولین مصنف ہے جس نے اردو نثر مین ایک مستقل تصنیف بہ طوریادگار چھوڑی ہے ۔ مولوی فتح محمد صاحب کا شعر و شاعری مین بلند مقام تھا ۔ اپنے ہم عصر شعرا مین ہمیشہ ممتاز رہے ۔"[2]

---

[1] یہ تمام سوانحی حالات اور معلومات عبدالرشید خان تبسم کے مقالہ "سندھی کے جدید اردو مصنفین" سے فراہم کیے گئے ہین ۔

[2] رسالہ ساقی کراچی ۔ جوبلی نمبر ۱۹۵۵ء ص ۱۹۴

حکیم صاحب کی سندھی کا زبان مین متعدد تصانیف ھین ۔ جن مین تنویر الایمان، اخلاق محمدی، مخزن راز، حیات النبی، ابوالفضل فیضی مین جی صاحبی اور قلندر نامہ خاص طور پر قابل ذکر ھین ۔ سندھی زبان کے ساتھ ساتھ آپ کو اردو سے بھی والہانہ محبت اور دلچسپی تھی ۔ ۲۰ ۔ ۱۹۱۹ء مین تحریک خلافت کے آپ سرگرم رکن تھے ۔ مولانا محمد علی جوھر، مولانا ظفرعلی خان، مولانا ابوالکلام آزاد، مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید صاحبان کے ساتھ مل کر آپ نے ملک وملت کی بڑی خدمت انجام دی ھے ۔ اردو زبان سے دلچسپی اور محبت حکیم صاحب کو اس زمانے سے خصوصیت کے ساتھ بہت زیادہ ھوگئی تھی ۔ آپ نے سندھ مین اردو زبان کی ترویج اور ترقی مین بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ کراچی مین "انجمن ترقی اردو" کے بانیون اور معاونین مین آپ کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا ھے ۔ ۱۹۲۰ء مین کراچی مین خلافت کانفرنس جو منعقد ھوئی تھی اس کی آپ نے صدارت بھی کی تھی ۔ اردو زبان مین حکیم صاحب زیادہ تر سیاسی سماجی اور مذھبی مسائل پر مضامین اور مقالے لکھتے جو وقتاً "فوقتاً" ملک کے مشہور اخبارات وجرائد جیسے مدینہ بجنور، پنچ لکھنو، الجمعیت دھلی، ھمدرد دھلی، زمیندار لاھور، ماھنامہ نیرنگ خیال وغیرہ مین شائع ھوتے رھتے تھے ۔ تصنیف کی شکل مین اردو مین آپ نے دو کتابین لکھی تھین ۔ ایک فتح محمدی جو ھندوؤن کے شدھی تحریک کے خلاف تھی لیکن اب یہ کتاب نایاب ھے ۔ دوسری کتاب آپ کی آئینۂ سکندر تذکرہ لال شہباز قلندر ھے جو ۱۳۲۳ھ مین مطبع اردو

اخبار لاہور سے چھپ چکی ہے ۔ اس کی وجہ تصنیف کے سلسلے میں حکیم فتح محمد صاحب لکھتے ہیں :۔

"اما بعد فقیر حقیر فتح محمد المتخلص بہ صغیر ابن عمدۃ العلما زبدۃ الحکما خلیفہ غلام محی الدین المشہور بہ حکیم سیوستانی ناظرین باتمکین کی خدمت عالی درجت میں عرض کرتا ہے کہ جب اس فقیر نے زبان سندھی میں کتاب مخزن راز تذکرہ لال شہباز عرف قلندرنامہ سندھی سوانح عمری حضرت سلطان السالکین قدرۃ الکاملین، سرتاج قلندران، حضرت سید مخدوم لال شہباز عثمان الملقب بہ سیف اللسان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس اللہ سرالاقدس، میں نے تصنیف کی تو مخلصان آستان فیض نشان قلندری کو بہت سے بہت پسند آئی ۔ لیکن چونکہ وہ کتاب خاص اہل سندھ کے لیے تھی اس لیے مخطور خاطر ہوا کہ اس فیض قلندری کو عام ہندوستان کے باشندوں کے لیے بھی عام کیجیے مگر علائق و عوائق زمانہ مانع ہوتے تھے ۔ آخر جب مخزن راز سندھی کی خبر جناب فضائل مآب، فواضل دستیاب، سیادت پناہ، سعادت مجتہد سید شیر محمد شمسی سبزواری ساکن موضع میرپور ضلع جالندھر نے جناب سید میر حاجی فتح علی شاہ سجادہ نشین درگاہ عالم پناہ کسی خط و کتابت سے معلوم کی تو اس کے ترجمہ کا خواہش مند ہوا ۔ لہذا اس جناب کی تحریک سے مجبور ہوکر عرصہ قلیلہ میں یہ رسالہ مرقوم کیا ..... اس رسالہ کا نام و اسم گرامی آئینہ سکندر تذکرہ لال شہباز قلندر مقرر کرکے دس فصلوں پر مشتمل کیا گیا ۔ " [1]

---

[1] آئینۂ سکندر تذکرہ لال شہباز قلندر از حکیم فتح محمد سیوانی ص ۱ ۔ ۲ مطبوعہ اردو "اہلحدیث اخبار" لاہور ۱۳۲۳ ھ

یہ رسالہ (۲۷) ستائیس صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس مین حضرت شہباز قلندر کی زندگی کے حالات، سلسلہ طریقت، علم و فضل، کرامات، وغیرہ بہت ہی جامع انداز مین لکھے گئے ہین ۔ اس رسالہ کی تحریر سے آپ کی حضرت لال شہباز قلندر سے بے پناہ عقیدت ظاہر ہوتی ہے ۔ اس رسالہ مین یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ سیوستان مین اپنے مرشد کے حکم سے تشریف لائے تھے ۔ اس رسالہ مین ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی کیا گیا ہے وہ یہ کہ کتاب عشقیہ صوف جیسے بعض لوگون نے آپ کی تصنیف لکھا ہے غلط ہے ۔ عشقیہ صوف دراصل شیخ عثمان انصاری کی تصنیف ہے ۔فتح محمد صاحب کے الفاظ مین :-

[1] "مشہور ہے کہ کتاب عشقیہ صوف آپ کی تصنیف ہے مگر یہ غلط فہمی ہے اور منشا اس غلطی کا شرکت اسمی ہے ۔ چنان چہ عشقیہ صوف عاشق کامل، عارف عامل، شیخ عثمان انصاری قلندری نقشبندی (جالندھری) کی تصنیف ہے جو طریقہ قادریہ مین شاگرد شیخ جلال خلیفہ غوث الثقلین کا ہے ۔ اور نقشبندیہ طریقہ کی نسبت خواجہ باقی باللہ سے کی تھی ۔ جیسا یہ سب ذکر عشقیہ کے دیباچہ سے جو اس راقم حقیر صغیر کے پاس موجود ہے ۔ "

فتح محمد صاحب کے جد امجد کا نام بھی فتح محمد ہی تھا اور ان ہی کے نام پر آپ کا نام عربی اصول کے تحت رکھا گیا تھا ۔ آپ کے جد امجد فتح محمد صاحب اپنے وقت کے بہت ذی علم بزرگ تھے ۔ آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور طب

---

[1] آئینۂ سکندر تذکرہ لال شہباز قلندر ص ۱۱

کی کئی تصانیف چھوڑی ھین ۔ ان کا کتب خانہ خاصا بڑا تھا ۔ فتح محمد حکیم صاحب اس کتب خانہ سے کافی مستفیض ہوئے تھے ۰۰۰۰ آپ کا وصال ۱۳ دسمبر ۱۹۴۳ھ کو ھوا ۔ حیدرآباد کے ممتاز سماجی کارکن اور آپ کے بھتیجے قاضی محمد اکبر صاحب بیان فرماتے ھین کہ انتقال سے چھ ماہ قبل حکیم صاحب نے اپنی تاریخ وفات خود ھی لکھ چھوڑی تھی ۔ وہ یہ ھے :۔

مشت خاکم ز خاک سیوستان "مشت خاک" است سال رحلت من
۱۳۶۱ھ

آپ کی تصنیف "آئینۂ سکندر تذکرہ لال شہباز قلندر" سے کچھ اقتباس نمونۂ تحریر کے طور پر درج ذیل ھے :۔

"[1] مخفی نہ ھو کہ حضرت شہباز کا نام نامی اور اسم سامی سید عثمان تھا ۔ مگر آپ کے القاب بہت تھے ۔ ان مین سے ایک لال ، دوسرا شہباز ، تیسرا قلندر ، چوتھا سیف اللسان ، پانچواں شمس الدین ، چھٹواں مہدی ۔ آپ کا لال اس سبب سے لقب تھا جو اکثر سرخ لباس پہنتے تھے ۔ جیسا حضرت سید جلال بخاری اوچی کو جلال سرخ کہتے ھین ۔ ویسا ھی حضرت شہباز کو لال کہتے ھین ۔ اور لقب شہباز آپ کو مرشد کی خدمت سے عطا ھوا تھا جو آپ اپنے مرشد کے سب مریدون مین ولایت مین فائق تھے ۔ اور قلندر آپ کا لقب مشرب قلندری کے اختیار کرنے سے تھا ۔ اور سیف اللسان اس سبب سے تھا کہ جو آپ کہتے تھے سو واقعی ہوتا تھا ۔

---

[1] آئینہ سکندر تذکرہ لال شہباز قلندر ص ۱۶

اور مہدی اس سبب سے آپ کا لقب تھا جو لوگ نے آپ مین مہدی موعود ہونے کا گمان کیا تھا جیسا نواب سید صدیق حسن خان صاحب نے کتاب حجۃ الکرامت فی اثار القیامت مین لکھا ہے اور آپ کا لقب شمس الدین اس سبب سے تھا کہ آپ دین کے مانند آفتاب عالم تاب تھے ۔ جب آپ سیوستان مین تشریف لائے تھے تو کسی موءرخ نے آپ کی تشریف آوری کی تاریخ شمس الدین کے ترجمے سے نکالی ہے ۔"

فتح محمد صاحب زیادہ تر سندھی مین لکھتے تھے اس لیے اردو کی عبارت مین وہ روانی اور صفائی نہین پائی جاتی ۔ لیکن جس دور کے یہ بزرگ تھے اس دور مین سندھ کے اندر ایسی اردو نثر لکھنا بھی لائق تحسین ہے ۔ سندھ مین خلافت تحریک کے بعد اردو کا زور شروع ہوا اور لوگ اس طرف متوجہ ہوئے تھے ۔ حکیم صاحب تحریک خلافت کے سرگرم کارکن تھے ۔ اردو سے بڑی محبت تھی لیکن لکھنے کے مواقع کم ملے ہون گے اس لیے تحریر مین صفائی اور شستگی نہ آسکی ۔

پیر سید رشد اللہ شـــاہ

پیر سید رشداللہ شاہ کا خاندان حجازی ہے ۔ آپ کے اجداد اسلام کے ابتدائی دور ہی مین حجاز سے بغداد ہوتے ہوئے سندھ پہنچے تھے ۔ ان مین سے پیر محمد مکی بہت مشہور ہوئے ۔ علم و فضل، زہد و تقوی اور خدمت خلق اس خاندان کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سندھ کے اندر ہر دور مین اس خاندان کو مخدومیت اور عز و جاہ حاصل رہا ۔

پیر سید رشداللہ شاہ کے والد ماجد پیر سید رشیدالدین شاہ بڑے درویش صفت اور علم و فضل مین ایک ممتاز مقام رکھنے والے بزرگ تھے ۔ آپ کے دادا پیر سید محمد یٰسین شاہ اور پیر صبغۃ اللہ شاہ اول حضرت سید احمد شہید کی تحریک احیاء دین اور جہاد سے بہت زیادہ متاثر تھے اور ایک طرح سے ان کے ہم نوا اور رفیق بھی تھے ۔ ابتدا مین اس خاندان کو گرچہ عملی سیاست سے کوئی سروکار نہ رہا تھا ۔ تبلیغ مذہب، اشاعت دین، درس و تدریس اور خدمت خلق ہی کو یہ لوگ اپنا مقصد حیات سمجھتے رہے تھے ۔ لیکن پیر سید صبغۃ اللہ شاہ کے سجادہ نشین ہونے کے بعد چون کہ ملکی حالات مین بہت بڑی تبدیلی رونما

ہونے لگی تھی اس لیے مجبورا" ان کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا — پنجاب پر سکھ چند ہی برسون مین چھا چکے تھے اور سندھ کی طرف للچائی ہوئی نظرون سے دیکھ رہے تھے — سکھون اور انگریزون کے گٹھ جوڑ نے سندھ کے لیے بہت بڑا خطرہ کھڑا کردیا تھا — ہندوستان کے ہر حصے مین مخالفین اسلام مضبوطی سے قدم جما رہے تھے — ایسی حالت مین پیر صبغۃ اللہ شاہ جیسا حساس دل رکھنے والا انسان خاموش تماشائی نہین رہ سکتا تھا — انھون نے اپنے مریدون کو ایسے طریقے پر منظم کرنا شروع کیا کہ جس وقت ضرورت پیش آئے وہ سب کے سب جان باز مجاہدین کی شکل مین بدلے جاسکین — یہی "حُر" تحریک کی ابتدا تھی — "حُر" تحریک کے بانی پیر صبغۃ اللہ شاہ کے ملفوظات سے پتا چلتا ہے کہ جب سکھ حکومت سندھ کی جانب پھیلنے لگی تو پیر صاحب نے جہاد کا پختہ ارادہ کرلیا اور حضرت سید احمد شہید کی حمایت و نصرت کے لیے تیار ہوگئے — سید حمید الدین نے پیر صبغۃ اللہ شاہ کے متعلق لکھا ہے :—

[1] "در تمام مملکت سندھ
هم چو او شیخے و مرشدے
در زمرہ مردمان ملک نیست —
قریب سہ لک مریدانش از قوم
بلوچ هستند و بہ کمال جاہ
و جلال و رجوعات خلائق
خوش می گزرانند — در جود و کرم
و اخلاص و مروت هم شهرۂ آفاق —"

"باشندگان سندھ کے نزدیک سارے ملک مین
اس جیسا شیخ و مرشد کوئی نہین — قریبا"
تین لاکھ بلوچ مرید ہین مرجوع خلق عام
ہین — جاہ و جلال مین زندگی گزار رہے
ہین — جود و کرم اور اخلاص و مروت
مین بھی شہرۂ آفاق ہین —"

---

[1] سید احمد شہید از غلام رسول مہر ص ۲۰۳ سنہ نہ دارد —

حضرت سید احمد شہید کے بعض خطوط سے بھی پتا چلتا ھے کہ پیر صبغۃ اللہ شاہ، سید صاحب کی تحریک کے بہت ھی سرگرم رکن اور رفیق کار تھے ـ ایک خط مین سید صاحب پیر صبغۃ اللہ شاہ کو لکھتے ھین :-

[1] " آپ عام مسلمانون کو دعوت دین ـ مخلصین کی ایک جماعت ساتھ لے کر سکھون کی سرحد سے متصل محفوظ مقام پر بیٹھ جائین اور جہاد شروع کر دین ـ اپنے اھل و عیال کو بھی کسی ایسی جگہ بٹھا دین جو دشمن کی دست رس سے باھر ھو ـ"

ایک اور خط مین لکھتے ھین :-

[2] " اگر ھماری زندگی جہاد ھی مین تمام ھوجائے تو ھمارے اھل و عیال کو حرمین شریفین پہنچا دین ـ "

پیر سید رشداللہ کے پردادا پیر محمد راشد تک جھنڈا اور پگڑی دونون ایک ھی شخص کے پاس رھتے تھے یعنی جہاد اور تبلیغ دین دونون کی ذمہ داری ایک ھی شخص کے کاندھون پر تھی لیکن پیر صبغۃ اللہ شاہ اول جب اپنے والد پیر محمد راشد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ھوئے اور دستار وراثت روحانی ان کے سر پر باندھی گئی تو ان کے بھائی پیر محمد یٰسین جھنڈا لے کر دوسری جگہ چلے گئے اور "پیر جھنڈا " کے لقب سے مشہور خاص و عام ھوئے ـ اس طرح سندھ مین دو اھم

---

[1] ملاحظہ ھو مکتوب سید صاحب بنام پیر صبغۃ اللہ شاہ جو عوارف عجیبہ کے ص ۲۱۸ ـ ۲۱۹ پر چھپ چکا ھے

[2] سید احمد شہید از غلام رسول مہر ص ۳۰۵

مراکز روحانی و عسکری "پیر پگارو" اور "پیر جھنڈو" وجود میں آئے یعنی پیر محمد یٰسین شاہ "صاحب لوا اَوّل" پہلے پیر جھنڈو اور پیر صبغۃ اللہ شاہ اول پہلے "پیر پگارو" ہوئے ۔

حضرت پیر جھنڈو کے جانشینوں میں یوں تو سب ہی صاحب علم و فضل اور سرچشمۂ روحانیت تھے لیکن پیر رشید الدین شاہ، پیر سید رشداللہ شاہ، پیر سید فضل اللہ شاہ، پیر سید محب اللہ شاہ اور پیر سید بدیع الدین شاہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور ان میں سے بعض کی اردو تصانیف بھی ہمیں پیر جھنڈو کے ذاتی کتب خانہ سے مل گئی ہیں اس لیے علاحدہ علاحدہ ان کے حالات زندگی کے ساتھ ان کی اردو تصانیف پیش کی جائیں گی ۔

پیر سید رشداللہ شاہ کا نسب نامہ جو ہمیں سید بدیع الدین شاہ کی مہربانی سے مل گیا ہے درج ذیل ہے ۔

"[۱] پیر سید رشداللہ شاہ، (۱) بن پیر سید رشید الدین، (۲) بن پیر سید محمد یٰسین، (۳)
بن پیر سید محمد راشد، (۴) بن پیر سید محمد بقا شہید، (۵) بن پیر سید محمد امام شاہ، (۶)
بن شاہ فتح محمد، (۷) بن سید شاہ شکراللہ، (۸) بن شاہ عثمان، (۹) بن شاہ کھتن، (۱۰)
بن شاہ سنبر، (۱۱) بن شاہ بولن، (۱۲) بن شاہ حسین، (۱۳) بن سید شاہ میرعلی، (۱۴)
بن سید شاہ ناصرالدین، (۱۵) بن سید شاہ عباس، (۱۶) بن سید شاہ فضل اللہ، (۱۷)

---

[۱] از مفتاح رشداللہ تفسیر کلام اللہ (حصہ اول) (سندھی) مصنفہ قاضی فتح محمد صاحب نظامانی ۔ ص ۲۲ ۔ ۲۷ مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی سنہ نہ دارد محفوظ در کتب خانہ پیر جھنڈو ۔

(۱۸) (۱۹) (۲۰)
بن سید شاہ محمود ، بن سید شاہ بہاؤالدین ، بن سید شاہ شہاب الدین ،
(۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴)
بن سید شاہ علی مکی عربی ، بن سید شاہ چھکن ، بن سید شاہ حسین ، بن سید شاہ محمد ،
(۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸)
بن سید شاہ عمر ، بن سید شاہ اسداللہ ، بن سید شاہ زید ، بن سید شاہ عباس ،
(۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲)
بن سید شاہ حسین ، بن سید شاہ عبداللہ ، بن سید شاہ ھارون ، بن سید شاہ حمزہ ،
(۳۳) (۳۴) (۳۵)
بن سیدنا امام جعفر صادق ، بن سیدنا امام موسیٰ کاظم ، بن سیدنا امام علی رضا ،
(۳۶) (۳۷) (۳۸)
بن سیدنا امام حسین شہید کربلا ، بن سیدنا امام زین العابدین ، بن سیدنا امام محمد باقر ،
(۳۹)
بن حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ۔ "

سید رشداللہ شاہ کی پیدائش ۱۸۶۰ء میں بہ مقام پیر جھنڈو نزد سعیدآباد حیدرآباد (سندھ) ہوئی تھی ۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے شیخ حسین بن محسن یمانی سے جو اس زمانے کے مشہور عالم تھے اکتساب علوم و فنون کیا اور ان سے سند حاصل کی ۔

پیر سید رشداللہ شاہ کی زندگی بڑی مجاہدانہ بسر ہوئی ۔ آپ سندھ میں تحریک خلافت کے روح و روان تھے اور انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ میں بہت نمایاں کردار ادا کرتے رہے اور اس کی پاداش میں قید فرنگ کے مصائب بھی جھیلتے رہے آپ سے پہلے آپ کے والد پیر سید رشیدالدین شاہ بھی تحریک آزادی کے لیے سرتن کی بازی لگا چکے تھے ۔ انھوں نے جہاد کے لیے اپنے مریدوں سے بیعت بھی لی تھی ۔ اسی لیے انھیں "صاحب البیعت" بھی کہا جاتا ہے ۔ پیر سید رشداللہ شاہ ایک مرد مجاہد اور درویش صفت روحانی پیشوا تھے ۔ ان کی زندگی کا

اولین مقصد تبلیغ دین اور اشاعت اسلام تھا ۔ اور اس کے لیے وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے بھی تیار رہتے تھے ۔ غالباً " یہی وجہ ہے کہ ان پیران پگارو اور پیران جھنڈو کے ساتھ عوام کی عقیدت ہمیشہ غیر معمولی رہی ۔ بقول مصنف سید احمد شہید :-

[۱] " ان پیرون کے ساتھ عوام کی عقیدت کے حالات بڑے حیرت انگیز ہین ۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ باہر نکلتے تھے تو عقیدت مند اپنی ساری دنیوی متاع ان کے قدمون پر لاکر ڈال دیتے تھے ۔ اگر یہ ریل مین سفر کرتے تھے تو ہر جگہ کے پیرو ریلوے لائن پر سارے اندوختے لے کر جمع ہوجاتے تھے ۔ "

۱۹۰۱ء مین پیر سید رشد اللہ شاہ نے " دارالرشاد " نام کا ایک مدرسہ قائم کیا جس مین بڑی بڑی علمی شخصیتون نے معلمی کے فرائض انجام دیے ۔ ان مین سے ایک مولانا عبیداللہ سندھی بھی تھے ۔

پیر سید رشد اللہ کے سات لڑکے اور نو لڑکیان تھین ۔ آپ کا وصال ٦ شعبان ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۲۲ء [۲] مین ہوا ۔ آپ کے وصال کے بعد سید فضل اللہ شاہ عرف احسان اللہ شاہ پیر جھنڈو ہوئے ۔

---

[۱] سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۳۰۹ سنہ نہ دارد

[۲] سید بدیع الدین شاہ صاحب کے مطابق سنہ وفات ۱۹۲۳ء ہے ۔ لیکن " تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند " مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ص ٦٢٩ کے مطابق سنہ وفات ۱۹۲۲ء ہے ۔ مین نے پیر سید بدیع الدین شاہ صاحب (پسر جھنڈو) کی پیروی کی ہے ۔

پیر سید رشداللہ شاہ کی خاصی مذہبی تصانیف ملتی ہیں ۔ ان میں زیادہ تر تو سندھی زبان میں ہیں لیکن دو کتابیں آپ کی اردو میں بھی ملتی ہیں ۔ ان میں سے ایک " عین المتانۃ فی تحقیق تکرار الجماعت " قلمی ہے جو پیر محب اللہ شاہ، درگاہ شریف، نزد سعید آباد، حیدر آباد کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے اور راقم الحروف کو بھی اس سے استفادے کا موقع ملا ہے ۔ اس مخطوطہ کا کاتب عبدالحلیم ہے ۔ اس کی کتابت ۱۹ ۔ ذی الحجہ ۱۳۳۶ ھ مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۱۸ھ کو ختم ہوئی ہے ۔ دوسرا ایک مطبوعہ رسالہ ہے جو پیروں اور مریدوں کی ہدایت کے لیے اردو اور سندھی دونوں زبانوں میں لکھا گیا ہے ۔ اس کا نام " الفارقۃ بین اہل اللہ و بین السارقۃ " ہے ۔

(۲) الفارقۃ بین اہل اللہ و بین السارقۃ :۔

پیر سید رشداللہ شاہ کا یہ مختصر سا رسالہ مطبوعہ ہے ۔ اس کو ۱۳۳۱ھ میں حکیم محمد حنیف ہاشمی، کراچی نے اپنے زیر اہتمام شائع کیا تھا ۔ مگر اب وہ کم یاب ہے ۔ درگاہ شریف، سعید آباد کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے جس سے راقم الحروف نے استفادہ کیا ہے ۔ پیر سید رشداللہ شاہ نے اس کتابچہ کو پیر اور مرید دونوں کی ہدایت کے لیے اردو اور سندھی میں لکھا ہے ۔ ہر صفحہ پر نصف میں سندھی عبارت اور نصف میں اردو عبارت ہے ۔ نمونۂ تحریر کے طور پر اس کے اردو حصے کا کچھ اقتباس درج ذیل ہے :۔

"کامل ولی کے بیٹے کو بھی اس کے باپ کی طرح ولایت اور مرشدی[1] کے لائق جاننا جہلا کی سمجھ اور صاف گمراہی میں ڈالنے والی فاش غلطی ہے ۔ کامل ولی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے آدمی کامل ولی نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ ولایت بھی نبوت کی طرح ورثہ کے طور پر نہیں ملتی ..... جس کے اپنے باپ کی طرح اچھے عمل نہ ہوں گے تو وہ ولی نہیں بلکہ اس کا باپ بھی اس سے بیزار سمجھنا چاہیئے ۔ دیکھو تو اسی بات کے سمجھانے کے لیے خدائے تعالیٰ نے سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا تاکہ ہم لوگ جو سادات اور پیروں اور مشائخ کی اولاد سے ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کریں ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کے حق میں طوفان میں غرق ہونے سے بچنے کے لیے دعا کی اور فرمایا "فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ" یعنی اے میرے پروردگار میرا بیٹا میری اہل و عیال میں سے ہے اس کو بچا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے کے حق میں دعا قبول تو نہ کی بلکہ عتاب کے طور پر فرمایا ۔ "یَا نُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ" ۔ یعنی اے نوح تیرا بیٹا تیری اہل و عیال میں سے نہیں کیونکہ تیرا بیٹا اچھے[2] کام کرنے والا نہیں پس تو مجھ سے ایسے کام کا سوال نہ کر جس کی تجھے خبر نہیں اور میں تجھے نصیحت کرتا ہوں تاکہ تو جاہلوں میں سے نہ ہو ۔" حضرت نوح نے یہ بے پروائی کا جواب سن کر اپنے بیٹے کی نجات کا سوال چھوڑ دیا بلکہ الٹا اپنے قصور کی بھی معافی مانگی ۔ "

یہ تیرہ صفحات پر مشتمل مختصر رسالہ اس قابل ہے کہ اس کو بار بار چھپواکر عوام تک پہنچایا جائے ۔

---

[1] پیر اور مرید کے لیے ہدایت کرنے والا از پیر سید رشداللہ شاہ ۔ قلمی

[2] اچھا کام وہی ہے جو پیغمبر کی تقلید میں ہو ۔ ورنہ برے کام کرنے والے لوگ بھی اپنے برے کام کو اچھا کہتے ہیں ۔

(۱) عین المشاہدة فی تحقیق تکرار الجماعت :-

یہ ایک مذہبی تصنیف ہے ۔ اس میں مصنف نے اس بات کو دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مسجد میں ایک ہی وقت کی نماز کے لیے اگر دوسری مرتبہ جماعت سے لوگ نماز پڑھیں تو وہ نماز مکروہ نہیں ہوتی ۔ قرآنی آیات اور احادیث نبوی کی روشنی میں اس مسئلے پر بڑی عالمانہ بحث کی گئی ہے ۔ اس کتاب کی وجہ تصنیف سے متعلق ابتدا میں لکھتے ہیں :-

[1] "ان ایام یعنی سنہ تیرہ سو ہجری میں "اَلقَدحُ اللّٰہ مِحقُّ فِیْ کَرَاھَۃِ الجَمَاعَۃِ الثَّانِیَۃِ" نظر سے گذرا کہ جس میں بلا وجہ وجیہہ اور بغیر کسی دلیل صحیح کے جماعت ثانیہ کو مکروہ ٹھہرا دیا ہے اور جماعت اول کے بعد خواہ جس قدر نمازی جمع ہوجاویں سب کی نسبت الگ الگ پڑھنے کا حکم لگا دیا ۔ عوام بیچارے دھوکے میں پڑ گئے بلکہ بعض تو شدت تعصب سے حد سے متجاوز ہوگئے لہذا مناسب معلوم ہوا کہ ناواقفوں کی تنبیہہ اور تفہیم کے لیے اس مسئلہ کے متعلق کچھ تحقیق لکھی جاوے تاکہ ان بیچاروں کو اصل مسئلہ سے واقفیت ہوجاوے ۔ اسی وجہ سے اردو میں لکھنا بہتر معلوم ہوا ۔"

نمونۂ تحریر کے طور پر اسی قلمی نسخہ سے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں :-

[2] "کراہت تحریم تکرار جماعت مع اذان و اقامت پر اتفاق مسلم نہیں اور مطلق کراہت سے تحریم کے ہونے کا حال تو پہلے ہی معلوم ہوچکا۔

---

[1] عین المشاہدة فی تحقیق تکرار الجماعة قلمی ص ۱

[2] ایضاً " ص ۵۹

پس امام یوسف کی روایت جس کو شارح نے صحیح قرار دیا یہ معنی کرنا کہ نفی صرف تحریمہ کی ہے نہ مطلقہ کی، صحیح نہین اور یہ جو کہا کہ مطلق کی نفی سے لازم آوے گا کہ تکرار معہ اذان اور اقامت بھی بہ ترک محراب مکروہ نہ ٹھہرے حالانکہ یہ ظاہر البطلان ہے کیونکہ یہ صورت بہ اتفاق مکروہ تحریمی ہے لہذا تحریمیہ ہی کی نفی مراد رکھنا چاہئے تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس صورت کا مکروہ ہونا تو حسب روایت اولیٰ کے ہے اور یہ روایت دوسری ہے ۔ پس اس روایت کے مضمون کو تو پہلی روایت کے مخالف ہونا چاہئے ۔ والا دو روایت ٹھہرانا باطل ہوا/ے ٹھہریگا ۔ پس اس مین مطلق کراہت نفی سے جو مقتضی ظاہر لفظ کا ہے کوئی خرابی لازم نہین آتی ۔ اور جس نے اس کو صحیح اور راجح قرار دیا اس کے نزدیک ظاہر روایت صحیح و مقبول تھی ۔ "

" دوسرے مین کہتا ہون کہ صرف کراہت تحریم کی نفی کی صورت مین بھی یہی وجہ بطلان کی موجود ہے اس واسطے کہ حسب اقرار آپ کے جب تکرار بہ اذان و اقامت کی صورت مین گو بہ ترک محراب ہو کراہت تحریم بہ اتفاق موجود ہے ۔ پس اس صورت مین نفی کراہت تحریم کی بھی ظاہر البطلان ہے ۔ فما ہو جوابکم فہو جوابنا ۔"



مولانا عبداللہ لغاری

مولانا عبداللہ لغاری کے والد ماجد نہال خان بن محمد خان بن رستم خان تحصیل میرپور ماتھیلا (سندھ) کے ایک مقام "داد لغاری" کے رہنے والے تھے ۔ یہین ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء مین آپ کی پیدائش ہوئی ۔ آپ کی تعلیم مختلف اساتذہ سے ہوئی اور آپ نے اپنے وقت کے کئی ممتاز علما سے استفادہ کیا ۔ صرف و نحو کی کتابین اپنے پھوپھی زاد بھائی مولوی محمد یعقوب اور مولوی عبدالقادر سے پڑھین ۔ عربی کی متداولہ کتابون کا درس انھون نے قاضی محمد عالم، قاضی عبدالروف، قاضی عبدالحفیظ، مولوی فیض الکریم، مولوی عبدالکریم، مخدوم غلام محمد اور مولانا عبداللہ وغیرہ سے لیا ۔ علم حدیث کی تکمیل ملتان کے مشہور محدث مولانا سلطان محمود سے کی ۔ مولوی الٰہی بخش لانگاہ سے حدیث کے علاوہ فقہ اور منطق کی تعلیم حاصل کی ۔ حصول تعلیم سے فراغت کے بعد وطن واپس آئے تو ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء مین آپ کی شادی ہوگئی ۔ شادی کے کچھ ہی دنون بعد آپ کی ملاقات امروٹ مین مولانا عبیداللہ سندھی سے ہوئی ۔ یہ ملاقات آپ کی زندگی کا اہم موڑ ثابت ہوئی ۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے خلوص،

علم اور سیاسی بصیرت سے متاثر ہوکر آپ ان کے رفیق کار اور ان کی سیاسی اور
انقلابی تحریک کے علم بردار بن گئے ۔ چنانچہ مولانا کے نظریات کے نشر و اشاعت
کی غرض سے "امروٹ" میں ایک مدرسہ، ایک پریس قائم کیا اور پھر وہاں سے ایک
رسالہ ہدایت الاخوان بھی نکالنا شروع کیا ۔ آپ کی لگن اور صلاحیتوں نے پیر
صاحب جھنڈو کو ان کی طرف متوجہ کیا ۔ اور پیر صاحب کی سرپرستی میں ان
دونوں بزرگوں نے ایک مدرسہ "دارالرشاد" کی بنیاد رکھی جو آج تک فیض پہنچا
رہا ہے ۔ مولانا عبداللہ لغاری اس مدرسہ کے پہلے مہتمم منتخب ہوئے ۔ غرض اس
مدرسہ کے ذریعہ سات سال تک مولانا عبداللہ لغاری اور مولانا عبیداللہ سندھی طلبہ
میں ذہنی بیداری پیدا کرتے اور آزادی کی روح پھونکتے رہے ۔ حضرت شیخ الہند
مولانا محمودالحسن علیہ الرحمۃ جب ہندوستان کی جنگ آزادی میں شامل ہوئے تو
انہوں نے اپنے رفقائے کار اور معاونین میں مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا محمد صادق
کا انتخاب کیا ۔ مولانا عبداللہ لغاری بھی مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ حضرت
شیخ الہند کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ حضرت شیخ الہند کی جوہر شناس نظریں ان
کی صلاحیتوں سے آگاہ ہوگئیں لیکن انہوں نے فی الحال مدرسہ دارالرشاد
کو پوری سرگرمی سے چلانے کی ہدایت فرمائی اور انہیں واپس بھیج دیا ۔ اسی سال
جب مولانا عبیداللہ سندھی کو حضرت شیخ الہند کی طرف سے ایک اہم مشن پر
کابل جانے کا حکم ملا تو مولانا سندھی نے اپنے معتمد کی حیثیت سے مولانا عبداللہ
لغاری کو بھی لے لیا ۔ کابل میں یہ دونوں اپنے مقصد کے لیے کام کرتے رہے ۔

دو سال بعد مولانا عبداللہ سندھی نے ان کے ہاتھ کچھ خفیہ مراسلے مولانا محمد علی، حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر انصاری وغیرہ کو ہندوستان روانہ کیے جس کو انھون نے بہ حسن و خوبی انجام دیا لیکن انگریزی حکومت کے جاسوس ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے - چنان چہ "ریشمی خطوط" والے واقعے کے سلسلے مین وہ اپنے کئی رفقا کے ساتھ گرفتار کر لیے گئے - مولانا عبداللہ لغاری نے گرفتاری کے بعد اپنے بیان مین سارے کامون کا تنہا ذمہ دار خود کو قرار دیا اور اس طرح ان کے سارے رفقا رہا کر دیے گئے اور وہ لاھور، پٹھان کوٹ، دین پور اور کراچی کی جیلون مین طوق و سلاسل کی زندگی گذارتے رہے - دو سال بعد پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد وہ رہا کیے گئے -

۱۹۲۶ء مین مولانا عبداللہ سندھی کابل سے ترکی وغیرہ ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے تو مولانا عبداللہ لغاری وہان اپنے رفیق کار سے جا ملے اور ۱۹۳۸ء تک مولانا عبداللہ سندھی کے ساتھ رہ کر مختلف علمی اور دینی خدمات مین مشغول رہے - مولانا سندھی نے تفسیر قرآن، علوم اسلامیہ اور فلسفہ شاہ ولی اللہ پر جو تقریرین کین، مولانا عبداللہ لغاری ان کو جمع اور مرتب کرتے رہے - مولانا سندھی کی اکثر تصانیف کا مواد مولانا عبداللہ لغاری ھی کا جمع کردہ ہے - ۱۹۳۹ء مین جب مولانا سندھی کو ہندوستان آنے کی اجازت ملی اور وہ ہندوستان آنے کے لیے تیار ہوئے تو مولانا عبداللہ لغاری کچھ ضروری انتظام کرنے کے لیے ان سے پہلے یہان آگئے - اور پھر موت ھی نے ان دونون کو ایک دوسرے سے جدا کیا - مولانا سندھی کے انتقال کے

بعد آپ نے تقریبا " چھ سال تک سندھ یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کو قرآن پاک کی تفسیر اور حکمت ولی اللٰہی کا درس دیتے رہے ـ آخر مین مستقلا " آپ سندھ یونیورسٹی مین ام ـ اے کے طلبہ کو تفسیر قرآن پڑھانے کے لیے لیے گئے تھے ـ

۱۳ ستمبر ۱۹۵۸ء کو بیمار ہوئے ـ پیشاب رک گیا تھا ـ ۱۷ ستمبر کا دن گذار کر شب پنجشنبہ (۴ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ) کو اپنے مالک حقیقی سے جاملے ـ اور اسی روز شام کو سانگھڑ مین سپرد خاک کیے گئے[1] ـ

مولانا عبداللہ لغاری کی ساری زندگی مولانا عبیداللہ سندھی کی رفاقت مین تعلیم قرآن اور حکمت ولی اللٰہی کی تبلیغ و اشاعت مین گزری ـ تفسیر قرآن پر آپ کو عبور حاصل تھا ـ آپ کی تصانیف مین (۱) المقام المحمود کا اردو ترجمہ (۲) الروضۃ الانیف فی تفسیر سورہ یوسف اور (۳) الہام الرحیم خاص طور پر قابل ذکر ہین اور یہ تینون علم تفسیر ہی سے متعلق ہین ـ

(۱) المقام المحمود دراصل مولانا عبیداللہ سندھی کی درسیات قرآنی کا مجموعہ ہے جس کو مولانا عبداللہ لغاری قلم بند فرماتے جاتے تھے ـ بقول ڈاکٹر عبدالواحد ہالیپوتہ :-

" یہ تفسیر مولانا عبیداللہ سندھی، مکہ معظمہ کے پرانوار ماحول مین اپنے تلامذہ اور محبّین قرآن کے سامنے پیش کرتے تھے اور ان کے

---

[1] یہ سارے سوانحی حالات " المقام المحمود " مین درج مولانا عبداللہ لغاری کے حالات زندگی سے ماخوذ ہین ـ مطبوعہ سندھ یونیورسٹی پریس ۱۹۵۹ء ـ

طبیذ اور سفر کابل کے رفیق مولانا عبداللہ لغاری صاحب قلم بند کرتے تھے ۔ حتیٰ کہ دو سال کی مسلسل محنت اور جفاکشی سے یہ ساری تفسیر قلم بند ہوگئی ۔ "

المقام المحمود مولانا عبداللہ لغاری کی گرچہ تصنیف نہین ہے اور وہ صرف اس کے جامع ہین کیون کہ مولانا عبیداللہ سندھی کے دروس کو جو وہ مکہ معظمہ مین قرآن پاک کی تفسیر پڑھنے والون کے حلقے مین دیتے تھے وہ پابندی سے قلم بند کرتے جاتے تھے ۔ اب یہ کتاب کی شکل مین طبع ہوچکی ہے ۔

(۲) الروضۃ الانیف فی تفسیر سورۃ یوسف :۔ یہ تفسیر فل اسکیپ سائز مین ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے ۔ اس کا قلمی نسخہ جسو مولانا عبداللہ لغاری صاحب کی اپنی تحریر مین ہے ڈاکٹر عبدالواحد ھالی پوتا صاحب (سندھ یونیورسٹی) کے پاس محفوظ ہے ۔ اس سورۃ کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے مصر کا جغرافیائی محل وقوع بحث پیش کیا گیا ہے اور مصری قوم کے عادات و اطوار پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اس تفسیر کو شروع کرنے سے پہلے سبب تصنیف بتاتے ہوئے مولانا لکھتے ہین :۔

[۱] " یہ ہیچ مدان عبداللہ ولد تہال خان احمدانی لغاری عرض کرتا ہے کہ سورۃ یوسف کی تفسیر بہت سے علما نے لکھین اور اچھے اچھے نکات اس مین بیان فرمائے ہین ۔ ان پر اللہ تعالیٰ رحمت کرین ۔

---

[۱] الروضۃ الانیف فی تفسیر سورۃ یوسف (جلد اول) قلمی ص ۲

مگر قصه کو حضرات نے تو اس سورۃ کا مضمون ایسا بگاڑ کر رکھ دیا ہے
که ایک عشقیه ناول سے زیادہ قیمت نہین رکھتا ۔ اور حضرت مولانا
واستادنا الامام عبیداللہ سندھی قدس سرہ نے جو اس بندہ پر مکه
معظمه مین ساری تفسیر کتاب اللہ کا املا فرمایا جس کا نام المقام المحمود
فی تفسیر کتاب اللہ الودود ہے ۔ اس مین سورۃ یوسف کا املا بھی
فرمایا ۔ انھون نے اجتماعیات کو پیش نظر رکھ کر تفسیر فرمائی ۔ اب
یه بنده اس کو اچھے اسلوب مین بیان کر کے طلبه کرام کے پیش کرتا
ہے ۔ امید اللہ تعالی کی رحمت سے یه ہے که اس تفسیر سے طلبه
کرام کو قرآن حکیم کے مطالعه کرنے مین بہت مدد ملے گی ۔ اگر
اس مین غلطی ہو تو میری طرف منسوب فرمائین ۔ "

اب ہم اس قلمی کتاب مین سے ایک آیت کے معنی معه شان نزول و تفسیر نمونه کے
طور پر درج کرین گے جس سے مولانا عبداللہ لغاری کی تفسیر قرآن پر بصیرت کے
ساتھ ساتھ ان کے اردو طرز تحریر کا بھی صحیح انداز ملے گا ۔

[1] " آیت :۔ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ "
(معنی) البته یوسف کے قصه مین اور ان کے بھائیون کے قصه مین
پوچھنے والون (ضرورتمندون) کے لیے واضح نشانیان (احکام) ہین
واضح راہ عمل ہے ۔ اس سورۃ کا شان نزول پہلے لکھ آئے ہین که
پانچوین سال نبوت کے مکه مکرمه مین رسول اللہ صلی اللہ علیه
وسلّم اور ان کی جماعت پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے اور
قریش مکه کا ظلم و تشدد حد سے زیادہ بڑھ گیا جو که قابل برداشت

---

[1] الروضة الانیف فی تفسیر سورۃ یوسف (قلمی) ص ۱۰۰ ۔ ۱۰۱

نہ تھا ۔ انسانیت سوز حرکات کا سلسلہ اور تکالیف جو قریش نے
جاری کردیا اس سے مسلمان سہمے ہوئے پھرتے رہتے تھے اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزانہ ظلم کی خبرین
سن کر غمگین رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اگرچہ اپنی جماعت کو بار بار تسلی دیتے تھے کہ اس دین اور
اس کے تابعدارون کی حکومت مشرق سے لے کر مغرب تک پہنچ جائے
گی مگر قریش کا ظلم اور بے رحمی روز روز نیا نیا رنگ اختیار کرتی
جاتی تھی اس لیے خلفا صحابہ ایک دوسرے سے یہ سوال کرتے
تھے کہ اب ہمارا حشر کیا ہوگا اور ہماری ان تکالیف کا سلسلہ کب اور
کیسے ختم ہوگا اور یہ کہ کب ہم اطمینان اور آرام دل سے قرآن شریف
مین غور و تدبر کرین گے اور نماز خشوع خضوع سے ادا کرین گے ۔
سوال دو قسم کا ہوتا ہے ۔ ایک تو قالی یعنی زبان سے پوچھاجاتا
ہے ۔ دوسرا سوال حالی یعنی اس کے سائل کی صورت اور حال سے
ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو اس سوال کے جواب کی بہت ضرورت ہے ۔
جماعت صحابہ مین دونون قسم کے سائل موجود تھے ۔ اسی تنگی کے
وقت مین یہ سورہ نازل ہوئی ۔ اس ایت مین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
کہ پوچھنے والون حاجت مندون کے لیے اس سورہ مین واضح نشانیان اور
احکام اور راہ عمل موجود ہے ۔ اس سورہ مین غور و خوض اور تدبر
کر کے اپنے لیے راہ عمل اور راہ نجات اور کامیابی کا طریقہ نکالو ۔
بعض مفسرین نے جو لکھا ہے کہ یہودیون نے سوال کیا تھا کہ بنی اسرائیل
مصر مین کس طرح پہنچے ۔ اس سوال کے جواب مین یہ سورہ نازل ہوئی ۔
یہ بات کسی حدیث سے ثابت نہین ہے ۔ *

اس تفسیر کے بارے مین ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتا صاحب کی رائے ہے کہ یہ ان کی آخری عمر کی تصنیف ہے ۔

(۳) الہام الرحیم :- یہ بھی تفسیر ہی ہے لیکن سندھی زبان مین لکھی گئی ہے اور ہنوز غیر مطبوعہ ہے ۔

مولانا عبداللہ لغاری ایک ادیب اور مضمون نگار نہ تھے ۔ وہ ایک اچھے مفسر اور مفکر تھے ۔ مولانا سندھی کی شاگردی اور رفاقت نے ان کو حکمت ولی اللٰہی سے پوری طرح آشنا کر دیا تھا ۔ ان کی ساری زندگی حدیث و قرآن کے مطالعہ اور اس کو سمجھنے سمجھانے مین گزری ۔ انھون نے طلبہ مین آزادی کی روح پھونکنے مین بہت بڑا کردار انجام دیا ہے ۔ ان کی اردو نثر مین ہم مولانا عبداللہ سندھی جیسی پختگی، شگفتگی اور دل کشی تو نہین پاتے لیکن نفس مضمون مین ان کی خود اعتمادی اور پختگی بہت نمایان ہے ۔ تفسیر قرآن پر ان کو پورا عبور حاصل تھا اور اس سلسلے مین انھون نے جو کچھ لکھا ہے آشنائے فن ہوکر لکھا ہے ۔



نــور محمــــــــد

نور محمد صاحب سندھ کے ایک ذی عزت خاندان کے فرد تھے [1] ـ سندھ مدرستہ الاسلام کراچی سے میٹرک کر لینے کے بعد یہ علی گڑھ کالج چلے گئے اور وہین سے اپنی پوری تعلیم مکمل کی ـ اس زمانے مین علی گڑھ کالج یونیورسیٹی نہین ہوا تھا اور طلبہ الہ آباد یونیورسیٹی سے امتحان دیا کرتے تھے ـ اس لیے بی ـ اے کا امتحان نور محمد صاحب نے بھی الہ آباد یونیورسیٹی سے جاکر دیا ـ ایل ایل ـ بی تک پڑھنے کے بعد جب نور محمد صاحب اپنی مادر تعلیم گاہ سے نکلے تو ان کا دل ملک و قوم کی خدمت سے سرشار تھا اور اس مین درد' سوز اور خلوص کی فراوانی تھی ـ انھون نے علی گڑھ کالج سے صرف علم ہی نہین حاصل کیا بلکہ اس کے بانی کی بہت سی خوبیاں بھی قبول کرلین ـ اسی لیے وہ سندھ کے سرسید کہلاتے ـ سندھی مسلمان تعلیم مین پیچھے تھے ـ ہنود ان سے تعلیم اور دنیاوی جاہ و مرتبہ مین بہت آگے نکل چکے تھے ـ وہ یہ محسوس کر کے بے قرار ہوگئے اور قوم کی اس

---

[1] راقم الحروف کو نور محمد صاحب کے یہ تمام حالات زندگی ان کی بیگم صاحبہ کی مہربانی سے معلوم ہوئے ـ اور ان کے اخلاق و عادات سے متعلق حالات مسلم کالج میگزین النور (۶۸ ـ ۱۹۶۷ء) سے حاصل کیے گئے ہین ـ

کمی کو پورا کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا ۔ چنان چہ حیدرآباد مین "نور محمد ھائی اسکول" قائم کرکے قوم کے بچون کی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ ھوگئے اور اپنی ساری زندگی ھر طرح کی رکاوٹ، دشواری اور پریشانی کا مقابلہ کرتے ھوئے اس کو ترقی کی راہ پر بڑھاتے رھے ۔ وھی نور محمد ھائی اسکول اب مسلم کالج کی شکل مین اپنے بانی کے خلوص اور محبت کا اعتراف کر رھا ھے ۔

وہ بمبئی اسمبلی کے دو بار ممبر منتخب ھوئے ۔ ان کو ایک بار وزیر ھونے کا بھی موقع ملا مگر انھون نے اسے اس وجہ سے قبول نہین کیا کہ اس سے اسکول کی بہبودی اور فلاح کے کام مین رکاوٹ ھوگی ۔

نور محمد صاحب کی دو شادیان ھوئی تھین ۔ پہلی بیوی کا انتقال بہت پہلے ھی ھوگیا تھا جس سے صرف ایک لڑکی تھی ۔ دوسری شادی انھون نے حیدرآباد دکن کے ایک ذی وقار مغل خاندان مین شمس النسا خانم سے کی تھی ۔ یہ بیگم صاحبہ بفضلہ اب تک بقید حیات ھین ۔ شمس النسا بیگم کا عرف "چنو" ھے اور نور محمد صاحب نے اپنے اکثر خطوط مین انھین اسی نام سے مخاطب کیا ھے ۔ شمس النسا بیگم کے والد حیدرآباد (دکن) مین ڈپٹی کلکٹر تھے اور نانا کسی بڑے فوجی منصب پر فائز تھے ۔ نور محمد صاحب کی خانگی زندگی بڑی خوشگوار تھی ۔ ان کی انتہائی سماجی اور قومی مشغولیتون کے باوجود بیگم صاحبہ کو کبھی ان سے شکایت نہین ھوئی ۔

ان کے اخلاق و عادات کی خاصی تفصیل ھمین رسالہ ال ۔نور ۶۸ ۔ ۱۹۶۷ء مین شائع شدہ مضمون "مرحوم نور محمد کی کہانی ان کی بیگم کی زبانی" سے مل جاتی

ہے اور ہم اسی کے حوالے سے اس جگہ کچھ پیش کرین گے ۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا :۔

؎ " وہ نہایت شریف، خود دار، رحم دل اور خداترس انسان تھے ۔ نہ وہ کسی کی خوشامد کرتے تھے اور نہ خوشامد کرنے والون کو پسند کرتے تھے ۔ سب کے ساتھ نہایت عمدہ اخلاق سے پیش آتے تھے ۰۰۰۰۰ وہ اپنے ملازمون اور بچون بچون سے کبھی ڈانٹ ڈپٹ سے پیش نہ آتے تھے اور سب بچون کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ دیکھنا چاہتے تھے کیون کہ وہ خود اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے ۔ انھون نے ابتدائی تعلیم سندھ مدرسہ کراچی مین حاصل کی پھر بابا (نور محمد صاحب کے والد) نے انھین علی گڑھ بھیج دیا ۔ وہان سے انھون نے بی ۔اے ایل ایل۔بی مین نمایان کامیابی حاصل کی ۰۰۰۰ انھین ضرورت مندون کی مدد کرنے کا بہت شوق تھا اور جب بھی کوئی حاجت مند ان کے پاس آتا تو پہلے اسے تسلی تشفی دیتے اور اپنے مخصوص لہجے مین سینے پر ہاتھ رکھ کر اس سے کہتے "با با رکھ اللّٰہ تبہ" یا "پٹ رکھ اللّٰہ تبہ" پھر خود اس کے ساتھ جاتے اور جہان اس کا کام ہوتا کرواتے ۰۰۰۰۰ اپنے والد کو بہت چاہتے تھے اور بڑی عزت کرتے تھے ۔ بڑھاپے کی وجہ سے بابا کی طبیعت مین کچھ چڑچڑاپن پیدا ہوگیا تھا ۔ پھر بھی خدمت کا یہ عالم تھا کہ اپنے ہاتھون سے ان کا منہ دھلاتے تولئے سے صاف کرتے اور بڑے پیار سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے ۔ انھین اپنے ہاتھ سے کھلاتے ۔ بابا کی وفات پر کئی دن تک

؎ مسلم کالج حیدرآباد میگزین النور بابت ۶۸ ۔ ۱۹۶۷ء ص ۷ تا ۱۰

غمگین رہے ۔ جس طرح وہ خود والدین کی عزت کرتے تھے اسی طرح چاہتے تھے کہ ان کے اسکول کے بچے بھی والدین کے رتبے کو پہچانیں ۔ ایک دفعہ ایک لڑکا داخلہ کے لیے آیا ۔ اس طرح کہ پیچھے پیچھے اس کا ضعیف باپ سر پر سامان رکھے تھا اور یہ تیرہ چودہ سال کا لڑکا خالی ہاتھ آگے آگے تھا ۔ آپ نے سب بچوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اس لڑکے کے سر پر سب سامان رکھوا کر اسکول کے دس چکر لگوائے ...... انہوں نے اسکول اور بورڈنگ ہاؤس قائم کرنے میں جو مصائب برداشت کیے اس سے بہت کم لوگ واقف ہیں ۔ ایک روز کہنے لگے اپنے مکان کے کاغذات کہاں ہیں ۔ میں نے پوچھا کیوں ؟ کہا اسکول کے لیے کچھ پیسے کم ہوگئے ہیں ۔ میں مکان رہن رکھنا چاہتا ہوں ۔ میں نے کہا میں ہرگز کاغذات نہیں دوں گی ۔ اسکول کی وجہ سے وکالت چھوڑ دی اور اب سر چھپانے کی جگہ بھی رہن رکھنا چاہتے ہو ۔ ان کے انتقال کے وقت ہم پولیس کمشنر کراچی مولوی ضیاء الدین کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے وہیں ان کا انتقال ہوا ۔ ضیاء الدین صاحب نے بتایا کہ آپ کا مکان بھی مہر اللہ داد صاحب کے پاس رہن رکھا ہوا ہے ۔ میرے سامنے دنیا تاریک ہوگئی ۔ ایک تو شوہر کا سایہ اٹھ گیا دوسرے سر چھپانے کی جگہ نہ رہی ۔ خانماں برباد ۔ لیکن لوگوں کو جب یہ حال معلوم ہوا تو سینوں پر ہاتھ مار مار کر عہد کیا کہ نور محمد نے اسکول اس لیے نہیں بنایا تھا کہ اس کے بال بچے بے گھر ہوجائیں ۔ ہم بھیک مانگ کر بھی انہیں آرام سے رکھیں گے ..... انہوں نے اپنی ذاتی منفعت کے لیے کوئی کام نہیں کیا ۔ اپنی زندگی قوم کے لیے وقف کردی ورنہ چاہتے

تو اعلی تعلیم یافتہ تھے ہر عہدہ حاصل کر سکتے تھے ۰۰۰۰ ایک دفعہ کلکٹر نے بلاکر کہا کہ نور محمد ان بیکار کامون کو چھوڑو ۔ ہشیار آدمی ہو ہم تمہین اچھی ملازمت دین گے مگر انھون نے صاف انکار کر دیا ۔ ۰۰۰۰۰ انھین ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا تھا کہ ہاسٹل مین بچون کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو ۔ کوئی بچہ ہاسٹل مین بیمار ہوجاتا تو بڑے پریشان ہوتے ۔ گھر سے سوپ، ساگودانہ، شوربہ وغیرہ پکواکر لے جاتے اور اس کی تیمارداری کرتے ۔ وہ اکثر کہا کرتے کہ ان کے والدین نے اللہ کے بھروسے پر اپنے بچے چھوڑے ہین اور اللہ نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے ۔ ۰۰۰۰۰ ان سے بعض لوگ ان کی اولاد کے متعلق سوال کیا کرتے تھے ۔ ایک روز دفتر مین بیٹھے کام کر رہے تھے کہ ایک صاحب ملنے آئے ۔ اثنائے گفتگو مین انھون نے دریافت کیا " آپ کے کتنے بچے ہین ؟ " انھون نے اس وقت تو ٹال دیا ۔ جب اسکول کی چھٹی ہوئی اور سب بچے باہر نکلے تو انھون نے ان صاحب سے کہا آپ نے میرے بچون کے متعلق پوچھا تھا ۔ پھر اسکول کے بچون کی طرف اشارہ کرکے کہا دیکھئے یہ سب میرے بچے ہین ۔ "

نور محمد صاحب کا انتقال ۲۲ اگست ۱۹۳۷ء کو کراچی مین ہوا تھا ۔ ان کے انتقال کے متعلق بیگم نور محمد صاحبہ فرماتی ہین :-

[۱] " حیدرآباد مین ایک سول سرجن تھے کرنل ہال گٹ ۔ ان ہی سے علاج کراتے تھے ۔ کرنل ہال گٹ ایک دفعہ کراچی مین تھے ۔ ان کی

---

[۱] النور ص ۱۰

طبیعت کچھ معمولی سی خراب ہوئی ـ مجھ سے کہا کہ میں کرنل
حال کٹ کے پاس کراچی جا رہا ہوں نسخہ وغیرہ لکھواکر آجاؤں گا ـ
کچھ ایسے زیادہ بیمار بھی نہیں تھے ـ ان کی عادت تھی کہ جب
کبھی باہر جاتے روز ایک خط ضرور لکھتے اور مجھے بھی لکھتے رہنے
کی تاکید کرتے ـ ایک روز خط میں لکھا کہ میں بہتر ہوں ـ طبیعت ٹھیک
ہے کل تھوڑی سی کھچڑی کھائی تھی ـ ہضم ہوگئی ـ اس سے پہلے
کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا ـ اسی دن شام کو تار آیا کہ آپ فوراً
آئیں ـ خدمت کی ضرورت ہے ـ میں بالحال پریشان پہنچی ـ حالت
بگڑ چکی تھی ـ چوتھے دن بیچارے ختم ہوگئے ـ"

نور محمد صاحب کو اپنی بیوی بچوں سے بہت محبت تھی ـ وہ لڑکوں کی تعلیم کے بھی حامی تھے ـ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ دیکھنا چاہتے تھے ـ ان کی دوسری بیوی سے تین اولاد ہوئی تھی جس میں سب سے چھوٹی بچی جب ڈیڑھ سال کی تھی اس وقت نور محمد صاحب کا انتقال ہوا اور وہ صاحبزادی صاحبہ آج کل پی ـ ایچ ڈی کر رہی ہیں ـ اس سلسلے میں بیگم صاحبہ فرماتی ہیں :-

ـلـه " جب ان کا انتقال ہوا میری گود میں صرف ڈیڑھ سال کی بچی
تھی ـ اس کو وہ بہت چاہتے تھے ـ کہتے تھے میرا دل چاہتا ہے
اسے خوب پڑھاؤں ـ خدا کرے یہ میرا دماغ لائے اور وہ بچی

ـلـه النور ص ۱۰

واقعی باپ کی طرح هوشیار اور عقلمند نکلی ـ بچپن هی سے پڑھائی
کی شوقین اور بلا کی شوقین ـ قابل باپ کی قابل بیٹی ـ کبھی کسی
امتحان مین فیل نه هوئی ـ کم عمری مین اکنامکس مین ام ـ اے کیا
اور اب زبیده کالج مین لیکچرار هے ـ"

نور محمد صاحب ایک سماجی اور قومی خادم تھے ـ وه دو مرتبه اسمبلی کے ممبر منتخب هوئے اور وهان نمایان خدمات انجام دیتے رهے ـ تعلیمی اصلاح اور تعلیم کو عام کرنے کی جدوجهد مین انهون نے اپنی ساری زندگی گزار دی ـ اسی تعلیمی خدمات کی بنا پر لوگ ان کو سندھ کا سرسید کهتے تھے اور ان کے خلوص، همدردی اور محبت کی دل سے قدر کرتے تھے ـ انهون نے اردو مین کوئی کتاب نهین لکھی ـ کچھ مضامین لکھے هون گے تو وه اب مفقود هین ـ لیکن علی گڑھ کالج کی تعلیم وهان کے ماحول اور پھر رفیقۂ حیات کی اردو زبان دانی نے ان کو اهل زبان هی کی طرح اردو کا شیدائی اور عاشق زار بنا دیا تھا ـ وه بهت نفیس اردو بولتے اور لکھتے تھے ـ وه اپنے احباب کو اور خاص کر اپنی رفیقۂ حیات کو همیشه اردو هی مین خط لکھتے تھے ـ بیگم صاحبه نے میری استدعا پر کچھ ذاتی خطوط میرے حوالے کر دیے هین جو درج ذیل کیے جا رهے هین ان سے ان کی اردو تحریر کا انداز معلوم هوگا :ـ

"لیجسلیٹو کونسل
ٹاؤن هال ـ بمبئی
۱۳ مارچ روز سنیچر

ا؎

پیاری چنو السلام علیکم -

آج مجھے تمہارا خط نہین آیا - پھرگری صاحب اسپتال مین ہین اور ان کو چھوڑ کر تمہارا خط دیکھنے کے لیے آیا تھا مگر خط نہین ملا - کلھہ (کل) کے خط مین تم نے سر کے درد کی شکایت لکھی تھی - اس لیے بہت انتظار تھا اور بدقسمتی سے تمہارا خط بھی نہین ملا - مین پیر کے روز تم کو تار کے ذریعہ سے ایک سو روپیہ یا ڈیڑھ سو روپیہ خرچ کے واسطے روانہ کرون گا - وہ لے لینا -

تمہارا نور محمد

جب منی آرڈر آئے تو اس پر Mrs.Noor Mohamad دستخط کر کے روپیہ وصول کر لینا -

نور محمد -

" ۵ مارچ ۱۹۲۲ء روز جمعہ

پیاری چنو السلام علیکم

آج مجھے تمہارا بہت ہی مختصر سا خط آیا ہے جس مین تم لکھتی ہو کہ تم کو میرا خط تاریخ ۳ تک نہین ملا - مجھے سخت تعجب ہے کہ کیون تمہارے کو میرے خط نہین ملے - کیونکہ مین تم کو روزمرہ گذشتہ سنیچر سے لکھ رہا ہون -

---

ا؎ یہ سارے خطوط بیگم نور محمد صاحبہ سے راقم الحروف کو دستیاب ہوئے جس کے لیے ان کا شکر گزار ہون -

ایک دن بھی ناغہ نہین کیا ہون پھر بھی تعجب ہے کہ تم کو خط نہین ملتے۔ ممکن ہے کسی روز تم کو میرے دو خط ساتھ ہی ملے ہون۔ مہربانی کرکے مجھے ضرور لکھو کہ کون سے دن سے تم کو میرے خط ملنے شروع ہوئے ہین۔ مین یہان بفضل خدا خیریت سے ہون۔ تمہین جس چیز کی ضرورت ہو اس کی تفصیل لکھو کیونکہ امید ہے کہ کچھ روپیہ مل جاوے گا۔ ضرور لکھو جس چیز کی ضرورت ہو۔ اور سب خیریت ہے۔

تمہـــــارا
نور محمد ۔ "

پونا
۲۸ جولائی ۔

پیاری چھو السلام علیکم

مین کلھہ (کل) شام کو یہان پہنچا۔ ماورا‌ئ سے بارش شروع تھی اور یہان تک بارش جاری ہے۔ خدا کی قسم بارش دیکھ کر ہر وقت تم میرے کو (مجھکو) یاد رہتی ہو۔ تم وہان گرمی مین ہو۔ اس کا بدلہ خدا تم کو اچھا دے گا کہ میری خاطر تم سب کچھ برداشت کرتی ہو مین یہان سے ۳ یا ۴ اگست کو واپس روانہ ہون گا اس لیے مجھے کوئی خط اس خط کے بھیجنے کے بعد نہین لکھنا۔ امید ہے کہ تم خیریت سے ہو۔ کلھہ (کل) تم کو لمبا خط لکھون گا۔

تمہـــــارا
نور محمد

پونا
۳ اگست

پیاری چمنو السلام علیکم

کلھ (کل) مجھے تمھارے دو خط ملے ۔ مہربانی ۔ انشاءاللہ تعالیٰ یہاں سے میں ٦ اگست تاریخ کو روانہ ہوں گا اور ایک دن اجمیر شریف کو جاؤں گا اس لیے انشاءاللہ تعالیٰ ۹ تاریخ کو حیدرآباد پہنچوں گا ۔ پائخانہ کے واسطے جو منشی روپیہ مانگتا تھا وہ چھوڑ دینا ہے گا ۔ وہ اس کو دے دو کیونکہ عبدالمجیز کے واسطے باہر پائخانہ چاہیے اس لیے مہربانی کر کے پاخانہ تیار کرالینا ۔ پاخانہ گھوڑی کے نئے اصطبل اور حلیمہ بی کے جھونپڑی کے پیچھے میں ہونا چاہئے ۔ امید ہے کہ تم خیریت سے ہو ۔

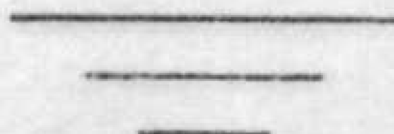
تمہارا

نور محمد *

نور محمد صاحب کے ان خطوط میں گھر کی چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔ اپنی بیگم صاحبہ سے جو ان کو والہانہ محبت تھی اس کا بھی عکس ان خطوط میں ملتا ہے ۔ یہ تمام خطوط بمبئی شملہ اور پونا وغیرہ سے لکھے گئے ہیں ۔ یہ خطوط ان کی بیگم صاحبہ کے پاس بڑی تعداد میں محفوظ ہیں کیونکہ کیون کہ ان کو ان کی بیگم صاحبہ نے اپنے محبت کرنے والے عظیم شوہر کی یاد کے طور پر محفوظ رکھ چھوڑا ہے ۔

نور محمد صاحب کو اپنے اسکول سے اور قوم کے بچون سے جو والہانہ محبت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو ان کی بیگم صاحبہ نے بیان فرمایا کہ کراچی مین جب ان کا آخری وقت آگیا اور انھین یقین ہوگیا کہ وہ اب رخصت ہو رہے ہین تو اپنے دوست سر ہدایت اللہ اور سر ہارون کا (جو اس وقت ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے) ہاتھ پکڑ کر کہا کہ "میرے بعد میرے اسکول کا خیال رکھنا اور اسے بند نہ ہونے دینا ۔" اور پھر اپنے خالق سے جا ملے ۔

ع "خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را "



مولانا عبیداللہ سندھی

برصغیر پاک و ہند کے مشہور و معروف عالم دین، مفسر، صوفی اور اہل الرائے مولانا عبیداللہ سندھی کے آباو اجداد مذہبی طور پر ہندو اور سکھ تھے ۔ آپ کے والد کا نام رام سنگھ تھا جو سکھوں کے دور اقتدار میں اپنے گانو "جہانوالی" کے "مختار کار" اور دادا "جسپت رائے" "کاردار" تھے جیسا کہ اپنے خود نوشت حالات زندگی میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

> [1] "میں ضلع سیالکوٹ کے ایک گانو (جہانوالی) میں پیدا ہوا ۔ ہمارے خاندان کا اصلی پیشہ زرگری تھا ۔ لیکن عرصہ سے ایک حصہ سرکاری ملازمت میں شامل ہوگیا اور بعض افراد ساہوکارہ بھی کرتے رہے ۔

> میں عموما" سلمان فارسی کے اتباع میں اپنا نام عبیداللہ بن اسلام لکھا کرتا ہوں مگر بعض عرب دوستوں کے اصرار سے جب اپنا نام والد کی طرف منسوب کر کے لکھنا پڑا تو عبیداللہ بن ابی عائشہ ۔

---

[1] کابل میں سات سال از عبیداللہ سندھی ص ۹۲ مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۵۵ء

میری بڑی ھمشیرہ کا نام "جیونتی" تھا ـ مین نے ارادہ کرلیا ھے
کہ اگر کسی نے اس سے زیادہ صریح کے لیے کہا تو عبیداللہ بن
راما بن رائے لکھون گا ـ میرے باپ دادا کا نام رام سنگھ
ولد جسپت رائے ولد گلاب رائے ھے ـ کہتے ھین کہ میرے دادا
سکھ حکومت مین اپنے گاؤن کے کاردار تھے ـ "

مولانا سندھی اسی سکھ گھرانے مین ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو مغربی پاکستان کے ایک گاؤن " چیانوالی " ضلع سیالکوٹ مین پیدا ھوئے تھے ـ جیساکہ ایک جگہ خود لکھتے ھین :-

[۱] " مین بہ شب جمعہ قبل صبح ۱۲ محرم ۱۲۸۹ھ ۱۰ مارچ
۱۸۷۲ء کو پیدا ھوا ـ میرا باپ چار ماہ پہلے فوت ھوچکا تھا ـ
دو سال بعد دادا بھی مر گیا تو میری والدہ مجھے ننھال مین لے
آئی ـ یہ ایک خالص سکھ خاندان تھا ـ میرے نانا کی ترغیب پر
ھی میرا والد سکھ بن گیا تھا ـ "

اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے مین لکھتے ھین :-

[۲] " میرے دو ماموں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان مین پٹواری تھے ـ
جب نانا فوت ھوا تو ھم ان کے پاس چلے آئے ـ میری تعلیم
۱۸۷۸ء سے جام پور کے اردو مڈل اسکول مین شروع ھوئی ـ
۱۸۸۷ء مین مڈل کی تیسری جماعت مین پڑھتا تھا کہ اظہار اسلام کے

---

[۱] کابل مین سات سال ص ۹۲
[۲] ایضاً " ص ۹۲

لیے گھر چھوڑ دیا ۔ اس دوران میں دو سال کے لیے ضلع
سیالکوٹ میں رہا ۔ "

اللہ جب کسی کو تاریکی سے نور کی طرف لانا چاہتا ہے اور سیدھی راہ دکھانا چاہتا ہے تو اس کے سامان مہیا کر دیتا ہے ۔ ۱۸۸۲ء میں اسکول کے کسی ساتھی سے مولانا سندھی کو تحفۃ الہند مل گئی ۔ پھر شاہ اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان اور مولوی محمد کی کتاب الاخرہ (پنجابی) پڑھی ۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے ان کی دنیا ہی بدل گئی ۔ وہ اسلام کے شیدائی بن کر گھر چھوڑ کر ایک رفیق عبدالقادر کے ساتھ سندھ کی طرف روانہ ہوگئے ۔ اور پھر چونڈی (ضلع سکھر) میں سیدالعارفین حافظ محمد صدیق صاحب کی خدمت میں پہنچ کر ان سے قادری راشدی طریقے میں بیعت حاصل کرلی ۔ ان باتوں کی تفصیل مولانا نے اپنی خود نوشت حالات زندگی میں بڑی وضاحت سے لکھی ہے ۔ لکھتے ہیں :-

[1] " ۱۸۸۲ء میں مجھے اسکول کے ایک آریہ سماجی لڑکے کے ساتھ سے تحفۃ الہند ملی ۔ میں اس کے مسلسل مطالعہ میں مصروف رہا اور بالتدریج اسلام کی صداقت پر یقین بڑھتا گیا ۔ ہمارے قریب کے پرائمری اسکول (کوٹلہ مغلان) سے چند ہندو دوست بھی مل گئے جو میری طرح تحفۃ الہند کے گرویدہ تھے ۔ انہیں کے توسط سے مجھے مولانا اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان ملی

---

[1] "کابل میں سات سال " ص ۹۵ ۔ ۹۶

اس کے مطالعہ پر اسلامی توحید اور پرانا شرک اچھی طرح سمجھ مین آگیا ۔ اس کے بعد مولوی محمد صاحب لکھوکی کی کتاب احوال الآخرہ (پنجابی) ایک مولوی صاحب سے ملی ۔ اب مین نے نماز سیکھ لی اور اپنا نام تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پسر عبیداللہ خود تجویز کیا ....

۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو توکلاً علی اللہ نکل کھڑا ہوا ۔ میرے ساتھ کوٹلہ مغلان کا ایک رفیق عبدالقادر تھا ۔ ہم دونون عربی مدرسہ کے ایک طالب علم کے ساتھ کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفرگڑھ مین پہنچے ۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ کو میری سنت تطہیر ادا ہوئی ۔ اس کے چند روز بعد جب میرے اعزا تعاقب کرنے لگے تو مین سندھ کی طرف روانہ ہوگیا .... سندھ مین حضرت حافظ محمد صدیق (بھر چونڈی والے) کی خدمت مین پہنچ گیا جو اپنے وقت کے جنید اور سیدالعارفین تھے ۔ چند ماہ ان کی صحبت مین رہا ۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لیے اس طرح طبیعت ثانیہ بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے ۔ حضرت نے ایک روز میرے سامنے اپنے لوگون کو مخاطب فرمایا کہ عبیداللہ نے اللہ کے لیے ہم کو اپنا مان باپ بنایا ہے ۔ اس کلمۂ مبارکہ کی تاثیر خاص طور پر میرے دل مین محفوظ ہے ۔ مین انھین اپنا دینی باپ سمجھتا ہون اور محض اس لیے سندھ کو مستقل وطن بنایا یا بن گیا ۔ مین نے قادری راشدی طریقہ مین حضرت سے بیعت کر لی تھی ۔ "

مولانا سندھی صاحب اپنے وقت کے مشہور علماء اور تعلیم گاھوں سے گھوم گھام کر اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے ۔ کوٹلہ رحیم شاہ ضلع (مظفر گڑھ) مین مولوی خدا بخش صاحب سے "کافیہ" پڑھی ۔ صفر ۱۳۰۶ھ مین دیوبند پہنچ گئے ۔ وھان شرح جامی اور قطبی وغیرہ پڑھی ۔[۱] " وھان سے مدرسہ عالیہ رامپور چلے گئے اور مولوی ناظرالدین صاحب سے تعلیم حاصل کرتے رہے ۔ صفر ۱۳۰۷ھ مین پھر دیوبند واپس آگئے ۔ دو تین ماہ مولانا حافظ احمد سے پڑھنے کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے درس مین شامل ھوگئے ۔ جامع ترمذی مولانا شیخ الہند سے پڑھی پھر گنگوہ جاکر سنن ابوداود حضرت مولانا رشید احمد سے پڑھی ۔ وھان بیمار ھوگئے تو دھلی چلے آئے ۰۰۰۰۰۰۰ ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء کو دھلی سے بھرچونڈی پہنچے ۔ لیکن وھان ان کے شیخ صرف دس دن پہلے وفات پا چکے تھے ۔ اس لیے اسی سال شوال مین جب اپنے شیخ کے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج محمود کے پاس امروٹ (ضلع سکھر) چلے گئے تو انھون نے مولوی محمد عظیم خان کی صاحبزادی سے ان کی شادی کردی اور ان کی والدہ کو بھی وھین بلوادیا ۔"

مولانا سندھی کے تکمیل مطالعہ مین گوٹھ پیر جھنڈا کے کتب خانہ اور مولانا رشیدالدین صاحب العلم الثالث کی صحبت کو خاصا دخل حاصل رھا ہے ۔ خود لکھتے ھین :-

---

[۱] ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کا مضمون "حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے حالات زندگی" المقام المحمود مطبوعہ سندھ یونیورسٹی پریس حیدرآباد ۲۱ مارچ ۱۹۵۹ء ص و ۔ ز

ؔـه[1] " گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدرآباد میں راشدی طریقہ کے پسیرِ صاحب العلم کے پاس علوم دینیہ کا کتب خانہ تھا ۔ میں دوران مطالعہ میں وہاں جاتا رہا اور کتابیں مستعار بھی لاتا رہا ۔ میرے تکمیل مطالعہ میں اس کتب خانہ کے فیض کا بڑا دخل تھا ۔ اس کے علاوہ مولانا رشیدالدین صاحب العلم الثالث کی صحبت سے مستفید ہوا ۔ میں نے ان کی کرامتیں دیکھیں ۔ ذکر اسماء الحسنیٰ میں نے انھیں سے سیکھا ۔ وہ دعوت توحید و جہاد کے ایک مجدد تھے ۔ "

مولانا سندھی کے افکار حضرت امام ولی اللہ کی تعلیم سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے ۔ سیاسی میلان ان کا مولانا اسمٰعیل شہید کے مسلک کے مطابق تھا ۔ وہ مولانا شہید کے مکتوبات اور مولانا عبدالکریم دیوبندی کی تاریخ سقوط دھلی سے اتنا متاثر ہوئے کہ انھوں نے اپنا سیاسی پروگرام مولانا شہید کے مکتوبات میں سے ایک مضمون کی بنیاد پر ہی بنایا جو اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی ۔ وہ خود لکھتے ہیں :-

ـه[2] " اللہ کی رحمتوں میں سے ایک نعمت عظمیٰ جس کا شکریہ میں ادا نہیں کرسکتا یہ ہے کہ فقہ و حدیث کی تحقیق و تطبیق میں اور ایسا ہی قرآن عظیم کی تفسیر میں حضرت مولانا قاسم صاحب دیوبندی سے شروع کرکے امام ولی اللہ دھلوی تک سلسلۂ علما میرا رہبر بنا ۔ اور ان کو میں نے اپنا امام بنا لیا ۔ دوران مطالعہ میں

ـه[1] " کابل میں سات سال " ص ۱۰۰

ـه[2] ایضاً " ص ۱۰۱ ـ ۱۰۲

نے مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی سوانح عمری دیکھی ۔ اسلامی مطالعہ کی ابتدا سے میرا قلبی تعلق مولانا مرحوم سے پیدا ہوچکا تھا ۰۰۰۰۰۰ مولانا شہید کے مکتوبات مین سے ایک مضمون لے کر مین نے اپنا مختصر سیاسی پروگرام بنالیا ۔ وہ اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی ۔ مین نے حجۃ اللہ پڑھنے والی جماعت کو اس مین شامل کرلیا اور اس طرح اپنے خیال کے موافق آہستہ آہستہ کام کرنا شروع کر دیا ۔"

مولانا سندھی نے ۱۸۹۷ء مین دیوبند پہنچ کر اپنے پروگرام مین کچھ مشورے اور اصلاحات حضرت شیخ الہند سے حاصل کین ۔ اس کے بعد امروٹ مین ایک مطبع قائم کرکے عربی اور سندھی کی بعض اہم اور نایاب کتابین چھاپین ۔ ہدایت الاخوان کے نام سے ایک ماہوار رسالہ بھی نکالا ۔ پھر ۱۹۰۱ء مین گوٹھ پیر جھنڈا مین پیر مولانا رشداللہ (صاحب العلم الرابع) کے نام پر ایک مدرسہ "دارالرشاد" کے نام سے قائم کیا اور سات سال تك اس کے مہتمم رہے ۔ ۱۹۰۹ء مین حضرت شیخ الہند کی طلبی پر دیوبند پہنچے اور وہان چار سال تك "جمیعۃ الانصار" مین کام کرتے رہے ۔ پھر ان کے حکم سے ۱۹۱۵ء مین کابل گئے اور وہان سات سال تك حکومت کابل کی شرکت سے شیخ الہند کے مشن کی تکمیل مین لگے رہے ۔ امیر حبیب اللہ خان کے مشورے پر انڈین نیشنل کانگریس کی پہلی بیرونی شاخ ۱۹۲۲ء مین وہان قائم کی ۔ پھر وہان سے ماسکو گئے اور وہان سات ماہ ٹھہر کر ترکی پہنچ گئے ۔ تین سال ترکی مین ٹھہر کر غیر ملکون مین اسلام اور اپنی تحریک کے لیے کام کر تے رہے ۔ ۱۹۲۶ء مین

مولانا مکہ معظمہ پہنچے ۔ وہاں بارہ تیرہ سال قیام کیا ۔ اس دوران مولانا کو قرآن مجید، احادیث نبوی اور امام ولی اللہ دہلوی کی کتابوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کا بہت اچھا موقع ملا ۔ پھر مدرسہ قرآن حکیم جاری کر کے آپ نے درس و تدریس کا بھی سلسلہ شروع کر دیا ۔ قیام مکہ معظمہ کے دوران ہی آپ نے تفسیر المقام المحمود مرتب فرمائی ۔ مکہ معظمہ میں اپنے علمی مشاغل کے سلسلے میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

[1] " مجھے اہل مکہ میں سے تین ہندوستانی اور ایک عرب خاندان نے خاص طور پر علمی امداد دی ۔ میں تقریباً " ۱۲ ۔ ۱۳ سال قرآن عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ کا بہ نظر عمیق مطالعہ کرتا رہا ۔ تفسیر قرآن عظیم میں جس قدر مقامات میرے لیے مشکل تھے اس زمانہ میں انہیں امام ولی اللہ دہلوی کے اصول پر بالاطمینان حل کر سکا ...... میں نے امام ولی اللہ دہلوی کی مشہور کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ جاری رکھا مثلاً بدور بازغہ، خیر کثیر، تفہیمات الٰہیہ، سطعات، الطاف القدس، لمعات وغیرہ ان کتابوں کے لیے بہ طور مفتاح میں نے مولانا رفیع الدین دہلوی کی تکمیل الاذہان اور مولانا اسمٰعیل شہید کی عبقات اور مولانا محمد قاسم کی قاسم العلوم اور تقریر دلپذیر اور آب حیات کو استعمال کیا ۔ مجھے لوگوں کے پڑھانے کا بھی موقع ملتا رہا اور ساتھ ہی مدرسہ قرآن حکیم بھی جاری رہا ۔ اس سے میرے نظریات بہت وسیع ہوگئے للہ الحمد ۔ "

---

[1] کابل میں سات سال ... ص ۱۰۹ ۔ ۱۱۰

مارچ ۱۹۳۹ء مین وہ هندوستان واپس تشریف لائے اور دل و جان سے ولی اللّٰهی فلسفے کی تلقین و ترویج مین مصروف رهے ۔ یہان تک کہ ۲ رمضان المبارک ۱۳۶۳ ھ روز دوشنبه مطابق ۲۱ اگست ۱۹۴۴ء کو بہ مقام دین پور (ریاست بہاول پور) مین داعی اجل کو لبیک کہا ۔

مولانا عبیداللہ کی ساری زندگی دین کی خدمت، دینی علوم فنون کے مطالعے اور مسلمانون کی سیاسی اور علمی رهبری مین صرف هوئی ۔ وہ علوم عقلیه اور نقلیه دونون کے بہت اچھے عالم تھے ۔ ساتھ هی ساتھ جدید علوم و افکار سے بھی پوری طرح آشنا تھے ۔ انھون نے کابل ماسکو ترکی اور حجاز کے سفر اور قیام سے بہت کچھ سیکھا تھا ۔ ان مقامات کے علماء اور سیاست دانون سے مل کر کوائف عالم کا اچھی طرح مطالعه اور مشاهده کیا تھا ۔ مولانا سندھی نے وقتا "فوقتا" اپنے خطبات مین اس طرف اشارہ بھی کیا هے ۔ فرماتے هین :-

"مین ایک عالم گیر انقلاب کے سیلاب کو اپنی آنکھون سے اٹھتا دیکھ آیا هون ..... یہ سیلاب موسمی جھکڑ نہین کہ آیا اور نکل گیا ۔ یہ عہد حاضر کے تاریخی تقاضون کا قدرتی نتیجه هے انقلاب کا یہ سیلاب پیچھے هٹنے والا نہین ...... دنیا ایک نئے طوفان نوح سے دو چار هوا چاهتی هے ۔ بادل گھر چکے هین ۔ گھٹائین برسنے هی کو هین ۔ طوفانون کو اٹھتے اب زیادہ دیر نہین لگے گی ۔ لیکن مین دیکھتا هون کہ تمھین نہ تو ان طوفانون کی کچھ خبر هے اور نہ تم یہ چاهتے هو کہ اگر یہ طوفان بہہ نکلے تو تمھارا کیا حشر هوگا ...[1]

---

[1] "خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھی" مرتب پروفیسر محمد سرور مطبوعه سندھ ساگر اکادمی لاهور (دوسرا ایڈیشن) ۱۹۷۰ء ص ۱۳ ــ ۱۴

یہ انقلاب جسے میں اپنی آنکھوں سے برسرکار دیکھ رہا ہوں،
انسانیت کے ان پس‌ماندہ طبقوں کو للکار رہا ہے کہ اٹھو!
غاصبوں سے اپنا حق چھینو اور جو ظلم ہو رہے ہیں انہیں
نیست و نابود کردو۔"

مولانا عبیداللہ سندھی ایک مفکر، عالم دین، مفسر اور خطیب کے ساتھ ایک اچھے ادیب بھی تھے۔ سندھی فارسی عربی اور اردو زبان پر ان کو پوری قدرت حاصل تھی۔ ان کی ساری زندگی جد و جہد میں گزری۔ وہ قوم کے نوجوانوں میں زندگی اور آزادی کی روح پھونک دینا چاہتے تھے۔ وہ غریبوں اور مزدوروں کے ہمدرد تھے اسلام پر سختی سے پابند رہتے ہوئے وہ سوشلزم کی طرف مائل تھے۔ انہوں نے خطبات اور لیکچرز بہت دیے اور ملک کے مختلف حصوں میں گھوم گھوم کر دیے ہیں جو کتابی شکل میں "خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھی" کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ لیکن مولانا کا اصل میلان تفسیر قرآن کی طرف تھا یا پھر وہ ولی اللّٰہی حکمت اور تعلیم کو دنیا میں پھیلانے کی طرف راغب تھے۔ ان کی پہلی تفسیر تو وہ ہے جو انہوں نے پہلی جنگ عظیم سے پہلے دھلی میں لکھی تھی۔ یہ تفسیر سندھ یونیورسٹی حیدرآباد اور دوسری جگہوں میں موجود ہے۔ اس کے بعد انہوں نے المقام المحمود کے نام سے تفسیر مکہ معظمہ میں لکھی جب کہ ان کا تجربہ مشاہدہ اور علمی معیار بہت بڑھ چکا تھا۔ اس میں جدید فلسفہ اور سائنس کے اصول، سیاسیات اور تمدن و ارتقا مال کی تعلیمات کی جھلک ملتی ہے۔ بقول ڈاکٹر عبدالواحد ھالی پوتا صاحب :-

ـــہ[1]
" اس تفسیر مین یہ خصوصیت ہے کہ طبعیات اور جدید سائنس اور علوم کو بھی قرآنی مسائل کے سمجھنے کا ذریعہ بتایا گیاہے اور ساتھ ہی ساتھ قرآنی نقطۂ نظر سے ان کی اصلیت کا اندازہ لگانے کے راستے بھی دکھائے گئے ہین ـ موجودہ زمانے مین جو مختلف حالات اور رجحانات پیدا ہو رہے ہین ان سب مین قرآن پاک ہی سے ہدایت حاصل کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے ...... یہ تفسیر بعض دیگر تفسیرون سے مختلف ہے جن مین فقط شان نزول اور اسرائیلی قصے اور کہانیون پر اکتفا کرنے کی وجہ سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید قرآن فقط مخصوص مواقع اور گذشتہ زمانے کے لیے ہی نازل ہوا تھا ـ لیکن اس تفسیر سے قرآن شریف کی تعلیمات کی عمومیت اور بین الاقوامیت ظاہر ہوتی ہے ـ اس تفسیر مین بعض جگہ بہت بڑے بڑے مضامین اعلٰی افکار اور دقیق مسائل بھی زیر بحث ہین ـ اس وجہ سے بعض مواقع قدرے مشکل نظر معلوم ہوتے ہین ...... ہر مفکر اور مفسر کا کوئی نہ کوئی علمی اور ذہنی موقف ہوتا ہے ـ اس تفسیر مین مولانا عبیداللہ صاحب کا علمی اور فلسفی موقف شاہ ولی اللہ دہلوی کی حکمت اور فلسفہ و تعلیم ہے ـ اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ کی حکمت کی بہ کثرت اصطلاحات اور الفاظ مستعمل ہین ـ"

اس تفسیر کے علاوہ اردو مین مولانا کی کئی اہم تصانیف ہین جن مین مندرجہ ذیل کتابین

(۱) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ

ـــہ[1] از پیش لفظ ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتہ صاحب المقام المحمود مطبوعہ سندھ یونیورسیٹی پریس حیدرآباد سندھ (طبع اول) ۱۹۵۹ء ص ب

(۲) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک

(۳) قرآن مجید کا مطالعہ کیسے کیا جائے

(۴) دیباچہ شرح حجۃ اللہ البالغہ

(۵) کابل مین سات سال مع خود نوشت حالات زندگی

خاص طور پر قابل ذکر ہین ۔ نمونۂ نثر کے طور پر مولانا کے ایک مقالہ " شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک " سے کچھ اقتباسات درج ذیل ہین :۔

" ہمارے دوست عام طور پر جانتے ہین کہ جب سے ہند مین[1] واپس آئے ہم نے کسی سیاسی جماعت سے پورے اشتراک کا کبھی ارادہ نہین کیا بلکہ ایک ایسے فکر کی دعوت دیتے رہے جو ملک کی عام ذہنیت سے بہت دور ہے ۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ جو پارٹی امام ولی اللہ کی فلاسفی پر بنے گی وہی ہماری وطنی ملی ضرورتین پوری کرے گی ۔ ہمارا یہ فکر اور زمانہ کی وہ فضا کہ اہل علم بھی نہین جانتے کہ امام ولی اللہ واقعی فلاسفر تھے یا انہون نے کوئی ایسا سیاسی تخیل پیدا کیا ہے جو آج جمہور کے ترقی کن طبقہ کے مزاج سے سازگار ہوسکتا ہے ....
آخر مین مفکرین کا ایک خاص حلقہ سنجیدگی سے اس طرف متوجہ ہوا ۔ وہ سمجھنا چاہتے ہین کہ ہند جیسے براعظم مین اگر ایک ایسی سوسائٹی جو خاص فکر لے کر پیدا ہوتی ہے اور تخمینا " سات سو سال کی جدوجہد سے اپنے لیے عالم گیر ترقی کا پروگرام بنالیتی ہے ۔ کیا اس عظیم الشان جماعت کی تمام ضرورتین کسی ایسی نیشنل پارٹی کی تشکیل سے پوری ہوسکتی ہین

---

[1] یہ مقالہ ماہنامہ برہان دہلی کے شمارہ بابت مئی ۱۹۴۳ء مین چھپا تھا ۔ پھر پروفیسر سرور نے "خطبات و مقالات از مولانا عبیداللہ سندھی "مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۷۰ء (اشاعت بار دوم) کے مجموعہ مین شامل کرلیا ۔ ص ۲۰۹ ۔ ۲۱۰

جو امام ولی اللہ کے فلسفہ اور سیاست سے اساسی تعلق رکھتی ہو ـ ان کے افکار مین ہلکا سا عوج پیدا کرنے کے لیے ہم نے پہلے امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف کرایا ـ اس کے بعد ان کی سیاست کا ـ ہم امام ولی اللہ کو الٰہیات مین اور اقتصادیات مین ایک مستقل امام فرض کر کے مضامین لکھتے ہین ـ

پہلے رسالہ مین بھی اگرچہ بعض خیالات نئے تھے مگر انہین ناقابل برداشت نہین سمجھا گیا ـ البتہ دوسرے رسالہ مین جو کچھ لکھا گیا ہے اس مین مختلف جماعتون کے لیے مزاحمت کا کافی سامان موجود ہے ـ "

مولانا کی تحریر مین فلسفیانہ اور متکلمانہ انداز پایا جاتا ہے ـ وہ ہر بات کو وضاحت سے بیان کرتے ہین اور اس کے سمجھانے کے لیے ٹھوس دلائل دیتے ہین تاکہ قاری کو سمجھنے مین کوئی دشواری نہ ہو ـ وہ ہر مسئلہ پر خاص نظریۂ فکر سے روشنی ڈالتے ہین ـ ان کی زبان بڑی رواں اور دل کش ہوتی ہے ـ



حضرت شاہ غلام رسول

شمس الفقرا حضرت مولانا الحاج حافظ قاری شاہ محمد غلام رسول القادری الچشتی النظامی القلندری الاویسیؒ کی پیدائش اپنے آبائی مکان واقع محلہ صدر ملحقہ مسجد قصابان کراچی ۱۳۰۶ھ مین ہوئی ۔ آپ کے والد ماجد حافظ قاری شاہ علم الدین القادری المتوفی ۱۳۲۵ھ مسجد قصابان کے امام و خطیب تھے ۔ آپ کے نانا غفران مآب حضرت مولانا منشی بشیر احمد القادری (المتوفی ۱۳۱۳ھ) متولی عیدگاہ بندر روڈ کراچی ۱۸۵۷ھ کی ناکام جنگ آزادی مین داناپور پٹنہ سے ہجرت کرکے کراچی مین سکونت پذیر ہوگئے تھے ۔ آپ کے ماموں اور خسر عارف باللہ حضرت مولانا صوفی سائین محمد عبدالغنی القادری القلندری (المتوفی ۱۳۵۷ھ) آپ کے استاد اور پیر و مرشد بھی تھے ۔

حضرت شاہ محمد غلام رسول نے تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد کے زیر نگرانی ان ہی کے قائم کردہ مدرسۃ العلمیہ قادریہ متصل مسجد قصابان صدر کراچی مین حاصل کی ۔ اسی مدرسہ مین آپ نے حفظ قران کے علاوہ علم تجوید کی تکمیل بھی فرمائی ۔ اوائل ہی سے آپ کا فقر و درویشی کی طرف رجحان تھا ۔ اور بالآخر تصوف اور روحانیت مین اپنا ایک مقام حاصل کیا ۔ آپ ایک شعلہ بیان خطیب بھی تھے ۔ اور اپنی ساری صلاحیتین تبلیغ دین اور رشد و ہدایت مین صرف کین ۔ آپ نے عہد جوانی مین فرئیر اسٹریٹ صدر کراچی مین انجمن حزب الاحناف کی بنیاد رکھی ۔ منازل طریقت

کی تکمیل اور اکتساب علم و فقر کے سلسلے مین آپ نے ھندوستان کے علاوہ بیرون ھند اکثر بلاد اسلامیہ کا بھی سفر فرمایا ۔ اور اس عہد کے مشہور علماے کرام و صوفیاے عظام و اولیا و اقطاب کے فیض سے بہرہ ور ہوئے ۔ ھند کے مشاہیر مین حضرت فاضل بریلوی اور بیرون ھند کے علماء اور صوفیاء مین حضرت شاہ عبدالحق محدث الہ آبادی، مہاجر مکی حضرت مولانا شاہ محمد عبداللطیف قادری مدنی سے اکتساب فیض کیا ۔ حضرت مولانا شاہ محمد عبداللطیف قادری سے روضہ نبوی مدینہ منورہ مین آپ مرید ہوئے ۔ اور وظائف پنج گنج سے سرفراز فرمائے گئے ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مین کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ بغداد شریف کی زیارت سے شرف یاب ہوئے وہان آپ نے کئی خطبات دئیے جس کے باعث نہ صرف عوام مین آپ عزت و احترام کی نظرون سے دیکھے گئے بلکہ حضرت سید شرف الدین احمد کلید بردار آستانہ حضرت غوث اعظم سے آپ کے دوستانہ مراسم قائم ہوگئے ۔

حضرت شاہ غلام رسول کا تقویٰ اس درجہ کمال پر تھا کہ آپ نے کوئی نماز بغیر تازہ وضو کے نہین پڑھی ۔ آپ کا سارا وقت رشد و ھدایت مین صرف ہوتا تھا ۔ آپ کی مجلس مین دنیا یا دنیا والون کا ذکر نہین آتا ۔ آپ اس سے پرھیز فرماتے تھے ۔

آپ عربی فارسی اور اردو پر پوری قدرت رکھتے تھے ۔ اردو اور فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے غلام تخلص فرماتے تھے آپ زیادہ تر نظمین لکھتے تھے ۔ لیکن مریدون کی ھدایت کے لئیے آپ نے اردو نثر مین بھی کچھ چیزین لکھی ھین ۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف کی نشان دھی آپ کے خاندان والون نے کی ھے :-

مثنوی قادری (فارسی)، مثنوی فانوسِ عشق، ارمغانِ قادری، گلدستہ غوثیہ، فیضانِ غوث اعظم، فیضانِ معینی، گل یازدہ صد برگ، اقتدالِ سرمدی، اجلالِ محمدی، تحفہ رجبی شریف، تحفہ عید الضحیٰ، بہار بے خزاں، تحفہ زیارت، وہدیہ ملاقات (دوحصہ)، نذرِ حسینی، چمنستانِ حسینی، مجموعہ نسانہ قوم، حقیقت صراطِ مستقیم اور کلام کلیاتِ قادری المعروف بہ چمنستانِ قادری وغیرہ

آپ کا وصال ۱۹ جمادی الاول ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۷۱ء کو بروز منگل بوقت ساڑھے آٹھ بجے شب ہوا ۔ آپ کے جانشین آپ کے فرزند ارجمند صاحب زادہ حضرت محمد علم الدین قادری ہوئے ۔

آپ کے نثر کا نمونہ تحفہ زیارات وہدیہ ملاقات سے درج ذیل ہے :-

۱؎ " یہ طریقہ گیارھویں شریف کا ایسا مجرب ہے کہ جو کوئی ہر مہینہ کی گیارھویں تاریخ کو اس طریقہ کے مطابق نیاز دلایا کرے دولت دنیوی سے مالا مال ہوجائے اور حضرت پیران پیر غوث اعظم محی الدین ابو محمد سید عبد القادر جیلانی کا فرمانا ہے کہ جس کی جو حاجت ہو وہ پوری نہ ہو تو قیامت کے دن میرا دامن اور اس کا ہاتھ ہو .... طریقہ یہ ہے کہ جس جگہ نیاز کی جائے وہ پاک وصاف ہو۔ اس جگہ ایک چھوٹی سی چوکی یا اور کوئی اونچی چیز بچھادی جائے اور اس پر پاک صاف کپڑا سفید بچھایا جائے اور اس پر گیارہ پیالے مٹی یا چینی یا تانبے کے رکھے جائیں ان میں اپنی حیثیت کے موافق تبرک کسی مسلمان حلوائی سے لیا جائے یا اپنے گھر میں حلوا بنایا جائے یا اور کوئی کھانا پلاؤ زردہ وغیرہ بھرا جائے تبرک کم از کم گیارہ کوڑی یا گیارہ پیسے یا گیارہ آنے یا گیارہ روپے کا ہو ۔ زیادہ تبرک میسر نہ ہو تو پہلے تھوڑا ہو اور بتدریج رفتہ رفتہ یعنی خدائے پاک جس قدر وسعت دیتا جائے بڑھاتا جائے

۱؎ تحفہ زیارات وہدیہ ملاقات از شاہ غلام رسول ص ۱۱ — ۱۲

مولوی محمد صادق کھڈے والے

" مولوی محمد صادق کا خاندان علم و فضل، سماجی و سیاسی اور علمی خدمات کے لحاظ سے سندھ میں بہت ممتاز اور معروف تھا ۔ آپ کے والد مولوی عبداللہ درویش صفت بزرگ اور اپنے وقت کے جید عالم تھے ۔ مدرسہ عربیہ مظہرالعلوم کھڈا کی بنیاد آپ ہی نے مولوی سلیمان صاحب کے ساتھ مل کر رکھی تھی ۔ مولوی محمد صادق صاحب کی پیدائش کراچی کے اسی محلہ کھڈا میں ۱۵ جنوری ۱۸۷۴ء مطابق ۲۵ محرم ۱۲۹۱ھ کو ہوئی ۔ ابتدائی تعلیم آپ نے مدرسہ عربیہ مظہرالعلوم میں مولوی احمد الدین چکوالی سے حاصل کی ۔ پھر تکمیل تعلیم کے لیے دیوبند چلے گئے ۔ جہاں شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا ۔ مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولوی سید انور شاہ اور مولانا عبیداللہ سندھی آپ کے ہم درس اور دوستوں میں تھے ۔

دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کراچی لوٹے تو مدرسہ عربیہ مظہرالعلوم کی نگرانی کے ساتھ تحریک آزادی میں بھی شامل ہوگئے ۔ دوران تعلیم حضرت شیخ الہند آپ کی مستقل مزاجی، حق گوئی، بے ریائی اور ذہنی قابلیت سے اس قدر

متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنے شاگرد کو تحریک آزادی میں اپنا دست راست بنا کر سندھ کے کاموں کے لیے منتخب کرلیا اور وہ یہاں انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے سرگرم عمل ہوگئے ۔ ساری اسلامی دنیا کو مغربی سامراج سے آزادی دلانا آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا ۔

پہلی عالم گیر جنگ (۱۹۱۴ء) میں آپ کی کوششوں نے بلوچستان میں انگریزوں کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کردی ۔ اس کوشش میں سردار نورالدین مینگل آپ کے رفیق کار تھے ۔ انگریزوں کی فوج میں شامل ہوکر، ترکوں کے خلاف جنگ کو کفر بتاکر، آپ نے فوج میں بھرتی کا کام بالکل رکوا دیا ۔ اس سے انگریزان گھبرا گئے اور آپ کو گرفتار کرکے کاردار جہل میں چار برس کے لیے قید کردیا ۔ آپ قید تو ہوگئے لیکن بروقت کمک نہ پہنچنے سے ترکی محاصرے کے سامنے جنرل ٹاؤن شینڈ کو ہتھیار رکھنا ہی پڑا ۔ مولوی صادق صاحب جمعیت الانصار کے سرگرم کارکن تھے ۔ جیل سے رہائی پانے کے بعد آپ تحریک خلافت میں شامل ہوگئے ۔ اور "آل انڈیا خلافت کمیٹی" کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر چنے گئے ۔ ۱۹۲۰ء میں کراچی میں خلافت کانفرنس کا سالانہ جلسہ ہوا اس کے مجلس استقبالیہ کے آپ صدر منتخب ہوئے ۔ سندھ خلافت کمیٹی کے صدر اور نائب صدر رہے ۔ جنگ بلقان اور طرابلس کے سلسلے میں ہندوستان بھر سے فنڈ جمع کیا اور مجاہدین کی مدد کی ۔ ۱۹۳۳ء میں جب مفتی اعظم فلسطین "امین الحسینی" کراچی تشریف لائے تو آپ نے سندھ کے مسلمانوں کی طرف سے انہیں بھرپور تعاون اور مدد کا یقین دلایا ۔ سید حاجی عبدالرحیم شاہ سجاونی، پسیو صاحب

جھنڈے والے، پیر صاحب "کماری والے" جیسی عظیم شخصیتوں سے آپ کے بڑے قریبی اور مخلصانہ تعلقات تھے ۔ آپ جمعیت العلمائے ہند کی ورکنگ کمیٹی کے بھی ممبر تھے اور سندھ میں اس کے صوبائی صدر بھی رہے ۔"[1]

مدرسہ مظہرالعلوم نے آپ کی زیر نگرانی تعلیمی اعتبار سے بہت ترقی کی ۔ یہ آزادیٔ وطن کی تحریک کا مرکز بن گیا اور اس کے طلبہ آزادی اور وطن کی محبت سے سرشار تھے ۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے آپ کی دعوت پر یہاں کچھ عرصہ ٹھہرکر حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی کی تحریک اور تعلیمات پر درس دیا ۔ مولوی صادق صاحب ایک اچھے مبلغ دین بھی تھے ۔ بہت سے غیرمسلم آپ کے ھاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے ۔

مولوی صادق صاحب نے فنطب بھی پڑھا تھا اور پیشہ کے طور پر آپ نے اسی کو اختیار کیا ۔ تمام سیاسی، سماجی اور علمی خدمات وہ خالصۃً للہ کرتے تھے ۔ طبابت سے آپ کو خاص آمدنی ہوجاتی تھی ۔ ۱۹۲۰ء میں چھیاسٹھ سال کی عمر میں اللہ نے آپ کو ایک فرزند بھی عطا کیا تھا جس کا نام محمد اسمٰعیل رکھا گیا ۔

۱۳ جون ۱۹۵۳ء کو آپ خدا کو پیارے ہوئے ۔ عبدالرشید خان تبسم نے آپ کی نثر کا کچھ اقتباس دیا ہے اسی سے یہاں درج ذیل ہے :-

---

[1] یہ تمام حالات اور معلومات عبدالرشید خان تبسم کے مقالہ "سندھی کے جدید اردو مصنفین" سے لیے گئے ۔ یہ مقالہ قلمی شکل میں شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی میں محفوظ ہے ۔

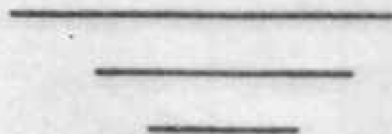
[1] "مجھے اعتراف ہے کہ خانقاہ لواری شریف ایک قدیم خانقاہ ہے اور بڑے بڑے بزرگان دین اور اللہ والون کا مرکز تھی ۔ یہ بھی مجھے خبر ہے کہ بڑے بڑے جید عالم ومحدث وفقیہہ اس خانقاہ کے معتقد اور فیض یافتہ تھے مگر نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ع ۔ "آن قدح بہ شکست و آن ساقی نماند "۔ نہ وہ فیض رہا نہ وہ فیاض، نہ وہ معرفت ربانی کے لبریز پیالے رہے بلکہ
ـــہ حریفان بادہ ہا خوردند و رفتند ۔ تہی خم خانہا کردندو رفتند =
یہ ایک ایسا حقیقی فتنہ ہے جس کی نسبت قرآن حکیم مین ارشاد الٰہی ہے ۔ "الفتنۃ اشد من القتل "۔ اس فتنہ عظیم کی ابتدا غلام مصطفےٰ شاہ بخاری اور عبداللہ لکھنوی نامی دو اشخاص سے معلوم ہوتی ہے ۔پہلے شخص نے لواری والے بڑے بزرگ یعنی اس خاندان کے مورث اعلیٰ محمد زمان صاحب کی تعریف مین ایک بے سروپا مسدس لکھی ہے جو عبارت اور شاعریت کے لحاظ سے تو جاہلانہ و طفلانہ اور ہر قسم کی غلطیون سے پر ہے ، مگر معنوی لحاظ سے بھی حد درجہ کے ناجائز مبالغے سے مالا مال ہے ۔ اس مسدس کی ایک شرح عبداللہ لکھنوی نے لکھی ہے ۔ اس کے سوا عبداللہ لکھنوی نے غلام مصطفےٰ شاہ کی تقلید مین بہ زبان سندھی ایک مسدس لکھا ہے جس مین غلام مصطفےٰ شاہ کے مسدس سے بھی بدرجہا زیادہ کفریات و شرکیات بھرے ہوئے ہین ۔"

مولانا صادق صاحب کی مادری زبان سندھی ضرور ہے لیکن ان کی ساری زندگی سیاسی اور سماجی خدمات کے سلسلے مین اردو اور اردو بولنے والون کے درمیان کٹی ۔

---

[1] " سندھی کے جدید اردو مصنفین " (قلمی) ص ۵۱ ـ ۵۲

آپ کے والد اردو کے بہت بڑے ہمدرد اور عربی فارسی کے جید عالم تھے ۔ ان کے زیر سایہ اور ماحول مین آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی ۔ پھر دارالعلوم دیوبند مین مولانا حسین احمد مدنی مفتی کفایت اللہ دھلوی وغیرہ شخصیتون کے ھم درس رہ کر حضرت شیخ الہند مولانا ملک محمود الحسن صاحب کے علوم ظاھری و باطنی سے فیض یاب ھونے کے مواقع ملے ۔ تحریک آزادی مین ان کے معتمد اور محرم راز رھے ۔ تحریک خلافت جو در اصل سندھ اور مختلف صوبون مین اردو کی اشاعت کا ذریعہ ثابت ھوئی ھے ۔ آپ اس کے روح روان اور سرگرم کارکن تھے ۔ جمعیت العلما ھند کی ورکنگ کمیٹی کے برابر ممبر رھے ۔ ان حالات اور مواقع نے ان کو نہ صرف اردو زبان کا ماھر بنا دیا بلکہ اھل زبان کی جیسی قدرت زبان اور اعتماد بھی عطا فرمایا ۔ ان کی تحریر بڑی شگفتہ اور دل کش ھوتی ھے ۔ جگہ جگہ برمحل اشعار سے زور بیان پیدا ھوجاتا ھے ۔ ان کی کوئی اردو تصنیف میری نظر سے نہین گذری ۔ شاید سیاسی اور سماجی خدمات کے باعث موقع نہ ملا ھو لیکن یہ چند سطرین ھی ان کے انداز تحریر کو نمایان کر دینے کے لیے کافی ھین ۔



کلیم اللہ شـــاہ

" سید کلیم اللہ شاہ کے والد محمد ارشد شاہ، راشدی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ آپ کے پردادا پیر علی مرتضٰی شاہ، پیر سائین محمد راشد "روضہ دھنی" (مورث اعلٰی حضرت پیر صاحب پگاڑو) کے چھوٹے بھائی تھے ۔ آپ کا خاندان سندھ مین "شاھانی سادات" کے نام سے مشہور ہے ۔ سید کلیم اللہ شاہ کی پیدائش "ٹھوڑ دیرو" سے متصل "شاہ جوگوٹھ" ضلع لاڑکانہ مین ۱۸۷٦ء مطابق ۱۲۹۳ھ مین ھوئی تھی ۔ آپ کا بچپن سیوی اور بلوچستان مین گذرا ۔ سندھی کے علاوہ عربی، فارسی کی تعلیم گھر پر قابل علماء سے حاصل کی ۔ فن طب کا بھی مطالعہ کیا تھا اور شوقیہ رفاہ عام کے طور پر غریبون کا علاج کرتے تھے ۔ فن موسیقی کے بڑے دل دادہ تھے اور خود بھی اس فن پر کافی دست گاہ رکھتے تھے ۔ ھندوستان کے بڑے بڑے موسیقار آپ کے پاس آتے رہتے تھے ۔ شعر و شاعری کے لیے بھی طبیعت موزون پائی تھی ۔ سندھی، سرائیکی، فارسی اور اردو مین آپ کے

اشعار موجود ہیں ۔ "[1]

نثر میں ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن ۱۹۰۲ء میں اپنی غزلیات کا ایک مجموعہ کسی دوست کو انہوں نے تحفۃً بھیجا تھا[2] ۔ اس مجموعہ کے آخر میں یہ چند سطریں ان کے ہاتھ کی لکھی ملتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اردو نثر پر دسترس رکھتے تھے بلکہ خط و کتابت اور روزمرہ کے کاموں میں بھی وہ اردو نثر سے زیادہ کام لینا پسند کرتے تھے ۔ وہ اردو عبارت اس طرح ہے :-

" تمت ہوگئی غزلیات اردو تصنیف کلیم اللہ شاہ ۔
جناب آپ کے حکم موجب یہ چند نمونہ غزلیات اردو لکھے
گئے ہیں ۔ اگر منظور ہو تو چند ورق اور بھی خدمت میں
ادا کریں ۔ فقط تاریخ ۱۷ ماہ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ ۔
کلیم اللہ شاہ "

---

[1] یہ مواد سندھ میں اردو شاعری از ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ مطبوعہ ۱۹۷۰ء (بار دوم) ص ۲٦٥ سے لیا گیا ہے ۔

[2] یہ مجموعہ مرزا عباس علی بیگ ٹنڈو آغا حیدرآباد کے یہاں محفوظ ہے ۔

مولانا محمد قاسم

"مولانا محمد قاسم، بانی مدرسہ ھاشمیہ گڑھی یٰسین[۱]، مولانا محمد ھاشم صاحب کے بڑے صاحب زادے تھے۔/۹/۸ آپ کی پیدائش اپنے آبائی گاؤں "میان گوٹھ"؟ تحصیل شکارپور (سندھ) مین پیر کے دن ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء کو ھوئی۔ اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد درس نظامی کی زیادہ تر کتابین آپ نے اپنے والد ماجد مولانا محمد ھاشم صاحب سے ختم کین۔ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۲ء مین اپنے والد مولانا محمد ھاشم صاحب کے انتقال کے بعد آپ نے راس العلماء، شمس الفضلاء، ولی کامل، استاد الکل، مولانا عبدالغفور صاحب کی خدمت مین ھمایون شریف، تحصیل شکارپور (سندھ) حاضر ھوکر زانوے شاگردی تھہ کیا اور تمام علوم ظاھری و باطنی کی تکمیل ان سے کی۔ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء مین تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد گڑھی یٰسین[۱] مین اپنے والد کے مدرسہ ھاشمیہ کو اپنے زیر نگرانی لے کر درس و تدریس مین مشغول ھوگئے۔ دور دور سے طلبہ آکر آپ سے فیض حاصل کرتے۔ درس و تدریس کے علاوہ آپ کا بڑا مشغلہ فتاویٰ[۱]

لکھتا تھا ۔ علوم دینی اور شرعی مین آپ کی غیر معمولی بصیرت کے باعث دور دور سے لوگ فتوے دریافت فرماتے اور آپ کے دستخط کے بغیر لوگون کو تشفی نہ ہوتی تھی ۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ایک عالم باعمل کے ساتھ ساتھ صاحب حال صوفی بھی تھے ۔ سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک تھے ۔ اکثر کرامات بھی ان سے ظاہر ہوتے رہتے تھے ۔ بعد وفات نماز جنازہ کے وقت چار تکبیر کی آواز جنازہ سے جم غفیر نے سنی ۔ اسی لیے لوگ ان کو "صاحب التکبیر" بھی کہتے ہین ۔ ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء کو آپ نے وفات پائی ۔ "[1]

مولانا محمد قاسم صاحب شاعر بھی تھے اور اردو فارسی مین شعر بھی کہتے تھے۔ قاسم تخلص فرماتے تھے ۔ آپ کے فتاوے زیادہ تر اردو مین لکھے گئے ہین ان سے ان کی اردو نثر کا اندازہ ہوتا ہے ۔ ان کا ایک فتویٰ جو انہون نے پیر فخرالدین جہلانی گھوڑگی کے اس سوال پر کہ "وہ جنگلات جو کسی کی ملکیت نہ ہون اور سرکار انگلشیہ کے قبضہ مین ہون اور اس سے کوئی لکڑی کاٹتا ہے تو کیا یہ سرکاری جرم ہے اور کیا خدائی مواخذہ بھی اس پر ہوگا ۔ " مولانا قاسم صاحب نے جو فتویٰ لکھا ہے وہ ان کے نمونہ نثر کے طور پر اس جگہ درج ہے :-

---

[1] یہ تمام سوانحی حالات راقم الحروف کو مولانا محمد نجم الدین صاحب صدر مدرس و مفتی مدرسہ قاسمیہ گڑھی یسٰین سے تحریری شکل مین موصول ہوئے ہین ۔

"[1] یہ جنگل ملکیت سرکار کی نہین کہا جاوے گا ۔ زیراکہ حربی نصرانیون کا زمینات پر قبضہ شرعا" مفید ملکیت کا نہین ہو سکتا ہے بلکہ جس چیز کو وہ احراز دارالحرب مین لے جاتے ہین یا اپنی چیز ~~کو/ا~~ ~~لط~~ کے ساتھ اس چیز کو اس طرح خلط کرتے ہین جس سے استہلاک کے معنی پیدا ہوسکتی ہے جیساکہ اپنے روپیون سے یا اپنے غلہ گیہون سے یہان کے روپیون یا غلہ گیہون کو لے کر خلط کرین کہ اس قسم کے خلط ہونے کے بعد تمیز کسی معنی جاتی رہتی ہے تو تب وہ مالک ہو سکتے ہین اور یہ ظاہر ہے کہ زمینات اور اشجار ہندوستان کو وہ اپنی دارالحرب مین نہین لے گئے ہین ۔ اور نہ خلط استہلاکی کر چکے ہین لہذا یہ جنگل ملکیت سرکار نصاریٰ کی نہین ہوگا .... جب کہ مذکورہ بات ثابت ہوچکی تب یہ بھی جاننا چاہئے کہ جنگل کی لکڑیون اور گھاس کا بیع کرنا شرعا" باطل ہے اس لیے کہ یہ اشیا مباحہ سے ہین اور کسی کی ملکیت مین داخل نہین ہین اور اشیا مباحہ کا بیع کرنا غیر مشروع اور ناروا ہے ۔ کتاب "درّ المنتقی شرح الملتقی" کے باب "البیع الفاسد" مین لکھا ہے وَلَا یَجُوزُ بَیعُ المُبَاحَاتِ کَحَطَبِ الصَّحرَاءِ وَحَشِیشِهِ انتَهیٰ جب کہ یلا کے جنگل مین خدائی سیلاب دریا کا پانی آجاتا ہے اور اس کے درخت خود رو ہین ۔ اور اہل کار فقط درختون کی نگرانی کرتے ہین ۔ جیساکہ مستفتی کے استفتا سے ظاہر ہے تو ایسی صورت مین سرکاری ممانعت محض ظلم ہے اور لکڑیون کے کاٹنے والے پر خدائی مواخذہ نہین ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

حررہ فقیر محمد قاسم الیاسینی عفی اللہ عنہ
۲۳ذی الحجہ ۱۳۲۲ ھ "

---

[1] مجموعہ فتاویٰ قاسمیہ (قلمی) ص ۱۳۳ ۔ یہ مولانا محمد نجم الدین صاحب صدر مدرس و مفتی مدرسہ قاسمیہ گڑھی یٰسین (سندھ) کے پاس محفوظ ہے ۔

جیساکہ عبارت سے ظاہر ہے عبارت سادہ اور مذہبی رنگ کی ہے ۔ کے اور کی کا استعمال کہین کہین غلط ہے مثلاً" "غلط ہونے کے بعد تمیز کسی معنی جاتی رہتی ہے ۔" عبارت مین عربی کے ثقیل الفاظ بھی استعمال ہوئے ہین لیکن بے ضرورت استعمال نہین کیے گئے ۔ بہرحال مولانا قاسم کی اردو نثر اپنے دور کی روان نثر کہی جاسکتی ہے ۔



مولانا محمد ابراهیم

"مولانا محمد ابراهیم صاحب کے والد ماجد مولانا محمد هاشم صاحب گڑهی یٰسین (سندھ) کے ایک مشہور عالم تھے ۔ آپ اپنے علم و فضل اور زهد و تقدس کی وجہ سے اپنے معاصرین مین عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ آپ نے اپنی زندگی درس و تدریس اور تبلیغ دین کے لیے وقف کردی تھی اور ایک عربی مدرسہ هاشمیہ قائم کر کے خدمت علم دین مین مشغول رهے ۔ مولانا محمد ابراهیم صاحب کی پیدائش ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء مین "میان گوٹھ" تحصیل شکارپور مین هوئی تھی ۔ تعلیم و تربیت کے لیے ان کو کہین جانا نہ تھا ۔ اپنے والد هی کے زیر عاطفت قرآن مجید حفظ کیا اور عربی، فارسی، سندھی کی کتابین پڑھنے لگے ۔ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۲ء مین جب آپ کے والد کا انتقال هوا تو آپ اپنے بڑے بھائی مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس چلے گئے جو گڑهی یٰسین مین اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ نظامیہ هاشمیہ مین ان کے جانشین هوگئے تھے ۔ کچھ عرصہ تک وهان تعلیم حاصل کرتے رهے ۔ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۵ء مین آپ همایون شریف، صاحبزادہ عبدالباقی صاحب کی تعلیم کے لیے بلا لیے گئے ۔ حضرت عبدالباقی صاحب سجادہ نشین

ھمایون شریف کی تکمیل تعلیم کے بعد بعض روسائے جیکب آباد کے کہنے پر مدرسہ یتیم خانہ جیکب آباد کے صدر مدرس اور مفتی کے منصب کو آپ نے قبول کر لیا ۔ دو تین سال اس منصب پر کام کرتے رہے پھر حسب طلب مولانا گل حسن صاحب سجادہ نشین' درگاہ کستبار' تحصیل لھڑی' بلوچستان کے شہر تاج چلے گئے اور وہان صاحبزادہ مولانا تاج محمد صاحب کو تعلیم دیتے رہے ۔ ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء مین آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد قاسم نے آپ کو گڑھی یٰسین کے مدرسہ ھاشمیہ مین مدرسہ کا کام سنبھالنے کے لیے بلا لیا ۔ ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء مین جب مولانا محمد قاسم صاحب کا انتقال ہوا تو آپ ان کی جگہ صدر مدرس مقرر ہوئے ۔ ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۲ء مین شہریار بلوچستان میر احمد یار خان نے ان کو قاضی القضاۃ بلوچستان مقرر کیا ۔ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء مین وہان سے مستعفی ہوکر گڑھی یٰسین چلے آئے اور وہان کی صدر مدرسی اور " دارالافتاالشرعی " کا کام سنبھال لیا ۔ ۷ شعبان المعظم سنیچر کی رات ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۶۲ء کو بہ عارضہ تپ دق انتقال فرمایا ۔ اور گڑھی یٰسین ھی مین مغربی جانب سپرد خاک کیے گئے ۔ "[1]

مولانا ابراھیم صاحب مرحوم سندھی' عربی' فارسی کے ساتھ اردو مین بھی خاص دستگاہ رکھتے تھے ۔ اسلامی ثقافت اور علوم کا چونکہ اردو مین کافی سرمایہ موجود ھے

---

[1] یہ تمام سوانحی حالات راقم الحروف کو مولانا محمد نجم الدین صاحب صدر مدرس و مفتی مدرسہ قاسمیہ گڑھی یٰسین سے تحریری شکل مین ملے ھین ۔

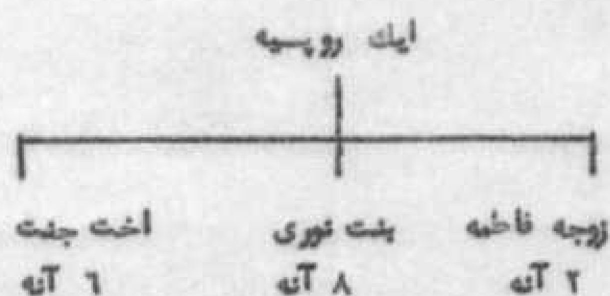
اس لیے آپ کو اردو سے بڑی محبت تھی ۔ آپ مفتی تھے اور فتویٰ لکھنا آپ کا بہت بڑا مشغلہ تھا ۔ فتاوے آپ برابر اردو ہی مین لکھتے تھے ۔ ان فتاوے سے ان کی اردو نثر کا نمونہ حاصل ہوجاتا ہے ۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب فارسی اور اردو کے شاعر بھی تھے ۔ ناظم تخلص فرماتے تھے ۔ کلیات ناظم ، دیوان ناظم اور تواریخ منظومۂ ناظم سب غیر مطبوعہ مسودے کی شکل مین مولانا نجم الدین صاحب گڑھی یٰسین کے پاس محفوظ ہین اور راقم الحروف کی نظر سے بھی گذرے ہین ۔ اردو مین ایک نعتیہ غزل سے دو اشعار اس جگہ درج ذیل ہین :-

سرور عالم حبیب کبریا پیدا ہوئے
پیشوائے مرسلان و انبیا پیدا ہوئے
ناظما کیون کر گل امید پژمردہ رہے
نو بہار ے موجب نشو و نما پیدا ہوئے

نمونہ نثر کے طور پر ان کے فتوے کی عبارت درج ذیل ہے ۔ یہ انہون نے مسمی حبیب ، ساکن رستم ، ٢١ ربیع الثانی ١٣٨١ھ مطابق ١٩٦١ء کے اس سوال پر لکھا تھا کہ غلام حیدر نامی ایک شخص اپنی بیوی فاطمہ ، لڑکی نوری اور ایک بہن جنت کو چھوڑ کر مر گیا ۔ غلام حیدر کے اوپر کچھ قرض بھی ہے ۔ اس کا مال متروکہ شرعاً مذکورہ ورثا مین کس طرح تقسیم ہوگا ۔ آپ نے اس کے جواب مین جو فتویٰ اردو مین لکھا ہے اس کی عبارت اس طرح ہے :-

[1] " از روئے قانون شرع انور پہلے اس کے مال متروکہ سے اس کے کفن دفن کا خرچ ادا کیا جائے ۔ بعد مین جو اس کے اوپر قرض ہے وہ اس کے باقی ماندہ مال سے دیا جائے ۔ اس کے بعد جو اس کا مال ملکیت زر، زیور، زمین، اثاث البیت کو ایک روپیہ متور کر کے حسب ذیل وارثون مین تقسیم کیا جائے ۔



یعنی قرضہ ادا کرنے کے بعد باقی مال متروکہ کو ایک روپیہ متور کر کے دو آنے اس کی بیوی مساۃ فاطمہ کو اور آٹھ آنے اس کی بیٹی نوری کو اور چھ آنے اس کی بہن مساۃ جنت کو دیے جاوین ۔ شریعت کا یہ حکم ہے ۔ "

جیساکہ نمونہ سے ظاہر ہے آپ کا اردو اسلوب تحریر مذہبی اور علمی ہے ۔ عبارت صاف ہے اور بہت کچھ ہر موضوع پر اس انداز مین لکھا جاسکتا ہے ۔

---

[1] از مجموعہ فتاویٰ ناظمی (قلمی) محفوظ در کتب خانہ مولانا محمد ابراہیم صاحب (مرحوم) گڑھی یٰسین (سندھ)

میر رحیم داد خان (مولائی و شیدائی)

" مولائی شیدائی صاحب کا اصل نام میر رحیم داد خان ہے ـ جب انہون نے ١٩٣٩ء سے ادبی زندگی اختیار کی اور راشدی برادران سے بہت قریب ہوئے تو پیر علی محمد راشدی صاحب نے ان کا قلمی نام مولائی اور حسام الدین راشدی صاحب نے شیدائی تجویز کیا ـ رحیم داد خان صاحب دونون کے تجویز کردہ نام کو ایک ساتھ قبول کرکے اسی وقت سے " مولائی شیدائی " ہوگئے ـ آپ کا تعلق بلوچ خاندان کے بروہی شاخوالی سہری زئی قبیلے سے ہے ـ آپ کے دادا میر محمد جمعہ خان بلوچستان کے ایک گاؤن کوچہ کھنگ سے منتقل ہوکر سکھر مین آباد ہوگئے تھے ـ مولائی شیدائی کی پیدائش سکھر ہی مین ١٨٩٢ء مین ہوئی ـ آپ کے والد شیر محمد خان ایک ذی عزت اور ذی علم انسان تھے ـ

مولائی شیدائی صاحب کی ابتدائی تعلیم سکھر کے مدرسون مین ہوئی ـ غریب آباد سکھر کے مولانا خدابخش ابڑا سے آپ نے بہت کچھ پڑھا ـ پھر سندھی اور انگریزی کے لیے اسکول مین داخل ہوئے ـ میٹرک تک پڑھنے کے بعد ریلوے مین فائرمین ہوگئے

اور پھر ترقی کرتے ہوئے کارڈ ہوگئے ۔ ۱۹۳۹ء میں کارڈ کے عہدے سے پنشنر ہوکر صحافت کی طرف مائل ہوئے ۔ اسی زمانے میں راشدی برادران سے تعلقات پیدا ہوئے ۔ ان لوگوں کی رہبری اور صحبت میں بہت جلد علمی، ادبی اور صحافتی دنیا میں متعارف ہوگئے ۔ سب سے پہلے کراچی سے شائع ہونے والا اخبار آزاد میں نائب مدیر کی حیثیت سے متعین ہوئے ۔ پھر اخبار ہلال پاکستان کے ایڈیٹر ہوگئے ۔

مولانا شہدائی صاحب نے اپنی خدا داد ذہنی صلاحیت اور لیاقت سے علمی دنیا میں بہت جلد ایک خاص مقام حاصل کرلیا ۔ ۱۹۵۰ء میں سندھ یونیورسٹی کے منتظمین نے آپ کو یونیورسٹی کا "فیلو" نام زد کیا جس کے تحت آپ نے پانچ سال کے عرصے میں مندرجہ ذیل پانچ کتابیں سندھی زبان میں لکھیں :-

(۱) روضۃ الشہدا

(۲) تمدن سندھ ۔ یہ ایک اہم کتاب ہے ۔ سندھ یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوچکی ہے ۔

(۳) تاریخ ہند و پاک ۔ یہ ایک مختصر سا مقالہ چالیس پیالیس صفحات پر مشتمل ہے ۔

(۴) تاریخ بلوچستان

(۵) جنت السندھ

ان کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں آپ نے سندھی میں لکھی ہیں جن میں روضۃ السندھ، تاریخ ہندوستان، سفینۃ النوح، تاریخ مولوی، سندھ کی معاشی تاریخ

اور سندھ کے قدیم شہر قابل ذکر ھین - ان مین سے اکثر غیر مطبوعہ ھین -[1]

مولانا شیدائی صاحب بچپن ھی سے مذھب اور تصوف کی طرف مائل تھے - اکثر بزرگون، درویشون اور فقیرون سے مستفیض ھوتے - شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام سے بڑی دلچسپی تھی اور اکثر پڑھتے رھتے تھے - اردو کے صوفی شعراء کا کلام آپ کو بہت پسند تھا - جوانی مین مجدد الف ثانی کی درگاہ پر حاضری دینے کے لیے خاص طور سے سرھند شریف گئے اور کچھ عرصہ وھان مقیم رھے - بکھر مین شاہ عبدالرحمن کی درگاہ پر اکثر حاضر ھوتے -

بچپن مین آپ کو اردو کی داستانین اور قصے پڑھنے کا بہت شوق تھا - دوران گفتگو آپ نے فرمایا کہ اردو کی داستان امیر حمزہ، الف لیلیٰ، فسانۂ عجائب اور باغ و بہار کو پڑھ کر مجھے اردو لکھنے کا شوق پیدا ھوا تھا - آپ کو اردو زبان پر خاص قدرت حاصل ھے - اس وقت تو ضعیفی، ثقل سماعت اور ضعف بینائی کے باعث بہت مجہول ھوگئے ھین اور کم بولتے ھین لیکن لوگون کا بیان ھے کہ جوانی مین بڑی نفیس اردو بولتے تھے اور بذلہ سنجیون کے باعث مجلس پر چھا جاتے تھے - اردو تحریر آپ کی بہت ھی رواں، صاف اور شستہ ھوتی ھے - اردو مین آپ کے مضامین روزنامہ جنگ اور رسالہ بلوچی دنیا ملتان مین برابر شائع ھوتے رھے ھین - اردو مین ان کی ایک اھم کتاب آئینہ بلوچ ھے -

---

[1] سوانحی حالات کچھ تو خود مولانا شیدائی صاحب سے مل کر راقم الحروف نے حاصل کیے اور کچھ معلومات پروفیسر میمن عبدالمجید سندھی صاحب سے ملے - مین ان بزرگون کا شکرگزار ھون -

تاریخ سیاست سندھ کے اردو ترجمے پر عرض مولف کے عنوان سے مولانا شیدائی صاحب نے جو لکھا ہے اس سے کچھ اقتباس نمونۂ نثر کے طور پر درج ذیل ہے :-

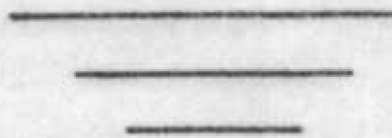
[1] " روزنامہ مہران کے ایڈیٹر مکرمی سید سردار علی شاہ صاحب بی ۔اے ۔ آنرز نے ۱۹۵۹ء مین بندہ ہیچ مدان کو سندھ کی چار ہزار سالہ سیاست پر لکھنے کی دعوت دی تھی ۔ چون کہ یہ مضمون کٹھن اور لمبا چوڑا تھا علاوہ اس کے میری طبیعت بھی ناساز تھی اس لیے مین نے انکار کر دیا لیکن شاہ صاحب نے کہا کہ یہ مہرآن کے سالنامہ نمبر کے لیے ہے اور سندھ کے دوستون نے بھی اصرار کیا کہ یہ مضمون لکھنا شیدائی صاحب کا کام ہے لہذا فرصت کے مطابق جتنا لکھ سکو بمعہ نقشہ جات کے ہم شوق سے شائع کرین گے ۔ چون کہ انگریزی دور مین سندھ کی بمبئی سے جدائی کا سوال ذرا مشکل تھا اس لیے کچھ تردد محسوس ہونے لگا مگر جب اپنی لائبریری کی پڑتال کی تو مواد حسب ضرورت مہیا ہوسکا ۔ اس لیے پندرہ دن کی لگاتار کوشش و تجسس کے بعد یہ عظیم مضمون جو تاریخ سندھ کا انوکھا باب تقسیم ہند تک ہے الحمد للہ کہ بندۂ ناچیز لکھنے مین کامیاب ہوا اور شاہ صاحب نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کو سالنامہ نمبر مین شائع کیا ۔ لیکن یہ مضمون سندھی زبان مین ہے ۔اس کے شائع ہونے کے بعد میرے ایک ہونہار شاگرد جناب محمد رحمت اللہ صاحب قریشی نے اس مضمون کو عرق ریزی کر کے سندھی سے اردو مین ترجمہ کرنے کی کوشش ظاہر کی ۔ میرا جہان تک خیال ہے وہ اس مسئلہ کو ترجمہ کرنے مین کامیاب ہوئے ہین ۔ اس مضمون کے پڑھنے سے ہمارے اردو دان بھائی بہ خوبی سندھ

---

[1] " سندھی کے جدید اردو مصنفین " (قلمی)(ص ۸۸ ۔ ۸۹

کے ہر دور کی سیاست اور سندھیون کی جد وجہد سے واقف
ہوسکین گے ۔ "

مولانا شیدائی صاحب کی اردو نثر صحافیانہ انداز لیے ہوتی ہے ۔ انہون نے زیادہ تر تاریخی موضوعات پر سندھی زبان مین کتابین لکھی ہین ۔ سندھی وہ بہت اچھی لکھتے ہین لیکن ان کی اردو نثر مین وہ دل کشی نہین پائی جاتی ۔ بعض بعض الفاظ مشکل اور غیر موزون بھی استعمال کر جاتے ہین لیکن اہل زبان نہ ہوتے ہوئے بھی ان کی اردو زبان سے محبت اور دلچسپی لائق تحسین اور قابل قدر ہے ۔



مولوی درمحمد خاکؔ کاندھلوی

" مولوی درمحمد کی کنیت ابوالاقبال اور تخلص خاکؔ ہے داود کے ایک بزرگ غلام محمد ملتانی نے آپ کو " سیف زبان " کا بھی لقب دیا تھا ۔ آپ کی پیدائش ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں بہ مقام کاندھلا' ضلع لاڑکانہ میں ہوئی ۔ آپ کے والد کا نام عبدالربؔ تھا ۔ اس گھرانے میں دین کی تعلیم کا رواج تھا ۔ انگریزی اور جدید تعلیم کی طرف رجحان نہیں تھا ۔ چناں چہ درمحمد خاکؔ کو ان کے والد نے کاندھلا کے ایک مکتب میں قرآن مجید پڑھنے کے لیے بٹھا دیا ۔ مسجد کے اس مکتب میں آپ نے مولوی اخوند محمود سے قرآن مجید ناظرہ ختم کیا ۔ پھر فارسی کی کتابیں پڑھنے لگے ۔ فارسی کی تعلیم مولوی درمحمد خاکؔ نے کاٹو آلی' ضلع لاڑکانہ کے مولانا مسعود صاحب سے حاصل کی ۔ فارسی کے بعد عربی مولانا حافظ فدا احمد مہیر سے پڑھی پھر عربی کی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپ نے مولانا محمد صالح ابڑا کی ملازمت اختیار کی اور عرصہ تک ان سے عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھی کے ہاتھوں ان کی دستار بندی ہوئی ۔ "

" فارغ التحصیل ہونے کے بعد ضلع لاڑکانہ کی ایک مسجد مین درس و تدریس کا آغاز کیا ـ یہ سلسلہ آٹھ سال تک چلتا رہا ـ پھر کاندھلا چلے آئے اور وہان کے ایک مدرسہ مین مدرس ہوگئے ـ آج کل حیدرآباد سنٹرل جیل کی مسجد مین درس دیتے ہین ـ "[1]

مولوی درمحمد خاک ایک سادہ طبیعت کے آدمی معلوم ہوتے ہین ـ علم سے ان کو بڑی دلچسپی ہے اور وہ اپنا زیادہ تر وقت مطالعہ کتب اور تصنیف و تالیف مین گزارتے ہین ـ

" مولوی در محمد خاک کی دو شادیان ہوئی تھین ـ پہلی شادی آٹھ نو سال کی عمر مین ہوگئی تھی ـ ان کی بیوی کا نام دھانو تھا جو نبی بخش کاندھلا کی رہنے والی تھین ـ ان کے انتقال کے بعد مولوی درمحمد صاحب نے فاطمہ نامی ایک خاتون سے دوسری شادی ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء مین کی ـ ان سے پانچ لڑکے اور تین لڑکیان ہین ـ "[2]

مولوی درمحمد خاک سندھی زبان کے اچھے لکھنے والے ہین ـ ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ سندھی زبان مین تصانیف کی تعداد جیساکہ انھون نے بیان فرمایا بیس کے قریب ہے ـ اردو مین بھی وہ کبھی کبھی لکھتے ہین لیکن اچھی خاصی زبان لکھتے ہین ـ ان کی ایک غیر مطبوعہ اردو تصنیف جس کا نام انھون نے " بیاض سیف سبحانی "

---

[1] یہ تمام حالات زندگی مولوی درمحمد خاک نے مجھے خود ہی قلمبند کرائے ہین
[2] یہ بیان بھی مولوی درمحمد خاک ہی کا ہے ـ انھی سے مجھے یہ باتین معلوم ہوئین ـ

رکھا ھے اور جس سے استفادہ کرنے اور نمونہ لینے کے لیے انھون نے راقم الحروف کو بھی عنایت فرمایا تھا ' ان کے پاس محفوظ ھے ۔ اس بیاض مین مختلف موضوعات پر ان کی تحریرین ملتی ھین ۔ ایک جگہ اھل حدیث کے اس اعتراض کا کہ " فقہ پڑھنا جائز نہین " انھون نے جواب دیا ھے ۔ نمونہ' تحریر کے طور پر ھم یہان اس بیاض کے حوالے سے نقل کرتے ھین :-

[1] " خود امام بخاری نے فقہ حضرت محمد کے آگے دو زانو ھوکر سیکھی ۔ اگر فقہ پڑھنا حرام ھوتی تو پھر امام بخاری وغیرہ محدثین کیون پڑھتی اور کتابین فقہ کی کیون تصنیف فرماتی اور اگر کتب فقہ مین بقول فرقہ نجدیہ وھابیہ نعوذ باللہ گندگی بھری ھوئی ھے تو ذرا مہربانی فرماکر بیان کرین کہ بدون کتاب اللہ کی کون سی کتاب علم حدیث مین ھی جس مین حدیثین بناوٹی اور نامعقول باتین درج نہین ۔ "

مولوی صاحب اپنی اردو تحریر مین ھمیشہ یائے مجہول کی جگہ یائے معروف ھی استعمال کرتے ھین ۔ پڑھتے کی بجائے "پڑھتی" ' فرماتے کی بجائے "فرماتی" ' ھے کی بجائے "ھی" ' ھوتا کی بجائے "ھوتی" وغیرہ

---

[1] از بیاض سیف سبحانی (قلمی)

پیر سید فضل اللہ شاہ عرف سید احسان اللہ شاہ

" پیر سید فضل اللہ شاہ[1] چوتھے پیر جھنڈو تھے ۔ اپنے والد پیر سید رشداللہ شاہ کے وصال کے بعد درگاہ شریف سعید آباد میں سجادہ نشین ہوئے ۔ آپ کی پیدائش ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء کو ہوئی تھی ۔ آپ نے مکمل تعلیم مدرسہ دارالرشاد میں حاصل کی جہاں اس وقت مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا محمد صاحب سندھی جیسے " استادالکل " اور مولانا احمد علی صاحب لاہوری جیسے بحرالعلوم موجود تھے ۔ آپ نے ان اساتذہ سے اکتساب علوم و فنون کیا ۔ حافظ قرآن ہونے کے علاوہ آپ کو علم حدیث، تفسیر قرآن اور اسمائے رجال کے فن پر بڑا عبور حاصل تھا ۔ آپ کا وصال صرف چوالیس سال کی عمر میں ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء کو بہ مقام درگاہ شریف، نزد سعید آباد، حیدرآباد (سندھ) میں ہوا ۔

---

[1] یہ تمام حالات سید فضل اللہ شاہ صاحب کے صاحبزادے سید بدیع الدین شاہ صاحب نے مجھے قلم بند کروائے ہیں ۔

نہین کرسکتا ۔ آپ ہم ایران جاؤ اور اپنی مان اور بہن کو
خوش کرو ۔ اگر خدا کے حکم سے واپس آؤ گے تو باقی دو سلسلون
(چشتیہ و قادریہ) مین بھی کمال حاصل کرلینا ۔ مین تمہین
طریقہ نقشبندیہ اور سہروردیہ مین بیعت کرنے کی اجازت دیتا ہون۔"

اپنے مرشد کے اس حکم کے بعد وہ فوراً "ایران روانہ ہوگئے اور اپنے پیر سابق حضرت شمس العرفا کی خدمت مین حاضری دینے کے بعد اپنی والدہ اور خاندان والون کی ملاقات سے مسرور ہوئے ۔ ایران آئے ابھی پورا ایک سال بھی نہین ہوا تھا کہ ایک دن اپنی والدہ کی خدمت مین حاضر ہوکر واپس ہندوستان جانے کی اجازت مانگی ۔ والدہ ماجدہ نے کلیجہ پر پتھر رکھ کر اجازت دیدی لیکن شرط یہ لگا دی کہ "جانے سے پہلے مجھے بیعت کرلو تاکہ تمہارے فراق مین خدا کے وصال کا سہارا مل جائے ۔" آپ نے اسی وقت اپنی والدہ محترمہ کو بیعت فرمایا اور ذکر خفی کی تعلیم دی اور روانگی کے لیے تیاری کرنے لگے ۔ آپ کی چھوٹی بہن بھی آپ کے ساتھ ہوگئین ۔ اور یہ دونون وہان سے روانہ ہوکر بہ ذریعہ بحری سفر کراچی تشریف لائے ۔ یہان سے پشاور ہوتے ہوئے موہڑہ شریف پہنچے ۔ وہان ساڑھے تین سال کے قیام کے دوران ان دونون بھائی بہنون نے حضرت موہڑہ شریف سے روحانی تعلیم حاصل کی اور سلوک مین دن دونی رات چوگنی ترقی کی ۔ حضرت موہڑہ شریف نے ایک دن اپنے صاحب زادون کو حضرت پسر ایرانی شاہ کے اور صاحب زادیون کو ان کی بہن کے حوالے کرکے فرمایا کہ :۔"[1]

---

[1] حیات صبغۃ اللہ شاہ ص ٦٢

" تم دونون بھائی بہن ان کو اپنے مانند تربیت کرو اور دینیات کے ساتھ دوسری مختلف زبانون کی تعلیم دو ۔" [1]

اس طرح ساڑھے سات سال کی تعلیم روحانی کے بعد حضرت موھڑہ شریف نے آپ کو یہ کہہ کر رخصت فرمایا :۔

" میرے عزیز پہلے تم کو سلسلہ نقشبندیہ اور سہروردیہ مین اجازت دی تھی ۔ اب سلسلہ چشتیہ اور قادریہ مین بھی تم مقامات طے کرکے حد کمال کو پہنچے ہو ۔ ان دونون سلسلون مین بھی ہم تم کو اجازت دیتے ھین ۔ ان ھی چار سلسلون مین طالبون کی استعداد کے مطابق بیعت لو ۔ مین صوبہ سندھ کی حکومت تمہارے سپرد کرتا ھون ۔ جاؤ وھان اپنا تصرف قائم کرو ۔ مشیت ایزدی کے مطابق وھان کی مخلوق تمھاری محتاج و منتظر ھے ....
صوبہ سندھ کا ایک متوسط شہر تمھارا مرکز خلافت ھوگا ۔ اپنی مسند رشد و حیات پر قائم ھو جاؤ ۔ اور سنو مجھے معلوم ھوا ھے کہ شروع زمانے مین ھی تم وھان نکاح کروگے ۔ کچھ روز کے لیے سندھ سے باھر جانا بھی مقدر ھوچکا ھے ..... جب واپس سندھ آؤ گے تو اچھی زندگی بسر کروگے اور بیشمار مخلوق تم سے فیض یاب ھوگی ۔ سندھ کے عوام سادہ لوح اور کم آمیز ھین .... مین تم سے دور نہین ھون جب مجھے یاد کروگے اپنے قریب پاؤ گے ۔ " [2]

موھڑہ شریف سے رخصت ھوکر حضرت پیر ایرانی شاہ جہلم ھوتے ھوئے ۱۹۳۹ء مین جمعرات کے دن سکھر پہنچے اور سیٹھ عبدالرزاق میمن کی درخواست پر ان کے مکان مین

[1] حیات صبغۃ اللہ شاہ ص ٦٧ [2] حیات صبغۃ اللہ شاہ ص ٦٩

مقیم ہوئے اور رشد و ہدایت کے کاموں میں مشغول ہوگئے ۔ سکھر کی گرمی سخت ہوتی ہے اس لیے بہن بیمار پڑ گئیں ۔ اطبا کے مشورے پر آپ ان کو لے کر کراچی چلے آئے ۔ ایک سال بعد کراچی سے پھر سکھر واپس آگئے ۔ سکھر میں سردار محمد علی خان صاحب نے اپنی ایک صاحب زادی کو آپ کے عقد زوجیت میں دینے کا خود ارادہ کیا ۔ جسے آپ نے اپنے پیر موہڑہ شریف کی پیشین گوئی کے مطابق پاکر قبول فرمایا ۔ شادی کے بعد آپ اپنی بیگم اور ہمشیرہ کے ساتھ حیدرآباد چلے آئے اور کنٹونمنٹ کے علاقہ میں ایک بنگلہ جو آبادی سے دور واقع تھا کرایہ پر لے کر مقیم ہوگئے اور رشدو ہدایت اور خدمت خلق کے کام میں منہمک ہوگئے ۔

۱۹۴۱ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران کسی جاسوس نے آپ کے موجودہ خاص وعام سے بدگمان ہوکر سرکار برطانیہ کو اس کی خبر کی ۔ سرکار برطانیہ نے ان کو سندھ کی رہائش ترک کرنے پر مجبور کیا ۔ چنان چہ اکتوبر ۱۹۴۱ء میں آپ فیض آباد بھیج دیے گئے ۔

" ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قیام کے بعد آپ پھر حیدرآباد (سندھ) واپس تشریف لے آئے اور سالکان راہ اور اخوان طریقت کو اپنے مخصوص طریقہ مصطفائی کسی تعلیم و تربیت سے سرفراز فرمانے لگے اور رشد و ہدایت کا کام سرانجام دینے لگے ۔"[1]

[2]" آپ کی زندگی میں ایک کرنے اور ایک رکھنے کے معانی بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں ۔ سب سے طریقتی مسلک کی وحدت ہے ۔ آپ کو چار سلسلوں یعنی نقشبندیہ،

---

[1] حیات صبغۃ اللہ شاہ ص ۱۲۱
[2] ایضا " ص ۱۲۳

سہروردیہ، چشتیہ اور قادریہ سے خلافت و اجازت حاصل ہوئی لیکن آپ نے وحدت ارادی سے کام لے کر ان چاروں سلسلوں کے علاوہ طیفوریہ، جنیدیہ، یافعیہ، نظامیہ، مجددیہ اور اویسیہ سب کو یک رنگ کر کے " مصطفائی سلسلے " کی بنیاد ڈالی ۰۰۰۰۰۰ دوسری وحدت ارادی ظاہری فرقوں کی وحدت ہے جس میں آپ نے دیوبندی، بریلوی اور الیاسی وغیرہ فرقوں کو ملاکر ایک کر دیا ہے ۰۰۰۰ تیسری وحدت ارادی اخلاقی وحدت ہے اس میں آپ نے سلف و خلف اور مشرق و مغرب کے اخلاقی محاسن کو ایک کر دیا ہے اور ہر پہلو میں اخلاقی برتری کو ملحوظ خاطر رکھا ہے ۰۰۰۰۰۰ چوتھی وحدت ارادی تمدنی معاشرتی وحدت ہے جس میں آپ نے امیروں اور دولت مندوں کو زکواۃ و خیرات و حسنات میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور غریبوں کو سہارا دیا ہے کہ وہ دوسروں کی دست نگری سے آزاد ہوکر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہوجائیں ۔ "

موہڑہ شریف کے قیام کے دوران ہی آپ نے اردو سیکھنی شروع کردی تھی پھر جب سکھر اور حیدرآباد میں مستقل قیام ہوا اور یہیں شادی بھی کرلی تو پھر اردو زبان پر خاصی قدرت حاصل ہوگئی اور بہت سلیس، رواں اور شگفتہ اردو بولنے اور لکھنے پر قادر ہوگئے ۔ یہاں تک کہ فارسی کے علاوہ اردو میں اشعار بھی موزوں فرماتے ۔ حیات صبغۃ اللہ میں لکھا ہے :

[1] " اگرچہ شاعری کے لیے ولایت لازم نہیں لیکن ولایت کے لیے

---

[1] حیات صبغۃ اللہ شاہ ص ۱۵۲

شاعری لازم ہے ۔ اسی لیے شاعری کو جزو پیغمبری بھی کہا گیا ہے ۔
اور تجربات سے ظاہر ہے کہ اکثر و بیشتر مشاہیر اولیاے کرام نے
شاعری سے تعلیمات اور ذوق و شوق کے اظہار کا کام لیا ہے اور
سوز و گداز پیدا کیا ہے ۔

ہمارے حضرت صاحب ابتدا سے اپنی مادری زبان میں تو شعر فرماتے
ہی تھے لیکن پاکستانی تومیت اختیار کرنے کے بعد آپ نے اردو میں
بھی کہنا شروع کیا ۔ "

ایک جگہ عرض داشت مترجم کے ذیل میں حیات صبغۃ اللہ میں حکیم ذوقی مصطفائی
لکھتے ہیں :-

"[1] (ترجمہ پر) حضرت قبلہ مدظلہم العالی نے قلت فرصت کے باوجود
ایک سرسری نظر اس پر ڈالی ۔ کہیں مناسب اصلاح فرمائی اور کہیں
قلم زد فرما دیا ۔ اور سرورق پر مترجم کا نام دینے کے لیے اپنے قلم
انوار رقم سے یہ اشارہ تحریر فرمایا :-

" عارف باللہ فانی و باقی حکیم قاری حافظ عبدالغفار ذوقی اعاظم
خلفا و مجازان مصطفائی کا یہ ترجمہ اصل تصنیف سے زیادہ نکات
عرفانی و ہدایات اخلاقی کا حامل ہے ۔ با این ہمہ مواضع واقعات
اور تاریخیں جو مصنفہ نے اپنی یادداشت یا ناکافی اطلاعات کی
بنا پر قلم بند کی ہیں، تاریخی حیثیت کی حامل نہیں کہی جاسکتیں
اور حسن عقیدت کی بنا پر بعض مقامات پر غلو مترشح ہوتا ہے اس
سے پرہیز بہتر ہے ۔ "

---

[1] حیات صبغۃ اللہ شاہ ص ۵

مندرجہ بالا تحریر پیر مصطفےٰ[1] صفۃ اللہ شاہ ایرانی کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے ۔ یوں آپ کو خود سے لکھنے کے مواقع کم ملتے ہیں بلکہ آپ زیادہ تر اپنے حلقہ عقیدت مندان اور مریدان میں اپنی تعلیمات اور بعض نکات تصوف اور دینی کو اردو زبان میں تقاریر کی شکل میں پیش کرتے ہیں جس کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کرلیا جاتا ہے اور پھر بعینہ لکھ دیا جاتا ہے اس طرح کا ایک مجموعہ مینائی مصطفائی کے نام سے ۱۹۶۰ء میں ادارہ المصطفٰی[1] ۔ گنج بخش شاہ پیر حیدرآباد سے شائع ہوچکا ہے ۔ اس کے مرتب بھی حکیم ذوقی مصطفائی صاحب ہی ہیں ۔ اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :۔

[1] " چونکہ ہمارے اعلیٰ حضرت مدظلہم حاضرین حلقہ کی ضروریات اور ان خطرات باطنی کا لحاظ کرکے بلا تامل انکشافات علمی و روحانی فرماتے ہیں ۔ اس لیے ان مواعظ میں ایک عجیب شان برجستگی اور کیفیت " تازہ بہ تازہ نو بہ نو " پیدا ہوجاتی ہے ۔ جو سامعین کے لیے حد درجہ سرور انگیز اور کیف آفرین ہوتی ہے ۔ اس لیے اہل حلقہ حضرات ہی نے اس کا نام "مینائے مصطفائی " رکھا ۔ "

مینائے مصطفائی کے مختلف ابواب ساغر کے نام سے پکارے گئے ہیں ۔ اس طرح یہ کتاب ۲۹ ساغر پر مشتمل ہے اور پھر ہر ایک ساغر میں کئی ایک عنوان کے تحت تصوف اور سلوک کی باتیں بتائی گئی ہیں ساتھ ہی ان خطرات سے بھی آگاہ کیا گیا

---

[1] مینائے مصطفائی ۔ از پیر صفۃ اللہ شاہ ایرانی مطبوعہ ادارہ المصطفٰی گنج بخش شاہ پیر حیدرآباد در ۱۹۶۰ء ص ۲ ۔ ۳

ہے جو راہ طریقت میں سالک کو پیش آسکتے ہیں ۔

اب ہم ایک دو اقتباسات اس مجموعہ سے پیش کریں گے جو پیر ایرانی شاہ کی اردو تحریر اور تقریر دونوں کا نمونہ ہوگا :۔

[۱] رضائے الہی :۔ جو شخص حقوق العباد اور حقوق نفس انجام دیتا ہے، کسی کی حق تلفی نہیں کرتا، اپنے لیے ایک صحیح نصب العین مقرر کرتا ہے ۔ من جانب اللہ جو اوامر و نواہی ہیں ان کی حفاظت کرتا ہے ۔ جو چیز طلب اور ادائے حقوق کے لیے رکاوٹ ہے اس کو دور کرتا ہے اور مشتق ہوجاتا ہے تو نتیجۃ" ایسا شخص اپنے نفس پر غالب آجاتا ہے ۔ نفس کو دبا لیتا ہے ۔ حق نفس ادا کرتا ہے مگر اس کو حصہ دار نہیں بناتا ۔ خدا کی مرضی پر چلتا ہے ۔رضائے الہی پر راضی رہتا ہے ۔ ایسا شخص محسوس کرتا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ میرے ساتھ محبت اور دوستی کا اظہار کرتا ہے ۔ہر چیز میرے لیے سامان راحت و آسائش فراہم کرتی ہے اس لیے ہم کو چاہئے کہ مادی لذت اندوزی کی بجائے رضائے الہی کی جستجو کرو تاکہ عرفانی مسرت و راحت حاصل ہو مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ مادیات سے دست بردار ہوکر اس کو نظر انداز کیا جائے ۔ "

صوفیائے کرام کے طریقۂ دعوت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

[۲] " صوفیائے کرام پہلے اپنے نفس کو امر معروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ مرتبہ کمال پر پہنچالیتے ہیں تو خصوصیت کے ساتھ دوسروں کے امر معروف اور نہی عن المنکر پر مامور کیے جاتے ہیں اور وہ صرف ان

---

[۱] مینائے مصطفائی ص ۱۵۵

[۲] ایضاً ص ۲۰۳

ہی کمالات کی طرف دعوت دیتے ہین جس کے وہ خود مالک ہوتے
ہین ۔ وہ ایسی بات منہ سے نہین نکالتے جس پر وہ خود عامل
نہ ہون جیساکہ قرآن کریم کی تعلیم لِمَ تَقُولُونَ مالاَ تَفعَلُونَ
(یعنی تم وہ بات کیون کہتے ہو جسے خود نہین کرتے ۔) "

جیساکہ مندرجہ بالا نمونہ سے ظاہر ہے، پیرایرانی صاحب کی اردو نثر خاصی روان اور دل کش ہے ۔ تصوف اور دین کے مسئلون نے ان کے انداز تحریر مین وقار اور سنجیدگی پیدا کردیا ہے ۔ بلاشبہہ دین اسلام کے ساتھ وہ اردو شعر و ادب کی بھی بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہین ۔

پیر صاحب کی ایک اردو غزل جو علامہ اقبال کے رنگ مین کہی گئی ہے اور جس مین دوست سے بہت سی راز و نیاز کی باتین کہی گئی ہین آخر مین درج ذیل ہے :-

[1] " ترا چرچا کہان ہوتا اگر مین بے زبان ہوتا
مری محفل نہ ہوتی تو کہان تیرا بیـــان ہوتا

اگر انسان نہ ہوتا بزم عالم کالعـــــدم ہوتی
نہ جان مین جان ہوتی اور نہ عالم کا نشان ہوتا

فقط مین ہون جو تیرے حسن کے ہر رخ کا محرم ہون
مری نظرین نہ ہوتین تو ترا جلوہ کہـــان ہوتا

متاع درد بھی اے مصطفےٰ معراج تھی دل کی
یہ غم انسان سے لیتا جو جنت کا سمـــان ہوتا "

---

[1] حیات صبغۃ اللہ شاہ ص ۱۵۶

ڈاکٹر محمد ابراھیم شیخ خلیل

"ڈاکٹر محمد ابراھیم شیخ خلیل صاحب کی پیدائش ۲۲ دسمبر ۱۹۰۰ء کو کراچی میں ھوئی تھی ۔ آپ کے والد محمد یوسف شیخ محکمہ اکسائز اورسالٹ میں بہ حیثیت سپرنٹنڈنٹ اور دادا انگریزی فوج میں بلوچ رجمنٹ سے متعلق رہ کر خدمت انجام دیتے رھے تھے ۔ سرکار انگلشیہ سے وابستہ رھنے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کے خاندان میں انگریزی تعلیم کا چرچا ابتدا ھی سے تھا اس لیے آپ کو بھی انگریزی تعلیم ھی کی طرف لگایا گیا ۔ گھر پر ابتدائی تعلیم دلانے کے بعد آپ کو سندھ مدرسہ، کراچی میں داخل کر دیا گیا ۔ وھاں خوش قسمتی سے ان کو مولانا عثمانی نورنگ زادہ جیسا شفیق اور قابل استاد مل گیا جس نے ان کی آئندہ زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالا ۔ مولانا عثمانی ایک صاحب دل بزرگ تھے ۔ انھوں نے جہاں اپنے ھونہار شاگرد میں شعر و ادب کا ذوق پیدا کیا وھاں ان کو مذھب و دین داری کے زیور سے بھی آراستہ کر دیا ۔ مولانا کی اسی تعلیم و تربیت نے محمد ابراھیم شیخ خلیل

صاحب کو آگے چل کر ایک ماہر فن ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ ایک اچھا ادیب، قادرالکلام شاعر اور دین دار مسلمان بھی بنا دیا ـ

محمد ابراہیم شیخ خلیل میٹرک این۔جے۔ ہائی اسکول کراچی سے کرنے کے بعد سندھ کالج کراچی مین داخل ہوگئے اور وہین سے ایف۔ایس۔سی کیا ـ ڈاکٹری کی تعلیم آپ نے گرانٹ میڈیکل کالج، بمبئی سے ۱۹۲۵ء مین حاصل کی اور پھر ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ویانا چلے گئے ـ وہان سے جلد کی متعدی بیماریون کے علاج مین خصوصی سند حاصل کرکے لوٹے ـ پھر ۱۹۲۱ء مین امراض دماغی مین مثل ہاسپیٹل کانکے سے ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد سرکاوسجی مثل ہاسپیٹل مین سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے کام کرنے لگے کچھ عرصہ تک آپ نے "ڈاو میڈیکل کالج" کراچی اور "لیاقت میڈیکل کالج" حیدرآباد مین بھی پروفیسر کی حیثیت سے خدمت انجام دی ہے ـ ۱۹۵۵ء مین خیرپور ڈویژن کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہیلتھ کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے ریٹائر ہوئے اور ان دنون حیدرآباد مین پرائیویٹ پریکٹس کر رہے ہین ـ حیدرآباد کے محلہ لطیف آباد مین اپنا ذاتی مکان بھی بنوالیا ہے اور وہین وطن پذیر ہوگئے ہین ـ "[1]

ڈاکٹر صاحب میانہ قد اور گداز جسم کے انسان ہین چہرے پر ایک خاص وقار پایا جاتا ہے ـ باتین بڑی شفقت اور محبت سے کرتے ہین اور ہر ملنے والا ان کی

---

[1] یہ حالات زندگی ڈاکٹر ابراہیم خلیل صاحب نے خود ہی قلم بند کرائے ہین

وسعت قلبی اور اعلیٰ ظرفی سے متاثر ہوکر اٹھتا ہے ۔ بہتر کے قریب سن ہے لیکن اس پیرانہ سالی میں بھی نوجوانوں کی سی چستی اور شعر و ادب کا ولولہ رکھتے ہیں ۔ ملنے والوں سے اکثر اپنے حافظہ کی شکایت کرتے ہیں لیکن جس وقت وہ علم و ادب کے موضوع پر گفتگو چھیڑتے ہیں یا پچیس تیس سال پہلے کی ادبی مجلسوں کا ذکر کرتے ہیں تو سننے والوں کو ان کی یاد داشت پر رشک آتا ہے ۔ مطالعہ اور کتب بینی کے بہت زیادہ شائق ہیں ۔ ان کا دارالمطالعہ ہی ان کے سونے کا کمرا بھی ہے ۔ وہ پڑھتے پڑھتے سوجاتے ہیں اور سوتے سوتے بیدار ہوتے ہیں تو پھر پڑھنے لگتے ہیں ۔ کتابیں اور رسائل ان کے چاروں طرف پھیلے رہتے ہیں ۔ ان کے کمرے میں جدھر دیکھیے کتابیں ہی کتابیں نظر آئیں گی ۔

ڈاکٹر صاحب ایک اچھے اسکالر اور ادیب کے ساتھ ساتھ ادیب نواز بھی ہیں ۔ وہ اسکالروں اور ادیبوں سے اس طرح ملتے ہیں جیسے ان کا کوئی عزیز ترین دوست ہو ۔ اسکالروں کے لیے ان کے دل میں بڑی قدر اور محبت ہے ۔ اپنی نادر سے نادر کتاب بھی اسے استفادے کے لیے دینے میں ذرا نہیں جھجکتے ۔ ان کو ادیبوں پر بڑا اعتماد ہے ۔ غالبا " ۱۹۲۲ء میں آپ کی شادی ایک شریف خاتون امینہ بیگم سے ہوئی تھی جن سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں ۔

شعر و ادب سے وابستگی اور اس کی خدمت کرنے کا جذبہ اور ولولہ شیخ صاحب کو ابتدا ہی سے ہے وہ کسی حال میں بھی ادب اور ادیبوں کی سرپرستی اور خدمت سے غافل نہیں رہے ۔ ۱۹۲۹ء میں انھوں نے حیدرآباد میں " بزم خلیل " کے نام سے ایک

ادبی مجلس قائم کی جس کی نشست ہر دو شنبہ کو منعقد ہوتی تھی ۔ اس کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس مجلس مین اردو اور سندھی دونون زبانون مین شعراء دیے ہوئے مصرعہ طرح پر لکھ کر لاتے اور اپنے کلام سے حاضرین کو مستفید فرماتے ۔ اس طرح اردو اور سندھی دونون زبانون کی ایک ساتھ خدمت اور دونون زبان کے شعراء کو آپس مین لین دین کا بڑا اچھا موقع مل جاتا تھا ۔ اڈیٹر رسالہ تاج کراچی نے ۱۹٦۷ء مین ایک مرتبہ شیخ صاحب کی ادبی سرگرمیون اور اس بزم کے بارے مین اس طرح اظہار خیال کیا تھا :-

[1] " ڈاکٹر خلیل صاحب سندھی بزرگ ہین ۔ مادری زبان سندھی ہے ۔ اردو زبان سے ماہرانہ شغف رکھتے ہین ۔ آپ کا کتب خانہ ذاتی، اردو کا بہترین ذخیرہ ہے ۔ ہر دوشنبہ کو شعراء، ادباء اور خوش ذوق لوگ آپ کے یہان جمع ہوتے ہین ۔ شعر و شاعری کا چرچا رہتا ہے ۔ اچھے اچھے ادبی موضوع زیر بحث آتے ہین ۔ بیس سال سے زیادہ عرصہ سے یہ محفل قائم ہے ۔ سندھی زبان کے بلندپایہ شاعر اور ادیب ہین فن تنقید مین آپ کو ملک گیر شہرت حاصل ہے ۔ "

ڈاکٹر ابراہیم خلیل صاحب فطرت سے شعر و ادب کا ذوق لے کر پیدا ہوئے تھے ۔ جب وہ چوتھے درجے کے طالب العلم تھے اسی وقت سے انہون نے سندھی زبان مین کہانیان لکھنی شروع کردی تھین ۔ لیکن ان کی باقاعدہ ادبی زندگی کی ابتدا ۱۹۲۸ء سے ہوئی جب کہ وہ ریڈیو کے لیے اکثر شخصیتون پر مضمون لکھنے لگے ۔ اسی زمانے مین

---

[1] رسالہ تاج کراچی بابت اگست ۱۹٦۷ء ص ۹

ان کا ایک اھم مقالہ اردو زبان مین سندھی ادیبون سے متعلق شائع ھوا تھا ۔ اس مقالے مین انھون نے ۱۸۴۳ء سے لے کر ۱۹۰۰ء تک کے سندھی ادیبون اور شاعرون کو اردو دان طبقے سے روشناس کرانے کی کوشش کی ھے ۔ اس کے بعد ۱۹۶۶ء مین انھون نے جامعہ سندھ کے رسالہ صریر خامـــہ مین ایک اھم مقالہ " سندھ مین قومی شاعری " کے عنوان سے لکھا ۔ یہ مقالہ ادبی اور علمی حلقے مین بہت زیادہ پسند کیا گیا ۔ اس مقالے مین ڈاکٹر صاحب نے عہد قدیم سے دور جدید تک کی سندھ مین قومی شاعری کا جائزہ لیا ھے اور سندھی زبان کے بہت سے قومی شاعرون کو روشناس کرایا ھے اس مقالے کو پڑھنے سے سندھیون کی قومی بیداری کا نقشہ سامنے آجاتا ھے۔ چنان چہ ایک جگہ سندھی ادب کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ھوئے لکھتے ھین :-

> [1] " سندھی ادب کی تاریخ شاھد ھے کہ سندھی شعرائے ھر دور مین قومی بیداری اور عوامی زندگی کی عکاسی مین حصہ لیا ھے ۔ عہد قدیم سے دور جدید تک کے شعراء کے یہان ایسی شاعری کی کمی نہین جو سیاست، مذھب، حب الوطنی، انسان دوستی، اخوت و مساوات سے معمور ھو ۔ مطربان شعر و ادب نے ملک و قوم کی زندگی کے ھر پہلو پر روشنی ڈال کر نغمۂ بیداری اٹھایا اور نیند کی ماتی قوم کو جگایا ۔"
>
> " عربون نے جب سندھ کو فتح کیا تو سندھ مین قومی شاعری نے پہلے پہل رجز کی شکل مین جنم لیا ۔ اس کی جھلک سندھی رزمیہ

---

[1] صریر خامـــہ قومی شاعری نمبر بابت ۱۹۶۶ء ص ۴۸

شاعری مین جا بجا ملتی ہے ۔ رزمیہ شاعری قومی شاعری کا ایک جسز
ہے ۔ اس مین بہادری کے کارنامے اور سپاہیانہ شجاعت کے جوہر
اور جذبات نہایت دل پسند طریقے پر بیان کیے جاتے ہین ۔"

ڈاکٹر ابراہیم خلیل صاحب ایک اچھے ادیب، شاعر اور مضمون نگار کے ساتھ ساتھ ایک متوازن نقاد بھی ہین ۔ ان کی زبان صاف، روان اور عام فہم ہے ۔ مادری زبان ان کی اردو نہ ہونے کے باوجود ان کی اردو تحریرین خاصی دل کش اور ادبی ہوتی ہین ۔ بے ضرورت فارسی، عربی کے الفاظ نہین استعمال کرتے اور جہان استعمال کرتے ہین، خوب کرتے ہین ۔ ان کی تنقیدین آزادانہ ہوتی ہین ۔ وہ کسی شاعر یا ادیب پر اس کے معاصرین کی رائے اور خیالات سے متاثر ہوکر اپنی رائے نہین پیش کرتے ۔ وہ جو کچھ لکھتے ہین وہ ان کی اپنی بے لاگ اور جچی تلی رائے ہوتی ہے ۔ مثلاً اپنے ایک مضمون " غالب اور فلسفۂ حیات " مین وہ غالب کے بارے مین اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہین :-

"غالب کے متعلق تمام تنقیدنگارون نے دھوکا کھایا ہے ۔ کوئی اسے
قنوطی کہتا ہے تو کوئی رجائی ۔ قنوطی کہنے والون کے نزدیک غالب کے
اشعار مین غم اور ملال کی جھلک مسرت اور اطمینان سے زیادہ پائی جاتی
ہے ۔

؎ زندگی اپنی جب اس طور سے گذری غالب ۔
ہم بھی کیا یاد کرین گے کہ خدا رکھتے تھے ؎
؎ جسے نصیب ہو روز سیاہ میـــــرا سا ۔
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیون کر ہو ؎

یہ قنوطیت نہین بلکہ غالب کی پر اضطراب زندگی کا آئینہ ہے
ان اشعار سے یہ ہرگز ثابت نہین ہوتا کہ غالب زندگی سے مایوس
ہین یا زندگی کے مصائب سے ڈرتے ہین اور انہین ناقابل برداشت
سمجھتے ہین ۔ شاعر کا مطالعہ کائنات بہت وسیع ہوتا ہے اس
لیے اس کے نظرئے حقیقت کے ترجمان ہوتے ہین ۔ "

ڈاکٹر ابراہیم خلیل صاحب شاہ عبداللطیف بھٹائی کے بڑے مداحون اور پرستارون مین سے ہین ۔ تاج محمد آغا کی کتاب "عکس لطیف" پر جو انہون نے اردو دان طبقے کو شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری سے متعارف کرانے کے لیے لکھا ہے اپنے مقدمہ مین اس طرح اظہار خیال کرتے ہین :-

[1] " حقیقت مین شعر وہی ہے جو قائل اور سامع دونون کو ایک جیسا
متاثر کرے اور اگر شاعر بغیر جذبات کے شعر کہے گا تو سامعین پر
کچھ بھی اثر نہ ہوگا ۔ قدرت کلام یہ ہے کہ جب پڑھنے والا شعر
کاغذ پر لکھا ہوا دیکھے تو چند لمحہ تک اپنی نظر بھی اس سے نہ ہٹا سکے
بلکہ اس کی نگاہون مین دل سمٹ کر آجائے اور جو کچھ لکھا ہوا
پڑھے وہ نگاہون کے راستے دل مین اتر کر جاگزین ہوجائے ۔ "

" اگر کوئی مجھ سے دنیا کے سات بڑے شاعرون کا انتخاب کرنے کے لیے
کہے تو مندرجہ بالا معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان سات شاعرون مین سے
شاہ عبداللطیف بھٹائی کو ضرور منتخب کرون ۔ کیون کہ شاہ صاحب کی
شاعری ایشیا کے دوسرے شاعرون کی طرح تقلیدی شاعری نہین بلکہ یورپ
اور عرب کی شاعری کی طرح فطری شاعری ہے جہان مناظر قدرت کسی

---

[1] مقدمہ عکس لطیف حصہ اول مطبوعہ ۱۹۵۱ء ص ۱۳ ۔ ۱۴

تصویر کشی کے عزوہ حقیقی جذبات کی ترجمانی بدرجہ اتم موجود ہے۔ مشرقی شاعری کی اساس زیادہ تر عربی عروض پر قائم ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے ایرانی شاعری کی مقروض منت ہے۔ معاملات اور واردات مین شاعرون نے کہین کہین ایرانی معاشرت سے بچ کر ایک نئی راہ نکالنے کی کوشش کی ہے پھر بھی خط، رخسار، بند قبا اور کاکل و کلاہ سے اپنے موضوع کو آزاد نہ کر سکے۔ اگر اس نقطۂ نگاہ سے بھی شاہ لطیف کا کلام دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی شاعری ان تمام چیزون سے مبرا ہے۔"

آخر مین ڈاکٹر ابراھیم خلیل صاحب کے ایک مقالہ "اقبال ایک متکلم کی حیثیت سے" کا اقتباس بطور نمونۂ تحریر پیش کیا جاتا ہے اس سے ڈاکٹر صاحب کے انداز تحریر اور اردو زبان پر ان کے دست رس اور قدرت کا صحیح اندازہ ہوجائے گا۔[1]

"مسلمانون مین ایک سلسلہ ایسے حکما کا بھی ہے جس کو شعرائے متکلمین کے نام سے تعبیر کرنا چاھئے مثلاً" حکیم سنائی، شیخ فریدالدین عطار اور مولانا روم وغیرھم ۔ مگر یہ اور اس قسم کے تمام بزرگ وہ ھین جنھون نے فلسفہ کلام کی پابندی کے ساتھ عقائد اسلامیہ کا اثبات یونانی فلسفہ کی بنیاد پر کیا ہے ۔ لیکن چودہ سو سال کی مدت مدید مین فلسفہ کی بجائے فلسفیو کلام کی متواتر تجدید ہوتی رہی ہے ۔ یہان تک کہ یہ زمانہ حالی اور اقبال تک پہنچتا ہے ۔ حالی اور اقبال اپنے کارنامون کی وجہ سے اگرچہ متکلم کہلائے جاسکتے ھین مگر سرسید اور حالی کا شمار شاہ ولی اللہ کی طرح علم کلام کے مجددین مین ہوگا ۔ شعراءمین سے

---

[1] رسالہ تاج کراچی بابت اگست ۱۹۶۷ء ص ۱۰ ۔ ۱۱

علم کلام کی کچھ جھلکیاں اکبر الہ آبادی کے کلام میں نظر آتی ہیں مگر اقبال مرحوم کے کلام میں علم الکلام کھل کر ظاہر ہوجاتا ہے ۔ "

"مولانا روم کی طرح اقبال کی شاعری بھی فلسفہ کلام کی تشریح ہے ۔ مولانا روم ہوں یا اقبال دونوں نے شعر کو تبلیغ حقیقت کے لیے آلہ بنایا یعنی اقبال کے کلام میں شاعری مقدم ہے اور فلسفہ یا علم کلام متاخر، اگرچہ نفس شاعری کو علم کلام کے مسائل کے اظہار کا ذریعہ بنایا گیا ہے ۔ "



مولانا محمد صاحب داد خــان

" مولانا مفتی صاحب داد خان صاحب سلطان کوٹی کے والد حمیمہ خان ،
قصبہ " ناڑی " بلوچستان کے رہنے والے تھے ۔ مفتی صاحب داد خان صاحب کی
پیدائش انیسوین صدی کے آخر مین یعنی ۱۸۹۵ ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان یعین ہوئی ۔
ابتدائی تعلیم اپنے گوٹھ مین حاصل کرنے کے بعد شکارپور چلے آئے اور پھر یہین
کے ہوگئے ۔ شکارپور مین مولانا محسن صاحب اور مولانا خادم حسین صاحب سے
کافیہ ، مرقات اور شرح وقایہ وغیرہ درس نظامیہ کی کتابین ختم کرنے کے بعد
مدرسہ قاسمیہ ، گڑھی یاسین مین داخل ہوگئے ۔ اور یہان صاحب التکمیہ مولانا
محمد قاسم صاحب سے اپنی تعلیم کی تکمیل کی ۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد درس
و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا ۔ کچھ عرصہ بعد سلطان کوٹ (شکارپور) مین ایک
دینی مدرسہ قائم کیا اور حنفی مسلک کی تائید مین ایک ماہنامہ الحمایون کے نام سے
جاری کیا ۔ اس کے بعد ایک دوسرا رسالہ الاسلام نکالا ۔ کچھ دنون کے لیے سندھ مدرسہ
کراچی مین عالم فقہ کے منصب پر فائز رہ کر اپنے فرائض انجام دیتے رہے ۔ ۱۹۵۲ء

مین پیر جو گوٹھ کے جامعہ راشدیہ مین شیخ الجامعہ کی حیثیت سے بلا لیے گئے ۔ ۱۹۶۵ء مین ان کا یہین انتقال ہوا ۔ "[1]

مولانا صاحب داد خان صاحب ایک اچھے استاد اور ہمدرد انسان تھے ۔علوم دینی پر آپ کو بڑی بصیرت حاصل تھی ۔طبیعت بڑی شریف اور منکسرانہ پائی تھی ۔ اپنی فرشتہ خصلتی اور خلوص کی بنا پر قرون اولی[1] کے مسلمان معلوم ہوتے تھے ۔ جامعہ راشدیہ مین شیخ الجامعہ (مہتمم) کی حیثیت سے اپنے فرائض بارہ تیرہ سال تک بہت حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے ۔ درسگاہ کے لڑکون سے اپنے فرزندون کی طرح محبت کرتے تھے ۔ ان مین سے کوئی بیمار ہوجاتا تو اس کی صحت تک آپ بے قرار رہتے ۔

مولانا صاحب داد خان صاحب کی مادری زبان سرائیکی تھی لیکن عربی، فارسی اور سندھی کے ساتھ اردو زبان پر بھی ان کو پوری قدرت حاصل تھی ۔رسالہ الاسلام اور الهمایون دونون رسالے اردو مین نکلتے تھے اور مولانا اس کے ایڈیٹر تھے ۔ چھوٹے چھوٹے کئی مذہبی رسائل انہون نے لکھے ہین جن مین سے مندرجہ ذیل تین اس وقت میرے پیش نظر ہین :۔

(۱) سبیل النجاح فی مسائل الحیال والنکاح

(۲) الہام القدیر فی مسئلة التقدیر

(۳) مسئلہ تعدد ازدواج پر جمیعة علمائے پاکستان کا جامع فتوی[1]

---

[1] یہ عام سوانحی حالات مفتی محمد نجم الدین صاحب، گڑھی یسین[1]، ضلع سکھر اور مولوی محمد صالح صاحب، مہتمم جامعہ راشدیہ، پیر جوگوٹھ نے تحریری شکل مین راقم الحروف کو فراہم کیے جس کے لیے راقم الحروف ان بزرگون کا شکرگزار ہے ۔

مولانا صاحب داد خان صاحب کی زیادہ تر چیزین فتوے کی شکل مین ملتی ھین ـ رسالہ الاسلام مین " باب الاستفتا " کے عنوان سے مستقل طور پر مولانا مضمون لکھ کر لوگون کے سوالات کا اسلام اور شریعت کے رو سے جواب دیا کرتے تھے ـ وہ حصہ مذھبی اعتبار سے خاصا اھم ھوتا تھا ـ جانورون کے ذبح کرنے کے سلسلے مین ایک صاحب کی تشفی اس طرح کرتے ھین :ـ

[1] " احادیث سے ثابت ھوا کہ مجازاً " کسی چیز کی نسبت غیر خدا کسے نام پر کرنا صحیح ھے ـ یہ بات وما احل لغیر اللہ مین ھرگز ھرگز داخل نہین ـ وَمَا اُحِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہ کا صاف مطلب یہ ھے کہ کسی جانور کو غیر خدا کے نام پر ذبح نہ کیا جائے ـ اگر ذبح کرتے وقت خدا کا نام نہ لیا اور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا تو برابر حرام ھے ـ قرآن حکیم نے تو صاف صاف فیصلہ فرمایا ھے کہ "بحیرہ" اور " سائبہ " جو بتون کے نام پر جانور چھوڑے جاتے تھے ان کو بھی اگر صحیح طور پر مسلم خدا کے نام پر ذبح کرے تو بلا شک حلال ھے جیساکہ تفسیر حقانی جلد چہارم ص ۷ مین ھے ـ عام مفسرین کا یہ قول ھے کہ صرف اس پکارنے سے وہ جانور اس مرتبہ مین پہنچ گیا کہ اب جو کوئی اللہ کے نام سے اس کو ذبح کرے تب بھی حرام ھی رھے ـ "

مولانا صاحب داد خان صاحب کے بارے مین ایک جگہ " جائزہ "مدارس عربیہ اسلامیہ" مغربی پاکستان مین لکھا ھے کہ :ـ

---

[1] جادی الاول رسالہ الاسلام کراچی مطبوعہ ۱۳۶۹ھ ص ۲۰ ـ ۲۱

سه[1] " آپ نے متعدد رسائل و کتب تصنیف فرمائی ھین ــ ان مین مندرجه ذیل خصوصیت سے قابل ذکر ھین ــ الحق الصریح، البلاغ المبین، السیف المسلول، عشرۂ کامله، نصرۃ الحق، القول الداد "

اب ھم نمونه نثر کے طور پر " الہام القدیر فی مسئلة التقدیر " سے کچھ اقتباس درج ذیل کرتے ھین :ــ

سه[2] " اسلام کے مسئله تقدیر مین قضا و قدر اور حکم کے الفاظ اکثر ایک ھی معنی مین مستعمل ھوتے ھین ــ اگرچه دوسرے موقعون پر یه الفاظ جدا جدا معنون مین بھی مستعمل ھوتے ھین ــ چنانچه شیخ محقق عبدالحق محدث دھلوی علیه الرحمة اشعة اللمعات، شرح مشکواۃ، باب ایمان بالقدر مین فرماتے ھین که " فی القاموس قدر به تحریک قضا و حکم و فی النہایة قدر آنچه قضا نموده و حکم کرده الہی تعالی از امور و سکون " اس سے ثابت ھوا که تقدیر کو قضا و حکم بھی کہتے ھین اور قدر سے مراد وہ مقررہ اندازہ ھے جو خداتعالی نے اپنے علم قدیم کی بنا پر عام مخلوق کے متعلق ان کے پیدا ھونے سے بہت پہلے مقرر انداز کرکے حکم لگایا اور لوح محفوظ مین ثبت فرمایا ــ "

مولانا کی نثر مین اگرچه ادبیت نہین ملتی ــ سیدھی سادی عام فہم زبان ھے لیکن مذھبی مسائل کو وضاحت سے بیان کر دینے کے لیے ھر طرح موزون ھے ــ وہ اپنے ھر بیان کے لیے قرآن اور حدیث سے سند ضرور پیش کرتے ھین ــ

سه[1] جائزہ مدارس عربیه اسلامیه مغربی پاکستان ص ۱٦۷ مطبوعه انجمن حمایت اسلام پریس لاھور ۱۹٦۰ء

سه[2] الہام القدیر فی مسئلة التقدیر از مولانا صاحب صالح داد خان صاحب ص ۲ مطبوعه ۔ حمایت اسلام پریس لاھور ۱۳۸۲ھ

سید الطاف حسین بخاری احقر

" سید الطاف حسین بخاری احقر کے والد ماجد سید جمیل حسین شاہ لاہور کے ایک ذی عزت خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ آپ کا سلسلہ نسب سادات بخاری سے ملتا ہے ۔ سید الطاف حسین بخاری کی پیدائش بہ مقام لاہور ۱۹۰۱ء میں ہوئی ۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور ہی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا ۔ پھر طب کی تعلیم مکمل کی لیکن پیشہ کے طور پر اس کو نہیں قبول کیا حالانکہ آپ کے خاندان کو علم طب سے خاص لگاؤ تھا اور آپ کے بزرگون میں سے بعض کو طبیب کی حیثیت سے مختلف حکومتون سے خلعت اور القابات بھی مل چکے تھے ۔" [1]

۱۹۲۲ء میں سید الطاف حسین صاحب بہ سلسلہ ملازمت سندھ چلے آئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی ۔ ۱۹۵۶ء میں سرکل ہیڈ کلرک کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد ٹھیکے داری کرنے لگے ۔ ادبی ذوق آپ کو شروع ہی سے تھا ۔ اسکول ہی کے زمانے سے شاعری شروع کردی تھی ۔ سندھ آکر اکثر مشاعرون میں شرکت کرنے لگے تھے ۔

---

[1] سندھ کے جدید اردو شعرا از مشتاق علی جعفری ص ۳۵ مطبوعہ سندھ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۱ء

" سندھ کے جدید اردو شعرا " مین مشتاق جعفری صاحب نے ان کے بارے مین اس طرح ذکر کیا ہے :-

ے[1] " شعر و شاعری کا ذوق بچپن ھی سے تھا ۔ بالخصوص فارسی زبان مین شاعری کی ابتدا ۱۹۲۸ء مین سکھر آل انڈیا کانفرنس کے موقع سے ہوئی ۔ حیدر آباد کے اکثر و بیشتر مشاعرون مین شرکت کی اور کلام کی داد پائی ۔ ...... سندھ مین مستقل سکونت اختیار کرلینے کے بعد ملازمت کے سلسلے مین سندھی ڈپارٹمنٹل امتحان کے لیے سندھی لکھنا پڑھنا اور بولنا سیکھا ۔ سندھی امتحان مین اول آئے ۔ آپ سندھی مین بھی مہارت رکھتے ہین ۔ حمد و نعت، منقبت اور رباعیات ان کی پسندیدہ صنف ہین ویسے غزل، مثنوی، نظم وغیرہ بھی کہہ لیتے ہین ...... ان کی غزلین سادگی اور سلاست کے ساتھ ساتھ پاکیزہ خیالات اور جذبات سے پر ہین ۔ "

الطاف صاحب اردو زبان و ادب کے بڑے خادمون مین سے تھے ۔ انھون نے حیدر آباد سے ایک ادبی رسالہ سہارا بھی نکالا تھا جس کی ادارت مین انھون نے اپنی صاحب زادی سیدہ نکہت کو بھی شامل کر لیا تھا ۔ سہارا کے ذریعہ وہ ایک عرصہ تک سندھ مین اردو زبان و ادب کی شمع روشن کیے رہے ۔ مشتاق جعفری صاحب " سندھ کے جدید اردو شعرا " مین لکھتے ہین :-

ے[2] " بابائے اردو مولوی عبدالحق نے غالباً " ۱۹۲۲ء کے آخر مین

ے[1] سندھ کے جدید اردو شعرا ص ۳۶ ۔ ۳۷
ے ایضاً " ص ۱۸۵

حیدر آباد مین ترویج اردو کے لیے اردو مرکز قائم کیا تھا مگر عملہ کی بدعنوانیون کی وجہ سے زیادہ کامیابی نہین ہوئی اور جلد ہی اردو مرکز بند ہوگیا مگر اردو کی ترویج کے لیے چند حضرات کوشان رہے ۔ یہان تک کہ اے ۔ایچ بخاری صاحب نے ادبی رسالہ سہارا نکالا جس کی اپنے زمانے مین کافی شہرت تھی ۔ "

الطاف صاحب کا انتقال ۱۹۶۵ء مین ہوا ۔ آپ کی صاحبزادی سیدہ نکہت صاحبہ نے میرے استفسار سوانح حیات کے سلسلے مین لکھا ہے کہ :۔

[1] " باپ میرے سہاگ اجڑنے سے تین سال پہلے اس فانی دنیا سے منہ موڑ گئے اور تین سال بعد شوہر بھی اتنی بڑی دنیا مین تنہا چھوڑکر اللہ کو پیارے ہوگئے ۔ .... ۱۶ جولائی ۱۹۵۶ء مین شادی ہوئی اور ۱ جون ۱۹۶۸ء مین بیوہ ہوئی ۔ "

الطاف صاحب کی کوئی ادبی تصنیف کتاب کی شکل مین موجود نہین ۔ ماہنامہ سہارا مین اداریہ کے علاوہ کبھی کبھی کوئی مضمون ان کا شائع ہوتا تھا اور وہ بھی زیادہ تر حفظان صحت اور طبی مسئلون پر ۔ البتہ اردو اور فارسی کے کلام ان کے پابندی سے شائع ہوتے تھے ۔نمونہ نثر کے طور پر ماہنامہ سہارا مین شائع شدہ ان کے ایک مضمون " حفظان صحت " سے کچھ اقتباسات درج ذیل ہین :۔

[2] " انسان بالطبع سکون کو پسند کرتا ہے اور حرکت کرنے پر بھی مائل

---

[1] سیدہ نکہت صاحبہ کی مرسلہ تحریر سے لیا گیا
[2] ماہنامہ سہارا ص ۶۲ بابت مارچ ۱۹۵۱ء

ہے ۔ ان دونوں میں اعتدال کی ضرورت ہے ۔ اگر اعتدال کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو صحت بگڑ جاتی ہے ۔ سکون سے بدن کو آرام ملتا ہے اور اس کی پرورش ہوتی ہے ۔ حرکت سے بدن کے مواد تحلیل ہوتے ہیں ۔ جو لوگ سکون کی زندگی سے پیار رکھتے ہیں اور ریاضت سے کتراتے ہیں وہ درجنوں امراض میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور حد سے زیادہ محنت اور ریاضت کرنے والے بھی امراض یابسہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں ۔ بعض ایسی حرکات بھی ہیں جو ہم سے اضطراری یا اختیاری طور پر سرزد ہوتی ہیں ۔ ہم ان سے تکان بھی محسوس کرتے ہیں مگر ترک نہیں کر سکتے ..... ان چیزوں میں سے ایک تو غصہ ہے ۔ غصہ کی حالت میں تمام عضلات اور اعصاب میں ایک اضطراری کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اور اس کا جوش فرو ہونے پر انسان اپنے میں سخت کمزوری پاتا ہے ۔ غصہ کے جذبہ سے خون میں ایک تغیر پیدا ہوتا ہے اور وہ زہریلے مواد سے لبریز ہوجاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مغلوب الغضب آدمی کا دماغ اور اس کے قویٰ درست نہیں رہتے ..... بعض آدمی سخت غصہ کی حالت میں کانپنے لگ جاتے ہیں ان کے ہاتھ پاؤں قابو میں نہیں رہتے ۔ آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں ۔ خون میں ہیجان اور جوش پیدا ہوتا ہے اور ایک آرام طلب جسم آگ کا پتلا معلوم ہوتا ہے ۔ یہ آگ نہ صرف قویٰ دماغی کو جلاکر خاک کر دیتی ہے بلکہ اس سے خون میں بھی زہریلے مواد پیدا ہوجاتے ہیں ..... کہتے ہیں کہ جب غصہ کی حالت میں ہو تو اس کا دودھ نہیں پینا چاہئے ۔ کیونکہ انسان کے لیے ایسے دودھ کا استعمال مضرصحت ہے ۔ غصہ کو اعتدال پر لانے میں انسان کو کافی اختیار حاصل ہے ۔ اس لیے بعض آدمی غصہ کی حالت میں بیٹھ جاتے ہیں یا ٹھنڈا پانی پی لیتے ہیں یا طبیعت کو کسی دوسری طرف راغب کرلیتے ہیں ۔"

رسالہ سہارا میں ان کے ایک دو افسانے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جو زیادہ تر اصلاحی ہیں ۔ " انتخاب " ان کا ایک افسانہ ہے جس میں موجودہ آزاد خیالی ، فیشن زدگی اور بے حجابی سے پیدا ہوے نتائج دکھائے گئے ہیں ۔ رشید اپنی باحیا ، باعصمت اور شریف بیوی کو زبردستی اپنے دوستوں سے بے حجابانہ ملنے پر مجبور کردیتا ہے ۔ فہمیدہ اپنے فیشن زدہ شوہر کے خیالات کو راہ راست پر لانے کی بہت کوشش کرتی ہے لیکن بالآخر اس کو رشید کے سامنے سپر انداز ہوجانا پڑتا ہے ۔ نتیجہ میں اس کے ایک دوست سے اس کے تعلقات پیدا ہوجاتے ہیں اور وہ شوہر کو چھوڑ کر فرار ہوجاتی ہے ۔ فرار ہونے کے وقت ایک خط چھوڑ جاتی ہے جس سے بے حجابی ، آزاد خیالی اور فیشن زدگی کا برا انجام دکھاکر افسانہ نگار نے بہت اچھا سبق دیا ہے ۔ خط کا مضمون یہ ہے :-

" رشید ام ۔ اے [1]

تونے مجھے جبرا" اسلامی تہذیب سے دور کیا ۔ میں باحیا تھی ۔ بدبخت رشید تونے مجھے بے حیا بنایا ۔ میں پاک دامنی کی دیوی تھی تونے میری عصمت کو اپنے دوستوں کے ہاتھ بیچا ۔ تیری آبرو خاک میں مل گئی ۔ اب دنیا والوں کو نہ تو منہ دکھانے کے قابل ہے نہ میں ۔ میری زندگی کو تباہ و برباد کرنے والے رشید آج فہمیدہ تم سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کش ہورہی ہے ۔ افسوس یہ میری زندگی کا انقلاب ہے ۔

آوارہ
فہمیدہ "

---

[1] رسالہ سہارا ص ۲۱ بابت نومبر ۱۹۵۰ء

مخدوم امیر احمد عباسی

مخدوم امیر احمد عباسی کا سلسلہ نسب حضرت عباس سے ملتا ہے ۔ آپ کے والد ماجد مخدوم احمدی عباسی ریاست خیرپور (سندھ) کے ایک صاحب علم و فضل بزرگ تھے ۔ علم و فضل کی امتیازی حیثیت کے باعث آپ کا خاندان مخدوم کے لقب سے پکارا جاتا ہے ۔ مخدوم امیر احمد عباسی کی پیدائش تعلقہ گمبٹ، سابق ریاست خیرپور میرس کے ایک گانو کھوڑا میں ۱۹۰۱ھ میں ہوئی تھی ۔ ابتدائی تعلیم سندھی اسکول میں حاصل کرنے کے بعد عربی اور فارسی کے لیے آپ نے مختلف علماء اور فضلاء کے سامنے زانوے شاگردی تہہ کیا جس میں مولانا محمد ھاشم انصاری کا نام سرفہرست آتا ہے ۔

۱۹۲۲ھ میں عربی فارسی میں درس نظامیہ کی تکمیل کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور تا زندگی اسی پر قائم رہے ۔ ابتدائی دو سال اپنے آبائی گانو میں بچوں کو پڑھاتے رہے ۔ ۱۹۲٦ھ میں نو شہروفیروزو کے ایک دینی مدرسے میں بلا لیے گئے ۔ جہاں چھ سال تک عربی پڑھاتے رہے ۔ ۱۹۳۲ھ میں گورنمنٹ ھائی انگلش اسکول نو شہروفیروزو میں عربی کے استاد مقرر ہوئے ۔پھر نواب شاہ کے

ایک ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ کے اسکول مین عربی ٹیچر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے ۔

۱۹۴۲ء کے اواخر مین جب حیدرآباد سندھ مین جامعہ عربیہ کا قیام عمل مین آیا تو آپ اس مین بلا لیے گئے اور ڈیڑھ سال کی قلیل مدت مین آپ اپنی صلاحیتون سے ترقی کرتے ہوئے اس کے پرنسپل ہوگئے ۔ ۱۹۵۱ء مین جب " سندھ اورینٹل کالج " حیدرآباد کا قیام عمل مین آیا تو منتظمین نے اس کے پرنسپل کے لیے آپ کو منتخب کیا ۔ آپ نے پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوکر اپنے فرائض بہت لیاقت سے انجام دیے ۔ اس کالج کے علاوہ آپ انجمن حمایت الاسلام، اسلامیہ ماڈرن ہائی اسکول، سندھ طبیہ کالج، کی انتظامیہ سے بھی وابستہ رہے ہین ۔ ۱۹۷۱ء مین آپ نے انتقال فرمایا ۔[1]

مخدوم امیر احمد عباسی ایک لائق استاد کے ساتھ ساتھ ایک اچھے ادیب بھی تھے ۔ آپ کا شمار سندھ اور خصوصا" حیدرآباد کے سندھی اور اردو دونون زبان کے اچھے انشاپردازون مین ہوتا تھا ۔ آپ نے ابتدا مین شعر گوئی کی طرف بھی توجہ کی تھی لیکن پھر نثر نویسی کی طرف اپنی طبیعت کو یکسو کر لیا ۔ ابتدا مین آپ نے فارسی کتابون کا سندھی زبان مین ترجمہ شروع کیا تھا ۔ تاریخ معصومی اور تحفۃ الکرام کا ترجمہ اس ضمن مین آتا ہے ۔ سچل سرمست کے دیوان آشکار کو بھی آپ نے ایڈٹ کرکے اس پر ایک پرمغز مقدمہ لکھا ہے ۔

---

[1] یہ سوانحی حالات اور معلومات " سندھ کے جدید اردو مصنفین " (قلمی) ازعبدالرشید خان تبسم سے ماخوذ ہین ۔ یہ مقالہ قلمی مسودے کی شکل مین سندھ یونیورسیٹی کے شعبۂ اردو کی لائبریری مین محفوظ ہے ۔

فارسی، عربی مین غیر معمولی صلاحیت اور اردو کتب کے وسیع مطالعے نے آپ کی اردو تحریر مین بڑی روانی اور دل کشی پیدا کردی ہے ۔ اردو زبان مین آپ کے علمی، مذہبی اور تحقیقی مقالے اکثر مختلف رسائل اور جرائد مین شائع ہوتے رہتے ہین ۔ اردو زبان پر آپ کو خاصی قدرت حاصل ہے ۔ وہ جو کچھ لکھتے ہین اعتماد کے ساتھ لکھتے ہین ۔ ان کے مضامین مین تحقیقی موشگافیان پائی جاتی ہین ۔ رسالہ الرحیم حیدرآباد مین آپ کا ایک مقالہ " سرزمین سندھ مین علم حدیث " کے عنوان سے بالاقساط جولائی اور اگست ۱۹۶۳ھ مین شائع ہوا ہے ۔ اس سے کچھ اقتباس نمونۂ نثر کے طور پر درج ذیل ہے :-

[1] " شیخ محمد عابد بن احمد علی بن حافظ یعقوب بن محمود انصاری خزرجی میزبان رسول صلی اللّٰہ علیہ و سلم، ابو ایوب انصاری خزرجی کے اولاد مین سے ہین ۔ سندھ کے مشہور تاریخی شہر سیون مین پیدا ہوئے ۔ آپ کا خاندان سندھ کا ایک مشہور علمی خاندان تھا آپ کے دادا حافظ یعقوب، شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز تھے ۔ آپ کے والد احمد علی اور چچا محمد حسین بھی بڑے عالم اور فاضل تھے ۔ آپ کے چچا محمد حسین شیخ، محمد حیات سندھی کے شاگرد تھے ۔

شیخ محمد عابد نے اپنے چچا شیخ محمد حسین سے تعلیم حاصل کی اور کمال کے درجہ کو پہنچے ۔ آپ کے دادا حافظ یعقوب نے آخر عمر مین عربستان کی طرف ہجرت کی اور جدہ مین وفات فرمائی ۔ آپ کے والد احمد علی بھی جدہ مین فوت ہوئے اور آپ کے چچا محمد حسین یمن کی طرف گئے اور حدیدہ مین دارالبقا کی طرف راہی ہوئے ۔

---

[1] رسالہ الرحیم حیدر آباد بابت ماہ اگست ۱۹۶۳ھ

شیخ محمد عابد نے عمر کا بڑا حصہ یمن کے شہر زبید میں گذارا اور اپنے چچا نیز زبید اور حجاز کے مشہور علماء سے استفادہ کیا۔ پھر انہوں نے کچھ وقت یمن کے دارالسلطنت صنعا میں اقامت اختیار کی اور یمن کے امام کا کامیاب علاج کیا۔ اس عرصہ میں یمن کے وزیر کی پیشی سے آپ کا عقد بھی ہوگیا۔ یمن کے امام نے ان کو اپنا سفیر بناکر ھدایا و تحائف دے کر مصر روانہ کیا۔ مصر کا حاکم آپ کے علم و فضل، عقل و ذہانت سے کافی متاثر ہوا۔ آپ کو مدینہ منورہ میں سکونت کا بڑا شوق تھا اور ہمیشہ اپنے پروردگار سے یہی دعا مانگتے کہ خدایا میری زندگی اور موت مدینہ میں ہو۔ تیرے محبوب کے سایہ میں زندگی گذرے۔ اور دارالزمان میں امن نصیب ہو۔ ایک دفعہ آپ مدینہ شریف رہنے کے ارادہ سے پہنچے لیکن چونکہ آپ کی طبیعت میں حق گوئی اور راست بازی کی عادت تھی اس لیے وہاں لوگوں میں جو بدعات رائج ہوچکی تھیں ان پر ان کو ٹوکنا شروع کیا۔ لوگ آپ کے خلاف ہوگئے اور مجبوراً آپ کو جوار حبیب کو ترک کرنا پڑا۔ آپ بڑے عابد و زاھد نیک سیرت اور خوش اخلاق بزرگ تھے۔ کئی ضخیم اور مختصر کتابیں یادگار چھوڑی ہیں ....

آپ کے پاس ایک بڑا اچھا کتب خانہ تھا جس میں تفسیر حدیث اور چاروں فقہی مذاھب کی عمدہ کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ آپ نے یہ پورا کتب خانہ مدینہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام کے لیے وقف کر دیا۔ شیخ محمد عابد مدینہ منورہ میں ۱۹ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ کو پیر کے دن اس دار فنا کو چھوڑ کر دار بقا کو روانہ ہوگئے۔"

لطف اللہ بدوی

"پروفیسر لطف اللہ بدوی کے والد ماجد حاجی امام بخش صاحب خادم اپنے عہد کے مشہور صوفی عالم اور صاحب دیوان شاعر تھے ۔ آپ کا سلسلۂ نسب احمد بدوی سے ملتا ہے جو مکہ معظمہ کے رہنے والے اور حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے خاص مریدوں اور خلفا میں سے ایک تھے ۔ پروفیسر لطف اللہ بدوی کی پیدائش ۲ جولائی ۱۹۰۲ء کو سندھ کے ایک تاریخی اور علمی شہر شکارپور میں ہوئی تھی اور ۱۹ نومبر ۱۹٦۸ء کو انتقال ہوا ۔" [1]

پروفیسر لطف اللہ بدوی سیدھے سادے مخلص اور بااصول انسان ہونے کے ساتھ ساتھ سچے عاشق رسول اور عبادت گزار مسلمان تھے ۔ سندھی زبان کے محقق اور صاحب طرز ادیب ہونے کے ساتھ فارسی اور اردو پر مہارت رکھتے تھے ۔ آپ کے صاحب زادے پروفیسر غلام احمد بدوی نے آپ کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں اس میں لکھا ہے کہ :-

---

[1] سوانحی حالات لطف اللہ بدوی کے صاحب زادے پروفیسر غلام احمد بدوی صاحب سے بذریعہ تحریر حاصل کیے گئے ۔

[1] " مرحوم گوناگون خوبیون کے مالک تھے ـ وہ سندھی زبان کے مایہ ناز ادیب ھونے کے ساتھ ساتھ اردو اور فارسی ادب پر بھی گہری نظر رکھتے تھے ـ سندھی زبان کو انھون نے اپنی بیش بہا نگارشات اور تحقیقات سے مالا مال کیا ـ انھون نے اقبال کے فارسی کلام کو نہایت حسن و خوبی اور محنت سے سندھی زبان مین ترجمہ کیا اور اھل علم ادیبون سے داد حاصل کی ـ انھون نے اپنی پوری زندگی علم اور ادب کی بے لوث خدمت مین صرف کی تھی ـ "

پروفیسر غلام احمد بدوی صاحب نے اپنے خاندان کے بارے مین بھی تفصیلی معلومات فراھم کیے ھین جن سے ان کے مورث اعلیٰ احمد بدوی کے حالات پر بھی روشنی پڑتی ھے ـ لکھتے ھین :ـ

[2] "علامہ لطف اللّٰہ بدوی مرحوم کے والد بزرگوار نے اپنی کتاب "کلیات خادم" مین اس امر کا ذکر کیا ھے کہ وہ احمد بدوی کی اولاد مین سے ھین ـ جنھون نے حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی کے دست مبارک پر بیعت کی تھی ـ بعد ازان لطف اللّٰہ مرحوم نے خود اس بات کی تحقیق کی ـ اتفاق سے عبدالوھاب الشعرانی کی تصنیف " طبقات الکبریٰ[1] " مین انھین احمد بدوی کے حالات مل گئے ـ احمد بدوی کے کئی بھائی تھے اور وہ خود سب سے چھوٹے تھے .... وہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی اور حضرت سید احمد رفاعی کے زمانے مین مکہ سے عراق آئے اور ان بزرگون سے ملاقات کی اور فیض صحبت سے مستفیض ھوئے ـ

---

[1] پروفیسر غلام احمد بدوی کی مرسلہ تحریر سے لیا گیا ـ
[2] ایضاً

احمد بدوی کی اولاد میں سے ایک شخص عراق سے ہجرت کر کے غالباً " دسوین صدی ہجری مین اُچ شریف (موجودہ بھاولپور) آئے ـ ایک صدی تک یہ خاندان اُچ مین آباد رہا ـ حضرت موسی پاک کی شہادت کے بعد یہ خاندان ملتان مین منتقل ہوا ـ اس خاندان کے ایک فرد محمد بہچل نے اپنے بھائیون کے ناروا سلوک سے تنگ آکر سندھ کا رخ کیا ـ حیدرآباد مین اس وقت نواب میر کرم علی خان تال پور کی حکومت تھی ـ انھون نے محمد بچل کی نگہ داشت اپنے ذمے لی ـ ان کی وفات کے بعد میر کاظم علی تال پور شکارپور کے نواب مقرر ہوئے ـ یہ واقعہ انیسوین صدی کے آغاز کا ہے ـ محمد بچل بھی انھین کے عہد مین شکارپور آئے اور یہین کے ہورہے ـ ان کے چھ لڑکے تھے جن مین حاجی امام بخش خادم دوسرے تھے ـ"

سے[1] " لطف اللہ بدوی کی ابتدائی تعلیم خیرپور میرس کے گانو منگھن واری مین ہوئی ـ ۱۹۱۲ء مین شکارپور کے سندھی اسکول سے پرائمری اور ۱۹۱۳ء مین وکٹوریہ جوبلی عربی اسکول' شکارپور سے عربی و فارسی کے مروجہ نصاب کی تکمیل کی ـ اس کے بعد آپ کے والد نے انگریزی تعلیم کے لیے گورنمنٹ ہائی اسکول شکارپور مین داخل کرادیا ـ آپ چھٹی جماعت مین تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا ـ والدہ کا انتقال پہلے ہی ہوچکا تھا ـ اس لیے چھ چھوٹے بھائی بہنون کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری بھی سر پر آگئی ـ کچھ دنون تک دنیا کی کشاکش سے لڑتے رہے ـ ۱۹۲۱ء مین ٹیچرس ٹریننگ کالج' حیدرآباد سے دو سال کی تعلیم مکمل کر کے

---

[1] سے یہ تمام سوانحی حالات پروفیسر غلام احمد بدوی نے راقم الحروف کو فراہم کیے ـ

مختلف اسکولون مین تدریسی فرائض انجام دینے لگے ۔ معاشی مصروفیات کے ساتھ وہ اپنی تعلیم کی تکمیل کی طرف سے غافل نہ رہے ۔ ۱۹۳۰ء مین بی ۔اے کا امتحان پاس کرلیا اور مشرقی علوم فارسی مین منشی فاضل کی سند بھی حاصل کرلی ۔ ۱۹۴۸ء مین ضلع سکھر کے لیے آپ کو اردو زبان کا انسٹرکٹر مقرر کیا گیا ۔ دو سال کے بعد ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر آف اسکول کے عہدے پر ترقی ہوگئی ۔ ۱۹۵۰ء مین گورنمنٹ کالج شکارپور مین سندھی زبان و ادب کے پروفیسر مقرر ہوئے ۔ اٹھ سال بعد ۱۹۵۸ء مین یہین سے ریٹائر ہوکر تصنیف و تالیف کے کامون مین مشغول ہوگئے ۔ آپ کے تین صاحب زادے تھے ۔ بڑے احسان بدوی، پروفیسر سندھ مسلم کالج، کراچی منجھلے غلام احمد بدوی، پروفیسر گورنمنٹ کالج شکارپور (سندھ) اور چھوٹے نور احمد بدوی۔ ان مین سے بڑے پروفیسر احسان احمد بدوی کا ۲۱ نومبر ۱۹۶۵ء کو ایک کار کے حادثہ مین انتقال ہوگیا ۔ اس حادثہ کا لطف اللہ بدوی صاحب پر بہت سخت اثر پڑا اور وہ دن بہ دن گھلنے لگے ۔ ان کی نظم و نثر مین جو اس کے بعد لکھے گئے ہین حزن ویاس اور درد و سوز کے کافی اثر نمایان ہین ۔ غلام احمد بدوی صاحب نے راقم الحروف کو لکھا ہے کہ وفات سے ایک دن پہلے آپ نے یہ شعر لکھ کر اپنی میز پر چھوڑ دیا تھا :۔ ؎

مرنے کے دن قریب ہین شاید کہ اے حیات
تجھ سے طبیعت اپنی بہت سیر ہوگئی "

لطف اللہ بدوی صاحب کے عادات و خصائل سے متعلق آپ کے صاحب زادے غلام احمد بدوی صاحب نے لکھا ہے :۔

سہ[1] " مرحوم قبلہ بزرگوار کے مکان کے سامنے ایک مسجد ہے وہان پانچون وقت کی نماز پڑھایا کرتے تھے ۔ صبح کی نماز کے بعد بلا نافہ قبرستان جاتے، واپس آکر ورد و وظائف سے فارغ ہوکر ناشتہ کر کے لکھنے پڑھنے مین مشغول ہوجاتے ۔ شام کو بلاناغہ تلاوت کلام پاک کرتے اور " دلائل الخیرات " پڑھتے ۔ اکثر و بیشتر احباب کے ساتھ نشست رہتی تھی ۔ نہایت ملنسار اور مہمان نواز تھے لیکن عام زندگی مین انتہائی خود دار ۔ ملازمت کے دوران بھی کسی کا ناجائز دباؤ برداشت نہین کیا ۔ "

لطف اللہ بدوی صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز " سندھ زمیندار اخبار " کے مضمون نگار کی حیثیت سے ہوا جو پیر علی محمد راشدی کی ادارت مین سکھر سے نکلتا تھا ۔ پھر سندھی اور اردو کے مختلف جرائد مین آپ کے اشعار اور مضامین شائع ہونے لگے اور سیکڑون مضامین اور مقالے شائع ہوئے ۔ سندھی زبان پر کامل دست رس ہونے کے ساتھ اردو اور فارسی زبان پر بھی آپ کو بڑی قدرت حاصل تھی ۔ علامہ اقبال کی زندگی اور ان کے خیالات و نظریات سے بہت زیادہ متاثر تھے ۔ چنان چہ آپ نے سندھی زبان مین " حیات اقبال " کے نام سے ایک اہم کتاب لکھی جو ۱۹۵۲ء مین شائع ہوئی ۔ اس کے علاوہ علامہ اقبال کی مشہور نظمین جاویدنامہ، ارمغان حجاز، اسرار خودی اور رموز بیخودی کا سندھی مین کامیاب ترجمہ کیا ۔ علامہ اقبال کی ان نظمون کے علاوہ آپ نے میر امن دہلوی کی مشہور تصنیف "باغ و بہار " کا بھی " چار درویش " کے نام سے سندھی مین ترجمہ کیا جو شائع ہوکر مقبول خاص و عام ہوچکا ہے

سہ[1] پروفیسر غلام احمد بدوی کی مرسلہ تحریر سے لیا گیا ۔

اردو نثر مین بھی آپ کی متعدد تصانیف ہین جن مین سے "چچ اور سوھندی" شائع ہوکر قبولیت حاصل کر چکی ہے ۔ کچھ اردو ترجمے اور تصانیف کے مسودے جیسے "عربی شاعری کا فارسی شاعری پر اثر" "فتح سندھ" "تاریخ اندلس" " رام راج کی سازشین " اور " تاریخ ادبیات سندھ " وغیرہ اشاعت کے منتظر ہین ۔ ان مین سے کچھ مکمل اور کچھ نامکمل ہین ۔ یہ سب کتابین اور مسودے بدوی صاحب کے ذاتی کتب خانے مین محفوظ ہین ۔ جناب مشتاق علی جعفری نے اپنی تصنیف " سندھ کے جدید اردو شعرا " مین لطف اللہ بدوی صاحب کی تصنیفات اور شاعری پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے :۔

[1] " سندھی زبان مین تصنیفات کا سلسلہ بہت وسیع ہے ۔ اردو زبان مین پہلی تحریر " چچ اور سوھندی " شائع ہوچکی ہے ۔ مختلف رسائل کے لیے بھی اردو مین مضامین لکھے جو وقتاً " فوقتاً " شائع ہوتے رہے ۔ اردو مین شاہ عبداللطیف بھٹائی پر بھی کتاب مکمل کر چکے ہین جو مسودہ کی صورت مین موجود ہے ۰۰۰۰۰۰۰ بدوی صاحب نے چھوٹی چھوٹی نظمین لکھی ہین ۔ سندھی کے بہت اچھے شاعر ہین اور اردو مین بھی غنیمت لکھتے ہین ۔ چھوٹی نظمون مین زیادہ تر اقبال کے لب و لہجہ کی تقلید کی ہے ۔ فارسی کی استعداد اچھی معلوم ہوتی ہے ۰۰۰۰۰ بدوی صاحب کی شاعری کا مقصد تنگ نظر وطن پرستی نہین ہے بلکہ وہ وطن کی عظمت اس لیے یاد دلاتے ہین کہ لوگ اپنی عظمت کا احساس پیدا کرین ۰۰۰۰۰۰۰۰۰ بدوی صاحب چونکہ اردو کے کہنہ مشق شاعر نہین ہین اس لیے بعض الفاظ کی صحت پر تامل ہوتا ہے ۔

---

[1] سندھ کے جدید اردو شعرا ص ۴۵ ۔ ۵۰

نغمات لطیف حیدرآباد مین شائع شدہ ان کا مضمون " شاہ کی داستان سسی پنون " سے نمونۂ نثر کے طورپر ایک اقتباس درج ذیل ہے :-

[1] " شاہ بھٹائی نے جس خوبی سے سسی کی داستان کو نبھایا ہے اس کا عشر عشیر بھی ہمین ایشیائی شاعری مین نہین ملتا ۔ ہر شاعر نے عشقیہ داستانون کو پراثر اور شگفتہ بنانے مین کوئی کسر نہین چھوڑی ۔ جامی تو " یوسف و زلیخا " مین یہان تک کہہ گئے ہین :-

حریفان بادہ ھا خوردند و رفتنـــد
تہی خم خانہاکردند و رفتنـــد

مگر وہ حریف اپنی شراب سخن کو اس قدر کیف آور نہین بناسکے جس قدر شاہ عبداللطیف نے بنایا ۔ بھٹائی کے کلام کا انداز بھی اچھوتا ہے ۔ فیضی کی نل و دمن، نظامی کی شیرین و خسرو، فردوسی کی لیلٰی و مجنون، ملک جائسی کی پدماوت اور خود بھٹائی کی زیب و نگار جیسی تصانیف بھی شاہ صاحب کے شیرین و متین سخن کے مقابلے مین نہین آسکتین ۔ "

ماہنامہ السرحیم حیدرآباد بابت اپریل ۱۹۶۸ء مین ان کا ایک مقالــہ " حاتم قادری، شمالی سندھ کا ایک فراموش شدہ شاعر " کے عنوان سے شائع ہوا تھا ۔ اس سے ایک اور اقتباس نمونۂ نثر کے طور پر درج ذیل ہے :-

---

[1] نغمات لطیف مرتبہ اختر انصاری اکبرآبادی شائع کردہ محکمہ اطلاعات حیدرآباد ۱۹۶۰ء

[1] " محمد حاتم قادری مرتب " بیاض حاتم " سندھ کے ان نامور شعراءمین سے ھین جنھون نے انیسوین صدی عیسوی مین اپنی نغمہ نوازی سے بلند رتبہ حاصل کرلیا تھا اگرچہ اس کی زندگی کے کوائف آج تفصیل کے ساتھ دست یاب نہین ھو سکتے لیکن بیاض حاتم سے ان کے حالات کلی طور پر نہین تو جزوی طور پر معلوم ھو سکتے ھین ـ بیاض حاتمی کو جو چیز دوسرے بیاضون سے امتیاز دیتی ھے وہ ھے مضامین کی ترتیب ـ حاتم نے اپنے بیاض کی ترتیب ابو تمام طائی کی مشہور تصنیف " حماسہ " کی طرح قائم رکھی ھے ـ جدا جدا مضامین کے تحت اس نے علیحدہ علیحدہ شعراء کے کلام سے انتخاب جمع کیا ھے ـ مثلاً " محبوب کی نزاکت، توصیف ممدوح، شعر کی تعریف، زمستان، تابستان، بہار، ھولی وغیرہ ـ اس سے مرتب کی کاوش تحقیق اور ذوق مطالعہ کا اندازہ ھو سکتا ھے ـ "

پروفیسر لطف اللہ بدوی کی اردو نثر نسبة" صاف ھے ـ انداز تحریر عالمانہ ھوتاھے ـ لہجے مین متانت پائی جاتی ھے ـ فارسی الفاظ اور ترکیبون کا بہ کثرت استعمال کرتے ھین ـ نثر مین اردو اور فارسی کے اشعار حسب ضرورت استعمال کرتے ھین ـ زبان روان اور شستہ ھوتی ھے لیکن کہین کہین جملون کی طوالت سے تعقید پیدا ھوجاتی ھے ـ مجموعی طور پر ان کی نثر قابل تحسین ھے ـ بلاشبہہ انھون نے سندھی اور اردو شعر و ادب کو بہت کچھ دیا ھے ـ

---

[1] ماھنامہ الـرحیم حیدرآباد بابت اپریل ۱۹۶۸ھ ص ۸۰۲ ـ ۸۰۷

آغا تاج محمد خان

آغا تاج محمد خان ایک شریف اور علم دوست پٹھان خانوادے کے ذی علم فرد تھے۔ " آپ کے والد آغا عبدالمجید اور دادا آغا شہاب الدین خان دونون ہی علم و ادب کے شیدائی تھے ۔ آغا تاج محمد خان کی پیدائش سکھر سے نو میل دور باگڑجی مین ۱٦ ستمبر ۱۹۰۲ء کو ہوئی تھی ۔ باگڑجی آپ کی زمین داری مین تھا ۔ یہان کے لوگون کی تعلیم اور معاشی ترقی کے لیے آغا صاحب اور ان کے آباو اجداد برابر ہی کوشان رہے ۔ آغا شہاب الدین نے اپنے مکان کے ایک حصے مین پہلا پرائمری اسکول کھولنے کی اجازت دی (اس سے قبل باگڑجی مین کوئی اسکول نہین تھا) اور اسکول کے جتنے اساتذہ تھے سب کی رہائش اور خورد و نوش کی ذمہ داری برابر اپنے سر لیے رہے ۔ "

" آغا تاج محمد کی والدہ اور نانی ایرانی خواتین تھین ۔ ان کا تعلق مرزا ابوطالب ایرانی کے خاندان سے تھا " اس بنا پر فارسی زبان و ادب سے دلچسپی اور مہارت انھون نے وراثت مین پائی تھی ۔ " ہونہار بروا کے چکنے پات "

" آغا صاحب اپنے پرائمری اسکول ہی کی تعلیم کے دوران اپنے ساتھیون مین بہت نمایان اور درخشان نظر آتے تھے ۔ تعلیم کی طرف رغبت تقریر اور تحریر کا شوق ان کو بچپن ہی سے تھا " ۔ جوہر شناس نظرین اس وقت بھی ان کے متعلق رائے قائم کر سکتی تھین کہ یہ لڑکا مستقبل مین ایک ماہر تعلیمات، اچھا مقرر اور جادونگار ادیب ہونے والا ہے ۔ چنان چہ آگے چل کر آپ نے سندھی اور اردو زبان کے ادیب کی حیثیت سے اپنا ایک مقام پیدا کیا ۔

میونسپل ہائی اسکول سکھر سے میٹریکولیشن کا امتحان امتیاز سے پاس کر لینے کے بعد ۱۹۲۵ء مین آغا صاحب نے ڈی ۔ جے ۔ سندھ کالج کراچی مین فرسٹ ایر آرٹس مین داخلہ لیا اور وہان سے ۱۹۲۹ء مین بی ۔ اے کی ڈگری لی ۔

۱۹۳۰ء مین مسلم جم خانہ، کراچی کے تحت انگریزی تقریر کے ایک مقابلے مین سکنڈ ہوئے ۔ فرسٹ مسٹر غلام علی الانہ ہوئے تھے ۔ مقررین کا یہ مقابلہ قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت مین ہوا تھا جو اس وقت پیر پگارو کے مقدمے کے سلسلے مین کراچی شریف لائے ہوئے تھے ۔ اس مباحثہ کے دو منصفین آنریبل مسٹر طیب جی اور ڈاکٹر داؤد پوتہ تھے ۔

جنوری ۱۹۳۰ء مین ڈاکٹر داؤد پوتہ نے آغا صاحب کو سندھ مدرسہ کراچی مین انگریزی ادب کے معلم کی حیثیت سے بلا لیا ۔ ڈاکٹر داؤد پوتہ اس وقت سندھ مدرسہ کراچی کے پرنسپل تھے اور آغا صاحب کے ادبی مذاق کے بہت زیادہ مداح اور دل دادہ تھے ۔ وہان آغا صاحب کو اپنی تعلیمی صلاحیت اور لیاقت دکھلانے کا موقع

ملا ـ ان کے درس و تدریس کا انداز ایسا لاجواب تھا کہ ان کی اس صلاحیت سے متاثر ہوکر انتظامیہ نے ان کو بی ـ ٹی کرنے کے لیے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھیج دیا ـ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی ـ ٹی کا امتحان امتیاز سے پاس کر لینے کے بعد وہ " سکنڈری ٹیچنگ سرٹیفیکٹ اکزامینیشن " کے ادارے مین لے لیے گئے اور وہان انھون نے اپنی لیاقت اور صلاحیت کا بہت اچھا اثر چھوڑا ـ

۱۹۳۵ء مین وہ " ایجوکیشنل سپروائزر آف اسکولز " مقرر ہوئے ـ یہان تعلیمی لیاقت کے ساتھ ان کی انتظامی صلاحیت کا بھی جوہر کھلا اور وہ اپنی ذمہ داریون سے بہت ہی اچھی طرح عہدہ برآ ہوئے ـ یہین سے وہ " ایڈمنسٹریشن افیسر آف ڈسٹرکٹ اسکول بورڈ " لاڑکانہ کی حیثیت سے بلا لیے گئے ـ یہان ان کی انتظامی صلاحیت اور تعلیمی مہارت کے پیش نظر لوگون نے ان کو ایک ماہر تعلیمات کی حیثیت سے جانا اور ۱۹۴۱ء مین حکومت نے ان کی تعلیمی خدمات کے اعتراف مین ان کو " قیصر ھند " میڈل سے نوازا ـ

۱۹۴۲ء مین حکومت نے ان کو سندھ کے مختلف اضلاع کے منتخب علاقون مین اشاعت تعلیم کی ایک اسکیم تیار کرنے کی دعوت دی جو انھون نے بہت حسن و خوبی سے انجام دیا ـ پھر اسی سال " ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن " خیرپور اسٹیٹ کی حیثیت سے ان کی تقرری عمل مین آئی ـ اس منصب پر بھی انھون نے بہت ہی ہوشیاری اور لیاقت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیا اور اس خدمت کے سلسلے مین ان کو حکومت نے ۱۹۴۵ء مین " خان صاحب " کا خطاب عطا فرمایا ـ

۱۹۴۷ء مین جب سندھ یونیورسٹی قائم ہوئی تو آغا صاحب اس کے پہلے رجسٹرار منتخب ہوئے اور اس نئی یونیورسٹی کو چلانے اور ترقی دینے مین انھون نے اپنی تمام صلاحیتون کو بروے کار لایا ۔ سندھ کے اسکول کے طلبہ کے لیے انھون نے بہت سی درسی کتابین بھی لکھین جن مین سے بعض اب بھی پڑھائی جاتی ہین ۔

آغا صاحب کو علم موسیقی سے بھی بہت شغف تھا اور وہ ایک اچھے موسیقار تھے ۔ قدرت کی طرف سے آواز بھی بڑی دل کش ودیعت ہوئی تھی ۔ تعلیمی دور مین وہ اپنی اس صلاحیت کے باعث اسکول اور کالج کے ڈرامٹک کلبون مین ہمیشہ " ہیرو " کا کردار ادا کرتے رہے اور اساتذہ اور طلبہ کے درمیان بہت مقبول رہے ۔ جوانی اور بڑھاپے مین بھی ان کا یہ شوق کم نہ ہوا اور وہ اکثر کلاسیکل موسیقی مین حصہ لیتے رہتے تھے ۔ شاہ لطیف بھٹائی کے اشعار کو وہ اکثر ایسے سرمستانہ اور والہانہ انداز مین پڑھتے تھے کہ سننے والون پر بیخودی طاری ہوجاتی تھی ۔

آغا تاج محمد خان کو اردو، فارسی، انگریزی اور سندھی زبانون پر کافی عبور حاصل تھا خصوصیت کے ساتھ سندھی اور اردو سے ان کو بڑی محبت تھی ۔ ان دونون زبانون مین انھون نے گران قدر تصانیف چھوڑی ہین ۔ شعر و شاعری سے انہین فطری لگاؤ تھا ۔ انیسؔ و دبیرؔ کے کلام کے شیدائی اور اقبالؔ کے پرستار تھے ۔ " اسرار خودی " اور " رموز بیخودی " کو وہ کبھی اپنے سے جدا نہین کرتے تھے ۔ علامہ اقبال کے کلام کو اکثر گنگناتے رہتے تھے اور ان کے بعض اشعار پر گھنٹون جھومتے رہتے تھے ۔

سندھی زبان مین آغا صاحب نے کئی مقالے اور مضامین لکھے ہین ۔ بہارستان ان کی ایک اہم نظم کی کتاب ہے ۔ یہ شیخ سعدی کی " بوستان " کا سندھی زبان مین منظوم ترجمہ ہے ۔ اس کو " آر ۔ ایچ ۔ احمد اینڈ برادرس " نے شائع کیا ہے ۔ " [1]

سندھی زبان مین آغا صاحب کا ایک اہم مقالہ "وحدت الوجود " پر ہے جس مین انھون نے بڑے عالمانہ انداز مین اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے ۔ اس مقالہ کو پڑھنے کے بعد اسلامی تصوف پر ان کا وسیع مطالعہ اور صوفی شعراء سے ان کی گہری وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے ۔

آغا صاحب نے اردو زبان مین خاصی کتابین لکھی ہین لیکن ان مین سے صرف چند ہی زیور طباعت سے آراستہ ہوسکی ہین اور بقیہ سب مخطوطہ کی شکل مین آغا شہاب الدین صاحب کے ذاتی کتب خانہ مین محفوظ ہین ۔ آغا صاحب کے ایک ذی علم ہم عصر ڈاکٹر ابراہیم خلیل حیدرآبادی نے ان کی علمی لیاقت اور شعر و ادب کی صلاحیت کے بارے مین اس طرح اظہار خیال کیا ہے :-

> [2] " آغا صاحب ایک ہونہار ادیب اور اعلیٰ پایہ کے شاعر ہین جو سنجیدہ فہمی اور خوش فکری سے کام کیا کرتے ہین اور ہمیشہ علمی اور ادبی مشاغل مین اپنے اوقات فرصت کو مصروف رکھتے ہین ۔ "

---

[1] آغا شہاب الدین کے فراہم کردہ تحریری مواد کے مطابق ۔
[2] تعارف عکس لطیف ص ۱۶ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۵۱ء

آغا صاحب کی مندرجہ ذیل اردو تصانیف میری نظر سے گزری ہیں :-

(۱) عکس لطیف (۲) دیہاتی گیت

(۳) حسین اور اسلام (۴) ٹھٹھا کی سیر

(۵) سندھ کے رسم و رواج (۶) آسان سندھی ریڈر

(۱) عکس لطیف (حصہ اول مطبوعہ) - یہ کتاب ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی ہے - اس کتاب کے ذریعہ آغا صاحب نے اردو دان طبقے کو شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری سے متعارف کرانے کی کامیاب کوشش کی ہے - نمونۂ تحریر کے لیے ہم اس کتاب سے چند سطور پیش کرین گے جن مین انھون نے شاہ صاحب کی شاعری پر اپنی رائے ظاہر کی ہے :-

[1] " شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری کو سندھی ادب مین بجا طور پر ادب اعلیٰ کہا جاسکتا ہے - آپ صرف شاعر نہ تھے بلکہ ولی کامل اور صاحب بصیرت بھی - آپ ایسے دور مین سندھ مین پیدا ہوئے جب یہان جاہ پرستی اور شخصیت نوازی کا زور تھا - عالم گیر برادری مین حب اللہ اور حق العباد کی پاس داری کا دور دور تک پتا نہ تھا - اس وقت کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی مصلح صالح اور مومن کامل پیدا ہو جو لوگون کے لیے مشعل ھدایت کا کام کرے - یہ ضرور ہے کہ آپ کی شاعری کی ابتدا حجاز سے ہوئی لیکن خدا جس فرد کو جس کام کے لیے چنتا ہے اس سے وہی کام لیتا ہے - چنانچہ شاہ صاحب بھی

---

[1] عکس لطیف ص ۱۵

زیادہ دنوں تک مجازی شاعر نہیں رہے اور جلد ہی اپنے اصلی رنگ میں نظر آنے لگے ۔ آپ نے عوام کی زبان میں ان کی روایات، ماحول اور لوک گیت وغیرہ کی مدد سے کچھ ایسے انداز سے دعوت دی کہ لوگ دور دور سے آکر آپ کے گرد جمع ہوگئے ۔ یہ خشک مولوی کا وعظ نہ تھا جسے لوگ ایک کان سنتے اور دوسرے کان اڑا دیتے ۔ شاہ صاحب کا ذریعہ تبلیغ نغمہ تھا اور ایسا نغمہ جسے لوگ سنتے ہی یہ سمجھتے کہ انہیں کے دل کی آواز ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ شاہ صاحب کا دل قوم کے دل کا آئینہ تھا ۔ وہ سب کچھ دیکھتے، سمجھتے اور محسوس کرتے تھے اور یہ کیسے ممکن تھا کہ دل سے نکلی ہوئی بات دلوں پر اثر نہ کرتی ۔ اس آواز نے اثر کیا اور اچھی طرح یہ تیر نشانہ پر بیٹھا اور دل و جگر میں ترازو ہوگیا ۔ یہ نغمہ اس وقت بھی گونجا اور آج بھی وہ گلزار سندھ میں گونج رہا ہے اور پڑھنے والے آج بھی جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں ۔"

(۲) دیہاتی گیت ۔ یہ اٹھارہ صفحات پر مشتمل ایک مختصر سا قلمی رسالہ ہے جس میں آغا صاحب نے دیہاتی گیت، ان کی خوبیاں، طرز ادا، پس منظر، قومی روایات اور دیہاتی گیتوں کی کشش سے بحث کی ہے ۔ بیچ بیچ میں چھوٹی چھوٹی کافیاں سندھی زبان سے نقل کرکے ان کے ترجمے بھی سلیس اردو میں دیے گئے ہیں جن سے اس رسالہ کی دل کشی اور افادیت بڑھ گئی ہے ۔ نمونہ تحریر کے لیے ایک جگہ سے اس کا اقتباس درج ذیل ہے :۔

ﻪ[1] " ادب کی دو قسمین ہین ـ ایک وہ جو رفتار زمانہ کے ساتھ پھولتا پھلتا یا زوال پذیر ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو فطرت انسانی کا آئینہ ہے ـ پہلے قسم کا ادب ایک حد تک مخصوص ملکی و تمدنی حالات کی پیداوار ہوتا ہے لیکن دوسرے قسم کا ادب ہر ایک زمانے مین ایک سا رہتا ہے ـ اس مین انسان کے اساسی جذبات کا اظہار ہوتا ہے جو آج سے ہزار برس پہلے بھی وہی تھا جو اب ہے اور یہ ایک دائمی کیفیت رکھتا ہے ـ اس قسم کے ادب نے غیر تعلیم یافتہ قبیلون، گروہون اور جماعتون مین جنم لیا اور آج بھی گاؤن کے دہقانون کاشتکارون، مزدورون اور ان پڑھ طبقہ کے لوگون کے درمیان سیدھے سادے گیتون، چھوٹی چھوٹی کہانیون اور انمول کہاوتون کی شکل مین پایا جاتا ہے ـ گو اس مین زبان کی چاشنی، محاورون کا ہیر پھیر، مصنوعی جذبات، الفاظ کے طمطراق اور فلک پیما خیالات نہین پائے جاتے ـ تاہم فطرت کی سادگی، جذبات کی گہرائی، واقعات کی صداقت، محبت کی سچائی اور انداز بیان کی دل نشینی اہم طور پر موجود ہوتی ہے ـ ان کے موضوع بادشاہون کے محل، کلبون کی رنگینیان، شہرون کی کاروباری زندگی، بین الاقوامی مسائل اور سائنس کے نئے تحقیقاتی مرحلے نہین ہوا کرتے بلکہ جنسی محبت، مان باپ بھائی بہن خاوند بیوی کی محبت، پیا کی جدائی کا رنج، سوکن سے نفرت، ساس کا ڈر، نند کا غصہ، دیبیون اور دیوتاؤن کا ذکر اور گاؤن کی معصوم زندگی کے مختلف پہلو ہوا کرتے ہین ـ "

ﻪ[1] دیہاتی گیت (قلمی) ص ۲ ـ ۳ ـ محفوظ در کتب خانہ آغا شہاب الدین صاحب حیدر آباد

(۳) حسین اور اسلام ـ یہ آغا صاحب کا ایک تحریری خطبہ ہے جس کو انھون نے کسی جلسے مین پڑھنے کے لیے لکھا تھا ـ اس مین آغا صاحب کی اہل بیت سے محبت اور عقیدت بہت زیادہ نمایان ہے ـ کربلا کے واقعات کو بڑے جوش و خروش اور جذباتی انداز مین پیش کیا گیا ہے ـ

(۴) ٹھٹا کی سیر ـ یہ مضمون آغا صاحب نے ٦ مارچ ۱۹۲۹ء کو لکھا تھا ـ اس مین قدیم تاریخی شہر ٹھٹا کی تہذیبی اور تمدنی حیثیت سے بحث کی گئی ہے ـ اس کی تحریر مین سفرنامہ کی سادگی اور تاریخ کا عالمانہ وقار بہت زیادہ نمایان ہے ـ ایک جگہ سے چند سطور نمونۂ تحریر کے طور پر درج ذیل ہین :ـ

[1] "ایک طرف ٹھٹا کی بڑی بڑی عمارتین، عظیم الشان عیدگاہ اور اونچے اونچے مزار شہر کی گذشتہ عظمت کا پتا دیتے ہین تو دوسری طرف ان نقش و نگار سے جو مختلف عمارتون پر بنے ہوئے ہین اور پھر ان عمارتون کی مضبوطی اور کاری گری سے اس دور کی صنعت و حرفت کا پتا چلتا ہے ـ اس کے علاوہ عربی اور فارسی اشعار سے جو اکثر عمارتون کے پتھرون پر کھدے ہوئے ہین اس زمانہ کے لوگون کی علمی اور ادبی صلاحیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے ـ لاکھون مزار اس بات کا پتا دیتے ہین کہ یہ شہر کتنا قدیم اور بڑا تھا ـ"

(۵) سندھ کے رسم و رواج ـ آغا صاحب کا یہ مقالہ تاریخی نوعیت کا ہے ـ اس مین عربون کے حملے کے بعد سندھ کے تہذیب و تمدن اور رسم و رواج پر جو اثرات

---

[1] آغا شہاب الدین کے ذاتی کتب خانہ مین محفوظ قلمی مسودہ سے ـ

مترتب ہوتے ہین اس کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے ۔ آغا صاحب کا خیال ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب قدیم ہے اور ہندوستانی تہذیب و تمدن کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا ہے ۔ آثار قدیمہ کے حوالے سے انہون نے یہ ثابت کیا ہے کہ قدیم زمانے مین جب اکثر ممالک مین تہذیب و تمدن کا نام کی کوئی چیز نہ تھی، وادئ سندھ کی تہذیب اپنی انتہائی عروج پر تھی ۔ یہ مقالہ آغا شہاب الدین کے ذاتی کتب خانہ مین مخطوطہ کی شکل مین ہے ۔ نمونۂ تحریر ملاحظہ ہو ۔

[1] " عموما " دیکھا گیا ہے کہ جس وقت سندھ کے ادبی و کمال، حرفت و ہنر، تہذیب و تمدن، آسائش اور آسودگی کے لیے فیلسوفان دھر اور فصیح و بلیغ شعرائے کرام میدان سخن مین قدم رکھنا چاہتے ہین تو اس وقت انھین اپنا اسپ تخیل لنگ نظر آتا ہے ۔ مورخین دنیا اس بات پر متفق ہین کہ ہندوستان مین انسانی تہذیب و تمدن کے سلسلے کا آغاز سندھ کی متبرک زمین سے ہوا ۔ آثار قدیمہ سندھ کی دولت مندی اور انسانی اخلاق کا مکمل ثبوت دیرہے ہین ۔ "

(٦) آسان سندھی ریڈر (حصہ اول) ۔ اس چھوٹی سی کتاب کے ذریعہ اردو دان حضرات کو سندھی زبان سیکھنے مین آسانی فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ یہ ریڈر آغا صاحب نے اس وقت لکھی تھی جب کہ وہ سندھ یونیورسٹی کے رجسٹرار تھے یعنی ۱۹۴۷ء کے بعد برصغیر ہندوستان سے اردو بولنے والے مسلمانون کا قافلہ جب سندھ کی آغوش مین پناہ لینے کے لیے جوق در جوق اتر رہا تھا اس وقت

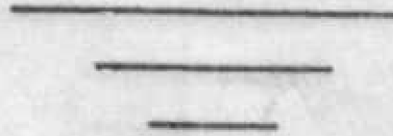
---

[1] آغا شہاب الدین کے ذاتی کتب خانہ مین محفوظ قلمی نسخہ سے ۔

ان کو اپنے انصار اور محسنون کی زبان سے جلد از جلد واقف ہونے کی ضرورت تھی ۔ اس ضرورت کو محسوس کر کے آغا صاحب نے غالبا " یہ ریڈر لکھی تھی اور اس کی اشاعت سے یقینی بہت سے لوگون کو فائدہ پہنچا ہوگا ۔

آغا صاحب سندھی اور اردو زبان کے صاحب طرز ادیب اور انشاپرداز مانے جاتے ہین ۔ ان کی والدہ اور نانی چون کہ ایرانی تھین اور فارسی زبان مان کی طرف سے وراثت مین ملی تھی اس لیے سندھی اور اردو دونون مین ان کے یہان فارسی الفاظ کا استعمال بکثرت ملتا ہے لیکن خوبی یہ ہے کہ ہر لفظ برمحل اور مناسب ہوتا ہے ۔ ان کی اردو تحریر مین خاصا زور اور عالمانہ وقار پایا جاتا ہے ۔ ان کے طرز تحریر مین بڑی روانی، صفائی اور دل کشی پائی جاتی ہے ۔

آغا صاحب کا انتقال ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو دوران ملازمت حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے ہوا ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ



مولانا عبدالکریم سندھی

" مولانا عبدالکریم سندھی کا تعلق سندھ کے بھٹی خاندان سے تھا ۔ آپ کے والد مولوی حسین بخش بھٹی حیدرآباد مین محلہ گاڑی کھاتا قاضی عبدالکریم روڈ پر رھتے تھے ۔ مولانا عبدالکریم کی پیدائش یہین ۲۶/ اپریل ۱۹۰۵ء کو ھوئی ۔ آپ نے علوم ظاھری اور باطنی کی تحصیل مولانا حافظ الحاج شاہ غلام رسول قادری سے کی ۔ مولانا شاہ غلام رسول صاحب ایک جید عالم کے ساتھ روشن ضمیر صوفی بھی تھے ۔ سولجر بازار مین "جامعہ قادریہ" مین درس و تدریس کے مشغلہ کے ساتھ رشد و ھدایت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے ۔ مولانا عبدالکریم سندھی قادریہ سلسلہ مین ان ھی کے ھاتھ پر مرید ھوئے ۔

مولانا عبدالکریم کے والد ماجد مولوی حسین بخش اورنگ زیب مسجد حیدرآباد کے امام اور خطیب تھے ۔ ضعیفی کے باعث وہ جب علاحدہ ھوئے تو ان کی جگہ پر مولانا عبدالکریم صاحب کو قوم نے ان کی جگہ منتخب کرلیا ۔ پھر کچھ دنون کے بعد الحاج میرزا محمد افضل بیگ صاحب کے اصرار پر وہ مسجد پھلیلی کے امام اور خطیب کی حیثیت سے کام کرنے لگے ۔

مولانا کی شادی ھوئی تھی لیکن ان کو کوئی اولاد نہین ھوئی ۔ خلق خدا کی خدمت مین وہ منہمک رھتے تھے ۔ اور قوم کے بچون کو اپنی ھی اولاد سمجھتے تھے ۔ اخر عمر مین بینائی جواب دے گئی اور اس حادثہ نے ان کو پاگل بنا دیا ۔

اور اسی دیوانگی کے دورہ مین ان کا انتقال عیدالفطر کے دن ۱۹۵۷ء کو ہوا ۔ عوام ان کی بزرگی کی وجہ سے ان کا بڑا احترام کرتے تھے ۔ جنازہ مین بہت زیادہ لوگون نے شرکت کی ۔" (۱)

مولانا عبدالکریم صاحب اردو کے بہت اچھے نثر نگار تھے ۔ آپ وقتا" فوقتا" اردو زبان مین مضامین بھی لکھتے رہتے تھے ۔ آپ کی ایک مطبوعہ تصنیف " فتنہ قادیانیت " ہے جو خاصی تحقیق اور ذمہ داری سے لکھی گئی ہے ۔ اس کی زبان نہ صرف صاف اور روان ہے بلکہ موضوع کے حسب حال عالمانہ اور مدلل بھی ہے ۔ اس کا اقتباس بطور نمونہ درج ذیل ہے :-

" خلیفہ عبدالملک ابن مروان کے عہد خلافت مین حارث نامی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو خلیفہ نے علماے وقت (جو صحابہ و تابعین تھے) کے متفقہ فتویٰ سے اس کو قتل کیا اور سولی پر چڑھایا ۔

خلافت عباسیہ مین خلیفہ مہدی کے عہد خلافت مین ہاشم نامی (عرف مقنع یعنی نقاب پوش) نے دعویٰ نبوت کیا، خلیفہ نے اس کو مرتد قرار دے کر ایک لشکر خراسان مین جہاد کے لیے روانہ کیا ۔ نتیجہ مین مقنع بھی کئی مرتدون کے ساتھ قتل ہوا ۔ اور اس کا سر کاٹ کر مال غنیمت کے ساتھ دربار خلافت مین بھیجا گیا ۔

الغرض مسیلمہ کذاب یا دوسرے کذاب جنھون نے دعویٰ نبوت کیا ان کے واقعات اور صحابہ کرام کا عمل بلا کسی پس و پیش اور بغیر کسی مطالبہ معجزات کے ان کو کذاب اور دجال مرتد قرار دینا اور قتل کرنا

---

(۱) یہ تمام حالات میرزا محمد افضل بیگ صاحب اور مراد علی ولد اللہ داد خان بخشی پار پھلیلی، ستار گلی، حیدرآباد سے حاصل ہوئے ۔

(۲) فتنہ قادیانیت از مولوی عبدالکریم سندھی مطبوعہ محبوب پریس، حیدرآباد، سندھ ص ۲۵ ـ ۲۶

پیر سید فضل اللہ شاہ صاحب علم و فضل کے ساتھ ساتھ درویشی مین بھی اپنا مقام رکھتے تھے ۔ فقر و غنا آپ کو بہت پسند تھا ۔ تبلیغ دین اور عبادت و ریاضت ہی آپ کا مقصد حیات تھا ۔ دنیا کی بے حقیقتی اور بے ثباتی کا ان کے دل پر گہرا اثر تھا ۔ ایک بار ایک ویران مقام سے گزر رہے تھے جہان کچھ بکریان اور گائین چر رہی تھین ۔ اس مقام کو دیکھ کر تھوڑی دیر آپ خاموش کھڑے رہے پھر فرمایا " اگر مجھے یقین ہوتا کہ میرے ورثاء میری وصیت کو مان لین گے تو مین انھین وصیت کرتا کہ مجھے اسی ویران مقام پر دفن کرنا اور اس طرح دفن کرنا کہ قبر کا نشان باقی نہ رہے ۔ "

پیر سید فضل اللہ شاہ کو عربی، فارسی، سندھی اور اردو چارون زبانون پر دسترس حاصل تھا ۔ سندھی، عربی، فارسی کے علاوہ اردو زبان مین بھی آپ نے کچھ تصانیف چھوڑی ہین ۔ آپ کی دو اردو تصانیف جو مخطوطہ کی شکل مین کتب خانہ درگاہ شریف مین محفوظ ہین، حضرت پیر سید بدیع الدین شاہ صاحب کی مہربانی سے راقم الحروف کو دیکھنے کو ملی ہین ۔ ان مین سے ایک نام " البلاغ التحقیق بالتحقیق العمیق " اور دوسرے کا نام " المقالۃ المحبوبہ فی الدعا بعد الصلواۃ المکتوبہ " ہے ۔

(۱) المقالۃ المحبوبۃ فی الدّعا بعد الصّلواۃ المکتوبۃ :- یہ پیر سید فضل اللہ شاہ کی پچاس صفحات پر مشتمل ایک مذہبی تصنیف ہے ۔ اس کتابچہ کا موضوع " دعا بعد نماز " ہے ۔ بعض لوگون کا خیال ہے کہ نماز چونکہ خود ایک دعا ہے

اس لیے نماز کے بعد هاتھ اٹھاکر دعا مانگنا درست نہین ۔ پھر سید فضل اللہ شاہ صاحب نے اس مختصر سے کتابچہ مین اس کی تردید کی ھے اور بعض آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی مین ثابت کیا ھے کہ نماز کے بعد هاتھ اٹھاکر دعا مانگنی چاهیے کیون کہ یہ وقت دعاؤن کی قبولیت کا هوتا ھے اور اس سے نماز خراب نہین هوتی ۔ یہ رسالہ جیسا کہ اس کے سنہ تصنیف سے ظاهر هوتا ھے ۱۳۲۷ھ مین لکھا گیا ھے ۔ موضوع اور زبان کے لحاظ سے یہ ایک قابل قدر کتاب ھے ۔ نمونۂ تحریر کے طور پر اس قلمی کتاب سے کچھ اقتباسات درج ذیل هین :-

" دعا بعد صلواۃ مکتوبہ با جماعت هاتھ اٹھاکر مانگنے کے جواز مین کوئی شبہہ نہین بلکہ مسنون ھے ...... کیون کہ دعا طلب کرنا ھے حاجت کا شرع سے ان کے قاضی سے ۔ والقاضی المطلق هو اللہ الواحد الصمد لم یلد ولم یولد تو اب بندہ کو جب اپنی حاجت کے قضا کے لیے طلب کرنا ھے تو بلاخدشہ و خطرہ ...... اپنے قاضی مطلق و شافی بوحق مین یقین بالاجابۃ کرکے طلب کرے عند تو مرتبہ اجابت پاوے ۔ لا سیما ادبار الصلواۃ المکتوبات فانہ وقت الاجابۃ کمایاتی ان شاء اللہ تعالی[1] ۔ اگرچہ دعا بعد صلواۃ مکتوبہ بغیر رفع الیدین کی مسنونیت بھی ثابت ھے لیکن هاتھ اٹھانا داعی کا اولی[1] و ارضی[1] ھے کیون کہ داعی کے لیے مستحسن یہ ھے کہ بعض اداب کو دعا کے لیے مراعۃ کرے ۔ "[1]

---

[1] المقالۃ المحبوبہ فی الدعا بعد الصلواۃ المکتوبۃ ۔ قلمی ص ۲ ۔ ۳

" پس دعا کے اداب کثرت سے وارد هین لیکن جو مسئله مبحوث
فیہا سے مناسبت رکھتے هین وہ صرف تین هین ۔ الاول[1] رفع الیدین
فی الدعا کیون کہ ہاتھ اٹھانا دعا مین تضرع و تواضع ہے .....
والثانی[2] الدعا مع الجماعۃ کیونکہ اس مین کوئی شك نہین کہ دعا
با جماعت مانگنا تفرد سے زیادہ مستحسن اجابت و اثابت ہے ......
الثالث[3] تقدیم عمل صالح لیکون ذالك وسیلۃ للاجابۃ کیونکہ یہ
بات مسلم اور موثق ہے کہ جب خادم کوئی ایسا عمل کرے جو عند مالك
محبوب هو اور اس کے بعد کوئی سوال کرے تو اس وقت مین سوال کی
اجابت بلا شك هوجاتی ہے تو اسی طرح بندہ کو بھی لازم ہے کہ دعا
مانگنے وقت قبل اس کے کوئی ایسا عمل صالح کرے جو عند ربہ محبوب
هو بعد اس کے اپنے مطلب کے لیے سائل هوئے ۔ "

(۲) البلاغ التحقیق بالتحقیق العمیق :۔ یہ ۳۵ صفحات پر مشتمل ایك مقالہ ہے جس کو پیر جھنڈو سید فضل اللہ شاہ نے ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء مین موضع خان پور کے ایك مذهبی اجتماع مین پڑھنے کے لیے لکھا تھا ۔ آپ نے اس جلسے کی صدارت بھی فرمائی تھی اور اس طرح اس مقالے کو خطبۂ صدارت بھی کہا جاسکتاہے ۔ یہ مخطوطہ پیر سید محب اللہ شاہ' درگاہ شریف کے خاندانی کتب خانہ مین محفوظ ہے ۔ نمونہ تحریر درج ذیل ہے :۔

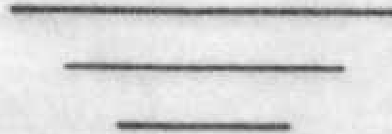
[1] " غرضیکہ قرآن شریف مین روحانی و جسمانی اصلاح کے لیے عجیب و غریب
نسخے موجود هین اور همارے دینی و دنیوی منافع حاصل کرنے کے لیے

---

[1] البلاغ التحقیق بالتحقیق العمیق ۔ قلمی ص ۳

بھی قرآن کریم میں عمدہ عمدہ طرائق بیان کئے گئے ہیں ۔ بطور نمونہ یہاں دو نسخہ ایک مرض روحانی کے لیے مثلاً " قساوۃ قلب " دوسرا مرض جسمانی کے لیے مثلاً " تنگئ رزق ذکر کئے جاتے ہیں ۔ روحانی امراض کے دفع اور ان سے صحت پانے کے لیے دوا واللہ عزوجل کا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الابذکر اللہ تطمئن القلوب ۔ یعنی خبردار تمہارے قلوب تندرست اللہ کے ذکر سے ہوتے ہیں ۔"

پیر سید فضل اللہ شاہ کی اردو نثر سادہ کہ رواں اور عالمانہ ہوتی ہے ۔ ان کی دونوں تصانیف کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان پر ان کو خاص دسترس حاصل ہے لیکن زبان اور ادب کے لحاظ سے ارتقائے ذہنی کا پتا نہیں چلتا ۔ پہلی اور دوسری کتاب میں زبان ایک ہی سی معلوم ہوتی ہے اور اس کی بڑی وجہ دونوں کتابوں کا موضوع مذہبی ہوتا ہے ۔ ان کے لکھنے کا انداز مذہبی موضوعات کے مین مطابق ہے ۔ عربی اور فارسی کے الفاظ اکثر استعمال کرتے ہیں ۔



قاضی علی اکبر درازی

" قاضی علی اکبر درازی سندھ کے ایک ممتاز اور ذی علم خاندان سے تعلق رکھتے ہین ۔ مغل بادشاہ غازی محمد شاہ نے آپ کے جد اعلیٰ شیخ خیرالدین ولد شیخ محمد کو قاضی القضات کے عہدے سے نوازا تھا ۔ قاضی شیخ خیرالدین اس منصب کے بعد بھکر سے ملتان منتقل ہوگئے تھے ۔ پھر جب سندھ پر انگریزون کا قبضہ ہوا تو انگریز گورنر سر چارلس نپیر کے حکم سے وہ روھڑی چلے آئے اور یہین متوطن ہوگئے ۔ آپ کے والد قاضی علی محمد صاحب روھڑی کے اچھے زمین دار تھے اور آج بھی ان کا خاندان روھڑی مین ذی عزت گھر سمجھا جاتا ہے ۔ قاضی علی اکبر درازی ۲۸ جولائی ۱۸۹۵ء کو یہین روھڑی مین پیدا ہوئے ۔

ابتدائی تعلیم قاضی علی اکبر صاحب کی یہین روھڑی کے پرائمری اسکول اور اے ۔ وی اسکول مین ہوئی ۔ چھٹی جماعت پاس کرنے کے بعد وہ گورنمنٹ ھائی اسکول سکھر مین داخل ہوئے اور ۱۹۱٦ء مین یہین سے میٹرک پاس کیا اس دور مین میٹرک کی تعلیم بہت اہم سمجھی جاتی تھی ۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد ۱۹۱۷ء مین آپ

ریونیو ڈیپارٹمنٹ مین ملازم ہوگئے اور ۲۸ جولائی ۱۹۵۰ء کو پچپن سال کی عمر مین
ٹریزری آفیسر، سکھر کی حیثیت سے ریٹائر ہوکر پھر محکمۂ خوراک مین ایک سال کے
لیے لے لئے گئے ۔ یہان سے فارغ ہوکر روھڑی چلے آئے ۔ یہان میونسپل کمیٹی کے
پانچ سال تک ممبر اور پھر چئرمین رہے اس کے علاوہ آپ ڈپٹی رجسٹرار کواپریٹیو
سوسائٹی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہین [1] ۔"

قاضی صاحب کو شعر و ادب کا پیدائشی ذوق ہے ۔ آپ ہمیشہ لکھتے ہی رہتے
ہین ۔ سندھی، اردو اور انگریزی مین آپ کی بہت سی تصانیف موجود ہین ۔ حضرت
سچل سرمست کے آپ عاشق زار ہین ۔ ان سے عقیدت اور ارادت غیر معمولی رکھتے ہین ۔
آپ بہت با اخلاق اور صوفی منش بزرگ ہین ۔ اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق آپ نے
اپنی زندگی کا بہت بڑا مقصد حضرت سچل سرمست کی تعلیمات کو عام کرنا اور ان کے
کلام کو عوام مین روشناس کرانا قرار دیا ہے ۔ چنان چہ سندھی اور اردو مین آپ کی
بہت زیادہ تصانیف حضرت سچل سرمست کی سوانح اور تعلیمات سے متعلق ہین ۔
انھون نے ان کے فارسی اور سندھی کلام کو روشناس خلق کرنے کے لیے بڑی کوششین
کی ہین ۔ وہ خود بھی شاعر ہین اور غلام اکبر تخلص فرماتے ہین ۔ ان کے سندھی
اور سرائیکی زبان کے اشعار کا مجموعہ " دیوان غلام اکبر " کے نام سے موجود ہے ۔
قاضی صاحب سندھی زبان کے صاحب طرز انشاپرداز اور ادیب ہین ۔ سندھی مین آپ

---

[1] قاضی صاحب کے حالات زندگی اور دیگر معلومات مجھے جاوید ندیم اینڈ کمپنی ۱۱ / ۹۱
ایف نارتھ کراچی ۳۶ اور خود ان کے مہیا کردہ تحریر سے حاصل ہوئی ہین ۔

کی تقریبا " مندرجہ ذیل بائیس کتابون کی فہرست ملی ھے جو خود انھون نے فراھم کی ھے :-

(۱) دولھ درازی (۲) داتا درازی (۳) درد جو داستان

(۴) عشق حبیب (۵) قرۃ العین الرسول (٦) بیعت الرضوان

(۷) فاتح سندھ (۸) سخی سرتاج دفعہ اول (۹) سخی سرتاج دفعہ دوم

(۱۰) سوانح حیات سردار بہادر محمد بخش (۱۱) دیوان غلام اکبر

(۱۲) شہنشاہ عشق (۱۳) سرتاج الشعراء (۱۴) سفرنامہ ایران و عراق

(۱۵) مثنوی عشق نامہ (۱٦) دردنامہ (۱۷) گداز نامہ (۱۸) تارنامہ

(۱۹) رھبر نامہ (۲۰) راز نامہ (۲۱) دیوان خدائی

اردو مین ان کے مندرجہ ذیل مطبوعہ مقالے موجود ھین :-

(۱) شاعر ھفت زبان (۲) عظیم شاعر اور مفکر سچل سرمست

(۳) سرتاج الشعراء

یہ سب حضرت سچل سرمست سے متعلق ھین ۔ اس کے علاوہ آپ نے حضرت سچل سرمست المتخلص بہ آشکار کے فارسی کلام کو مع اپنے اردو ترجمہ کے (۱) مثنوی وحدت نامہ (۲) مثنوی وصلت نامہ (۳) مثنوی عشق نامہ (۴) مثنوی درد نامہ (۵) مثنوی گداز نامہ (٦) مثنوی تارنامہ (۷) مثنوی رھبر نامہ (۸) غزل بحر طویل وغیرہ کے نام سے شائع کر چکے ھین ۔ ان فارسی اشعار کے ترجمے سے قاضی صاحب کی نہ صرف فارسی زبان پر قدرت کاملہ کا بلکہ اردو زبان پر ان کی مہارت کا بھی اندازہ

ہوتا ہے ۔ پھر تصوف میں بھی بعض نکتوں کی وضاحت انھوں نے آشنائے راز ہوکر کی ہے ۔ مثال کے طور پر ہم دو چار فارسی اشعار کا ترجمہ پیش کرتے ہیں :-

ـــہ ۱ *

(۱) عقل صورت گر درین دھر خراب عشق صورت ھا بہ گل کردہ خراب	اس دنیا میں عقل نئی نئی شکلیں بناتی ہے اور عشق ان شکلوں کو بگاڑ دیتا ہے ۔
(۲) عقل اندر ھر دو عالم در فراق عشق دادہ ھر دو عالم را طلاق	عقل دونوں جہانوں میں اصل حقیقت سے دور ہے اور عشق نے دونوں جہانوں کو ترک کیا ۔
(۳) عقل اندر کار سازیٔ جہان عشق اندر بے نیازیٔ جہان	عقل دنیا داری میں مصروف ہے ۔ اور عشق دنیا سے بے نیاز ہے ۔
(۴) اے دل آخر ~~تو معقول و شوشوند~~ بگذر از ھر نیک و بد چند باشی در عقول و در خرد	اے دل ہر نیک و بد سے گذر جا ۔ آخر تو کب تک عقل و خرد کے چکر میں رہے گا ۔
(۵) اے دل آخر بگذر از کون و مکان تانہ بینی خویشتن را درمیان	اے دل دنیا و مافیہا سے آگے نکل جا ۔ اس قدر کہ تیرا وجود درمیان میں حائل نہ رہے

اب ہم رسالہ مخزن نواب شاہ سے ان کے ایک مقالہ " سچل سرمست سندھ کا اردو شاعر " کے کچھ اقتباسات نمونۂ نثر کے طور پر درج ذیل کرین گے :-

ـــہ ۲ سچل سرمست کا کلام سراپا الہام، محبت و سوز، درد و گداز، کیف و حال، جذب و جلال، موج و مستی کے فلسفہ کا ایک بھرپور گنجینہ ہے جو بےخودی اور سرمستی کے عالم میں کہا گیا ہے .... اردو شعر میں جو نازک خیالی دکھائی گئی ہے وہ قابل قدر ہے ۔ ان ہی حالات کے تحت آپ کو شہنشاہ عشق اور

ـــہ ۱ وصلت نامہ ۔ مرتب قاضی علی اکبر درازی ۔ مطبوعہ سچل سرمست کواپریٹو اکیڈمی لمیٹڈ خیرپور ۱۹۶۵ء ص ۵۲ ۔ ۵۶

ـــہ ۲ رسالہ مخزن سچل سرمست آرٹس اینڈ کامرس کالج نواب شاہ بابت ۱۹۶۶ ۔ ۱۹۶۷ء ص ۱۳ ۔ ۱۴

منصور ثانی کہا جاتا ہے ۔ سرمست نے جب منصوری نعرہ بلند کیا تو علماء نے ان کو تعزیر دینے کا ارادہ کیا ۔ حضرت سرمست نے علماء سے کہا کہ جس وقت میری زبان سے اناالحق کا نعرہ سنین اس وقت مجھے قتل کر دین ۔ اس اثنا مین انہین حال آگیا ۔ اور ان کی زبان سے اناالحق نکلنے لگا ۔ علماء نے ان پر تلوار کے کتنے وار کیے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا ۔ جب حال کی کیفیت باقی نہ رہی تو علماء نے ان کو تمام حقیقت سے آگاہ کیا ۔ سرمست نے کہا یہ نعرہ مین نہین لگاتا بلکہ وہ ذات باری لگاتی ہے چنانچہ ایک اور جگہ اپنے فارسی کلام مین فرمایا :-

" من نمی گویم یارے گوید بگو ۔ "

قاضی علی اکبر درازی صاحب کی اردو نثر خاصی شگفتہ اور دل کش ہوتی ہے ۔ ان کا تصنیفی کارنامہ بہت زیادہ سندھی زبان مین ہے لیکن اردو مین بھی جو کچھ لکھا ہے وہ لائق صد ستائش ہے اور بلا شبہہ انھون نے اردو زبان و ادب کو بہت کچھ دیا ہے ۔



حکیم شمس الدین

حکیم شمس الدین صاحب کے والد ماجد کا نام حکیم عبداللہ تھا ۔ سندھ کی معروف و مقبول شخصیت قاضی فضل اللہ آپ کے چھوٹے بھائی تھے ۔ ۱۸۹۵ء میں نوشہرہ فیروز ضلع نواب شاہ میں پیدا ہوئے ۔ ابتدا میں سندھی اور پھر عربی و فارسی زبانوں کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دھلی تشریف لے گئے اور طبیہ کالج دھلی سے طب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسی کالج میں پروفیسر ہوگئے ۔ دس سال تک دھلی میں رہ کر سندھ واپس آئے ۔ اور پہلے کراچی پھر حیدر آباد میں مطب قائم کیا ۔ سندھ کے طبیہ کالج میں پروفیسر اور پھر پرنسپل کے عہدے پر فائز رہ کر اپنے فرائض بہت حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے ۔ " آل پاکستان آیورویدک و طبی کانفرنس" شعبہ سندھ کے صدر بھی منتخب ہوئے ۔

عرصہ تک دھلی میں مقیم رہنے اور عربی فارسی اردو کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ان کی اردو زبان بہت صاف اور سلیس ہوگئی تھی ۔ ان کی اردو نثر پختہ کار ادیبوں کی طرح ہوتی تھی ۔ اردو زبان میں ان کی کتاب " آسان علاج " ایک

بہت اچھی تخلیق ہے ۔ آپ کے طبی اور معلوماتی مضامین لاہور کے اردو اخبارون مین برابر چھپتے رہتے تھے ۔ قیام پاکستان سے پہلے اور بعد سندھ مین اردو زبان کی اشاعت اور خدمت مین آپ کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے ۔ آپ کی اردو نثر کا نمونہ درج ذیل ہے :۔

[1] " مرد اور عورت مین ایک فطری کشش اور لگاؤ ہے ۔ اور اس کشش کی غائت یہ ہے کہ جنسی تعلقات کے ذریعہ نسل انسانی بڑھے ۔ فطرت نے نسل انسانی کی افزائش کا ذریعہ مرد اور عورت کی جنسی ملاپ پر رکھا ہے اس وجہ سے مرد اور عورت کی خواہشات نیز اس کے متعلق تمام کیفیات و حالات ایک جیسے ہین ۔ اور یہ قدرتی قانون بھی دیگر فطری قوانین کی طرح اٹل ہے ۔"

---

(۱) " سندھی کے جدید اردو مصنفین " ص ۱۶۳

میرزا گل حسن کربلائی

" میرزا گل حسن کربلائی سندھ کے ایک ممتاز اور ذی عزت خانوادے سے تعلق رکھتے تھے ـ آپ کے والد میرزا دوست محمد دوست اور دادا میرزا علی بخش میران سندھ کے معتقدین خاص میں تھے ـ میرزا گل حسن کربلائی کا خاندان پہلے خیرپور میں آباد تھا ـ حیدرآباد کے تال پور حکم رانوں نے اس خاندان کو اپنے قریب حیدرآباد "ٹنڈو آغا" میں آباد کرایا اور بہت اعزاز و منصب سے سرفراز کیا ـ میرزا گل حسن کربلائی کے چھوٹے بھائی میرزا علی بخش کوثر کا بھی اس مقالے میں تذکرہ آیا ہے ـ یہ پورا خاندان شعر و ادب کا دل دادہ تھا ـ میرزا دوست محمد دوست کا تذکرہ جناب نبی بخش خان بلوچ نے اپنی تصنیف "سندھ میں اردو شاعری" میں تفصیل سے کیا ہے ـ میرزا گل حسن کربلائی کی پیدائش بہ مقام ٹنڈو آغا حیدرآباد (سندھ) ۱۸۹۸ء میں ہوئی ـ میران سندھ پر جب زوال آیا تو ان کے مقربین خاص پر بھی زوال آنا فطری تھا ـ ان کا خاندان مصائب و پریشانی میں مبتلا رہا ـ میرزا گل حسن کربلائی بھی اس انقلاب کے شکار ہوئے ـ مشکل سے میٹرک تک تعلیم حاصل کر کے

حیدرآباد میونسپلٹی مین ملازم ہوگئے ۔ میونسپلٹی کی ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد ریڈیو پاکستان حیدرآباد مین Script writer کی حیثیت سے لے لیے گئے اور تازندگی اس سے وابستہ رہے ۔ ۱۹۶۲ء مین آپ کا انتقال ہوا اور اپنے آبائی قبرستان مین دفن ہوئے ۔[۱] "

میرزا صاحب کی مادری زبان سندھی تھی لیکن آپ اردو اور فارسی مین بھی اچھی دست رس رکھتے تھے ۔ شعر و ادب کا مذاق آپ کو وراثت مین ملاتھا۔ سندھی کے ساتھ سرائیکی، فارسی اور اردو مین آپ نے کافی اشعار کہے ہین ۔ اردو نثر مین آپ کی کوئی تصنیف گرچہ نہین ہے لیکن رسائل مین آپ کے اردو مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے تھے ۔ آپ کا ایک مضمون "حسن کلام " کے عنوان سے رسالہ سرفـراز لکھنو کے محرم نمبر ۱۳۵٦ھ مین شائع ہوا ہے ۔ اس مضمون مین ہزہائی نس میر حاجی محمد حسن علی خان کے حالات زندگی اور اہل بیت کے ساتھ ان کی محبت کو پیش کیا گیا ہے ۔ لکھتے ہین :۔

[۲] " ہزہائی نس میر حاجی محمد حسن علی خان صاحب سی ۔ آئی ۔ ای آخری تاج دار سندھ، ہزہائی نس میر محمد نصیر خان کے فرزند ارجمند تھے ۔ آپ ۱۲۲۰ھ مین عالم ارواح سے دنیائے اجسام مین آئے ۔ جب انگریزون نے سندھ فتح کیا تو آپ کو مقید کرکے کلکتہ لے گئے

---

۱ ۔ ان معلومات کی فراہمی کے لیے مین میرزا عباس علی بیگ ساکن ٹنڈو آغا، حیدرآباد (سندھ) کا مشکور ہون

۲ ۔ رسالہ سرفراز لکھنو محرم نمبر ۱۳۵٦ھ ص ۱۳۱ ۔ یہ رسالہ میرزا عباس علی بیگ صاحب کے ذاتی کتب خانہ مین محفوظ ہے ۔

جہان پورے بیس برس رہے ۔ بعد مین واپس سندھ تشریف لائے ۔ آخر تاریخ ۱۵ ذوالحجہ ۱۳۲۲ھ کو اس دارالبلا سے روضۂ دارالسلام کی طرف ہجرت کر گیے ...... میر صاحب حسن تخلص کرتے تھے آپ نہ صرف سندھی مین مشق سخن کرتے تھے بلکہ عربی و فارسی اور ہندی مین بھی اشعار کہے اور خوب کہے ۔ نثر مین بھی خاص ملکہ تھا ۔ عربی و فارسی کے زبردست عالم تھے ۔ علم مناظرہ اور علم تواریخ سے بھی اچھی طرح واقف تھے ۔"

میرزا گل حسن کربلائی کا ایک اور مضمون رسالہ سرفراز لکھنو ہی مین "سندھی شعرا کا نذرانۂ عقیدت" کے عنوان سے شائع ہوا تھا ۔ اس سے بھی کچھ اقتباس درج ذیل ہے ۔ :-

"[1] سندھی ادبیات کے ساتھ جہان اور بے اعتنائیان کی گئی ہین وہان یہ ظلم بھی کیا گیا ہے کہ کسی نے کوئی عمدہ اور سنجیدہ تذکرہ قدیم شاعرون کا آج تک نہین لکھا ۔ جو کوئی ایک دو تذکرے لکھے گیے ہین وہ نہ صرف ناقص ہین بلکہ ڈھونڈھے نہین ملتے ۔ مین نے ایک سال کی محنت مین اس کے متعلق تھوڑا سا مواد جمع کیا کرلیا ہے اور تلاش جاری ہے ۔ انشاءاللہ بہ شرط حیات ایک مستقل تذکرہ شائع کرون گا ۔ فی الحال یہان پر دو شعرا کا تذکرہ کرتا ہون ۔ یہان کے ایک مشہور شاعر جناب عظیم تھے ۔ آپ کا

---

[1] رسالہ سرفراز لکھنو ۔ اس رسالہ کا نائٹل میرزا عباس علی بیگ ساکن ٹنڈو آغا حیدرآباد کے ذاتی کتب خانہ مین محفوظ ہے لیکن بوسیدہ ہونے کے باعث شروع کے اوراق غائب ہین ۔

اسم گرامی میر عظیم الدین اور عظیم تخلص تھا ۔والد محترم کا نام
سید عزت اللہ تھا ۔ آپ قوم کے شیرازی شکر اللّٰہی[1] سید تھے ۔
آپ کے جد امجد سید شکراللہ ابن سید وجیہ الدین ۹۰۶ھ میں ہرات
سے قندھار آئے اور وہاں سے ۹۲۷ھ میں شاہ بیگ کے حکم سے
ٹھٹھہ میں آئے اور وہیں رہنے لگے ۔سید عزت اللہ بڑے عالم و
فاضل تھے ۔ ۱۱۶۱ھ میں انتقال فرمایا ۔ آپ کے چھ فرزند تھے
جن میں سے ایک میر علی شیر قانع تھے جنھوں نے تذکرہ تحفۃالکرام
لکھا تھا ۔ دوسرے میر عظیم الدین مشہور شاعر تھے ۔ آپ کی
تصانیف میں سے ایک کتاب فتح نامہ (سلاطین سندھ کی منظوم
تاریخ فارسی میں) اور کلیات عظیم غیر مطبوعہ ہیں ۔ آپ کا
کلام نہایت سنجیدہ، شگفتہ اور پسندیدہ مضامین کا ذخیرہ ہے۔"

میرزا گل حسن کربلائی کا ایک اور مضمون رسالہ سرفراز لکھنئو ہی میں "کلام ثابت" کے عنوان سے شائع ہوا تھا ۔ وہ بھی میرزا عباس علی بیگ صاحب کی مہربانی سے راقم الحروف کو دیکھنے کو مل گیا ہے ۔ اس مضمون سے بھی کچھ اقتباس درج ذیل ہے :-

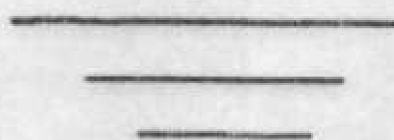
"[1] سید ثابت علی شاہ نام، ثابت تخلص نے غلام علی مداح ٹھٹوی سے تلمذ
حاصل کیا تھا ۔ آپ اپنے وطن ملتان کو خیرباد کہہ کر سیوستان شریف
لائے اور پھر حیدرآباد، سندھ پہنچے ۔ یہاں چند روز کے بعد آپ
کی شہرت ہوئی اور میاں محمد سرفراز کلہوڑا، حاکم سندھ کے دربار
میں رسائی ہوئی ۔ ان کے بعد میر فتح علی خان تالپور کے دربار میں

---

[1] رسالہ سرفراز لکھنئو

باریابی حاصل ہوئی ۔ آپ کی ولادت ۱۱۵۳ھ مین ہوئی اور ۱۲۵۲ھ مین آپ کا انتقال ہوا ۔ آپ کے کلیات مین تمام اصناف سخن پائے جاتے ہین ۔ مگر آپ کے سندھی مرثیے اپنی سادگی زبان و محاورہ بندی اور تاثیر کے لحاظ سے زیادہ مشہور ہین ۔ عربی، فارسی، اردو اور سندھی زبانون مین آپ طبع آزمائی کرتے تھے ۔ "

میرزا گل حسن کربلائی کی اردو نثر عام فہم، سادہ اور سلیس ہوتی ہے ۔ شعراء اور ادیبون کو روشناس کرانے کا ان کا خاص میلان ظاہر ہوتا ہے ۔ ان کی زبان بحیثیت " تذکرہ " کے بہت مناسب ہے ۔ تاریخ اور تذکرہ کے لیے جس طرح کی سادہ، شستہ اور مبالغہ سے پاک زبان کی ضرورت ہوتی ہے وہ میرزا صاحب کے یہان موجود ہے ۔ انہون نے سندھ کے شعراء کے جس زیرترتیب تذکرہ کا ذکر کیا ہے کاش کہ وہ انہون نے مرتب کر لیا ہو ہو اور اس کا مسودہ مل جائے ۔ صرف دو شعراء عظیم اور ثابت کا ذکر رسالہ سرفراز، لکھنو مین ملا ہے ۔ جس کے اقتباسات یہان دیے گئے ہین اگر اس تذکرہ کا پورا مسودہ مل جاتا تو وہ بہت کام کی اور قابل قدر چیز ہوتی ۔ میرزا گل حسن کربلائی صاحب کا انداز تحریر سنجیدہ ہے اور اس پر اہل زبان کی تحریر کا گمان ہوتا ہے ۔



پیر مصطفیٰ صبغۃ اللہ شاہ ایرانی

"پیر مصطفیٰ[1] صبغۃ اللہ شاہ ایرانی کے والد ماجد حاجی علی آقا سرہنگ ایران میں شاہی فوج کے اعلیٰ افسر تھے لیکن بعد میں خاندان قاچاریہ کے بادشاہ ناصرالدین شاہ شہید کے دربار میں امین و خزانہ دار مقرر ہوئے اور آخر میں آذربائیجان کے تین صوبوں کی گورنری پر فائز کیے گئے ۔ ناصرالدین شاہ قاچار کے شہید ہوجانے کے بعد آپ نے شاہی خدمات سے دست برداری اختیار کی اور خدمت خلق اور عبادت حق میں ہمہ تن مشغول ہوگئے ۔[1]"

" حضرت صبغۃ اللہ شاہ صاحب کی پیدائش ایران میں ربیع الاول کے مہینے میں جمعہ کے روز ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء بہ وقت سحر ہوئی ۔ مقتدر علماء نے غور و تامل اور قرآن پاک کے تفاؤل سے " مصطفیٰ " نام منتخب کیا ۔ آپ کے نانا نوری خاندان کے برگزیدہ افراد میں سے تھے جن کی فارسی تصانیف آج بھی علمائے عظام کے لیے سرچشمہ علم و ہدایت ہیں ۔ آپ کے تین ماموں تھے ۔ دوسرے ماموں آقا انتظام الحکماء

---

[1] حیات صبغۃ اللہ شاہ مترجم حکیم ذوقی ص ۱۰ مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس کراچی ۱۹۷۱ء

سلطنت قاچار کے شاہی طبیب تھے ۔ آخر میں شمالی ایران کے ایک بڑے صوبہ استرآباد کی گورنری پر بھی فائز ہوئے تھے ۔ چون کہ آپ کو کوئی اولاد نہ تھی اس لیے انھوں نے اپنے بھانجے مصطفٰے صبغۃ اللہ شاہ کو اپنی سرپرستی میں لے کر تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے سر لی اور اپنے فرزند کی طرح ان کو اعلٰی تعلیم و تربیت دلائی ۔ "[1]

" سلطنت قاچاریہ کے زوال کے بعد جب رضا شاہ پہلوی سریر آرائے سلطنت ہوئے تو انھوں نے ۱۳۳۸ھ میں مصطفٰے صبغۃ اللہ شاہ کو فوج کے دفتر محاسبات کا نائب اول مقرر فرمایا ۔ چند ہی روز کے بعد آپ "فوجی حملہ" کے افسر اعلٰی ہوگئے ۔ یکایک آپ کی طبیعت عشق الٰہی کی طرف مائل ہوئی ۔ سیر و سلوک اور قرب الی اللہ کی پیاس جب بہت تیز ہوگئی تو آپ ۱۳۵۲ھ میں تہران حضرت آقا شمس العرفا رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے ۔ کچھ دنوں تک مافوق الفطرت طریقہ پر ظاہری اور باطنی دونوں گران باریوں کو استقلال سے اٹھائے رہے ۔ دن کو فوجی خدمات انجام دیتے اور رات کو پیر طریقت کی صحبت میں مشغول و منہمک رہتے ۔ جلد ہی حالات میں نمایاں تبدیلی واقع ہونے لگی ۔ لباس و غذا سے بے اعتنائی اور عبادت الٰہی میں غلو آپ کا شیوہ ہوگیا ۔ اسی دوران آپ پر واردات شعری کا بھی ظہور ہونے لگا ۔ آپ اکثر توحیدیہ، حمدیہ اور ثنائیہ اشعار کہتے ۔ اسی طرح

---

[1] حیات صبغۃ اللہ شاہ ۰۰۰ ص ۱۳ ۔ ۲۰

ایک سال گذرا تھا کہ آپ کے پیر حضرت شمس العرفا نے ایک دن فرمایا کہ :-

" بچہ مصطفٰے ! تمہارے لیے ترک وطن کرکے ھندوستان کا
سفر کرنا ناگزیر ھے ـ تمہاری قسمت کا خزانہ اور حصہ کی دولت
وھاں رکھی گئی ھے ـ تم ھندوستان جاؤ اور وہ خزانہ اور دولت
حاصل کرو ـ " [1]

ان کلمات نے ھندوستان پہنچنے کا ایسا اشتیاق پیدا کیا کہ سب کچھ چھوڑ کر اور علائق دنیوی سے منہ موڑ کر کئی ماہ تک صحرانوردی کرتے اور مصائب جھیلنے کے بعد ۱۹۳۰ء میں موھڑہ شریف پہنچے اور حضرت موھڑہ شریف کی خدمت میں شرف یاب ھوئے ـ حضرت موھڑہ شریف نے بڑی شفقت سے پذیرائی کی اور چار سال تک ساتھ رکھ کر روحانی منزلیں طے کراتے رھے ـ جس وقت پیر ایرانی شاہ موھڑہ شریف پہنچے تھے اس وقت سوائے فارسی کے اور کسی زبان سے واقف نہ تھے لیکن چار سال کی صحبت میں وہ اردو اور پنجابی سے اچھی طرح واقف ھوگئے ـ چار سال کے بعد ایک رات حضرت موھڑہ شریف قدس اللہ سرہ نے ان کو بلاکر فرمایا کہ :- [2]

" دو سلسلوں (نقشبندیہ اور سہروردیہ) میں آپ کی تعلیم پوری
ھوئی اور آپ نے ان میں کمال حاصل کرلیا اور ابھی دو سلسلوں کا
سلوک ناتمام ھے ـ میں نے چاھا تھا کہ میں آپ کو چاروں سلسلوں میں
کمال حاصل کرنے اور کمال تک پہنچانے کے قابل ھوجانے کے بعد رخصت
کروں لیکن آپ کی والدہ اور چھوٹی بہن کا رنج و غم اور سوز گداز جو
آپ کی جدائی میں انھیں لاحق ھے اتنا بڑھ گیا ھے کہ میں اسے برداشت

---

[1] حیات صبغۃ اللہ شاہ ص ۲۶ ـ ۲۴

[2] ایضاً " ص ۵۶

اور کسی ایک صحابی یا تابعی کا اس کے خلاف آواز بلند نہ کرنا اس بات کی اجمالی دلیل ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی قسم کا نبی پیدا نہیں ہوسکتا ۔ کیون کہ حضور خاتم النبین ہین جس کے معنی حضور نے لانبی بعدی فرمائی ہے اس لئے مدعی نبوت اور اس کے تمام متبعین اسلام سے خارج جو پہلے مسلمان ہو بعد مین مرزا غلام احمد کو کسی صورت مین بھی نبی مانے وہ مرتد ہے ۔ جو ایسے جھوٹے مدعی نبوت کو اپنا نبی تو نہ مانے مگر پیشوا مانے وہ بھی خارج از اسلام ضروریات دین کا منکر و کافر ہے اور جو لوگ پہلے سے اسلام مین داخل نہ تھے اور ایسے عقیدہ رکھنے والون کی اولاد ہین او یہی عقیدہ رکھتے ہین وہ کافر ضرور ہین مگر مرتد نہیں ۔"



پیر علی محمد راشدی

پیر علی محمد راشدی سندھ کے ایک معزز زمین دار اور مقدس پیر گھرانے کے چشم و چراغ ھین ۔ آپ کا خاندان راشدی خاندان کے نام سے معروف ھے ۔ آپ کے بزرگون مین سید علی مکی ۱۱۲۷ ء مطابق ۵۲۰ ھ مین مکہ معظمہ سے سندھ تشریف لائے تھے ۔ آپ کا شجرۂ نسب [1] اس طرح ھے :-

" پیر علی محمد راشدی (۱) بن پیر حامد شاہ (۲) بن پیر شاہ (۳) بن پیر علی محمد (۴)
بن پیر سید محمد راشد (۵) بن پیر صبغۃ اللہ شاہ (بانی تحریک حُر) (۶)
بن شاہ فتح محمد (۷) بن سید محمد امام شاہ (۸) بن پیر سید محمد بقا شہید (۹)
بن شاہ سنجر (۱۰) بن شاہ کھشن (۱۱) بن شاہ عثمان (۱۲) بن سید شاہ شکراللہ (۱۳)
بن سید شاہ ناصرالدین (۱۴) بن سید شاہ میر علی (۱۵) بن شاہ حسین (۱۶) بن شاہ بولن (۱۷)
بن سید شاہ شہاب الدین (۱۸) بن سید شاہ فضل اللہ (۱۹) بن سید شاہ عباس (۲۰)

---

[1] سید احمد شہید از غلام رسول مہر مطبوعہ (پہلا ایڈیشن) سنہ نہ دارد ص ۳۰۸ اور از " مفتاح رشداللہ تفسیر کلام اللہ " (حصہ اول) (سندھی) مصنف قاضی فتح محمد صاحب نظامانی مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی سنہ نہ دارد ص ۲۲ ـ ۲۷ محفوظ در کتب خانہ پیر جھنڈو ـ سعیدآباد (سندھ)

(۲۱) بن سید شاہ لطیفکن محمد (۲۲) بن سید شاہ محمود (۲۳) بن سید شاہ بہاءالدین

(۲۴) بن سید شاہ علی مکی عربی (۲۵) بن سید شاہ چھکن (۲۶) بن سید شاہ حسین

(۲۷) بن سید شاہ اسداللّٰہ (۲۸) بن سید شاہ زید (۲۹) بن سید شاہ عباس

(۳۰) بن سید شاہ ہارون (۳۱) بن سید شاہ حمزہ (۳۲) بن سید شاہ عمر

(۳۳) بن سید امام علی رضا (۳۴) بن سید شاہ حسین (۳۵) بن سید شاہ عبداللّٰہ

(۳۶) بن سیدنا امام جعفر صادق (۳۷) بن سیدنا امام موسیٰ کاظم

(۳۸) بن سیدنا امام علی اصغر زین العابدین (۳۹) بن سیدنا امام محمد باقر

(۴۰) بن سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب (۴۱) بن سیدنا امام حسین علیہ السلام "

پیر علی محمد راشدی کی پیدائش ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ مطابق ۵ اگست ۱۹۰۵ء کو جمعہ کے دن ہوئی ۔ ابتدائی تعلیم مولوی محمد سومار دکنی اور مولوی محمد صدیق صاحب، میہو خاص سے حاصل کی ۔ عربی، اردو فارسی اور انگریزی کی تعلیم گھر ہی پر ذی علم اور لائق اساتذہ سے حاصل کرتے رہے ۔ کسی اسکول اور کالج میں نہیں داخل ہوئے ۔ وہ ایک ذہین و فطین انسان ہیں ۔ محض اپنی کتب بینی اور خود پیدا کردہ صلاحیت کے ذریعہ انہوں نے علمی، سیاسی، صحافتی اور ادبی دنیا میں ایک بلند مقام حاصل کرلیا ۔

پیر علی محمد راشدی صاحب ایک اچھے ادیب، مایہ ناز صحافی اور نامور سیاست دان ہیں ۔ آپ کی سیاسی اور صحافتی زندگی کا آغاز ایک ساتھ غالباً " ۱۹۲۶ء سے ہوا ۔

جیساکہ آپ کے خود اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے :-

[1] " میری سیاسی اور صحافتی زندگی کا آغاز ایک ساتھ ہوا ۔
" ستارۂ سندھ " اور " صبح سندھ " کے علاوہ سندھ زمیندار، الحزب، الراشد، الامین اور قربانی کا ایڈیٹر بھی رہا ۔ یہ سب سندھی پرچے تھے ۔ مارماڈیوک پکتھال کے ساتھ بمبئی میں کچھ دنوں تک بمبئی کرانیکل میں بھی اخباری کام کا مطالعہ کیا ۔ سندھ آبزرور آبزرور (انگریزی روزنامہ) کی ادارت کے فرائض انجام دیے ۔ میں جس زمانے میں اخبار نویس تھا اس دور کی اخبار نویسی بھینس کے آگے بین بجانے کے برابر تھی ۔ "

۱۹۲۶ء میں شکارپور، سندھ سے نکلنے والا سب سے پہلا اخبار الحزب کی ادارت آپ نے سنبھالی ۔ اسی دوران سکھر کے اخبار الامین کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ۔ ۱۹۲۹ء میں سکھر کے اخبار سندھ زمیندار کے ایڈیٹر ہوئے ۱۹۳۳ء میں آپ کا تعلق سرشاہ نواز بھٹو کی سیاسی پارٹی سے ہوگیا ۔ ۱۹۳۲ء میں سکھر سے اخبار ستارۂ سندھ نکالا جس کے منیجنگ ڈائرکٹر اور ایڈیٹر سب کچھ خود ہی تھے ۔ یہ اخبار ۱۹۳۷ء تک نکلتا رہا ۔ اس میں بلندپایہ سندھی، ادبی اور سیاسی مضامین شائع ہوتے تھے ۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۶ء تک انگریزی زبان میں ہفت روزہ " مسلم وائس " نکالتے رہے ۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں

---

[1] پیر علی محمد راشدی (ایک انٹرویو) از خالد خلد مطبوعہ اخبار جہان
۲۱ فروری ۱۹۶۸ء

آپ نے " سندھ آبزرور " نکالنا شروع کیا جس مین فرقہ وارانہ ذھنیت اور علاقائی عصبیت کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی گئی تھی ۔ ۱۹۵۲ء مین ھفت روزہ اخبار "اسٹیٹسمین" انگریزی مین نکالا اور "پاکستان نیوز سروس ایسوسی ایشن " کے صدر کی حیثیت سے ھندوستان ، مصر ، لندن اور دیگر ممالک کا دورہ کیا ۔ ھانگ کانگ کے قیام کے دوران دنیا بھر کے مختلف اخبارون کے لیے معلوماتی مضامین لکھتے رھے ۔

پیر علی محمد راشدی سندھی اور انگریزی کے بہت اچھے ادیب اور صحافی ھین ۔ انھون نے جتنے اخبارات نکالے وہ سب یا تو سندھی زبان مین تھے یا انگریزی مین ۔ لیکن عربی ، فارسی کے ساتھ اردو کی لیاقت ان کو گھر کی تعلیم اور کتب بینی سے کافی حاصل تھی ۔ قیام پاکستان کے بعد وہ اردو مضمون نگاری کی طرف مائل ھوئے ۔ پھر میر خلیل الرحمٰن صاحب ایڈیٹر جنگ کے اصرار پر وہ " مشرق و مغرب " کے عنوان سے مستقلاً " لکھنے لگے اور اب وہ اردو کے مشہور اھل قلم اور مقبول مضمون نگار مانے جاتے ھین ۔ "مشرق و مغرب " کے عنوان سے اور " بین الاقوامی حالات " کے سلسلے مین ان کے مضامین جو روزنامہ جنگ اور اخبار جہان وغیرہ مین شائع ھوتے رھتے ھین وہ ادبیت اور دل کشی کے لحاظ سے اپنا جواب نہین رکھتے ۔ جس مسئلے پر قلم اٹھاتے ھین اسے تشنہ نہین چھوڑتے ۔ خصوصاً " سیاسی عنوانات اور شخصیات نگاری پر ان کا قلم خوب ھی جولانیان دکھاتا ھے ۔ ان کی تحریر کی شگفتگی ، نفاست ، سلاست اور روانی بعض وقت قابل رشک ھوجاتی ھے ۔ جنگ مین شروع شروع کی مضمون نگاری کے سلسلے مین فرماتے ھین :-

[1] "روزنامہ جنگ مین لکھنے کا مشورہ مجھے جناب میر خلیل الرحمٰن نے دیا ۔ اس موقع پر میرا خیال تھا کہ مین اردو نہین لکھ سکون گا لیکن میر صاحب نے اصرار کیا اور مین نے ان کی بات مان لی حالانکہ اردو نہ میری مادری زبان تھی نہ مین نے اردو تعلیم حاصل کی اور نہ اس کے استعمال پر مین اپنے آپ کو پوری طرح قادر پاتا ہون ۔ اس وقت تک مین صرف سندھی اور انگریزی مین لکھتا رہتا تھا ۔ "

صحافتی دنیا مین پیر علی محمد راشدی کے ممتاز مقام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف آل پاکستان ایڈیٹرز کانفرنس کے صدر چنے گئے بلکہ لیاقت نہرو معاہدے کے بعد پاک بھارت ایڈیٹرون کی جو متحدہ کمیٹی بنی تھی اس کے بھی صدر منتخب ہوئے ۔ اس بارے مین ان کا بیان ملاحظہ ہو :-

[2] "جب صحافت مین رہا تو آل پاکستان ایڈیٹرز کانفرنس کا صدر بنا اس کے علاوہ لیاقت نہرو معاہدے کے بعد پاک بھارت ایڈیٹرون کی جو متحدہ کمیٹی بنی تھی اس کا بھی صدر مجھے منتخب کیا گیا تھا ۔ صحافت کے لحاظ سے یہ بیک وقت ھندوستان اور پاکستان کے ایڈیٹرون کی جماعت کا صدر ہونا بڑا اعزاز تھا ۔ اس زمانے مین ھندوستان کے چوٹی کے ایڈیٹر جن کا نام ھندوستان کی صحافت اور سیاست کی تاریخ مین زندہ جاوید رہے گا بقید حیات تھے اور میری صدارت مین کام کرتے رہتے تھے ۔ بعد مین یہ نظام ختم ہوگیا ۔ "

---

[1] اخبار جہان بابت ۲۱ فروری ۱۹۶۸ء ص ۱۰

[2] اخبار جہان بابت ۲۱ فروری ۱۹۶۸ء

پیر علی محمد راشدی صاحب ایک ذہین اور ہوشیار سیاست دان بھی ہیں ۔ اپنی لیاقت اور صلاحیت کی بنا پر وہ ۱۹۵۳ء میں سندھ اسمبلی کے ممبر چنے گئے اور پیرزادہ وزارت میں وزیر مال ہوئے ۔ پھر ۱۹۵٦ء میں مرکزی حکومت کے وزیر نشر و اشاعت بنائے گئے ۔ ۱۹۵۷ء سے ۱۹٦۳ء تک پاکستان کے سفیر کی حیثیت سے مختلف ملکوں میں فائز رہے اور پھر پنشائر ہوکر لکھنے پڑھنے کے کاموں میں مشغول ہوگئے ۔ آپ کے الفاظ ہیں :۔

[1] " ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۵ء تک سندھ کا وزیر مال، وزیر صحت، وزیر اطلاعات اور نائب وزیر اعلیٰ رہے ۔ اس زمانے میں پیرزادہ عبدالستار اور پھر کھوڑو صاحب وزیر اعلیٰ تھے ۔ مرکزی کابینہ میں چودھری محمد علی کی وزارت میں وزیر اطلاعات بنا .... وزارت کے علاوہ میں چھ ماہ تک مشرق وسطیٰ میں، پانچ سال فلپائن میں اور ڈیڑھ سال چین میں سفارت کے فرائض انجام دیتا رہا ۔ "

پیر علی محمد راشدی پیدائشی اور فطری شاعر بھی ہیں لیکن شعر کہتے نہیں ہیں۔ نو برس کے سن سے سندھی میں شعر موزون کرلیا کرتے تھے اور سترہ اٹھارہ برس کے سن میں ایک ایسی طویل نظم کہی جس نے ہمیشہ کے لیے ان سے شعر گوئی چھڑا دی۔ ان پر مقدمہ چلا اور وہ شعرگوئی سے ہمیشہ کے لیے تائب ہوگئے ۔ اس واقعہ کو بڑے لطیف انداز میں وہ اس طرح بیان فرماتے ہیں :۔

---

[1] اخبار جہان بابت ۲۱ فروری ۱۹٦۸ء

[1] " ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے مین اور میرے بھائی پیر حسام الدین روزنامہ " ستارہ سندھ " اور" صبح سندھ " نکالا کرتے تھے ۔ میری عمر اس وقت سترہ اٹھارہ سال کی تھی ۔ مین نے اخبار مین شائع کرنے کے لیے دو اخباری صفحات کی ایک طویل نظم لکھی .... یہ نظم انگریزی حکومت کے انتظام کے خلاف تھی اور ضمناً " اس مین ایک لوکل بورڈ کی چیف آفیسر صاحب کی رشوت ستانی کا تذکرہ بھی آگیا ۔ نظم شائع ہوئی تو صوبائی حکومت کے ایما پر چیف آفیسر صاحب نے مجھ پر ہتک عزت کا دعویٰ کیا ۔ سب ڈویژنل مجسٹریٹ سکھر کی عدالت مین یہ مقدمہ تین سال چلا ۔ اس مین مین نے بہ ذات خود اپنی وکالت آپ کی ۔ اس بات کے ثبوت مین کہ یہ افسر واقعی رشوت لیتا ہے اڑھائی ہزار مسودہ اور کاغذات عدالت مین منگوائے اور مدعی چیف افسر پر مختلف اوقات مین سب ملا کر ۹۰ گھنٹے جرح کی ۔ اس کارروائی مین حکومت کے اہم رازون کا انکشاف ہو رہا تھا اس لیے چیف آفیسر ~~[illegible]~~ کی جرح ختم ہونے سے پہلے ہی حکومت نے خود چیف افسر صاحب کو چلتا کردیا اور مقدمہ ختم ہوگیا ۔ اس مقدمے کو بھگتانے کے بعد مین نے ہمیشہ کے لیے شاعری سے توبہ کرلی ۔ "

پیر علی محمد راشدی صاحب دل سے پکے مسلمان ہین لیکن چین کے ماؤزے تنگ کی شخصیت سے بہت زیادہ متاثر ہین ۔ فرماتے ہین :-

---

[1] اخبار جہان بابت ۲۱ فروری ۱۹۶۸ء

۱؎ " مین اپنی زندگی مین تین آدمیون سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ۔ ان مین ایک شام کے بزرگ سید احمد شامی تھے جو روحانیت کے بحر ذخار تھے دوسری شخصیت سندھ کے میر تراب علی شاہ مرحوم تھے جو تحریک خلافت کے رہ نماؤن مین سے تھے اور علم و فضل مین اپنا ثانی نہین رکھتے تھے ۔ تیسری شخصیت جس نے مجھے متاثر کیا وہ چین کے رہ نما جناب ماوزی تنگ ہین ان کے سیاسی عقائد و افکار سے مجھے اختلاف اور شدید اختلاف ہے لیکن ان کی شخصیت مین ایک جاذبیت مجھے محسوس ہوئی ۔ "

نمونۂ تحریر کے طور پر اخبار جنگ کراچی سے ان کے مضمون کا اقتباس درج ذیل ہے جو انھون نے سندھ کے ایک عظیم مفکر اور جامعہ سندھ کے پہلے وائس چانسلر علامہ امداد علی قاضی (I. I. Qazi) پر لکھا ہے ۔ اس سے ان کی شخصیت نگاری اور اردو زبان و ادب پر قدرت کا صحیح اندازہ ہوگا ۔

۲؎ " علامہ امداد علی قاضی ایک مانے ہوئے انسان تھے ۔ قدرت کی فیاضیون کا ایک نادر نمونہ تھے ۔ انسانی اوصاف کا حسین مجموعہ تھے ۔ دینی اور روحانی کمال کا مجسمہ تھے ۔ علم و فضل کا گنجینہ تھے ۔ مشرقی اور مغربی دانش کا خزینہ تھے ۔ اسلامی دنیا کے فی زمانہ مفکر منفرد تھے ۔ وادئ سندھ کے مرغ خوش الحان تھے ۔ بوستان لطیفی کے بلبل ہزار داستان تھے ۔ ارض پاکستان کے لیے باعث عزت و شان تھے ۔ پاکستانی قوم کے لیے موجب امتیاز و سربلندی تھے ۔

۱؎ اخبار جہان بابت ۲۱ فروری ۱۹۶۸ء

۲؎ علامہ امداد علی قاضی از پیر علی محمد راشدی ۔ مطبوعہ روزنامہ جنگ بابت ۲۷ اپریل ۱۹۶۸ء

یہ لفاظی نہیں ہے ایک حقیقت ہے ۔ اعتبار نہ آئے تو ان کی زندگی کا مطالعہ کیجئے ۔ ان کے چھوٹے ہوئے اوراق کو چھانئے ۔ جن خوش نصیبوں نے ان کو دیکھا یا سنا ہے ان سے پوچھئے ع

" ز روشت آستین بردار و گوہر را تماشاکن " ۔ تاریخ عالم کے سب سے زیادہ خونی دور میں زندگی گزاری ۔ دو عالمی لڑائیاں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں ۔ ہٹلر اور مسولینی کو انسانی خون سے اور ان کی ذریات کو انسانی حقوق سے ہولی کھیلتے دیکھا ۔ امن اور انسانی اقدار کو پامال ہوتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ انسان پر اس قدر بدبختی سوار ہوچکی ہے کہ وہ حق اور انسانیت کی بات ہرگز نہیں سنتا مگر اس کے باوجود یہ شخص امن اور انسانیت کا سندیسہ سناتا رہا ۔ انسان دوستی و خدا ترسی کی تلقین کرتا رہا ......

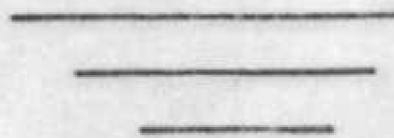
جن لوگوں نے حیات کی حقیقت سمجھ لی ہے وہ موت سے کبھی نہ ڈرے ۔ قاضی صاحب مرحوم کو شاہ عبداللطیف کا[1] " اَلمَوتُ جِسْرٌ یُوصِلُ الحَبِیْبَ اِلَی الحَبِیْبِ " کی طرف اشارہ معلوم تھا ۔ ان کے دوسرے ارشادات بھی ان کے علم میں تھے مثلاً " جو لوگ مرنے سے پہلے مرجاتے ہیں ان کے لیے موت ایک مشاہدہ کے مانند ہے یا " مرنے سے پہلے جو مر گئے وہ مرکو مٹ نہیں سکیں گے ۔ " سقراط یا پٹرونیس (Petronius) کب موت سے ڈرے ۔ ایک نے مزے لے کر زہر کا پیالا پیا اور دم توڑ دیا ۔ دوسرے نے بڑے مزے لے کر خون بہایا اور ابدی نیند سوگیا ۔ بقول علامہ اقبال :-

نشان مرد مومن با تو گویم　　چو مرگ آید تبسم برلب اوست "

---

[1] (معنی) موت ایک پل ہے جس پر سے گذر کر دوست دوست سے جاملتا ہے ۔

جیساکہ مندرجہ بالا اقتباس سے اور اخبار و جرائد مین شائع ہونے والی ان کی متعدد تحریرون سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اردو کے ایک صاحب طرز انشاپرداز اور ادیب ہین ۔ ان کی تحریر صاف ستھری اور شگفتہ ہوتی ہے ۔ انہین اردو زبان پر اہل زبان کی سی قدرت حاصل ہے ۔ وہ ہر قسم کے خیالات اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلون کو بہتر سے بہتر اور لطیف پیرایہ مین ادا کرنے پر قادر ہین ۔ عربی، فارسی اور انگریزی ادب کا مطالعہ بہت وسیع ہے ۔ انگریزی کتابون مین پیش کیے گئے اچھے اچھے خیالات اور مضامین کو بہت حسن و خوبی سے اردو اور سندھی مین لے آتے ہین ۔ فارسی اور اردو کے بہترین اشعار کو اپنی عبارتون مین اس طرح استعمال کرتے ہین جیسے کسی نے انگوٹھی مین نگینہ جڑ دیا ہو ۔ بلا شبہہ انہین صرف سندھ ہی نہین بلکہ پورے پاکستان کا ایک صاحب طرز نثر نگار کہا جاسکتا ہے اردو مین ان کی خدمت لائق تحسین ہے ۔



غلام علی الانہ

غلام علی الانہ کے والد ماجد کا نام الانہ تھا اور اسی مناسبت سے وہ اپنے نام کے ساتھ "الانہ" لکھتے ہین ـ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے :-

غلام علی، بن الانہ، بن خلفان، بن ناتھا، بن صالح، بن الو، بن ولی، بن حاجی ـ آپ کے آباؤاجداد ابتدا مین دریاے سندھ کے ~~سندھ کے~~ کنارے ٹھٹھ کے قریب ویہڑی بندر مین آباد تھے اور تجارت کرتے تھے ـ دریاے سندھ نے جب اپنا رخ تبدیل کرلیا تو غلام علی الانہ صاحب کے پردادا ناتھا وہان سے منتقل ہو کر "جرک" چلے گئے جو ٹھٹھ سے تقریبا" بیس میل دور تھا ـ جرک تاریخی مقام ہے ـ اسی جگہ انگریز اور میران سندھ کے درمیان ایک خوفناک جنگ لڑی گئی تھی ـ

۱۸۶۰ء مین غلام علی الانہ کے دادا مستقل طور پر کراچی چلے آئے اور اپنا کاروبار پھیلایا ـ ۱۸۸۲ء مین آپ کے والد الانہ صاحب نے غوری بازار صدر مین گھڑی کا کاروبار شروع کیا ـ اور آج غلام علی الانہ صاحب پاکستان مین گھڑی کے بہت بڑے تاجر کی حیثیت سے مشہور ہین ـ

غلام علی الانہ صاحب سندھ کے ان مایہ ناز فرزندون مین سے ہین جنہین قدرت نے بیک وقت بہت سی نعمتون اور صلاحیتون سے نوازا ہے ـ وہ شاعر بھی ہین اور

افسانہ نگار بھی، فن کار بھی ہیں اور اچھے سیاستدان بھی، تاجر بھی ہیں اور صنعت کار بھی، غرض وہ قومی اور بین الاقوامی دونوں لحاظ سے ایک ممتاز شخصیت کے مالک ہیں ۔ وہ کراچی کے میئر، چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر، مغربی پاکستان لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر، جنیوا میں محنت کشوں کی بین الاقوامی تنظیم کے ممبر، برسلز میں آجروں کی بین الاقوامی تنظیم کے صدر اور اقوام متحدہ کی اقتصادی کمیشن کے نائب صدر رہے اور ان تمام فرائض کو کئی کئی سال تک حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے ۔ آپ کو یہ فخر حاصل ہے کہ آپ نے مملکت پاکستان کی طرف سے تیس بین الاقوامی کانفرنسوں اور مجلسوں میں نمائندگی کی ۔

غلام علی الانہ صاحب کی پیدائش ۲۰ اگست ۱۹۰۶ء کو کراچی ہی میں ہوئی ۔ اسکول کی تعلیم آپ نے سینٹ پیٹرک ہائی اسکول سے حاصل کی ۔ پھر ڈی ۔ جے ۔ سائنس کالج میں فرسٹ ایر میں داخلہ لیا ۔ کچھ دنوں تک فرگوسن کالج پونا میں بھی تعلیم حاصل کی ۔

غلام علی الانہ صاحب ایک کامیاب تاجر اور سیاستدان ہونے کے باوجود علم و ادب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور زندگی کی ہر منزل میں انہوں نے شعر و ادب سے تازگی اور توانائی حاصل کی ۔ جلوت میں جو چاہے ان کے وقت کا طلب گار ہوجائے لیکن خلوت میں سوائے شعر و ادب کے اور کسی کا دخل ممکن نہیں ۔ ان کا ذاتی کتب خانہ جو بہترین مطبوعات اور نادر قلمی نسخوں پر مشتمل ہے ان کی بہترین پناہ گاہ ہے ۔ اپنی ضعیفی کے بہترین ایام وہ اسی کے سایہ میں گذارتے ہیں ۔ مصوری سے بھی دلچسپی

ہونے کے باعث تصویروں (Paintings) کا بہت اچھا ذخیرہ آپ کے پاس محفوظ ہے ۔ آپ کو نوادرات کے جمع کرنے کا بھی شوق ہے ۔

انگریزی پر ان کو غیر معمولی قدرت حاصل ہے اس لیے اپنے خیالات کو زیادہ تر انگریزی نثر و نظم ہی میں ظاہر کرتے ہیں ۔ اردو میں وہ کم لکھتے ہیں لیکن جو لکھا ہے وہ انداز بیان، سلاست زبان اور ادبی چاشنی کے لحاظ سے خاصے کی چیز ہے ۔ " دیس بدیس " اردو ادب میں ان کا بہترین شاہکار ہے ۔ یہ کتاب لکھی تو گئی ہے سفرنامہ کے طور پر لیکن اس کی رنگینی بے ساختگی اور زبان کی حلاوت نے اسے کہانیوں سے زیادہ دلکش بنا دیا ہے اور حقیقتاً میری نظر میں یہ سفرنامہ سے زیادہ غلام علی الانہ صاحب کی " آپ بیتی کہانی " ہی کہے جانے کے لائق ہے ۔ فلورا اس کہانی کی ہیروئن اور خود غلام علی الانہ صاحب ہیرو کہے جاسکتے ہیں ۔ اس کتاب کی یہ چند سطریں رازِ دروں کی پردہ دری کرنے میں بڑی بے رحم ثابت ہوتی ہیں :-

" فلورا نے بٹوے سے رومال نکالا اور اس سے میرا گال پونچھ کر مجھے رومال دکھا کر بولی ۔ دیکھئے آپ کے گال پر وہ اس گھٹیا لپ اسٹک کا یہ تحفہ چھوڑ گئی ہے ...... فلورا نے ٹھنڈا سوڈا پینے کی خواہش نہ کی ۔ میں نے سوڈا پیا ۔ اس عرصہ میں میری نظر جب فلورا پر پڑی تو وہ رو رہی تھی ۔ مجھے تعجب ہوا اور اس سے پوچھا ۔ " فلورا کیا بات ہے، کیا مجھ سے کوئی قصور ہوا ؟ کیا میں نے تمہیں کوئی تکلیف پہنچائی ؟ " [1]

---

(۱) دیس بدیس از غلام علی الانہ ص ۳۰۹

اس کتاب کے سبب تصنیف کے متعلق غلام علی صاحب نے اس کے دیباچہ مین ایک جگہ لکھا ہے :-

" ایک دن روزنامہ انجام کے چیف اڈیٹر جناب طفیل احمد جمالی نے ایک ملاقات مین یہ خواہش ظاہر کی کہ مین ان کے اخبار کے لیے اپنی کانفرنسون اور سیاحتون کا ماجرا سپرد قلم کرون ۔ اس وقت فوری طور پر مجھے ماضی کے ان یادگار لمحات کی افادیت کا احساس ہوا ۔ جمالی صاحب کی اس تجویز پر غور کرنے کے بعد مین اس نتیجہ پر پہنچا کہ میرے لیے تمام واقعات کا تحریر کرنا تقریبا" ناممکن ہوگا اس لیے کہ یہ واقعات چالیس سالہ دور پر محیط ہین ۔ چنانچہ مین نے جمالی صاحب سے کہا کہ مین ریاستہائے متحدہ امریکہ کے بعض واقعات کو سفرنامے کی صورت مین لکھ دون گا اس کے بعد مین نے اپنے سفرنامے کا آغاز کردیا جو انجام مین ہر اتوار کو پابندی کے ساتھ قسطوار شائع ہوتا رہا ۔ "[1]

غلام علی الانہ صاحب تحریک آزادی کے سرگرم رکن رہے ہین اور انھون نے مملکت پاکستان کے بنانے مین بہت نمایان کردار ادا کیا ہے ۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لا کے بعد وہ سیاست سے کنارہ کش ہوکر شعر و ادب کی دنیا مین زندگی گذار رہے ہین ۔ ان کا مشغلہ زیادہ تر انگریزی مین نظمین لکھنے کا ہے ۔ اور اب تک دوہزار سے زیادہ انگریزی نظمین لکھ چکے ہین جو اردو، سندھی، گجراتی، فرانسیسی، اٹالین، جرمن، اسپینش اور روسی زبان مین بھی ترجمہ ہوکر اشاعت پذیر ہوچکی ہین ۔ ان کی ادبی خدمات سے متاثر ہوکر "یونائیٹڈ پوئٹس لاریٹ انٹرنیشنل" نے آپ کو ایک طلائی تمغہ اور "ملک الشعرا مشرق" کا خطاب عطا کیا ۔

(۱) دیس بدیس ص ۷ ۔ ۸

اس کے علاوہ ادب اور ثقافت کے میدان مین شاندار خدمات انجام دینے پر ایک اور بین الاقوامی اعزاز (گولڈ میڈل اور تعریفی سند) روم کے " سینٹر فار انٹرنیشنل اسٹڈیز " نے حال ہی مین آپ کو عنایت فرمایا ہے ۔

غلام علی صاحب اپنی انگریزی شاعری مین بجائے کسی یوروپین مفکر یا شاعر کے شاہ عبداللطیف بھٹائی اور اقبال سے متاثر معلوم ہوتے ہین ۔ ان کی بعض انگریزی نظمین ٹیگور کے انداز پر بھی لکھی گئی ہین ۔ ان کے خیالات مین تصوف کی گہری چھاپ نظر آتی ہے ۔ انسان دوستی، محبت، احترام انسانیت اور لطافت حسن ان کی شاعری کے اہم محرکات ہین ۔ ان کی شاعری مین فکر اور جذبہ، جوش اور متانت ایک ساتھ پائے جاتے ہین ۔ ان کے ہم عصر شعرا اور ادیب ان کی شاعری اور شخصیت کے بارے مین بہت اچھی رائے رکھتے ہین فیض احمد فیض لکھتے ہین :-

[1] " جی الانہ کی شخصیت بڑی پہلودار ہے ۔ وہ نہایت کامیاب تاجر اور شعلہ فشان خطیب ہین ۔ پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی کے میئر بھی رہ چکے ہین ان کی شاعری مین نہ کسی قسم کا ابہام ہے اور نہ کسی بے چینی کا اظہار ہے ۔ یہ زیادہ تر اس فکر اور اس تعاقل کا نتیجہ ہے جس مین داخلی ہیجانات کا بہت کم گذر ہے اور اس لیے وہ اپنے قاری کو حلاوت بخشتی ہے۔ وہ اس قدیم سادگی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہین جو ان کے معاصرین مین مفقود ہے اور بہت سے لوگون کو اس کی وجہ سے عصر حاضر مین خود اعتمادی پیدا نہین ہوتی ۔"

---

[1] " بازگشت " غلام علی الانا صاحب کی انگریزی نظمون کا اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ غضنفر جبل روڈ کراچی ۱۹۶۶ء ص ۷

یوروپین ہم عصر شعراء اور مفکرین نے بھی غلام علی ارتنا صاحب کی انگریزی شاعری پر بہت اچھی رائے کا اظہار کیا ہے ۔ آسٹریا کے مشہور شاعر پروفسر "جان گسرٹ" لکھتے ہیں :-

"اپنی کتاب بازگشت (Incesnse and Echoes) میں غلام علی ارتنا[1] نے عصر حاضر کے انداز میں ان خیالات محسوسات اور ایقان کا اظہار کیا ہے جن سے شاعر کا مذہبی جوش اور قومی، معاشرتی، شعور کا پتا چلتا ہے ۔ ان کی شاعری میں اعجاز ہے ۔ ان کے استعارے نہایت قوی اور اختراع کا نتیجہ ہیں خصوصا " جن میں فطرت کے متعلق اظہار کیا ہے اور اس سے اس کی ماورائیت کا اظہار ہوتا ہے جس کے بغیر کوئی بیش بہا نظم سوچی بھی نہیں جاتی ۔ جی ارتنا کی بعض نظموں میں حقیقت مشاہدہ اور روحانی قدریں نئے شاعرانہ انداز میں پیش کی گئی ہیں ۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ ایک حقیقی شاعر مصروف کار ہے ۔"

ریاست کلے راڈو، امریکہ کے مشہور شاعر ملفرڈ شیلڈس جی ارتنا کی شاعری پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں :-

"جی ارتنا کی منظومات اپنی اثر آفرینی کی وجہ سے نہایت قوی ہیں اور وسعت کے اعتبار سے آفاقی ۔ بازگشت[2] کی ادبی اہمیت کی صحیح تشخیص کے لیے وسعت درکار ہے مگر تنگی داماں ہم کو مجبور کرتی ہے اپنی شاعری کے ذریعہ فلسفی ارتنا نے تابناک نئی دنیا کے لیے ایک مہیج پیدا کردیا ہے ۔"

---

(۱) بازگشت ص ۹

(۲) بازگشت ص ۹

بھارت کے شاعر کرشنا سرنیواس کی رائے میں :-

۱ " ارتا کی روح ایک ایک ستارے میں گھومتی ہے اور چراغوں کے لیے روشنی جمع کرتی ہے ۔ اس سے خلوت سرا ے دل میں روشنی کی جائے گی ۔ وہ سیر آگہی روحوں کو اس وسیع خلا سے طلب کرتا ہے اور وہ بہ خوشی حاضر ہوتی ہیں ۔ ارتا کی فکر انگیز نظموں کی ماہیت گویا ابدیت کے ساتھ ایک گمشدہ گذارنا ہے جس میں ابدی سوال کئے جا رہے ہوں ۔ "

یونیورسٹی لاتسریا کے پروفسر اور ممبر پارلیمنٹ اولیٹ شمکائی ڈیمیسٹر لکھتے ہیں :-

۲ " ارتا کی نظمیں معیار پر پوری اترتی ہیں ۔ ان کی منظومات میں فن شعر اپنے عروج پر نظر آتا ہے ۔ ...... ان منظومات کو پڑھنے سے ایک شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ میں ایک جہاندیدہ اور ترقی یافتہ ذہن سے رابطہ پیدا کر رہا ہوں ۔"

اردو نثر میں غلام علی ارتا صاحب کا انداز تحریر بہت منجھا ہوا اور پختہ کار ادیبوں کا سا ہے ۔ان کی نثر میں بے ساختگی، سادگی، روانی اور دلکشی پائی جاتی ہے ۔جگہ جگہ مزاح اور رومانی چاشنی نے ان کی نثر کو اور بھی دلکش اور لطیف بنا دیا ہے ۔ بہ طور نمونہ چند سطور " دیس بدیس " سے درج ذیل ہیں :-

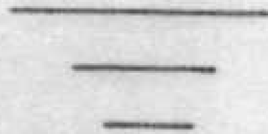
۳ " کانفرنس تقریباً " دو ہفتے سے جاری تھی اور میں نے اس عرصے میں بعض مندوبین لوگوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے تھے ۔ عام طور پر ایسی کانفرنسوں میں مندوبین کو میل جول بڑھانے کا موقع مل جاتا ہے ۔میں نے

---

(۱) بازگشت ص ۱۰ (۲) بازگشت ص ۸

(۳) دیس بدیس ص ۲۷ ـ ۲۸

جو دوست بنائے تھے ان مین ایلاڈیفے زولا کے البرٹو مانیٹرو تھے ۔ البرٹو خوبصورت جوشیلا اور جیالا نوجوان تھا ۔ ہم دونون چند ڈنر پارٹیون مین شریک ہوتے تھے جن کے بعد رقص کے پروگرام بھی ہوتے تھے ۔ البرٹو مین زندگی کا بے پناہ جوش و خروش تھا ۔ وہ پیدائشی رقاص تھا ۔ اور رقص سے کبھی نہ تھکتا تھا جب وہ اپنی ساتھی لڑکی کے ساتھ رقص کے کمرے مین ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ پانی پر بہہ رہا ہو اور اس کے ساتھ رقص کرنے والی لڑکی اس کے ہاتھ کی جنبش سے نہین بلکہ اس کی نگاہون کے جادو سے بہی چلی جارہی ہو مجھے اس پر کتنا رشک آتا تھا مین دیکھتا کہ جب البرٹو رقص کے کمرے مین پہنچتا تو کرسیون پر بیٹھی ہوئی لڑکیون کی نظرین اس کا تعاقب کرنے لگتین ۔"



حضرت سائین عبدالرشید صاحب

حضرت سائین عبدالرشید کے والد ماجد حضرت سائین عبدالغنی بڑے ولی اللہ اور روشن ضمیر بزرگ تھے ۔ آپ کا خاندان مغلون کے دور آخر مین ترک وطن کر کے دانا پور پٹنہ سے کراچی وارد ہوا تھا ۔ دانا پور مین بھی آپ کے اجداد کا مشغلہ رشد و ہدایت اور پیری مریدی ہی تھا ۔ یہان بھی حضرت سائین عبدالغنی نے اس کو جاری رکھتے ہوئے رشد و ہدایت کے بہت قابل قدر خدمات انجام دیے ۔

حضرت سائین عبدالرشید کی پیدائش یہین کراچی مین اپنے آبائی مکان مین ۱۹۰۷ء مین ہوئی ۔ پرائمری اسکول مین ابتدائی تعلیم کے بعد دینی تعلیم آپ نے اپنے والد ماجد سے حاصل کی ۔ تجارت کو ذریعہ معاش بنایا ۔ مختلف دوکانین کھولین لیکن دوکان داری نہ چلی تو پھر بچون کو پڑھانے لگے ۔ اور اسی سے گذر اوقات کرلیتے تھے ۔ اپنے والد کے وصال کے بعد ان کی جگہ سجادہ نشین ہوئے اور رشد و ہدایت کے کام مین مشغول رہے ۔ ۱۹۷۲ء مین آپ کا وصال ہوا ۔ آپ اردو نثر اور نظم دونون لکھنے پر قادر تھے ۔ رسالہ مرغوب موحدان سے آپ کے نثر کا نمونہ درج ذیل ہے ۔ اپنے والد ماجد سائین عبدالغنی کے عادات و خصائل پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے ایک مضمون مین لکھتے ہین :-

[1] " قبلہ و کعبہ کا یہ طریقہ تھا کہ حضار مجلس کے مدعا و مرام کا بیان جواب باصواب نقول و حکایات کے پردے اور تلمیح و کنایہ کے پیرایہ مین

---

[1] رسالہ مرغوب موحدان ص ۱۵ مطبوعہ عباسی پریس کراچی ۱۳۵۸ھ

ادا فرماتے تھے ۔ ہر قصہ مغز معانی کا حصہ، ہر افسانہ اسرار کا خزانہ، ہر کہانی رموز باطن کی نشانی ہوتی تھی ۔ تعظیم و تکریم ظاہری ہرگز پسند نہ تھی بلکہ سادگی و بے تکلفی موجب رضامندی اور موافق طبع مبارک تھی ۔ آپ نے طالبین خدا کو دوست کے سوا کسی اور خطاب سے یاد نہ فرمایا ۔ دعویٰ و طامات کی بات کبھی دہان مبارک سے نہین سنایا ۔ اگرچہ فوائد باطن کے جویا اور ہمت دعا کے طالب کئی آتے اور اس بحر کرم سے سیراب و شاد کام ہوتے ۔ لیکن آپ کسی معاملہ کو اپنی طرف نسبت نہ کرتے بلکہ جملہ امور کو فاعل حقیقی کی مشیت و مرضی پر حوالہ فرماتے ۔ تمام عمر توکل و قناعت کے میدان مین مردانہ وار بسر کی ۔ جسو کچھ فتوحات غیبی سے آیا کھایا کھلایا ۔ حلم و وقار مین کوہ ابنار تھے ۔ کسی کی عقیدت وارادت یا کج شوخی و بے ادبی سے مزاج مبارک مین ذرہ تغیر واقع نہ ہوتا تھا ۔ مدح و ذم دونون آپ کی ہمت عالی کے سامنے ہم وزن و ہم پلہ تھین بلکہ نادانون کی خیرہ چشمی و گستاخی کے عوض احسانات گونا گون نزول فرماتے ۔ کوئی دن ایسا نہ تھا کہ دور دیار سے تشنہ لبان طالبان زیارت کے واسطے نہ آتے ۔ فتوت و مروت صفائی معاملت اور وفائے عہد آپ کا شیوہ خاص تھا ۔"



مولانا فضل احمد غزنوی

[1] "فضل احمد غزنوی کے والد سردار اللہ بخش خان، امان اللہ خان بادشاہ افغانستان کے وزیر دربار تھے ۔ بچہ سقہ کی بغاوت کے نتیجے مین جب امان اللہ خان کو اپنا تاج و تخت چھوڑ کر اٹلی جانا پڑا تو سردار اللہ بخش خان بھی افغانستان چھوڑ کر کوئٹہ چلے آئے ۔ نادر خان نے افغانستان مین بغاوت فرو کرنے اور بچہ سقہ کو گرفتار کرلینے کے بعد جب سلطنت افغانستان کی باگ ڈور خود اپنے ہاتھ مین لے لی تو سردار اللہ بخش خان کو کوئٹہ چھوڑنا پڑا اور وہ مستقل طور پر سندھ مین آباد ہوگئے ۔ جھڈو شہر سے تین میل دوری پر تحصیل میرپور خاص، ضلع تھرپارکر مین کچھ زمین حاصل کرکے انہون نے ایک گانو بسایا جس کا نام پھنجو گوٹھ رکھا اور خود اپنے خاندان کے ساتھ وہین بس گئے ۔ فضل احمد غزنوی صاحب کا آبائی وطن گویا یہی ہوا ۔ اب ان دنون وہ خاص حیدرآباد، لطیف آباد، یونٹ ۷ مین

---

[1] یہ تمام سوانحی حالات راقم الحروف نے فضل احمد غزنوی سے خود مل کر حاصل کیے ہین ۔

اپنے بنگلہ میں مقیم رہ کر کتب بینی اور تالیف و تصنیف میں وقت گزار رہے ہیں۔
آپ کا سنہ پیدائش ۲۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء ہے۔

فضل احمد غزنوی نے ابتدائی تعلیم اسلامیہ اسکول، محلہ کاشی، کوشتہ میں پائی پھر سندھ آگئے اور پڑھائی چھوڑ دی۔ ۱۹۲۶ء میں آپ کے والد کا اور ۱۹۲۷ء میں آپ کے چھوٹے بھائی علی احمد خان کا انتقال ہوا تو مولانا فضل احمد غزنوی کا دل دنیا سے ٹوٹ گیا اور وہ پا پیادہ شیراز اور مصر ہوتے ہوئے عازم مکہ معظمہ ہوئے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر سات سال تک مسجد نبوی میں علم دین حاصل کرتے رہے۔ قیام کے دوران چھ مرتبہ فریضہ حج کی ادائیگی سے بھی شرفیاب ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں "شیخ الحدیث" کی سند حاصل کرکے تبلیغ دین کا ارادہ دل میں لے کر وطن واپس ہوئے۔ وطن پہنچ کر نور محمد ہائی اسکول، حیدر آباد میں عربی ادبیات کے معلم کی حیثیت سے ملازمت کرلی اور ساتھ ہی تبلیغ دین میں بھی مشغول رہے۔ ۱۹۴۲ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی۔ اے پاس کرکے ٹی۔ جے۔ نیشنل کالج میں عربی ادبیات کے استاد مقرر ہوگئے۔ ۱۹۴۳ء میں حکومت سندھ کے تحت اسسٹنٹ ایجوکیشنل انسپکٹر کے عہدے پر مامور ہوئے۔"

مولانا فضل احمد غزنوی کی صحافتی اور سیاسی زندگی کا آغاز یکایک سوامی دیانند کی کتاب ستیارتھ پرکاش کی اشاعت سے ہوا۔ اس کتاب کے چودھویں باب میں کوربا طن مصنف نے رسول اللہ اور ان کے اہل خاندان پر رکیک حملے کیے تھے۔ مولانا اس کی مدافعت اور مداوا کے لیے عوامی زندگی میں آگئے۔ ملازمت چھوڑ کر یکسوئی کے ساتھ

تبلیغ اسلام اور اسلام کے خلاف هر حملے کی مدافعت کے لیے تیار هوگئے اور ۱۹۲۲ء مین اس کتاب کو همیشه کے لیے ممنوع قرار دلوا کر دم لیا ـ انهون نے اس سلسلے مین اردو اخبارات انقلاب لاهور، زمیندار لاهور، احسان لاهور اور شهباز لاهور مین مختلف قرار دادین اور مسلسل مضامین لکھ کر ایران حکومت کو هلا ڈالا اور مسلمانون کے دل مین اسلام کے تحفظ کا جذبه بیدار کردیا ـ اس وقت کے اخبارات کے ریکارڈ مولانا کے ذاتی کتب خانے مین محفوظ هین اور راقم الحروف کی نظرون سے گزرے هین ـ روزنامه احسان لاهور کی ۹ جولائی ۱۹۲۳ء کی اشاعت مین مولانا فضل احمد غزنوی نے جو اپیل شائع کرائی تھی اس کے کچھ اقتباسات ان کے ریکارڈ کے فائل سے اس لیے اس جگه نقل کئے جارهے هین که اس سے مولانا کی صحافتی نثر کا اندازه هوسکے :-

[1] "۹ جولائی ۱۹۲۳ء کے دن پنجاب، بنگال، آسام اور سرحد کے مسلمان احتجاج کرین ـ"

اس عنوان کے تحت لکھتے هین :-

"آریه سماج کی کتاب ستیارتھ پرکاش کے چودھوین باب مین الله پاک، رسول پاک اور قرآن پاک پر بے حد دل آزار اور شرمناک حملے کیے گئے هین ـ حال هی مین آریون نے اس کا سندھی ترجمه چھپوایا هے ـ اس پر سندھ کے علماء اور عام مسلمانون نے سندھ سرکار کو مجبور کیا که اب هندو مسلم اتحاد اور جنگ کے زمانے مین ایسی فساد انگیز اور تفرقه انداز کتاب کا چھپنا بہت نقصان ده اور هندو مسلم فساد پر منتج هوگا ـ سندھ

---

[1] از ریکارڈ اخبار احسان لاهور ص ۲۹ ـ محفوظ در کتب خانۂ ذاتی مولانا فضل احمد غزنوی لطیف آباد حیدرآباد (سندھ)

سرکار نے مسلمانون کے اس حق اور معقول مطالبہ پر منصفانہ غور کرنے کا وعدہ فرمایا ۔ اس پر سندھ وپنجاب کے آریون نے یہ چال چلی کہ کچھ سچ اور کچھ جعلی فہرست بناکر سندھ سرکار اور سندھ گورنر کو تارین اور ریزولوشن بھیجنے شروع کر دئے کہ مسلمانون کا یہ مطالبہ منظور نہ کیا جائے ۔ اب ھندوستان کے مسلمانون کے ایمان کے امتحان کا وقت ھے ۔ ھندوستان کی سب اسلامی جماعتون سے عرض ھے کہ سب سے پہلے یہ کام کرین کہ ۹ جولائی ۱۹۴۳ء بروز جمعہ نماز کے بعد ھندوستان بھر کے شہرون، دیہات اور محلون کی طرف سے تجویزین اور خطوط سندھ کے وزیر اعظم، سندھ کے گورنر اور وائسرائے کو تارین یا خطوط حسب استطاعت بھیجے جائین کہ سندھ کے مسلمانون کا مطالبہ بالکل معقول اور حق بجانب ھے ۔ اس مین مداھنت نہ کی جائے اور اگر اس جائز اور مناسب مطالبہ کو تسلیم نہ کیا گیا تو ھندوستان بھر کے مسلمان اپنے سندھی بھائیون کے ساتھ مل کر ستیہ گرہ کرنے پر مجبور ھون گے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر تن من دھن سب کچھ قربان کردینگے ۔ اس کی اطلاع ذیل کے پتہ پر مرکز کو بھی بھیج دی جائے ۔"

مولانا فضل احمد غزنوی وقتاً "فوقتاً" حالات کے تحت صحافت اور سیاست مین آتے رھے لیکن ان کا فطری رجحان علمی مذھبی موضوعات پر تالیف و تصنیف اور تبلیغ دین ھے اور وہ اس مین برابر مشغول رھے ۔ سندھی اور اردو دونون زبانون مین ان کی متعدد تصانیف موجود ھین جن مین سے کچھ طبع ھوچکی ھین اور بقیہ مسودات کی شکل مین طبع ھونے کی منتظر ھین ۔

سندھی زبان مین ان کی ایک اہم تصنیف سیرت النبوی ہے جو دو جلدون مین تقریبا" ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے ۔ سندھی زبان مین ان کی اور بھی تصانیف ہون گی لیکن اس وقت مجھے ان کی اردو تصانیف سامنے لانا ہے ۔

اردو مین مولانا کی مندرجہ ذیل کتابین راقم الحروف کی نظرون سے گزری ہین :۔

(۱) تفسیر غزنوی (۲) مسند فضل احمد
(۳) الایمان اور الاسلام (۴) پردہ اور مسلم خاتون
(۵) مکمل دستور اسلام (۶) صحیح قرآنی فیصلے
(۷) جہان کہن (۸) بنیادی اصولون کی ریوٹ پر تبصرہ
(۹) صحیح مقام حدیث (۱۰) شیعہ سنی اتحاد
(۱۱) تعداد ازدواج
(۱۲) کیا یہ صحیح ہے کہ اسلامی حکومت تیس سال سے زائد نہ چل سکی
(۱۳) ایک اسلام ایک قرآن
(۱۴) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اور پرویز

(۱) تفسیر غزنوی [1] :۔

یہ تفسیر غیر مطبوعہ مسودہ کی شکل مین مولانا کے پاس محفوظ ہے ۔ یہ مولانا کی بڑی اہم تصنیف ہے ۔ اس تفسیر کو جیساکہ مولانا نے فرمایا انھون نے اردو، فارسی ،

---

[1] تفسیر و قرآن پر اب تک برصغیر مین بے شمار کتابین لکھی گئی ہین ۔جن مین مولانا ابوالکلام آزاد کی " ترجمان القرآن " ابوالاعلی[1] مودودی کی " تفہیم القرآن " مولانا احتشام الدین کی " تفسیر اکثرالمعظم " مولانا اشرف علی تھانوی کی " بیان القرآن " مولانا امیر علی ملیح آبادی کی "تفسیر مواھب الرحمٰن " مولانا حسن نظامی کی " عام فہم تفسیر قرآن " مولانا اسمٰعیل شہید کی " اعاظم التفاسیر " مولانا نذیراحمد کی" ترجمہ قرآن ، غرائب القرآن " خاص طور پر قابل ذکر ہین ۔مولانا فضل احمدغزنوی نے تقریبا" ان تمام تفاسیر سے استفادہ کیا ہے ۔

عربی، سندھی اور انگریزی ان پانچ زبانون مین لکھا ہے لیکن راقم الحروف کی نظر سے صرف اردو زبان مین لکھا ہوا حصہ گزرا ہے ۔ اس کی زبان سادہ اور آسان ہے ۔ معمولی استعداد کے اردو دان بھی پڑھ سکتے ہین ۔ اس تفسیر کے سلسلے مین دوران گفتگو مولانا نے فرمایا کہ " اس تفسیر کا مواد لینے مین تو مجھے تیس سال لگ گئے لیکن اس کی تدوین تین سال مین (۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۶ء تک) مکمل ہوئی ۔ " اس تفسیر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے حروف مقطعات کی بھی وضاحت کی ہے جو دوسری تفسیرون مین نہین ملتی ۔ دوسری خاص بات اس تفسیر مین یہ ہے کہ مولانا نے اعتقادات کی بجائے سائنس کی ایجادات کو پیش نظر رکھ کر اسے لکھا ہے ۔ امامون کے اختلافی مسائل کے سلسلے مین انہون نے مجھ سے فرمایا کہ :-

"امامون نے احادیث کی روشنی مین ضابطے بنائے ہین اس لیے ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ جو بھی چاہے اختیار کرے اور کسی کو برا نہ کہے بلکہ کبھی کبھی ان کی پیروی بھی کرلیا کرے تاکہ یہ فرقے رفتہ رفتہ ختم ہوجائین اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر دوبارہ طاقت حاصل کرلین ۔ قرآن نے بارہا " ولا تفرقوا " کہا ہے اور رسول اللہ نے بھی اپنے وصال کے وقت مسلمانون کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ میرے بعد فرقون مین مت بٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارتے پھرو ۔ "[1]

---

[1] یہ اظہار خیال مولانا نے اس وقت فرمایا جب ۲۷ فروری ۱۹۷۲ء کو ان سے ان کے حالات زندگی معلوم کرنے اور ان کی تصانیف سے مستفید ہونے کی غرض سے ان کے قیام گاہ واقع لطیف آباد، حیدر آباد مین ملا تھا ۔

تفسیر غزنوی کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں ان سے ان کے طرز تحریر کا بھی اندازہ ہوگا ۔ الٓمٓ ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ ۰۰۰۰۰۰ کی تفسیر اس طرح فرمائی گئی ہے :-

۱ " میں ہوں اللہ، عالم کل، دانائے کل ۔ وہ (کتاب) یہی قرآن (مجید) ہے (جس کے آخری زمانے میں آنے کی پیشگوئیاں اور خوشخبریاں تمام انبیا و رسل علیہم السلام دیتے آئے ہیں کہ آخری زمانے میں آخری کتاب قرآن اور نبی آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے) اس (قرآن) کے منجانب اللہ ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش ہرگز نہیں ۔ (یہ قرآن ہدایت تو قیامت تک کے آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے) مگر اس کی ہدایت پر چلتے صرف وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں ۔"

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى کی تفسیر مولانا نے اس طرح فرمائی ہے :-

۲ " وہ پاک ذات اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنے بندہ (محمد) کو ایک رات (معراج والی) میں کعبۃ اللہ سے عرش معلیٰ تک سیر کرائی ۔ جس عرش کا ماحول برکتوں سے بھرا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس (اپنے بندہ محمد) کو اپنی نشانیاں دکھلائے ۔ (اور اپنا دیدار کرائے) بلا شبہہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے "

---

۱ تفسیر غزنوی (قلمی) ص ۳
۲ ایضا " ص ۶۲۲

" تفسیر مین مین نے مسجد الاقصیٰ[۱] کا ترجمہ عرش معلیٰ[۱] کیا ہے اور اسے اپنی ترجمانی یہی ہے ۔ اور بحمداللہ کہ اس مین منفرد ہون کیون کہ دوسرے کسی بھی مترجم خواہ مفسر کا ذہن اس طرف نہین گیا ۔ "

(۲) مسند فضل احمد :۔

اس مین مولانا نے مختلف احادیث کی کتابون کو دیکھ کر ۴۳۸ صحیح حدیثین جمع کر دی ہین ۔ اس کتاب کو لکھنے کا مقصد جیساکہ مولانا نے مجھ سے فرمایا یہ ہے کہ ۔۔ " صحیح حدیث کے متلاشیون کو آسانی سے یک جا طور پر صحیح حدیثین مل جائین اور اگر کبھی احادیث کی روشنی مین دستور بنانے کی طرف قدم اٹھایاجائے تو اس وقت مسند فضل احمد کام آسکے ۔ " یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ مسودہ کی شکل مین ہے ۔ نمونۂ تحریر درج ذیل ہے :۔

[۱] " ویسے تو سارا قرآن عظیم و احادیث صحیحہ اسلام کے بنیادی اصول ہی ہین مگر چون کہ یہ پانچ بنیادی اصول اسلام کی جان ہین اس لیے ان کو خاص اہتمام کے ساتھ مختص کردیا گیا ہے ۔ تجدید مراد نہین ۔

اِلٰہ کے معنی ہین ایسی ہستی جو دل کے راز جانے اور دل مرادین دے ، مشکل کشائی کرے ، غیب دان ہو ، ان داتا ہو ، بیٹا اور بیٹی دے ، بارش برسائے ، دستگیری کرے ، اور غوث اعظم ہو ، لہذا

---

[۱] مسند فضل احمد غزنوی (قلمی) کتاب الایمان ص ۱

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ کے معنی یہ ہوئے کہ ایک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مشکل کشا نہین، کوئی حاجت روا نہین، کوئی دلون کی نہین جانتا اور نہین کوئی دوسرا دلی مرادین دے سکتا ہے ــ کوئی دوسرا بیٹا یا بیٹی نہین دے سکتا ــ یہ سب کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے ــ مشکل کشا بھی وہی ہے اور دستگیر بھی وہی، غوث اعظم بھی وہی اور حاجت روا بھی وہی ہے ــ "

(۳) الایمان اور الاسلام :-

یہ دونون رسالے مولانا نے اسلامیات کی تعلیم کے سلسلے مین بچون کے لیے لکھے تھے ــ ۱۹۳۲ء مین یہ طبع ہوچکے ہین اور بچون کی اسلامی تعلیم کے سلسلے مین بہت مفید ثابت ہوئے ہین ــ

(۴) پردہ اور مسلم خاتون :

یہ مختصر سا رسالہ پردہ کے سلسلے مین لکھا گیا ہے ــ اس مین پردہ کی تائید مین صرف قرآن پاک سے استشہاد پیش کیا گیا ہے اور بہت ہی خوبی سے پردہ کی اچھائیون کو دکھلایا گیا ہے ــ ۱۹۵۱ء مین یہ رسالہ بھی حیدرآباد سے طبع ہوچکا ہے ــ

(۵) مکمل دستور اسلام :-

اس کتاب مین مولانا نے بتایا ہے کہ دستور اسلام کے اساسی عنصر کون کون سے ہین ــ مثلاً " قرآن و حدیث مین جو کچھ ہے وہ سب اساسی دستور مین آتے ہین اور فقہہ مین جو باتین فقیہون نے لکھی ہین وہ اساسی نہین ہین ــ یہ کتاب بھی ۱۹۵۱ء مین حیدرآباد سے طبع ہوچکی ہے ــ

(٦) صحیح قرآنی فیصلے :-

یہ کتاب غلام احمد پرویز کے قرآنی فیصلے کے جواب میں لکھی گئی ہے ۔ قرآنی فیصلے میں غلام احمد پرویز نے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن شریف کے سوا حدیث کوئی چیز نہیں اور تمام امور میں مسلمانوں کو صرف قرآن مجید کو پیش نظر رکھنا چاہئے ۔ حدیث کی کوئی ضرورت نہیں ۔ مولانا غزنوی نے صحیح قرآنی فیصلے میں بیالیس آیات قرآنی کو پیش کرکے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے احادیث بہت ضروری ہیں ۔ بغیر حدیث کے کلام پاک کے مفہوم کچھ بھی نہیں سمجھے جاسکتے ۔ یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں فضل الکٹرک پرنٹنگ پریس حیدرآباد سے طبع ہوچکی ہے ۔

(۷) جہانِ کہن :-

یہ کتاب غلام جیلانی برقؔ کی کتاب جہانِ نو کے جواب میں لکھی گئی ہے ۔ جہانِ نو میں برقؔ نے لکھا تھا کہ نماز روزہ کے چکر میں مولوی غلط پڑے ہوئے ہیں ۔ اصل حکم " سیروا فی الارض " ہے ۔ مولانا نے دلائل سے برقؔ کے مضحکہ خیز بیان کی تردید کی ہے ۔ یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں حیدرآباد سے طبع ہوچکی ہے ۔

(۸) بنیادی اصولوں کی رپورٹ پر تبصرہ :-

یہ رسالہ سیاسی نوعیت کا ہے اس میں مولانا نے آئین سازی کے موقع پر دستور ساز اسمبلی پاکستان کو متنبہ کیا تھا کہ قوانین سے صدر یا وزیر اعظم کوئی بھی مستثنیٰ نہیں سمجھا جاسکتا ۔ ۱۹۵۳ء میں یہ رسالہ حیدرآباد سے طبع ہوچکا ہے ۔

(۹) صحیح مقام حدیث :-

یہ کتاب پرویز کی کتاب مقام حدیث کے جواب مین لکھی گئی ہے ۔ یہ دو جلدون پر مشتمل ہے اور ۱۹۵۵ء مین حیدر آباد سے شائع ہوچکی ہے۔ اس مین پرویز کے گمراہ کن خیالات کی تردید کی گئی ہے ۔ پرویز نے لکھا تھا کہ احادیث، رسول اللہ کی وفات کے دو سو سال بعد لکھی گئی ہین اس لیے معتبر نہین ۔ مولانا نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حیات ہی مین لکھی گئی ہین البتہ اس کی تدوین بعد مین ہوئی ۔

(۱۰) شیعہ سنّی اتحاد :-

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے ۔ اس مین مولانا نے لکھا ہے کہ اگر شیعہ حضرات صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا بند کردین تو پھر شیعہ سنّی اتحاد مین کوئی چیز سدّ راہ نہین ہوسکتی ۔ اور یہ کام پاکستان کے استحکام کے لیے دونون طبقون کے مشورے سے کیا جاسکتا ہے ۔ ۱۹۵۵ء مین یہ رسالہ بھی شائع ہوچکا ہے ۔

(۱۱) تعداد ازدواج :-

اس مین تعداد ازدواج کے مسئلے پر قرآن مجید کی روشنی مین بحث کی گئی ہے ۔ مولانا نے اس مین بتلایا ہے کہ ضرورت کے مطابق ایک سے زیادہ شادیان کی جاسکتی ہین لیکن اس کے لیے " عدل " شرط اولین ہے ۔ یہ بھی مطبوعہ ہے ۔

(۱۲) کیا یہ صحیح ہے کہ اسلامی حکومت تیس برسون کے بعد نہ چل سکی :-

اس مختصر سے رسالے مین مولانا نے بزور طور پر تاریخ کی روشنی مین ثابت کیا ہے کہ دنیا کے کسی نہ کسی حصے مین اسلام کے ظہور سے اب تک اسلام کی حکومت قائم ہے اور برابر رہے گی ۔ اس رسالے مین وضاحت کی گئی ہے کہ اسلامی نظام اور اسلامی حکومت مین فرق ہے ۔ اگر قوانین اسلام کسی حکومت مین جاری ہین تو اسے اسلامی حکومت کہا جائے گا اور اگر اسلامی نظام جاری نہین ہے تو پھر فرشتہ صفت حکم ران کے ہوتے ہوئے بھی اسے اسلامی حکومت نہین کہا جاسکتا ۔

(۱۳) ایک اسلام ایک قرآن :-

یہ کتاب مولانا نے برق کی کتاب " دو اسلام دو قرآن " کے جواب مین لکھی ہے ۔ یہ مطبوعہ ہے اس کتاب کا ایک جگہ سے اقتباس نمونۂ نثر کے طور پر درج ذیل ہے :-

" اب مین برق صاحب کے اس مغالطہ عظیمہ ، جہالت کبریٰ اور زندیقیت لا مثالہ کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہون جس مین اس نے سورج کے سجدہ کرنے والی حدیث کا تمسخر اڑایا ہے ۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ اس کمبخت نے اس حدیث شریف کے الفاظ نہین دیے بلکہ صرف ترجمہ اور وہ بھی غلط دیا ہے ..... دراصل آنحضرت نے سورج کی اطاعت گزاری کا ذکر فرماتے ہوئے قیامت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سورج ایک وقت مقررہ تک تو اسی نہج و خط پر چلتا رہے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر فرما دیا ہے مگر ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب سورج اپنے محور کو بھی چھوڑ دے گا اور قیامت بپا ہوجائے گی یعنی

نظام شمسی (Soler System) تہہ و بالا ہوجائے گا اور اسی کا نام ہے قیامت جیساکہ ہم بتا آئے ہیں کہ آنحضرت صلعم کا مشن چون کہ یہ تھا کہ مخلوق خدا کو مخلوق کی ہر مشابہات سے خالق اکبر کی طرف متوجہ فرمائیں اس لیے فرمایا کہ سورج بھی ایک وقت معین کے بعد بہ حکم رب متعال اپنا راستہ بدل دے گا ۔ " [1]

مولانا فضل احمد غزنوی کی ایک اور قابل ذکر کتاب دینیات کی ہے ۔ یہ سولہ جلدون پر مشتمل غیر مطبوعہ مسودے کی شکل مین ہے مولانا نے اسے درجہ اول سے ام ۔ اے تک کے نصاب کے لیے لکھا ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اس کتاب کو نصاب کی ایک لکھا ہوئے مین شامل کر دیا جائے تو ملک مین کمیونزم کے زور کو توڑا جاسکتا ہے اور صحیح اسلامی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے ۔ مجھ سے گفتگو کے دوران مولانا فرمانے لگے کہ ۔۔۔ " مذہب اسلام خود کمیونزم کا حامل ہے اس لیے کہ قرآن و احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو لوگ ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرتے ہین ان سے چھین کر دولت غریبون مین تقسیم کر دی جائے اور زکواۃ کی رقم زبردستی وصول کی جائے ۔ اگر یہ دونون باتین عمل مین آجائین تو پھر کوئی غریب ایسا نہین ملے گا جسے روٹی کپڑا اور مکان میسر نہ ہو ۔ "

اب ہم ان کی تصنیف " دینیات کی تیرھوین کتاب " کے قلمی مسودے سے ایک اقتباس نمونۂ نثر کے طور پر پیش کرین گے ۔ " قتل اولاد کے منافی کیا ہین "

---

[1] ایک اسلام ایک قرآن مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۵۵ء ص ۲۸۳ ۔ ۲۸۸

کے عنوان سے لکھتے ہین :-

سے[1] " قدیم ازمنہ مین اور آج بھی خداوند عالم کی رزاقیت مین جو مشرک قومین ایمان نہین رکھتین وہ اپنے بچون کو اور خاص کر لڑکیون کو قتل کردیتی تھین کہ ان کے لیے روٹی کہان سے لائین گے ......
عرب کے بدوؤن مین دستور تھا کہ لڑکا تو بڑا ہوکر قتل و غارت گری اور ڈاکہ زنی مین مددگار بنے گا مگر لڑکی تو صرف بوجھ ہی ہوگی - اس لیے عرب مین بچیون کے قتل کی کافرانہ رسم عموما " اور اونچے گھرانون مین تھی نیز یہ بھی جہالت تھی کہ ہمارا کوئی ثانی شریک نہین - ہماری لڑکی باہر کیسے بیاہی جائے گی - "

مولانا فضل احمد غزنوی اپنی تصانیف کے لحاظ سے ارتقائی دور سے گزرے ہین - ابتدا مین انھون نے الایمان اور الاسلام جیسے رسالے بچون کی تعلیم و تربیت کے لیے لکھے - رفتہ رفتہ ان کے موضوع بھی وسیع ہوتے گئے اور آخر مین تفسیر غزنوی اور مسند فضل احمد جیسی اہم کتابون کی تدوین ہوئی -

مولانا فضل احمد غزنوی کی اردو نثر سادہ اور عام فہم ہے - ان کی تصانیف کے موضوعات صرف علمی اور مذہبی ہین - ان کے یہان ادبیت اور دل کشی نہین پائی جاتی - ان کی تحریر مین توازن پایا جاتا ہے وہ دلائل ہمیشہ قرآن و حدیث سے لاتے ہین جن پر ان کو پورا عبور حاصل ہے - ان کی اردو نثر مین ہمین زبان کے

سے[1] دینیات کی تیرھوین کتاب - غیر مطبوعہ ص ۱۸

ارتقا کا کوئی سراغ نہیں ملتا ۔ شروع سے آخـــر تک ان کی تحریر یکساں طور پر سپاٹ اور عام فہـم نظـر آتی ہے لیکن بلا شبہہ ان کے تصنیفی مقاصـد بہت اعلـٰی اور بہتر ہیں ۔

عبدالواحد سندھی

"عبدالواحد سندھی صاحب کے والد عبدالوارث صاحب تحصیل میرپور ماتھیلو' ضلع سکھر کے ایک گاؤن "ودھن مہر" کے رہنے والے تھے ـ ان کا تعلق مسلم راجپوت گھرانے سے تھا ـ ان کے جد اعلٰی رندھیر حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے بھانجے حضرت موسی نواب کے ہاتھ پر مشرف به اسلام ہوئے تھے ـ عبدالواحد سندھی صاحب اپنے اسی آبائی گاؤن ودھن مہر مین ۱۹۰۸ء مین پیدا ہوئے ـ سات سال کی عمر مین والدہ کی شفقت سے محروم ہوئے اور اس کے دو سال بعد یعنی نو سال کی عمر مین والد بھی اس دنیا مین تنہا چھوڑ کر رخصت ہوگئے ـ ایسی حالت مین آپ کے چچا مولوی محمد صادق صاحب نے آپ کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے سر لی ـ مولوی محمد صادق صاحب عربی و فارسی کے جید عالم تھے ـ اپنے بھتیجے کو ابتدائی تعلیم انھون نے خود دی ـ سر عبداللہ ہارون کے وظیفہ پر ۱۹۲۲ء مین وہ جامعہ ملیہ علی گڑھ روانہ ہوئے اور اسی جامعہ سے بی ـ اے کرکے "موگا مشن ٹریننگ اسکول" مین داخل ہوگئے ـ وہان سے

درس و تدریس کی سند حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۷ء تک جامعہ ملیہ دھلی مین مدرس کی حیثیت سے کام کرتے رہے ۔ ۱۹۴۸ء مین تقسیم ھند کے بعد وہ اپنے وطن چلے آئے اور یہان پاکستان پبلیکیشن مین "نئین زندگی" کی ادارت کے عہدے پر کام کرتے رہے ۔ ۱۹۶۶ء تک اس جگہ پر فائز رہ کر علمی اور ادبی خدمات انجام دیتے رہے ۔ ۱۹۶۷ء مین ریٹائر ہونے کے بعد جامعہ تعلیم ملی کراچی سے وابستہ ہوگئے اور آج تک بچون کے لیے چھوٹی چھوٹی کتابین لکھ کر اور رسالہ ستارہ کی ادارت کر کے ملک و قوم کی خدمت مین مشغول ھین ۔ [1]

عبدالواحد سندھی صاحب کی ادبی اور علمی سرگرمیان جامعہ ملیہ دھلی مین طالب علمی کے زمانے سے ھی شروع ہوگئی تھین اور رسالہ جامعہ کے علاوہ دوسرے ماھنامہ رسالون مین بھی مضامین لکھتے رہتے تھے ۔ امریکن طریقۂ تعلیم کی ٹریننگ کے ادارہ "موگامیشن ٹریننگ اسکول" ضلع فیروزپور مین تعلیم بہ ذریعہ کہانی دی جاتی تھی ۔ استاد خود ھی ضرورت اور مقصد کے مطابق کہانیان لکھتے تھے ۔ عبدالواحد سندھی صاحب جب یہان داخل ہوئے تو یہین سے بچون کے لیے کہانیان لکھنے کا ملکہ ان کو حاصل ہوا اور وہ مولانا اسمٰعیل میرٹھی کی طرح بچون کے کہانی نویس ہوگئے انھون نے بچون کے لیے بے شمار کہانیان لکھین ۔ شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب کے اخلاق، علم دوستی، طالب العلمانہ زندگی اور کسی حد تک طرز تحریر سے بھی یہ بہت زیادہ متاثر ہوئے ھین ۔ موگا میشن اسکول کے ھفتے وار تبلیغی پروگرام

---

[1] یہ تمام سوانحی حالات راقم الحروف نے عبدالواحد سندھی صاحب سے مل کر حاصل کیے ۔

" سنڈے اسکول " کی سرگرمیون مین شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب کی سفارش پر انھین حصہ لینے کا موقع مل گیا اور اس کے بعد جب وہ موگا میشن اسکول سے ٹریننگ مکمل کرکے جامعہ ملیہ دھلی مین استاد کی حیثیت سے آگئے تو شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب کے تعاون سے اسی طرز پر اسلامی تعلیمات کے تبلیغی ادارے " فرائی ڈے اسکول " کی انھون نے بنیاد رکھی مگر حالات کی ناسازگاری کے باعث یہ ادارہ نہ چل سکا ۔

جامعہ ملیہ دھلی کی مدرسی کے دوران ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے ایما پر انھون نے بچون کے لیے مشن طریقے پر مضامین اور کہانیان لکھنی شروع کردین جن مین رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی حیات مبارکہ اور ان کے اخلاق حسنہ پر روشنی ڈالی جاتی تھی اور اس طرح بچون کے لیے آسان کہانیان پچاسون لکھین جن مین مندرجہ ذیل چند کہانیان بہت مشہور ہین :-

(۱) روٹی کس نے پکائی
(۲) بندر اور نائی
(۳) بی مینڈکی اور کوا
(۴) لومڑی کا گھر
(۵) جادو کا گھر
(۶) چل میرے مٹکے ٹمک ٹم
(۷) پتھر مین جونک کیا خاک
(۸) تاک دنادن تا کے
(۹) پان کھاکر طبلہ بجاکر
(۱۰) پکڑو دم کٹے کو
(۱۱) دال تو خوب پکی
(۱۲) پانسہ پلٹے
(۱۳) دیو کو کس نے ہرایا
(۱۴) مچھیرا اور اس کی بیوی

(۱۵) راجا کے محل جاؤں گا (۱٦) چیونٹی رانی

(۱۷) عیدو میاں کی عیدیں وغیرہ وغیرہ ۔

ان کہانیوں کے علاوہ کچھ بڑے بچوں کے لیے بھی آپ نے مفید اور دلچسپ کتابیں لکھی ہیں ۔ ان کتابوں میں عبدالواحد سندھی صاحب نے بچوں میں جوش اسلامی اور عزم و ہمت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ ان میں چند قابل ذکر کتابیں یہ ہیں :۔

(۱) قرآن پاک کیا ہے (۲) اسلام کیسے پھیلا

(۳) رسول پاک کون تھے (۴) اسلام کے مشہور امیرالبحر

(۵) اسلام کے مشہور سپہ سالار

(۱) قرآن پاک کیا ہے :۔ اس کتاب میں قرآن کا نزول کس طرح ہوا ۔ اس کے پیغامات کیا ہیں اور انسان کی تعمیر میں اس کا کیا کردار ہے ؟ ان باتوں کو بہت ہی عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے ۔ تاریخی واقعات کی روشنی میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قرآن نے دنیا کی حالت کو کس طرح بدل دیا ۔

(۲) اسلام کیسے پھیلا :۔ اس کتاب میں اسلام کی ابتدائی تاریخ لکھی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اسلام آخری دین ہے ۔ اسلام کے پھیلانے والے کون کون بزرگ تھے اور انہوں نے اس کی خاطر کتنی قربانیاں دیں ۔ اس طرح بچوں میں دین کے لیے قربانی دینے کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

(۳) رسول پاک کون تھے کیسے تھے اور آپ نے کیا سکھایا :۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کہاں پیدا ہوئے ۔ کس طرح پلے بڑھے ۔ بچپن اور جوانی میں

کس طرح رہے پھر خدا نے جب آپ کو آخری نبی بنایا تو اس وقت دنیا کی حالت کیا تھی اور آپ نے لوگون کو کس طرح اسلام کی طرف بلایا ۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ آپ نے دنیا کو اپنے پیارے اخلاق کے ذریعہ کیا سکھایا ۔ خلق محمدی کے وہ پہلو جو ہماری روزانہ زندگی سے تعلق رکھتے ہین ان کو واقعات کی روشنی مین بچون اور بچیون کے سامنے رکھا گیا ہے ۔

(۲) اسلام کے مشہور امیرالبحر :۔ اس کتاب مین مسلمانون کو اسلاف کے کارنامے یاد دلاکر ان کو بتایا ہے کہ اگر دوبارہ زمین اور سمندر کی حکومت چاہتے ہین تو سمندر کے طوفان سے لڑنا سیکھین کیون کہ بہترین جہاز سازی اور جہازرانی کے بغیر کوئی قوم نہ ترقی کر سکتی ہے اور نہ زندہ رہ سکتی ہے ۔ سندھی صاحب نے اس کتاب کے ذریعے علمائے ملت کو اس فرض کے ادائی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ قوم کو جہاز سازی اور جہازرانی کی تربیت دین ۔ تاریخ شاہد ہے کہ ملت اسلامیہ کے جہاز سازی اور جہازرانی کے کارنامے دنیا کی تاریخ مین تابندہ ہین ۔

بچون سے بچون کی زبان مین گفتگو کرنا اور انہین کھیل ہی کھیل مین سبق دینا عبدالواحد سندھی صاحب کی تحریر کا طرۂ امتیاز ہے ۔ مثال کے طور پر کتاب "اسلام کیسے شروع ہوا" سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے ۔ رسول پاک کی زندگی کے آخری تئیس (۲۳) سال کے عنوان سے لکھتے ہین :۔

[1] "ایک یتیم بچہ مکے مین پرورش پا کر جوان ہوا ۔ تجارتی کاروبار کرنے لگا ۔

---

[1] اسلام کیسے شروع ہوا از عبدالواحد سندھی ص ۲۵۵ ۔ ۲۵۷ مطبوعہ فاران لمیٹڈ کراچی (بار سوم) سنہ ندارد

مکے کے بسنے والوں میں سچا اور امانت دار مشہور ہوا ـ پھر اس کی بیاہ شادی ہوئی ـ وہ اپنے کام میں مصروف رہتا ہے چالیس سال کی عمر میں یکایک اس کے دل میں ایک ایسا خیال پیدا ہوتا ہے جو لوگوں کے دل میں پیدا نہیں ہوتا ـ وہ خیال کیا تھا ؟ یہ تھا کہ یہ اونچا اونچا آسمان ، یہ چوڑی چکلی زمین کس نے بنائی ؟ انسان کو کس نے پیدا کیا ؟ انسان کے پیدا ہونے کا کیا مطلب ہے ؟ آپ یہ جوان ان باتوں کو سوچنے کے لیے باہر پہاڑوں کے غاروں میں رات دن کاٹتا ہے ـ یہاں تک کہ اسے اللہ کی طرف سے ایک روشنی ملتی ہے ـ وہ روشنی کیا ہے ؟ وہ اللہ کا پیغام ، رسالت اور سچا دین ہے ـ اس روشنی سے پہلے خود نور حاصل کرتا ہے ـ پھر دنیا کے لوگوں میں اس روشنی کو پھیلانے کے لیے اس کو بہت کم وقت ملا ـ کل تیس سال ـ خیال تو کرو ـ عرب جیسا اجڈ ، جاہل ملک اس کو ملتا ہے ـ عرب کے بسنے والے جہالت میں مست ہیں ـ اچھائی کی بات بتانا اپنے آپ کو تکلیفوں میں ڈالنا ہے ـ نہ ان کا دین ٹھیک نہ دنیا ـ نہ ان کے ملک میں کوئی حکومت اور نہ کوئی قانون ـ ایسے لوگوں اور ایسے ملک میں آپ نے اسلام سکھانا اور پھیلانا شروع کیا ـ "

اسلام کے مشہور سپہ سالار جو ان کی کتاب ہے اس میں طارق بن زیاد فاتح اندلس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

[1] " تم نے اندلس کا نام تو سنا ہوگا ـ یہ ملک یورپ میں ہے ـ اس ملک کے جنوبی حصہ میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام جبل الطارق یا جبرالٹر ہے

---

[1] اسلام کے مشہور سپہ سالار از عبدالواحد سندھی ص ۱۱۳ ـ ۱۱۴ ناشر سرسید پبلیشنگ ہاؤس کراچی (بار اول) سنہ ندارد

اسی جگہ سے طارق نے اندلس پر فوج کشی کی تھی اور یہ حصہ
اب طارق ہی کے نام سے مشہور ہے ۔ طارق کون تھے، کہاں پیدا
ہوئے ؟ ان کے خاندان اور قبیلہ کا کیا نام تھا ان باتوں میں باہم
اختلاف ہے ۔ ہمیں ان کے حسب و نسب سے کوئی واسطہ نہیں ۔ ہمیں
تو بس اتنا معلوم کرنا کافی ہے کہ وہ بڑی ہمت، دلیری اور سوجھ بوجھ
والے سپہ سالار تھے ۔ طارق کے متعلق مشہور تھا کہ وہ حملہ کے وقت
دشمنوں کے ہتھیاروں کو تباہ و برباد کرڈالتے تھے ۔ ان خوبیوں نے
ان کو گمنام سپاہی کے عہدہ سے مشہور اولوالعزم سپہ سالار کے درجہ
تک پہنچا دیا ۔ "

عبدالواحد سندھی صاحب کی زبان بڑی صاف، عام فہم، دل کش اور سلیس ہوتی ہے ۔ وہ ہمیشہ بچوں کے لیے کتابیں لکھتے رہتے ہیں اور اس میں وہ ایک امتیازی حیثیت کے مالک ہیں ۔ بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے وہ انتہائی سادہ، عام فہم اور سلیس زبان میں بڑی سے بڑی بات کہہ جاتے ہیں ۔ کبھی وہ کوئی تاریخی واقعہ سناتے ہیں اور کبھی کوئی مذہبی بات بچوں کے سامنے رکھ کر ان کو پیارے انداز میں نصیحت بھی کر دیتے ہیں ۔ ان کو اپنے مافی الضمیر کو ادا کردینے پر پوری قدرت ہے ۔ وہ بچوں میں بہت زیادہ مقبول ہیں ۔ ان کی ساری کتابیں اصلاحی اور تعلیمی مقصد کی حامل ہیں ۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے اور مختلف موضوعات پر وہ اچھی دست رس رکھتے ہیں ۔

محمد سعید خان سعید

"محمد سعید خان صاحب کے والد ماجد محمد عالم خان صاحب قصبہ قائم گنج ضلع فرخ آباد (یو پی) کے رہنے والے تھے ۔ سعید خان صاحب کی پیدائش یکم جولائی ۱۹۰۸ء کو وہین قائم گنج مین ہوئی ۔ تعلیم و تربیت وہین یو پی مین ہوئی ۔ ۱۹۲۸ء مین بہ سلسلۂ ملازمت سندھ آئے اور پھر یہین کے ہو رہے ۔ باقاعدہ سندھی زبان کی تعلیم حاصل کی ۔ اور یہان کے معاشرے مین شیر و شکر کی طرح مل گئے ۔" [1]

محمد سعید خان صاحب سعید کا ادبی ذوق بہت پاکیزہ اور صاف ستھرا تھا ۔ شاعری خوب کرتے تھے ۔ مزاح اور ظرافت طبیعت مین کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔ اکثر مذاحیہ اشعار کہتے تھے ۔ " ۔ سندھ کے جدید اردو شعرا " مین مشتاق علی جعفری صاحب نے ایک جگہ ان کے بارے مین لکھا ہے :۔

---

[1] سندھ کے جدید اردو شعراء ص ۱۸۲

[1]" شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا ۔ اس لیے اسکول کے زمانے سے ہی تخلص سعید اختیار کیا ۔ اور متعدد مشاعروں میں زاحسہ غزلیں پڑھیں ٠٠٠٠٠ غزلیں، نظمیں، قطعات اور رباعیاں کافی کہی ہیں مگر سب غیر مطبوعہ ہیں ٠٠٠٠٠ ان کا کلام شروع ہی سے داغ کے رنگ میں پایا جاتا ہے تاہم ان کی کوشش ہے کہ وہ زبان کے ساتھ ساتھ مضامین کا بھی لحاظ رکھیں اور کہیں کہیں مضمون آفرینی بھی کریں ۔ "

سعید صاحب نثر کم لکھتے تھے لیکن جو چیز ان کے قلم سے نکل گئی ہے وہ خوب ہی ہے ۔ رسالہ سہارا میں ان کا ایک خط چھپا ہے جو غالبا "اڈیٹر کی فرمائش غزل یا مضمون کے جواب میں لکھا گیا تھا ۔ نمونہ نثر کے طور پر اس جگہ درج ذیل ہے :-

[2]" عزیزی آنکھوں کا ٹھنڈ کبھی ہو ۔ مگر یہ کیا غضب کیا کہ اونچی دوکان سمجھ کر فرمائش کر دی ۔ مرد خدا تمہیں علم نہیں کہ پکوان پھیکا ہے، نام بڑا اور درشن چھوٹا ہے ۔ بھئی چیل کے گھونسلے میں ماس کی دھرور کہاں رہ سکتی ہے ۔ بس یوں سمجھ لو کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا ٠٠٠٠٠٠ غرض جو کچھ پلے تھا نام و نمود کے بھینٹ چڑھادیا یعنی گھر پھونک تماشا دیکھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کورے گھڑے میں چوہا بن کر رہ گئے ۔ آئندہ

---

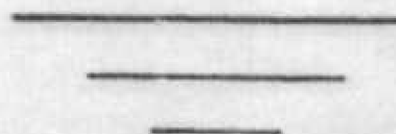
[1] سندھ کے جدید اردو شعراء ص ۱۸۲
[2] ماہنامہ سہارا بابت ماہ نومبر ۱۹۵۰ء ص ۱۸

فائدہ تو کیا ہوتا گھر کا بھی چلا گیا ۔ چوبے جی دوبے رہ گئے۔ کسی صورت سے بھی وضع داری نباہ نہ سکے ۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ دانتون پسینہ آگیا ۔ دوست لکڑی کی تلوار ثابت ہوکر رہ گئے۔ آشنا راستہ کترانے لگے ۔ اپنی آنکھین چرانے اور منہ چھپانے لگے ۔

مجھے ندامت اور افسوس ہے کہ تمہاری فرمائش پوری کرنے کے بجائے اپنی رام کہانی سنانے بیٹھ گیا ۰۰۰۰۰۰۰ تمہارے علم و فضل مین کلام نہین ۔ تم کو نصیحت کرنا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے ۔مگر مین عادت سے مجبور ہون ۔ کہے جاؤن گا چاہے میری آواز صدا بہ صحرا ہی ثابت ہوجاوے یا نقارخانہ مین طوطی کی آواز بن کر رہ جائے کیون کہ اس سے میرے دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے اس مین کچھ نہ کچھ آٹے مین نمک کی طرح پند سودمند موجود ہے ۔"

اس خط مین ادبیت کے ساتھ مزاح اور ظرافت کی بھی چاشنی موجود ہے ۔ زبان بڑی رواں، سلیس اور شستہ ہے ۔

سعید صاحب کا انتقال ۱۹۶۲ء مین ہوا ۔ گورنمنٹ کالج، حیدرآباد کے پیچھے آپ کو سپرد خاک کیا گیا ۔



سرور علی سرور حیدرآبادی

* سرور علی سرور ۱۹۰۹ء مین اپنے آبائی وطن حیدرآباد کے ایک محلہ سلاوٹا مین پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد ماجد حاجی نذر محمد ریلوے کے مشہور کنسٹرکٹر تھے ۔ روپئے پیسے کی کمی نہ تھی اس لیے سرور صاحب کی تعلیم کی طرف ان کے والد نے خاص توجہ دی ۔ ابتدائی تعلیم خلیفہ محمد عثمان صاحب سے حاصل کرنے کے بعد حیدرآباد گورنمنٹ ہائی اسکول مین داخل ہوگئے ۔ پھر کراچی جاکر سندھ مدرسہ سے ۱۹۳۰ء مین میٹرک پاس کیا ۔ ایف ۔ اے کے لیے ڈی ۔ جے سندھ کالج مین داخلہ لیا اور وہین سے ایف ۔ اے اور بی ۔ اے کی ڈگری لی ۔ اسی دوران مین ان کی ملاقات ایک صوفی منش شاعر قاتل لکھنوی سے ہوگئی ۔ ان سے انہون نے کافی استفادہ کیا ۔ شعر و شاعری کے ساتھ تصوف اور سلوک کی چاٹ بھی ان کو انہی بزرگ سے لگی اور پھر وہ شعر و ادب کی طرف مائل ہوگئے ۔ سرور صاحب نے ملازمت کی طرف دھیان نہ دیا بلکہ اپنے والد کے

کاروبار مین شریک ھوگئے اور اپنے آبائی پیشہ ھی کو ذریعہ معاش کے طور پر قبول کرلیا ۔ "[1]

سرور صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۳۳ء سے ھی ھوگیا تھا جب کہ آپ ڈی ۔ جے ۔ سندھ کالج مین زیر تعلیم تھے ۔ سندھی اور اردو زبان مین شعر کہنا مجلسون مین سنانا ان کا محبوب مشغلہ تھا ۔ برصغیر کے اکثر اردو رسائل مین علمی ادبی موضوعات پر مضامین بھی لکھتے رھتے تھے ۔ آپ کا شمار سندھی اور اردو کے نادرالکلام شاعرون اور ادیبون مین کیا جاتا ھے ۔ قیام پاکستان کے بعد جب حیدرآباد اور کراچی مین مہاجرین کے آجانے سے اردو شعر و ادب مین نئی زندگی پیدا ھوئی تو آپ نے ان ادبی مجلسون مین بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ بزم خلیل، حیدرآباد کے بقول مصنف " سندھ کے جدید اردو شعراء " متواتر پانچ سال تک منعقد رھی لیکن جو سنہ انھون نے اپنی تصنیف مین لکھا ھے اس لحاظ سے تین سال ھوتے ھین ۔ غالباً " جعفری صاحب سے یہان کچھ بھول ھوئی ھے ۔ سندھی زبان مین " گیت " لکھنے کی ابتدا بھی آپ ھی نے کی تھی ۔

" سندھ کے جدید اردو شعراء " مین مشتاق علی جعفری صاحب لکھتے ھین :۔

"قیام پاکستان کے بعد ڈاکٹر ابراھیم خلیل کے دولت کدہ" پر "بزم خلیل " عمل مین آئی ۔ اس مین متواتر پانچ سال تک [2]

---

[1] سید سرور علی سرور کے سوانحی حالات " سندھ کے جدید اردو شعراء " از مشتاق جعفری مطبوعہ ۱۹۶۱ء کے علاوہ ڈاکٹر ابراھیم خلیل صاحب سے بھی زبانی حاصل کیے گئے ھین ۔

[2] سندھ کے جدید اردو شعرا ص ۸۱

معتمد کی حیثیت سے کام کرتے رہے ۔ مگر اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے ۱۹۵۰ء میں مستعفی ہوگئے تاہم شاعری کی طرف سے غافل نہیں ہوئے بلکہ پہلی بار سندھی زبان میں " گیت " لکھ کر سندھی ادب میں ایک اضافہ کیا ۔ ۱۹۵۵ء میں شاہ عبداللطیف کے فلسفے پر ایک کتاب بہ عنوان محمد کاوشی (یعنی رابطۂ قدس) لکھی ۔ "

سرور صاحب نے ایک ناول " انجام ظالم " کے نام سے لکھا ہے ۔ یہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو کراچی سے شائع ہوا ہے ۔ یہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے ۔ اس کو سرور صاحب نے اپنے والد حاجی نذر محمد صاحب کے نام سے معنون کیا ہے ۔ اس ناول کا پلاٹ لکھنو کے داستانوی ادب سے متاثر ہے ۔ وہی مافوق الفطرت اور بعید از قیاس باتوں کی موجودگی اور عریاں عشق و عیاشی کا تذکرہ ۔ مثلاً " کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کا پھر صحیح و سالم ہوجانا یا انسان کی روح کو قید کرکے دوسرے انسان کے قالب میں ڈال دینا وغیرہ ۔ کہانی کا اختتام بھی اسی داستانوی انداز کا ہے مثلاً ":- عزیزو ! یہ ہے میرا قصہ اور داستان الم جو میں ہر شخص کو سناتا ہوں ۔ "

انجام ظالم کا پلاٹ اس کے ہیرو محمد جعفر کے گرد گھومتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا عیاش اور شہوت پرست ہے ۔ پہلے وہ رکمنی سے محبت کرتا ہے ۔ پھر سندری نام کی ایک اور ہندو لڑکی کو پھانس لیتا ہے اور اس کے ذریعہ اس کے باپ کو جو کہ بڑا مالدار ہے زہر دلوا کر مروا ڈالتا ہے اور اس کی دولت پر قابض ہوکر

طرح طرح کی رنگ رلیان مناتا ہے ۔ وہ شادی کا اشتہار دے کر مختلف لڑکیون کو تنہائی مین بلاتا ہے اور ان کی آبرو ریزی کرتا ہے ۔ اس کا دوست ایک ڈاکٹر ہے جو اس کی ہر کمینہ خواہش کی تکمیل کے لیے دوا تیار کرکے دیتا رہتا ہے ۔ پھر وہی ڈاکٹر آگے جاکر اس کا دشمن ہوجاتا ہے اور اس کا ہاتھ پانو کاٹ ڈالتا ہے اور خود خودکشی کرلیتا ہے ۔ جعفر دوسرے معالج کے علاج سے پھر صحیح و سالم ہوجاتا ہے اور دوبارہ اس کے ہاتھ پانو نکل آتے ہین ۔ آخر مین جعفر پارسائی کی زندگی اختیار کرکے پیری مریدی کرنے لگتا ہے ۔ یہ سب باتین عجیب اور مضحکہ خیز ہین اور مصنف کے ناپختہ ذہن کی غمازی کرتی ہین ۔

اس ناول مین دونون عورتون رکمنی اور سندری کے کردار بہت خراب دکھلائے گئے ہین ۔ رکمنی شوہر سے بیوفائی کرکے جعفر کے عشق و ہوس کے دام مین پھنس جاتی ہے اور شوہر کے قتل کرانے مین شریک رہتی ہے ۔ دوسرا کردار سندری کا ہے جو محمد جعفر کو دیکھتے ہی عاشق ہوجاتی ہے اور پھر اس کے اشارے پر اپنے دولت مند باپ کو زہر دے کر مار ڈالتی ہے ۔ جعفر جب اس کی دولت کو ختم کرلیتا ہے اور اس سے سیر ہوجاتا ہے تو اس کو نکال دیتا ہے اور وہ طوائف کا پیشہ اختیار کرلیتی ہے ۔ بہ طور نمونہ اقتباس درج ذیل ہے :-

[1] " تجربے سے مجھے یہ تلخ حقیقت معلوم ہوئی کہ حوا کی بیٹیون مین نوے فی صدی اپنی شان نسائیت سے کچھ بے نیاز سی رہتی ہین ۔

---

[1] انجام ظالم از سرور علی سرور حیدرآبادی ص ۵۷ مطبوعہ کراچی ۱۹۳۵ء

ان مین اعلٰی تعلیم یافتہ' اعلٰی خاندان سے تعلق رکھنے والی شریف زادیان بھی شامل تھین ۔ مین نے جس جس کو خلوت مین ملاقات کے لیے بلایا وہ میری قائل ہوگئی ۔ اپنے حسن اور علمی لیاقت کی تعریف سن کر پھولی نہ سماتی خوش ہو ہوجاتی اور میری تعریف دل ہی دل مین کرنے لگتی کیونکہ اس کے جذبات رنگ چہرہ کے اتار چڑھاؤ سے عیان ہوجاتے تھے ۔ آنکھین چمکنے لگتی تھین ۔ چہرہ پر سرخی کی لہر دوڑ جاتی تھی ۔ لبون پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوجاتی تھی ۔ یہ آثار دیکھ کر مین وعدہ کرتا تھا کہ مین اس سے ایک ماہ بعد شادی کرلون گا اور وہ راضی ہوجاتی ۔ چونکہ اس کے بعد مجھے چھوڑ کر باہر جانے کے لیے آمادگی ظاہر نہ کرتی تھی اس لیے مین اسے آغوش مین لے لیتا اور اپنے فرائض خسروانہ ادا کرتا اور وہ کمرے سے باہر اس وقت نہ جاتی جب تک کہ اپنا خزانۂ بے بہا میرے حوالے نہ کردیتی ۔ "

سرور علی سرور حیدر آبادی کا ایک مضمون نومبر ۱۹۲۹ء کے رسالہ پرچم مین " مغربی اور اسلامی طرز تعلیم " کے عنوان سے شائع ہوا ہے ۔ اس مضمون مین سرور صاحب نے اسلامی طرز تعلیم کی زبردست حمایت کی ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ بلند پایہ شاعر اور صاحب طرز انشاپرداز یہی تعلیم پیدا کرسکتی ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ ایسی روحانی صلاحیتین بھی اس سے پیدا ہون گی جن سے ہم حکمت الٰہیہ کے رازہائے سربستہ سے واقف ہوسکین گے ۔ سرور صاحب کا یہ بھی خیال ہے کہ غیرقومون کی زبان مین تعلیم حاصل کرنے سے اپنے ادب' اپنی معاشرت اور اپنے عام

عمدہ قومی اقدار سے نفرت پیدا ہوجاتی ہے ۔ اس مضمون سے چند سطور بہ طور نمونہ درج ذیل ہین :-

[1]" اسلام نہ رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے اور نہ مادہ پرستی کی اجازت دیتا ہے ۔ اسلام عین فطرت کے مطابق عمل کرنے کے لیے انسان کو مجبور کرتا ہے ۔ اس مین کوئی شك نہین کہ قرآن مجید انسانی اخلاق کو بلند کرنے کے لیے ایك لائحہ عمل پیش کرتا ہے جس پر عمل کرنے سے نہ صرف دماغی قوتین نشونما پاتی ہین بلکہ جسمانی اور روحانی قوتین بھی اپنے معراج کمال تك پہنچ جاتی ہین ۔ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قبل جاہل اور غیر تعلیم یافتہ تھے ۔ نہ وہ افلاطون کے دقیق فلسفہ سے واقف تھے اور نہ وہ کسریٰ و قیصر کی سلطنتون کے مالك تھے ۔ وہ سیاست، فنون جنگ اور فنون لطیفہ اور سائنٹفك اصولون سے ناواقف تھے ۔ وہ صرف اپنے رسول کے احکام پر عمل کرتے تھے جو انھین پاکیزہ خصائل سے مملو کرکے ان کی روح کو پاك صاف کرتا ہے ۔ انھین کتابی تعلیم سے آشنا کرکے حکمت الہیہ حاصل کرنے کے قابل بناتا ہے ۔ "

سرور صاحب کا ایك مقالہ ۲۲ جنوری ۱۹۵۱ء کے رسالہ پرچم مین " ادب برائے زندگی " کے عنوان سے شائع ہوا تھا ۔ اس کا انداز تحریر بھی ملاحظہ ہو :-

---

[1] ماہنامہ رسالہ پرچم نومبر ۱۹۲۹ء ص ۲۰ ۔ ۱۲۱

[1] " زمانہ قدیم سے لوگ نفس پرستی اور شہوت پرستی کو جائز قرار دینے کے لیے مذہب کی آڑ لیتے رہے ہیں۔ ہندوستان میں شیوجیسے مہاراج کی لنگ پوجا میں بھی یہی جذبہ کارفرما ہے۔ عیسائی مذہب کا نوجوان دیوداسیوں کو گرجاؤں کے لیے زندگی وقف کرنے کی تلقین کرنے اور ان کا پادری کے سامنے خلوت میں اعتراف گناہ کرنے میں بھی یہی مذہب کے ٹھیکے داروں کے سامنے تھا۔ مگر اٹھارھویں صدی کے آغاز میں جب یورپ میں علم و حکمت کی ترویج سے لوگ مذہب سے روگردان ہونے لگے تو فیلسوف اور ادیب زناکاری کو جائز قرار دینے کے لیے فلسفہ اور حکمت سے کام لینے لگے۔ متذکرہ نظریہ " ادب برائے ادب " اس وجہ سے پیدا کیا گیا کہ شہوت پرستی کے لیے فضا سازگار کی جائے۔ یہی وہ پیمانہ ہے جس سے مغربی قومیں اپنا معیار اخلاق ناپتی ہیں۔ یہی وہ معیار ہے جو اقوام کے مہذب اور متمدن ہونے کا پتا دیتا ہے۔ "

سرور صاحب اردو کے اچھے نثرنگاروں میں ہیں۔ ان کی زبان سلیس اور رواں ہوتی ہے۔ ان کے مقالوں میں خاصا استدلال اور زور پایا جاتا ہے۔ لیکن ان کے ناول انجام ظالم کے اندر وہ بات نہیں۔ ۱۹۳۵ء میں جب کہ نذیر احمد، سرشار، شرر، رسوا، پریم چند، سجاد حسین، راشد الخیری کے ناول چھپ چکے تھے اور پلاٹ، مکالمہ اور کردار نگاری کا خاصا معیار قائم ہوچکا تھا۔ انجام ظالم نہیں

---

[1] ماہنامہ پرچم بابت جنوری فروری ۱۹۵۱ء ص ۸۱ ۔ ۸۲

چھپتا ۔ اس مین تذکیر و تانیث کی بھی کچھ غلطیان پائی جاتی ھین ۔ اس کی وجہ غالبا" یہ ھے کہ یہ کتاب ان کے ابتدائی دور مین لکھی گئی ھے جب کہ وہ صرف چوبیس برس کے زیر تعلیم نوجوان تھے ۔ پھر آگے چل کر ان کی نثر مین ھم خاصہ ارتقا دیکھتے ھین خاص کر جب ھم اردو زبان و ادب سے ان کا شغف، محبت اور دلچسپی دیکھتے ھین تو ھمین ماننا پڑتا ھے کہ سندھ مین اردو شعر و ادب کو فروغ دینے والون مین یہ صف اول کے لوگون مین ھین ۔ اردو زبان و ادب پر ان کا مطالعہ بہت وسیع ھے اور اھل زبان نہ ھوتے ھوئے بھی وہ اھل زبان ھی کی طرح لکھتے ھین ۔ انداز بیان مین تسلسل اور بے ساختگی پائی جاتی ھے ۔ الفاظ برمحل اور خوبصورت استعمال کرتے ھین ۔ مجموعی طور پر اردو نظم و نثر دونون مین ان کی خدمات قابل ستائش اور ان کو غیر فانی بنانے کی ضامن ھین ۔

؎ سرور صاحب کا انتقال بہ قول ڈاکٹر ابراھیم خلیل صاحب ١٩٦٩ء مین حیدرآباد مین ھوا اور وھین سپرد خاک کیے گئے ۔



میرزا علی بخش کوثر

میرزا علی بخش کوثر ۱۹۰۹ء میں بہ مقام ٹنڈو آغا، حیدر آباد میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد میرزا دوست محمد دوست ایک اچھے شاعر اور ادیب تھے۔ میرزا دوست محمد دوست کے متعلق ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ اپنی تصنیف " سندھ میں اردو شاعری " میں لکھتے ہیں کہ :-

> ؎[1] " میرزا دوست محمد نے وقت کے رواج کے مطابق اچھی تعلیم پائی۔ شاعرانہ ذوق پیدا ہوا تو اساتذہ کی رہنمائی حاصل ہوئی۔ سندھی میں غلام محمد شاہ گدا سے اصلاح لی اور اردو اور فارسی میں مولانا ابوالحسن لکھنوی سے استفادہ کیا۔ میر عبدالحسین خان سانگی کے خاص مصاحبین میں سے تھے۔"

؎[2] میرزا علی بخش کوثر نے اس علمی ماحول میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ پھر اسکول میں داخل ہوئے اور ۱۹۳۳ء میں نور محمد ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا۔ میٹرک کے بعد تعلیم منقطع کرکے ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت

؎[1] سندھ میں اردو شاعری ص ۲۲٦

؎[2] یہ حالات زندگی میرزا عباس علی بیگ، ساکن ٹنڈو آغا، حیدرآباد سے معلوم ہوئے ہیں

اختیار کرلی اور پھر رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے ایڈمنسٹریٹو افسر ہوگئے ۔ دوران ملازمت ۱۹۶۱ء میں آپ کا انتقال ہوا ۔ "

میرزا علی بخش کوثر صاحب کی مادری زبان سندھی تھی ۔ سندھی کے وہ اچھے شاعر تھے ۔ اردو میں بھی انھوں نے غزلیں اور نظمیں لکھی ہیں ۔ کچھ مضامین بھی اردو میں ان کے ملتے ہیں ۔ کوثر صاحب کا ایک مضمون " خون پاک کی پینگ کربلا میں " کے عنوان سے رسالہ شہید کراچی، محرم نمبر میں ۱۳۷۰ ھ میں شائع ہوا ۔ اس مضمون کو پڑھنے سے اردو نثر لکھنے پر ان کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اسی مضمون سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے ان کے طرز تحریر کا اندازہ ہوگا:۔

" جاڑے کی ایک رات کا ذکر ہے کہ سیاہ بادل آسمان پر محیط تھا رعد کی گرج اور بجلی کی چمک، ہوا کی تیزی نے ایک مہیب منظر پیدا کر رکھا تھا ۔ بادلوں نے برسنا شروع کیا ۔ سردی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا ...... میز پر چند رسالوں کے محرم نمبر رکھے تھے ۔ وقت کاٹنے کے لیے میں نے رسالہ الواعظ ۱۳۶۶ ھ کا اٹھاکر کھولا تو صفحہ ۵۱ نکل آیا اور میری نظر اس بیت پر جا پڑی اور کوثر کو مخاطب کرکے پڑھنا شروع کیا ۔۔۔[1]

ریگ عراق منتظر ارض حجاز تشنہ کام
خون حسین باز دہ کوفہ و شام خویش را

---

[1] رسالہ شہید محرم نمبر ص ۴۹ ۔ ۵۰ مطبوعہ ۱۳۷۰ ھ

" آہ ! اقبال اب خلدنشین ہین ورنہ اس دوسری عالم گیر جنگ کے ختم کے بعد ہر جگہ فرزندان توحید نئی اور پرانی دنیا کے تثلیسی شکنجہ مین کس گئے ہین وہ یون کہتے ہین :-

دین کہ بہ ابتدا غـــریب بود غریب گشت باز
خون حسین بلززادہ بازدہ دین غـــریب خویشرا

ہندوستان مین اب "بلڈ بینک" کھل گئے ہین جہان ہمدردی کے جوش مین لوگ اپنا خون نذر کر دیتے ہین - دین غریب کو اب حسینی خون صالح کی ضرورت ہے تاکہ مسلمانون مین عزم راسخ، خلوص نیت، حمایت حق اور اطاعت خالق کے جذبات عالیہ پیدا ہون .... اس وقت جو خیالات میرے ذہن مین آئے وہ نظم کی صورت مین عرض کرتا ہون :-

حسین ابن علی مجھ کو مجتبیٰ کی قسم
جناب فاطمہ کی اور مـــرتضیٰ کی قسم
رسول پاک ترے جد مصطفیٰ کی قسم
اور اس سے بڑھ کے مین کھاتا ہون خود خدا کی قسم
جگایا جس نے جہـــان کو تری شہادت تھی
ترے لہو کی تو اسلام کو ضـــرورت تھی "

کوثر صاحب نظم و نثر لکھنے پر پوری طرح قادر تھے - اہم سے اہم موضوع پر وہ اچھی طرح لکھ سکتے تھے - آپ کی تحریر روان اور شگفتہ ہے - اس مین اہل زبان کی سی پختگی پائی جاتی ہے -

قاضی محمد اکبر

* سندھ کے مقبول و معروف سیاسی اور سماجی کارکن اور علم دوست قاضی محمد اکبر صاحب بہ مقام سہون شریف، ضلع دادو (سندھ) اکتوبر ۱۹۱۰ء مین پیدا ہوئے ـ آپ کے والد قاضی عبدالقیوم صاحب کا اپنے وقت کے مشہور طبیب اور جید عالمون مین شمار ہوتا تھا ـ

قاضی محمد اکبر صاحب کی ابتدائی تعلیم سندھ مدرسۃ الاسلام، کراچی مین ہوئی ـ پھر وہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ چلے گئے اور وہین سے ۱۹۲۷ء مین میٹرک اور ۱۹۲۹ء مین انٹرمیڈیٹ سائنس کے امتحانات پاس کئے ـ ۱۹۳۳ء مین میڈیکل اسکول حیدرآباد سے ڈاکٹری کا امتحان پاس کرلیا ـ قاضی محمد اکبر صاحب تعلیم کے دوران ہی سے سیاست مین حصہ لینے لگے تھے ـ چنان چہ ۱۹۳۱ء مین حیدرآباد میونسپلٹی کے نائب صدر اور ۱۹۳۲ء مین صدر منتخب ہوئے ـ خاکسار تحریک مین یہ ۱۹۳۱ء ہی مین شریک ہوگئے تھے لیکن کچھ دنون تک اس سے وابستہ رہ کر ۱۹۳۶ء مین علاحدہ ہوگئے ـ آپ کو خیال پیدا ہوا کہ علامہ مشرقی کی

تحریک قابل عمل نہیں ۔ اس سے کہیں زیادہ بہتر مسلم لیگ کی تحریک ہے
کیوں کہ اس کے ذریعہ آئینی جدوجہد کی کامیابی کی امید زیادہ تھی چنانچہ
وہ ۱۹۳۶ء میں خاکسار تحریک سے علاحدہ ہوکر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے ۔اور
تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر
حیدرآباد کے ایک الکشن میں جی ۔ ام ۔ سید کو شکست دیا ۔

۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء تک چیف پارلیامنٹری سکریٹری کی حیثیت سے فرائض
انجام دیے ۔ ۱۹۴۷ء میں وہ سندھ کے ہوم گارڈ کے کمانڈنٹ کی حیثیت سے
سندھ میں آنے والے مہاجرین کی دیکھ بھال اور بسانے کے کاموں میں جی کھول کر
حصہ لیتے رہے ۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۵ء تک قاضی صاحب حکومت سندھ میں وزیرتعلیم
اور وزیر خزانہ کے عہدے پر فائز رہے ۔ اپنی وزارت کے دوران انہوں نے بہت سارے
اسکول اور کالج کھولے جن میں زبیدہ گرلز کالج حیدرآباد اور میرپور خاص
پیرجو گوٹھ اور مورو میں کھولے گئے اسکول خاص طورپر قابل ذکر ہیں ۔

۱۹۵۶ء میں آل پاکستان مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر چنے گئے ۔اس
وقت مسلم لیگ کے صدر سردار عبدالرب نشتر تھے ۔ ساتھ ہی پاکستان مسلم لیگ
نیشنل گارڈ کے سالار اعلیٰ کے فرائض کی انجام دہی بھی آپ ہی کے سپرد
کی گئی اور اس کو انہوں نے بڑی سرگرمی سے انجام دیا ۔ مسلم لیگ جب تین
حصوں میں منقسم ہوگئی اور ۱۹۵۸ء میں ایوب خان نے مارشل لا کا نفاذ کیا تو آپ

سیاست سے بالکل کنارہ کش ہوکر سماجی کامون مین مشغول ہوگئے ۔ تعلیمی ادارون کی سرپرستی مین آپ خاص مسرت محسوس کرتے ہین ۔" [1]

طبیعت کے لحاظ سے قاضی صاحب بہت ملنسار، خلیق اور حلیم الطبع واقع ہوئے ہین ۔ سندھی آپ کی مادری زبان ہے اور اس سے آپ کو بڑی محبت ہے لیکن اس سے کم نہین آپ کو اردو زبان سے بھی شغف اور دلچسپی ہے ۔ اردو کا چرچا آپ نے آنکھ کھولتے ہی گھر مین پایا ۔ آپ کے والد صاحب اردو، فارسی اور عربی کے بہت اچھے عالم تھے اور برابر اردو اخبارات و رسائل اور کتابون کا مطالعہ کرتے رہتے تھے ۔ چنان چہ یہی وجہ ہے کہ آپ اردو سے بچپن ہی سے مانوس تھے اور لکھنے پڑھنے سے لگاؤ رکھتے تھے ۔ تعلیم کے سلسلے مین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مین ان کا قیام اور بھی سونے پر سہاگا ثابت ہوا ۔ پھر سیاسی اور سماجی کامون کے سلسلے مین لاہور، دہلی اور لکھنو وغیرہ کی سیاحت نے ان کی اردو زبان دانی کو چار چاند لگادیا ۔ وہ اردو صرف لکھتے ہی نہین بلکہ اہل زبان کی طرح دل کش اور پیاری اردو لکھتے ہین ۔ اردو نثر مین ان کی تصنیف گرچہ موجود نہین ہے لیکن وقتا " فوقتا " جو اخبارات اور رسائل مین ان کے مضامین چھپتے رہے ہین وہ ان کی اردو زبان پر قدرت تامہ کے شاہد ہین ۔ " تحریک آزادی مین مسلمانون کا حصہ " کے عنوان سے اخبار جنگ کراچی مین مسلسل ان کے مضامین شائع

---

[1] یہ تمام سوانحی حالات راقم الحروف نے قاضی اکبر صاحب سے مل کر خود حاصل کئے

ہوتے رہے ہین ۔ اس مضمون سے کچھ اقتباسات درج ذیل ہین :-

[1] " غیر منقسم ہندوستان مین ہندو اکثریت عام طور پر اور نیشنل کانگریس
نے خاص طور سے مسلمانون پر جو زیادتیان کین وہ بے شمار ہین ۔
لیکن سب سے بڑی زیادتی جس کا اثر آئندہ نسلون کے ذہنون پر
لازمی طور پر ہوسکتا ہے یہ تھی کہ جدوجہد آزادی مین برصغیر کے
کے مسلمانون کی کوششون کو کم سے کم کرکے پیش کیا گیا اور ہر تحریک
مین ہندوؤن کو نمایان کرنے کی کوشش کی گئی ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے
کہ برصغیر کے مسلمان اسی دن سے جہاد آزادی مین مصروف ہین ۔
جس دن سے ان کو اقتدار اور حاکمیت سے محروم ہونا پڑا ۔ ہر مورخ
بشرطیکہ وہ جانب دار نہ ہو اور اس کی آنکھون پر تعصب کی عینک نہ
لگی ہو یہ دیکھ سکتا ہے کہ متحدہ ہندوستان کے مسلم رہنماؤن نے
ہر تحریک آزادی کا آغاز کیا ۔ بے مثال قربانیان دے کر قیادت کی اور
ان تحریکون مین وہ مصائب برداشت کئے جن کا تصور ہی اورون کو
لرزہ براندام کرنے کے لیے کافی ہے ۔ .... بیسوین صدی
عیسوی کے آغاز تک مسلمانان ہند کی آزادی کی لگن ہمہ گیر صورت اختیار
کر چکی تھی یا پھر انھون نے برطانیہ عظمیٰ [1] کو پورے کرۂ ارض پر
مسلمانون کا دشمن دیکھ کر "پان اسلامزم" کی عالم گیر تحریک
شروع کی جس کے قائد سید جمال الدین افغانی تھے ۔ اس تحریک کا

---

[1] یہ مضمون روزنامہ جنگ کراچی مین جنوری ۱۹۶۹ء سے مارچ ۱۹۶۹ء
تک شائع ہوتا رہا ہے ۔ لیکن راقم الحروف نے یہ اقتباس قاضی محمد اکبر
صاحب کے کتب خانہ کے قلمی مسودہ سے لیا ہے جس کے لیے مین ان کا
شکرگذار ہون ۔

ایک حصہ " تحریک ریشمی رومال " تھی ۔ اس تحریک سے
وابستہ مسلمان بڑی خاموشی اور رازداری سے خطرناک مہم
چلا رہے تھے ۔ "

اس تحریک آزادی میں سندھ کے جن مسلمان سیاسی اکابرین نے سرگرم حصہ لیا تھا، اس جدوجہد آزادی اور دارورسن کی تکالیف کو قاضی صاحب نے اپنی یادداشت کے مطابق قلم بند کیا ہے ۔ کچھ واقعات تو اس زمانے کے ہیں جب کہ قاضی صاحب بہت ہی چھوٹے تھے ۔پھر یہ خود بھی سیاست میں عملی طور پر شریک ہوگئے ۔ اس دور کے جن واقعات کا تذکرہ کیا ہے اس کی صورت کچھ ایسی ہے کہ "آپ بیتی " کے انداز میں "جگ بیتی " سنائی گئی ہو ۔ قاضی صاحب کی اردو تحریر صاف، رواں، شگفتہ اور دل کش ہوتی ہے ۔ انداز مورخانہ اور صحافیانہ ہے ۔



پیر حسام الدین راشدی

" پیر حسام الدین راشدی کا خاندان بہ لحاظ علم و فضل اور دولت و قول سندھ کا مشہور اور ممتاز خاندان سمجھا جاتا ہے ۔ آپ کے والد پیر سید حامد شاہ راشدی بہت بڑے عالم دین، صوفی، طبیب اور شاعر تھے ۔ راشدی خاندان کا شجرۂ نسب ابھی اوپر پیر حسام الدین راشدی کے بڑے بھائی پیر علی محمد راشدی کے حالات کے سلسلے مین دیا جا چکا ہے ۔

پیر حسام الدین راشدی ۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء کو "بہمن گوٹھ" مین پیدا ہوئے سندھی عربی فارسی کی تعلیم پہلے اپنے والد ماجد سے اور پھر مولانا محمد الیاس صاحب سے حاصل کی ۔ انگریزی نصرت پور کے پہلوے اسٹیشن ماسٹر سے پڑھی ۔ اپنے بڑے بھائی پیر علی محمد راشدی کی طرح انھون نے بھی باقاعدہ کسی اسکول، کالج اور یونیورسٹی مین تعلیم نہین حاصل کی اور نہ کوئی سند لی ۔ جو کچھ ہے وہ سب خدا داد ذہن اور وسیع مطالعہ کتب کی بدولت ہے ۔

پیر حسام الدین راشدی صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۲۸ء سے ہوتا ہے جب سے انھون نے سندھی مین چھوٹی چھوٹی کہانیان لکھنی شروع کین ـ ان کہانیون کو پھر خود ھی وہ اردو مین ترجمہ کرتے اس طرح سندھی کے ساتھ ساتھ پیر حسام الدین نے ابتدا ھی سے اردو زبان کی طرف بھی توجہ دی ـ یہ راشدی خاندان جس مین " پیر پگارو " اور پیر جھنڈو " بھی شامل ھین، تحریک آزادی مین ھمیشہ پیش پیش رھا ـ اس خاندان کے لوگ ھمیشہ صف اول کے مجاھدین مین شامل رھے اور جانی و مالی بڑی بڑی قربانیان دین ـ سید احمد شہید کی " تحریک جہاد " اور مولانا محمد علی شوکت علی کی " تحریک خلافت " اور سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کی " تحریک علی گڑھ " مین اس خاندان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا ـ " تحریک حُر " جو کہ خالص مجاھدین اسلام کی تحریک تھی کے بانی اسی خاندان کے ایک بزرگ حضرت پیر صبغۃ اللہ شاہ اول تھے ـ غرض ان تحریکون نے شمالی ھند اور سندھ کو " حبل المتین " کی طرح ایک رسی مین باندھ دیا تھا ـ ان تمام تحریکون کی اشاعتی اور تبلیغی زبان چون کہ اردو اور صرف اردو ھی تھی اس لیے سندھ کا یہ راشدی خاندان اردو زبان کا بھی بہت بڑا حامی، سرپرست اور قدردان تھا ـ ان کے یہان اردو گھرون مین بھی بولی اور سمجھی جاتی رھی ھے ـ

۱۹۳۲ء مین جب پیر حسام الدین راشدی صاحب کے بڑے بھائی پیر علی محمد راشدی نے سکھر سے " ستارۂ سندھ " نکالا تو آپ نے اس مین باقاعدگی سے کہانیان اور مضامین لکھنے شروع کیے ـ اس اخبار کا ھفتہ وار " ادبی ایڈیشن " بھی

نکلتا تھا جس میں اختر شیرانی سیماب اکبرآبادی اور بہت سے دیگر عظیم اردو شعراء کے کلام کو سندھی میں ترجمہ کرکے یہاں کے عوام میں روشناس کرانے کی کوشش کی جاتی تھی ۔ سندھ کے اخبارات کو ادبی ایڈیشن کی اہمیت اور افادیت سے آگاہ کرانے کی کوشش سب سے پہلے انھی راشدی برادران نے کی تھی ۔ ستارہ سندھ کے علاوہ پیر حسام الدین صاحب اکثر اردو مضامین زمیندار لاہور، سیاست لاہور کو بھی اشاعت کے لیے بھیجتے رہتے تھے ۔ اس طرح اردو میں ان کی نثر نویسی اس زمانے سے باقاعدہ شروع ہوگئی ۔ پھر ان کے تاریخی اور تحقیقی مضامین معارف اعظم گڑھ، ماہ نو کراچی، رسالہ اردو اور قومی زبان میں اکثر شائع ہونے لگے اور علمی و ادبی حلقوں میں ان کی لیاقت اور صلاحیتوں کے جوہر کھلے ۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نہ صرف ان پر بھروسا کرتے تھے بلکہ ان کی علمی اور ادبی صلاحیت کے قدردان بھی تھے ۔ پہلی مرتبہ جب انھوں نے کراچی میں انجمن کی شاخ قائم کی تو اس انجمن کی مجلس عاملہ کا رکن پیر حسام الدین راشدی کو بھی بنایا ۔ اردو کالج کی موجودہ عمارت میں پیر صاحب کی کوششوں کو بڑا دخل رہا ہے ۔[1]

۱۹۳۲ء میں آپ نے سندھی ادیبوں اور دانشوروں کو اردو زبان و ادب سے متعارف کرانے کے لیے ایک ضخیم کتاب " اردو ادب کی تاریخ " لکھنی شروع

---

[1] حالات زندگی اور بعض معلومات عبدالرشید خان تبسم کے مقالہ " سندھی کے جدید اردو مصنفین " غیر مطبوعہ سے لیے گئے ہیں ۔

کی تھی جو غالبا " ابھی تک چھپی نہین ھے ۔ سندھ یونیورسیٹی کی طرف سے شائع ہونے والی اکثر کتابین آپ کی زیرنگرانی مرتب کی جاتی ھین ۔

۱۹۶۳ء مین آپ کی علمی، ادبی اور تاریخی خدمات کے اعتراف مین حکومت ایران نے آپ کو " نشان سپاس " درجہ اول عطا فرمایا ۔ ۱۹۶۲ء مین حکومت پاکستان نے انھی علمی فضائل کی بنا پر آپ کو " ستارۂ امتیاز " سے نوازا ۔ پاکستان کی جانب سے آپ اکثر غیر ممالک کا ثقافتی دورہ کرتے رہے ھین ۔ سیر و سیاحت سے آپ کو بڑی دلچسپی ھے ۔ دمشق، بغداد، افغانستان، ایران، وسط ایشیا، چین، تھائی لینڈ، قاہرہ اور روس وغیرہ کا سفر کر چکے ھین اور اکثر مقامات کی نادر تصاویر آپ کے کتب خانے مین محفوظ ھین ۔

کتابون سے آپ کو عشق ھے ۔ نئی اور گران قدر مطبوعات کا جمع کرنا اور ان کا مطالعہ کرنا آپ کی دلچسپ مشغولیتون مین شامل ھے ۔ تقریبا " بیس ہزار کتابین، اڑھائی تین سو کے قریب نادر مخطوطات اور سیکڑون مائکرو فلمین آپ کی ذاتی لائبریری مین محفوظ ھین جنھین آپ نے بڑے جتن اور کوشش سے اکٹھی کی ھین ۔ یہ آپ کے وہ علمی خزانے ھین جن سے قوم برابر مستفیض ہوتی رہے گی ۔

آپ کی اردو تصانیف مین " مرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب " "حیات میر معصوم بکھری " "مکلی نامہ " اور غالب کے تلامذہ سے متعلق " دود چراغ محفل " خاص طور سے قابل ذکر ھین ۔ " مرزا غازی خان ترخان اور اس کی بزم ادب " انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی سے ۱۹۷۰ء مین شائع

ہوئی ہے ۔ یہ اہم اور گران قدر صحیفہ مصنف کی بیس بائیس سالہ کوششوں کا نتیجہ ہے جیساکہ مصنف نے اس کتاب کی ابتدا مین خود لکھا ہے :-

"[1] مرزا غازی کی داستان حیات اور اس کے دامن دولت سے وابستہ اہل علم و فن کے حالات جمع کرنے اور لکھنے کی ابتدا آج سے کئی سال پہلے، بلکہ کم و بیش اس پر بیس بائیس برس بیت چکے ہون گے، کہ مین نے کی تھی اور کئی سال ہوئے کہ اس کے سوانح حیات کا ایک خاکہ تیار کرکے مجلسہ اردو مین بھی چھپوا دیا تھا لیکن یہ دلچسپ داستان اس حد تک بکھری ہوئی ہے کہ اس کو یک جا کرنا اور پھر کتاب کی صورت مین لے آنا اتنی مدت مین باوجود ہر ممکن کوشش کے بھی مجھ سے ممکن نہ ہوسکا ....

بہرحال تجسس اور تلاش مین مین نے مقدور بھر کوشش کی ہے ۔ جو کچھ سرمایہ جمع ہو سکا ہے اہل علم اور اصحاب دانش کے سامنے حاضر ہے ۔"

اس کتاب کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب اخترحسین، صدر انجمن ترقی اردو پاکستان "حرفے چند" کے تحت کتاب کے شروع مین لکھتے ہین :-

"[2] زیر نظر کتاب اردو سندھی اور فارسی کے ممتاز محقق سید حسام الدین راشدی کی تقریبا " ربع صدی کی تلاش و تحقیق کا نتیجہ ہے

---

[1] پیرحسام الدین راشدی " مرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب " مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۷۰ء ص ۱۵

[2] ایضا " ص ۱۱ ـ ۱۲

جس مین انھون نے سندھ کی ادبی تاریخ کے ایک اھم باب کو
قلم بند کیا ھے ٠٠٠٠٠٠٠٠٠

راشدی صاحب نے غازی بیگ کے حالات زندگی اور اس کے دربار سے متعلق شعراء کے بارے مین یہ مفصل کتاب لکھ کر کئی جہتون مین رہ نمائی کی ھے ـ سب سے پہلی اور اھم بات تو یہ ھے کہ اس کتاب کے ذریعہ برصغیر ھندو پاکستان کی فارسی شاعری کے ایک خاص گوشے پر روشنی پڑتی ھے متعدد اھم شعراء کے حالات پہلی مرتبہ پوری تفصیل سے سامنے آئے ھین اور اس کے ساتھ ھی بعض غیر معروف شعراء کو بھی گوشۂ گمنامی سے نکال کر متعارف کرایا گیا ھے ـ دوسری اھم بات یہ ھے کہ فارسی زبان جو پاکستان کے تمام علاقون کا مشترک تہذیبی ورثہ ھے اس کی خدمت صوبہ سندھ نے کسی طرح بھی دوسرے صوبون سے کم نہین کی بلکہ زیر نظر کتاب کے مطالعہ کی روشنی مین ھم یہ کہہ سکتے ھین کہ سندھ کا فارسی ادب برصغیر کے ادبیات مین ایک وقیع اضافے کی حیثیت رکھتا ھے ـ

اس کتاب کی تیسری خصوصیت یہ ھے کہ راشدی صاحب نے سندھ کے فارسی شعراء کے بارے مین یہ کتاب اردو زبان مین لکھی ھے ـ وہ اگر چاھتے تو اسے سندھی یا فارسی مین بھی لکھ سکتے تھے لیکن انھون نے اس قابل قدر کتاب کے ذریعہ اردو کے سنجیدہ ادب مین اضافہ کرکے اردو سے اپنی قدیم اور لازوال محبت کا ثبوت دیا ھے ـ "

پیر حسام الدین راشدی صاحب نے کئی اہم اور نادر قلمی کتابوں کو اپنے گران قدر مقالے اور تحقیقی حواشی کے ساتھ ایڈٹ بھی کیا ہے جن میں میر شیر علی قانع ٹھٹوی کی تصنیف "تحفۃ الکرام" دوغلت کی فارسی تصنیف "تاریخ رشیدی" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ "تذکرہ شعرائے کشمیر" "تاریخ مظہر شاہ جہانی" "روضۃ السلاطین" "تذکرہ امیر خان" وغیرہ پر آپ کے پرمغز اور تحقیقی مقدمے اہل علم کی نظروں میں بڑے وقیع سمجھے جاتے ہیں۔

فارسی زبان و ادب پر پیر حسام الدین راشدی صاحب کو بڑی قدرت حاصل ہے۔ ان کی فارسی تحریریں بڑی بے ساختہ اور شگفتہ ہوتی ہیں۔ اردو نثر میں بھی ان کی اہل زبان کی سی بے ساختگی روانی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ ان کی اردو تحریر میں کہیں کہیں مزاح کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر "دود چراغ محفل" کے اس اقتباس کو لیجئے :-

"[1] میں نہ غالب شناس ہوں اور صحیح حقیقت تو یہ ہے کہ نہ میں نے غالب کی اپنی کتابوں کا اور نہ غالب پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ اس غرض سے کیا ہے کہ ~~مختلف~~ مخصص بنوں۔ یا کم از کم اتنا پڑھوں کہ وقت آن پڑے تو کچھ لکھ سکوں۔ مولانا غلام رسول مہر مربی ہیں عرشی صاحب کا معتقد ہوں۔ مالک رام عزیز دوست ہیں۔ اکرام صاحب سے نیازمندی ہے۔ جب کوئی کتاب شائع ہوئی خرید ی اور لکھنے والوں سے جو روابط ہیں اسی سطح پر کتابیں پڑھیں اور رکھ دیں

جوانی مین البتہ جب مین سکھر مین اخبار نویسی کرتا تھا اور دن کی گرمی کی تپش اور لو سے نجات پاکر مرحوم محمد اسماعیل کے احاطے کی کچھ چھت پر ہم دو بھائی اور ہمارے مرحوم دوست جسٹس عبدالرحیم تہمد باندھ کر بستروں پر دراز ہوتے تھے تو اکثر غالب ہی کی غزلین، لیکن وہی غزلین جو زبان زد عام ہین یا بھائی چھیلا پٹیالے والے یا بھائی فیض امرتسر والے کے رکارڈون کے ذریعہ سنی ہوئی تھین کورس مین گایا کرتے تھے ــــــہ

ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیون نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہین مـــــزار ہـوتا

یہ غزل یون پسند تھی کہ کچھ ہم تینون کی مالی حالت بھی پتلی تھی ۔ اخبار ہمارا نہین چلتا تھا اور وکالت جسٹس عبدالرحیم کی نہین چمکتی تھی ۔ بس اس غزل کے اشعار جتنے کچھ یاد تھے گاتے گاتے جہان اونگھ سی آنے لگتی تو ہم مین سے ہر ایک لمبی تان کر سوجاتا تھا ۔ "

پیر حسام الدین راشدی صاحب اپنے علمی اور تحقیقی تصانیف مین مولوی عبدالحق صاحب مرحوم اور ڈاکٹر احسن فاروقی کے طرز تحریر سے متاثر معلوم ہوتے ہین ۔ انھون نے ان بزرگون کے اسلوب کو اپنانے کی کوشش کی ہے اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہین ۔ تحقیقات علمی مین بڑی احتیاط اور سنجیدگی برتتے ہین ۔ عبارت سلجھی ہوئی اور دل کش ہوتی ہے ۔ بعض مفروضات کے سلسلے مین استدلال بڑی خوبی سے پیش کرتے ہین ۔ تاریخ پیر صاحب کا خاص موضوع ہے اور اس مین وہ غیرجانب داری

اور ثقافت کو کبھی نظرانداز نہین کرتے ۔ تنقید و تبصرہ کا انداز بھی بہت ہمدردانہ اور سنجیدہ ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر ان کی تصنیف " مرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب " سے کچھ اقتباس درج ذیل ہے :-

[1] " ویسے تو شاہ بیگ بھی کچھ قابل ستائش مزاج کا آدمی نہین تھا مگر اس کو اتنا موقع مل ہی نہ سکا کہ کابل اور قندھار مین شکست کھانے کی تلخی اور غصے کی آگ سندھ کے باشندون پر اتار سکے لیکن اگر "پدر نہ تواند پسر تمام کند" کے مصداق اس کے بیٹے شاہ حسین نے اپنے ۳۲ سالہ دور حکومت مین ملتان سے لے کر ٹھٹھ کا پورا ملک اچھی طرح روند ڈالا اور ملتان ، اُچ ، بکھر ، سیوھن اور ٹھٹھ کے شہرون ، قریون اور قصبون تک کی اینٹ سے اینٹ بجادی ۔ شیبانی شاہ اسماعیل اور بابر نے جو کچھ وہان کیا تھا اس کا حساب کتاب اس نے یہان کے مکینون اور مکانون سے مع سود چکا لیا ۔

یہ شخص ۹۶۲ ھ مین جب لاولد مرا تو سندھ دو حصون مین بٹ کر اس کے دو قوی امیرون کے ہاتھ مین چلا گیا ۔ بالائی سندھ فاضل کوکل تاش کے بیٹے سلطان محمود کے قبضے مین آیا جس کا مرکز بھکر بنا اور زیرین سندھ جس کا دارالسلطنت ٹھٹھ کا تاریخی شہر تھا وہ مرزا عیسیٰ خان کے حصہ مین آیا ۔

مرزا عیسیٰ کا دور (۹۶۲ ۔ ۹۷۳ ہجری) قدرے اطمینان کا دور رہا لیکن اس کے بیٹے مرزا محمد باقی کا زمانہ پھر ایک قیامت بن کر آیا اور اس

---

[1] پیر حسام الدین راشدی " مرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب ص ۱۲ ۔ ۱۵ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء

نے نہ فقط یہان کے لوگون کو تہس نہس کیا بلکہ اپنے خاندان کا بھی جیتا جاگتا صفایا کر سکتا تھا کرلیا ۔ اتنا خون بہایا کہ آخر خود بھی دیوانہ ہوگیا اور جنون مین خودکشی کرلی ۔ (۹۹۳ ہجری) مین اس کا بیٹا پائندہ بیگ جو صحیح الدماغ نہین تھا اس کا جانشین ہوا لیکن مملکت کا اصل کاروبار اس کے بیٹے مرزا جانی بیگ کے ہاتھون مین رہا ۔جانی بیگ اگر بہتر نہین تھا تو اتنا برا بھی نہین تھا ۔اس نے خون کے بہت سارے داغ دھوئے لیکن کہان تک دھوتا ....
اس کتاب مین اسی مرزا جانی بیگ کے بیٹے مرزا غازی ترخان کا حال لکھا گیا ہے جس نے اکبر اور جہانگیر کے دور مین نہ فقط سندھ سے لے کر قندھار تک حکم رانی کی اور اپنی امیری کی ٹھاٹھ دار مسند سجائی بلکہ شعر و سخن اور داد و دہش کی یون دھومین مچائین کہ جہانگیر سے لے کر ایران کے شاہ عباس تک کے دربارون مین اس کی علم دوستی، سخن پروری اور زربخشی کے چرچے سنائی دئے اور داستانین بیان ہوا کین ۔

مرزا غازی کو نظر کھاگئی اور جوانی مین اس کا انتقال ہوگیا ۔ اگر طبعی عمر نہ سہی، زندگی کی ذرا سی مہلت اور ملتی تو ہماری ادبی تاریخ مین اس کا دربار اکبر اور جہانگیر جیسے بادشاہون کی ٹکر کا ، جائے ادب ہونے کی وجہ سے اگر نہین شمار کیا جاسکتا تو پرورش علم و ہنر مین خان خانان جیسے علم دوست اور ادب پرور امراء سے یقینا" بہتر جگہ پا جاتا ۔"

پیر حسام الدین راشدی صاحب کی عالمانہ شخصیت نہ صرف سندھ بلکہ پورے پاکستان کے لیے لائق احترام ہے ۔ انھون نے بہت کم وقت مین بہت نمایان مقام حاصل کرلیا ہے اور ابھی اردو فارسی اور سندھی زبان و ادب کی ان کی علمی بصیرت اور تحقیقی جدوجہد سے بہت زیادہ امیدین وابستہ ہین ۔

پیر اسحاق جان سرہندی

پیر اسحاق جان سرہندی قندھار سے ہجرت کرکے سندھ میں انیسویں صدی عیسوی میں آباد ہوئے تھے ـ ایک جگہ خود لکھتے ہیں :-

[1] " میرے آباؤ اجداد کا وطن قندھار تھا ـ جدامجد حضرت آقا محمد حسین جان نے بارہ سال کی عمر میں اپنے والد حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کی معیت میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی جہاد کیا ـ پھر والیٔ افغانستان امیر عبدالرحمٰن کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت اختیار کرلی اور سندھ کے ایک قصبہ ٹکھڑ، متصل حیدرآباد میں آباد ہوئے ـ"

پیر اسحاق جان سرہندی کی پیدائش ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۶/ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو اپنے آبائی وطن حیدرآباد میں ہوئی ـ آپ کے والد حضرت پیر محمد اسماعیل جان روشن سرہندی اپنے وقت کے ممتاز عالم اور مشہور صوفی شاعر تھے ـ

---

[1] سفرنامہ ایران مصنفہ پیر اسحاق جان سرہندی مطبوعہ سندھ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۰ء

اپنی مکمل تعلیم آپ نے اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کی اور اس وقت اپنے معاصرین مین بہ لحاظ علم و فضل قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہین ۔ ان دنون میرپور خاص مین قیام پذیر ہین اور وہان کی علمی و ادبی مجلسون کے روح روان بنے ہوئے ہین ۔ سیر و سیاحت کا شوق بچپن سے ہے ۔ مالی حالت اچھی ہے اس لیے اپنے اس شوق کی تکمیل مین اپنا بیشتر وقت سیر و سفر ہی مین گذارتے ہین ۔ اب تک ایران، افغانستان، عراق، عرب اور ہندوستان کے بیشتر شہرون کی سیاحت کر چکے ہین اور فضل ایزدی سے چار بار حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوچکے ہین ۔ ایک جگہ اپنی سیاحت کے شوق کا اس طرح ذکر کرتے ہین :-

[1] " ابتدائے عمر مین جب والد مرحوم حیات تھے اور گھر کی کوئی فکر دامن گیر نہ تھی تو ہرسال ہندوستان کی سیر و تفریح کے لیے چلا جاتا تھا ۔ چنانچہ اگر گرمی ہوتی تھی تو "ماؤنٹ آبو" پہنچ جاتا اور اگر ملک دیکھنے کا شوق ہوا تو بمبئی سے دکن جا پہنچتا تھا ۔ مہینون وہان رہتا ۔ "

عربی، فارسی اور سندھی کے علاوہ اردو پر بھی آپ کو پوری قدرت حاصل ہے ۔ سندھی مین آپ کی دو تصانیف " سندھی عربی لغت " اور " نبات الرسول " شائع ہوچکی ہین ۔ ان مین سے پہلی کتاب تو زائرین مکہ کی سہولت کے پیش نظر لکھی گئی ہے ۔ یعنی بہت زیادہ ضروری اور کثیرالاستعمال عربی الفاظ کے سندھی

---

[1] سفرنامہ ایران ص ۷

مین معنی دیے گئے ہین ۔ یہ پچاس صفحات پر مشتمل ہے ۔ دوسری کتاب مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیون کے حالات زندگی درج کیے گئے ہین ۔ یہ پچیس صفحات پر مشتمل ہے ۔

اردو مین آپ کی ایک بڑی دلچسپ کتاب ٦٥ صفحات پر مشتمل " سفرنامہ ایران ہے جو ۱۹٦۰ء مین سندھ یونیورسٹی پریس، حیدرآباد سے شائع ہوچکی ہے ۔ اس کتاب مین آپ نے اپنے سفرِ ایران کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے اور وہان کی ایک ایک چیز کا بڑے دلچسپ پیرایہ مین جائزہ لیا ہے ۔ پڑھنے کے وقت پڑھنے والا ایسا محسوس کرتا ہے جیسے وہ خود ان کا ہم سفر ہو اور وہان کے سڑکون پر گھوم پھر کر، ہوٹلون اور قہوہ خانون مین کھا پی کر لطف اندوز ہو رہا ہے ۔ یہ سفر انھون نے ۱۹۵۹ء مین کیا تھا ۔ اس کتاب مین روانگی کے وقت سے واپسی تک کے تمام واقعات لکھے گئے ہین ۔ یہان تک کہ گاڑی کا وقت، ریل کا کرایہ، سفر خرچ کے لیے روپیہ لے جانے کا طریقہ جیسی جزوی باتون کو بھی نہین چھوڑا ہے مثلاً " :-

[1] " بینک کا ڈرافٹ بہت محنتون کے بعد ملا ۔ یعنی قانون یہ ہے کہ ہر ماہ اسٹیٹ بینک ایک سو آدمیون کو ڈرافٹ دیتا ہے ۔ اگست آدھا گذر چکا تھا اس لیے ستمبر کے اوائل مین یہ ڈرافٹ پندرہ پونڈ کا ملا ۔ جس کے عوض اسٹیٹ بنک نے دو سو پانچ روپئے بارہ آنے لیے ۔ ہر سنیچر کو کوئٹہ سے ریل گاڑی زاہدان جاتی ہے ۔

---

[1] سفرنامہ ایران ص ۱۳

اس میں سکنڈ کلاس کا ٹکٹ تہتر روپیے چھ آنے میں ملا ـ میرے
ساتھ حسن نامی نوکر تھا ـ اس کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ انیس روپیے
بارہ آنے میں ملا ـ گاڑی ساڑھے دس بجے کوئٹہ سے روانہ ہوئی ـ"

پیر صاحب کا انداز تحریر بڑا دل کش اور شگفتہ ہوتا ہے ـ اردو میں انہوں نے زیادہ کتابیں نہیں لکھی ہیں لیکن جو لکھی ہیں ان سے ان کی علمی صلاحیت اور اردو زبان پر مہارت ظاہر ہوتی ہے ـ یہ سفرنامہ گرچہ بہت مختصر، صرف پینسٹھ (۶۵) صفحات پر مشتمل ہے لیکن سفرنامہ کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں ـ ایران کے ایک ایک شہر، قصبہ، سڑک اور گلی کوچوں کا ذکرہ، وہاں کے لوگوں کے رسم و رواج، عادات و خصائل، طور و طریقے، رہن سہن، مذہبی عقائد و رسومات پر خاطرخواہ روشنی، پھر زبان و بیان میں ایسی دل کشی کہ پڑھنے والے کا جی نہ گھبرائے ـ جگہ جگہ مزاح اور رومانیت کے فقروں نے اور بھی جان ڈال دی ہے ـ اب ہم مثال کے طور پر کچھ اقتباس ان کے " سفرنامہ ایران " سے پیش کریں گے ـ اس اقتباس سے ان کے اردو اسلوب تحریر کا بھی اندازہ ہوجائے گا ـ تہران کی ایک شاہ راہ " لالہ زار " کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :-

"[1] یہ بہت ہی عالی شان شاہ راہ ہے ـ اس کے دونوں طرف
دوکانیں ہیں ـ آخر میں خوب صورت فوارے اور حوض ہیں جن میں
رنگین قمقمے بے حد دل کش منظر پیش کرتے ہیں ـ " شمرون "
گو کہ شہر سے پیوستہ ہے خیابان شاہ کا ایک دل فریب بازار

---

[1] سفرنامہ ایران ص ۳۲ ـ ۳۵

وهان تك پهنچا دیتا هے ـ مگر فاصله ۱۸ میل هے ـ فواره کے کنارے پر پهولون کی مهک، چاندنی رات کی دل آویزی، چاند ستارون کے مقابلے مین هزارون مصنوعی چاند ستارے، ان کا مقابله معنوی و ظاهری حسن کر رها تها که یکایك سبز سرو کے سائے مین ایك سیاه چادر اوڑهے هوئے سرو کی کهڑی هوئی ایك دل فریب صورت نظر آئی ـ سلام کیا ـ بیٹهنے کا اشاره کیا ـ بیٹه گئی ـ "آنا خوش آمدید" اب ان هزارون قمقمون کی تیز روشنی مین جب چادر هٹا کر کهڑی هوئی تو مجهے حافظ شیرازی کا شعر یاد آگیا :- ؎

روئے نگار در نظرم جلوه می نمود
ورنه دو بوسه بر رخ مهتاب می زدم

تو اس ایك پیکر حسن و جمال کی تعریف قدرت کی صناعی کی تعریف هے ـ ؎

گر مصور صورت این دل ستان باید کشید
حیرتے دارم که نازش را چنان باید کشید



پروفیسر علی نواز جتوئی

"علی نواز جتوئی سندھ کے ایک معزز بلوچ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ۔ آپ کے والد کا نام حاجن خان جتوئی تھا ۔ آپ کی پیدائش گاٹو جتوئی، تحصیل مورو، ضلع نواب شاہ میں ۱۱ جولائی ۱۹۱۲ء کو ہوئی ۔ ابتدائی تعلیم گاٹو کے ایک سندھی اسکول میں حاصل کی جس کے ہیڈ ماسٹر کشن مل اور ایک ماسٹر محمد صدیق تھے ۔ ابتدا میں ان کی طبیعت پڑھنے لکھنے سے گریزاں تھی لیکن یہ بات وقتی تھی ۔ قدرت کو ان سے بڑے بڑے علمی اور ادبی کام لینے تھے اس لیے وہ پھر اپنے والد اور اساتذہ کی تلقین سے تعلیم کی طرف مائل ہوگئے اور مشکلات سے گزرتے، رکاوٹوں کے طوفان سے ٹکراتے، علم و ادب کے سمندر کی طرف بڑھتے رہے اور بہت جلد ایک ممتاز مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ۔ ۱۹۲۹ء میں ورنکولر فائنل اکزامینیشن پاس کرنے کے بعد اپنی مالی کمزوری کی بنا پر کچھ دیر کے لیے ان کا قدم ڈگمگایا تھا کہ قدرت کی طرف سے ایک فیاض اور علم دوست انسان، خان بہادر حاجی امام بخش خان جتوئی نے بڑھ کر ان کو

سنبھال لیا اور آئندہ تعلیمی اخراجات کی ذمہ داری اپنے سر لے کر ان کی دست گیری کی اور ان کا داخلہ "اینگلو ورناکلر اسکول" مین کرادیا ۔ اس زمانے مین ان کا گانو سیلاب کی زد مین آکر تباہ ہوگیا اور وہ پھر خانگی مصیبتون مین گھر گئے ۔ خان بہادر نے ان کی ہمت بندھائی اور پھر دوبارہ "دیہارچہ اسکول" مین ان کا داخلہ کرادیا ۔ ۱۹۳۷ء مین گورنمنٹ مدرسہ ایٹ ہائی اسکول نو شہرو فیروز سے میٹرک کا امتحان انھون نے امتیاز سے پاس کیا اور تین سرکاری اور غیر سرکاری وظائف حاصل کیے ۔ پھر ڈی ۔ جے ۔ سندھ کالج کراچی مین ایف ۔ اے مین داخلہ لیا اور آخر مین ۱۹۴۳ء مین ڈی ۔ جی ۔ نیشنل کالج حیدرآباد سے بی ۔ اے پاس کرنے کے بعد میر خدابخش گورنمنٹ مدرسہ ہائی اسکول، ٹنڈو باگو، ضلع حیدرآباد مین معلم مقرر ہوگئے ۔ دوسری تمام ملازمتون سے زیادہ ان کو شعبۂ تعلیم کی ملازمت پسند تھی کیون کہ اس مین کسب حلال کے زیادہ مواقع تھے ۔ جون ۱۹۴۴ء مین سرکاری وظیفہ پر بی ۔ ٹی کرنے کے لیے گئے اور ۱۹۴۵ء مین ٹریننگ کے بعد پھر اپنے اسکول مین واپس آگئے ۔ ۱۹۴۷ء مین خان بہادر امام بخش خان کے بھتیجے شمس الدین خان صاحب کے ساتھ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ۔ سندھی ادب مین ان کی لیاقت کے پیش نظر ان کو ۱۹۴۸ء مین گورنمنٹ کالج، حیدرآباد مین سندھی ادبیات کا لکچرار اس شرط کے ساتھ مقرر کردیا گیا کہ وہ آئندہ دو سال کے اندر پرائیوٹ سندھی ادبیات مین ام ۔ اے کرلین ۔ چنان چہ ۱۹۵۰ء مین انھون نے سندھ یونیورسٹی سے سندھی مین ام ۔ اے کرلیا ۔ مارچ ۱۹۵۲ء مین ہالہ

اسکول کے هیڈماسٹر هوکر چلے گئے ۔پھر ۱۹۵۳ء مین ریڈر هوکر سندھ یونیورسیٹی واپس آگئے ۔ ٦٢ ۔ ١٩٦٣ء مین (Science of Languages) کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن یونیورسیٹی بھیجے گئے اور اس وقت سندھ یونیورسیٹی کے سندھی شعبه مین پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رهے هین ۔[1]

علی نواز جتوئی کا رجحان مذھب اور تصوف کی طرف بهت زیادہ هے ۔ انھون نے حضرت داتا گنج بخش، مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ دهلوی، حضرت خواجه بهاءالدین ذکریا ملتانی وغیرہ کی تصانیف کا بهت گهرا مطالعه کیا هے اور اس کے اثرات ان کی زندگی اور ان کی تصانیف پر بهت نمایان هین ۔ اپنی تصنیف میکدہ مصطفائی مین ایک جگه خود لکھتے هین :۔

[2] "اس خاکسار بیحد گنهگار پر اللہ تعالیٰ کا یه خاص فضل هے که اولیا اللہ کا معتقد غلام کیا گیا هون ۔اسی وجه سے چھوٹی عمر مین نقشبندی سلسلے مین داخل هوا ۔ اس کے قریباً چھ سال بعد روحانی ترقی کی خاطر حضرت قبله کاهم خواجه محمد حسن جان نقشبندی سرهندی کا مرید هوا ۔ اور ان کے انتقال کے بعد کافی عرصه تک ایک ایسے مرد کامل کی تلاش مین رها جس کی صحبت اکسیر کا کام دے ۔ ۱۹۵۵ء مین پهلی مرتبه محترم دوست ڈاکٹر نبی بخش قاضی (صدر شعبۂ فارسی، سندھ یونی ورسیٹی) کے توسط سے

---

[1] یه تمام حالات پروفیسر علی نواز جتوئی نے راقم الحروف کو خود قلمبند کروائے هین ۔
[2] میکدہ مصطفائی از پروفیسر علی نواز جتوئی ص ۵ مطبوعه ۱۹٦۵ء

حضور قبلہ گاہ روحانی رحمت ربانی آقا پیر ایرانی (مدظلہم) کی خدمت اقدس مین حاضری کا شرف حاصل ہوا اور تسکین روحانی محسوس ہوئی اور مسلسل حاضر ہونے کا موقع ملا ۔ "

پروفیسر علی نواز جتوئی علم صوتیات کے ماہر اور سندھی زبان کے بہت اچھے ادیب ہین ۔ اردو زبان مین انھون نے بعد مین لکھنا شروع کیا اور وہ بھی اپنے پیر کی ہدایت پر لیکن اب اپنے پیر کے فیض اور دعا سے وہ اردو کے ایک اچھے اور صاحب طرز نثرنگار ہین ۔ اور رفتہ رفتہ اردو سے ان کی محبت اور شیفتگی اس حد تک ہوگئی کہ انھون نے اپنی شادی بھی پانی پت کے ایک شریف عثمانی خاندان کی ایک مہاجر خاتون مظاہرہ بیگم بنت ظہیرالاسلام عثمانی سے کی ۔ سب سے پہلے وہ اردو لکھنے کی طرف کس طرح مائل ہوئے اس بارے مین انھون نے " میکدہ مصطفائی " مین خود ہی ایک جگہ لکھا ہے :-

"بیعت کو مبارک کے تھوڑے عرصے کے بعد ایک دن حضور قبلہ گاہم نے فرمایا پروفیسر صاحب مراقبہ کے بعد جو کچھ سنتے ہو اس کو قلم بند کرلیا کرو ۔ مین نے عرض کیا " حضور مجھے تو صحیح اردو بولنا بھی نہین آتی ، مین کیسے لکھ سکتا ہون ۔ " ارشاد ہوا لکھنا شروع کرو ۔ انشاءاللہ آجائے گا ۔ پس حکم کی تعمیل کی خاطر مین نے نوٹس لینے شروع کیے اور میرے تعجب کی حد نہ رہی جب مین نے قبلہ گاہم کے ارشاد پاک کو صحیح ہوتے ہوئے پایا ۔ " [1]

---

[1] میکدہ مصطفائی ص ٦

علی نواز جتوئی سیاسی آدمی نہ ہوتے ہوئے بھی سیاست سے گہری دلچسپی رکھتے ہین اور جب کبھی کوئی قومی مسئلہ زیر بحث آتا ہے تو وہ اپنے خیالات کو بڑے جرات مندانہ انداز مین اخبارات و رسائل کے ذریعہ قوم تک پہنچا دیتے ہین ۔ وہ سندھی زبان کے ساتھ اردو کے بھی بڑے علم بردار ہین ۔ ہفت روزہ رسالہ لیل و نہـار مین ان کا ایک مضمون " کیا مغربی پاکستان مین اردو ایک اجنبی زبان ہے " کے عنوان سے شائع ہوا ہے اپنے اس مقالے مین انھون نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو گرچہ مغربی پاکستان کے کسی علاقے کی زبان نہین ہے اور مہاجر ہے لیکن زمانۂ قدیم سے یہ اس خطہ مین بولی اور سمجھی جاتی ہے ۔ لکھتے ہین :-

لـه [1] " تاریخی انقلابات کی وجہ سے زبانون کا ایک دوسرے پر اثر پڑتا ہے اور الفاظ کا لین دین ہوتا ہے ۔ کون نہین جانتا کہ عربی کے بہت سے الفاظ مغربی خواہ مشرقی زبانون مین موجود ہین اور بہت سے انگریزی الفاظ مشرقی زبانون مین داخل ہوچکے ہین ۔ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یورپی زبانین عربی سے نکلی ہین اور مشرقی زبانین انگریزی سے ایسا منطق مضحکہ خیز ہے ۰۰۰۰۰۰ پاکستانیون کی مادری زبان غیر اردو ہی ہے ۔ صرف تعلیم یافتہ طبقہ نے اردو کی تعلیم پائی ہے ۰۰۰۰۰۰ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو پاکستان مین اجنبی ہے ۔ "

لـه [1] رسالہ لیل و نہار بابت ۳ ستمبر ۱۹۶۱ء ص ۲۵

پروفیسر علی نواز جتوئی کے کئی مضامین ماہنامہ المصطفی[1] حیدرآباد میں شائع ہوئے ہیں۔ مثلاً"

(۱) استعداد شمارہ نہم ستمبر ۱۹۶۰ء

(۲) وسیلہ شمارہ دوازدہم۔ دسمبر ۱۹۶۰ء

(۳) ترک دنیا شمارہ دوم۔ فروری ۱۹۶۱ء

(۴) اللہ۔ نورٌ علیٰ نورٌ۔ شمارہ ششم و ہفتم ماہ جون و جولائی ۱۹۶۱ء

(۵) حیات شمارہ نہم۔ ستمبر ۱۹۶۱ء

مندرجہ بالا تمام مضامین پروفیسر جتوئی نے " میکدہ مصطفائیہ " کے تحت لکھا ہے۔ ان تمام مضامین میں صوف کے مختلف دقیق مسائل کو عام فہم انداز میں پیش کیا ہے۔ اسلام کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے اپنے مضمون " حیات " میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

[1]" بعض اشخاص ایسے ہوتے ہیں کہ فقط روح کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور جسم کی تربیت کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ صرف جسم کے تغذیہ میں مصروف رہتے ہیں اور روح کی غذائیت کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ یہ دونوں معراج انسانی تک پہنچنے سے معذور رہیں گے۔ عروج انسانی اس وقت حاصل ہوتا ہے جب جسم اور روح دونوں کو ساتھ ساتھ صحت اور تقویت حاصل ہو۔ اسلام کی خصوصیت دوسرے مذاہب کے نسبت اسی نکتہ پر ہے۔"

لہ المصطفی ستمبر ۱۹۶۱ء ص ۲۹ (شمارہ نہم)

پروفیسر جتوئی کا ایک اہم مضمون نگار پاکستان کے خصوصی شمارہ مئی جون ۱۹۶۷ء مین " اردو صوتیے اور ان کی تحریری صورتین " کے عنوان سے شائع ہوا ۔ اس مضمون مین صوتیات پر بڑے عالمانہ انداز مین بحث کی ہے ۔ وہ لکھتے ہین :-

" کسی زبان کے لسانیاتی مسئلہ پر بحث کرتے وقت اس زبان کے رسم الخط کو نہ دیکھا جائے بلکہ اس کی آوازون کو دھیان مین رکھا جائے ۔ لسانیات کے نقطۂ نگاہ سے ہر مروج رسم الخط ناقص ہے اس لیے لسانیاتی بحث کے دوران زبانون کے الفاظ یا جملون کو بین الاقوامی صوتی تحریر (International Phonetic Transcription) مین لکھا جاتا ہے ۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو غلطیون کا احتمال ہوجاتا ہے ڈاکٹر شوکت سبزواری اردو صوتیے پر بحث کرتے وقت ایسی غلطیون کے مرتکب ہوئے ہین ۔ انھون نے صوتیے کے بارے مین کتابین ضرور پڑھی ہین اور بڑی حد تک ان کے مفہوم کو بھی پالیا ہے لیکن ان کو کاوہ کماحقہ سمجھنے سے قاصر رہے ہین ۔ جدید لسانیات ایک ایسا فنی علم ہے جس سے باخبر ہونے کے لیے لسانیات کے ادارے یا شعبے مین کم از کم ایک سال کے لیے ماہر استاد کے تحت تعلیم پانا ضروری ہے ۔ "[1]

پروفیسر جتوئی کا ایک اور مضمون اخبار جسارت کے ۲۹ جنوری ۱۹۷۱ء کے شمارہ مین " یہ الزام غلط ہے کہ اردو کے خلاف سندھ مین سازش کی جارہی ہے " کے عنوان سے شائع ہوا ہے ۔ اس مین پروفیسر جتوئی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ۔

---

[1] نگار پاکستان ۔ بابت مئی و جون ۱۹۶۷ء ص ۲۰ ۔ ۲۱

" ہمین ایک ایسی زبان کی ضرورت ہے جو پاکستان کے سب صوبون کے لیے مشترکہ ہو اور صرف اردو ہی ایسی زبان ہے جو یہ ضرورت پوری کرسکتی ہے ۔ " اسی مقالے مین وہ ایک جگہ لکھتے ہین :-

" موجودہ مارشل لا کے دور مین جب ون یونٹ کا خاتمہ ہوا اور سابقہ صوبے پھر بحال ہوئے تو حکومت نے نظام تعلیم کے بارے مین پھر سفارشات طلب کین ۔ مین نے حکومت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ ہر صوبے مین صوبائی زبان اور بنیادی اردو کی تعلیم لازمی قرار دی جائے ۔ اور سب پاکستانی زبانون کا ایک ہی عربی رسم الخط بنایا جائے تاکہ ہر زبان مین لکھی ہوئی کتاب آسانی سے پڑھی جاسکے ۔ " بنیادی اردو " کو اس طرح تشکیل دیا جائے کہ اس مین ایسے الفاظ داخل کئے جائین جو سب زبانون مین مشترکہ ہین ۔ نیز قرآن شریف کے وہ الفاظ بھی اس مین شامل کر لیے جائین جو عام مسلمان آسانی سے سمجھ سکتے ہین ۔ اس طرح اردو کو بین الصوبائی اور کل پاکستان کی واحد زبان والی حیثیت حاصل ہو جائے گی ۔ .... اردو کی طرح بنگلہ کبھی کل پاکستان کی زبان بن نہین سکتی اور نہ کوئی اور پاکستانی زبان یہ مقام حاصل کرنے کے لائق ہے ۔[1]

اردو کو جو قومی مقام حاصل ہے وہ کبھی بھی سندھ مین کمزور نہ ہوگا ۔ صوبہ سندھ کے اندر سندھی زبان کو جو مقام دیا جارہا ہے وہ اس کا اصلی حق ہے جو ون یونٹ بننے سے چھینا گیا تھا ۔ یہ الزام

---

[1] اخبار جسارت ۲۹ جنوری ۱۹۷۱ء

سراسر غلط ہے کہ اردو کے خلاف سندھ مین سازش کی جارہی ہے ۔
اردو سندھ مین بدستور قومی زبان ہے اور تعلیمی ادارون مین
لازمی مضمون ہے ۔ بات صرف اتنی ہے کہ ون یونٹ بننے سے پہلے
جو مقام سندھی کو حاصل تھا وہ دیا جارہا ہے ۔ کیا اس سے اردو
کے مقام کو ٹھیس پہنچتی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چند لیڈر اور
عناصر اردو دوستی کی آڑ مین سندھی دشمنی پر کمربستہ ہوگئے ہین
اور ہنگامہ آرائی پر تلے ہوئے ہین ۔ "

پروفیسر جتوئی کی ایک اہم تالیف "میکدۂ مصطفائی" ہے جسے ۱۹۶۵ء
مین ادارہ المصطفی[1] گنج بخش پیر حیدرآباد نے شائع کیا ہے ۔ اس مین تمام
مضامین تصوف اور طریقت سے متعلق ہین ۔ دراصل یہ کتاب پیر ایرانی حضرت
صبغۃ اللہ شاہ صاحب کی تعلیمات کا نچوڑ ہے ۔ پروفیسر علی نواز جتوئی نے جو
حضرت پیر ایرانی کے مرید اور معتقد ہین وقتاً "فوقتاً" ان کی صحبت سے فیضیابی
کے دوران جو کچھ سنتے رہے ان کو یاد داشت کی شکل مین جمع کرتے رہے اور پھر
کچھ عرصہ بعد حضرت مرشد کی اجازت سے اس کو مضامین کی شکل مین مرتب فرمایا
ہے ۔ ان مضامین مین اپنے پیر طریقت کی مخصوص تعلیمات کو انھون نے واقف راز
ہوکر لکھا ہے ۔ وہ خود لکھتے ہین :۔

[1] " ویسے تو اس کتاب کا ہر عنوان اپنی جگہ ایک خاص ندرت رکھتا
ہے اور اعلی[1] حضرت کی مخصوص تعلیمات اور حقیقت و معرفت کا حامل

---

[1] میکدۂ مصطفائی ص ۸ مطبوعہ ۱۹۶۵ء

ہے لیکن دعا وعطا، فرض و گناہ، اعتبارات و اختیارات، بصیرت و بصارت، الحافظ و الناصر، ظہور و بطون، جبر و اختیار، خود شناسی، حرام و حلال کا اسلامی نظریہ، بخل، علم اور عالم، قابل توجہ عنوانات ہین ۔ جو فکر و تخیل کو ایسی بصیرت اور وسعت عطا کرتے ہین جو اب تک دیگر کتب تصوف مین اس تفصیل و تشریح کے ساتھ نظر نہین آتے ۔"[1]

میکدۂ مصطفائی کے تمام مضامین عالمانہ اور عارفانہ انداز مین لکھے گئے ہین لب و لہجہ موضوع کے لحاظ سے خاصہ دقیق اور پروقار ہے ۔ اس انداز تحریر کو تصوف کے اصطلاحی الفاظ نے اور بھی بوجھل بنا دیا ہے ۔ عام قاری کی سمجھ مین یہ کتاب مشکل ہی سے آئے گی لیکن وہ لوگ جو واقف راز ہین اور منزل مقصود تک پہنچنے کی تگ و دو مین مصروف ہین، ان کے لیے یہ کتاب بیحد مفید اور دلچسپ ہے ۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا صوفیا کا ایک اہم مسلک ہے ۔ اس پر جس پیرایہ مین انھون نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے ان کے انداز نگارش کی روانی اور استدلال کا صحیح اندازہ ہوتا ہے ۔ لکھتے ہین :-

[1]" جس طرح مردے سے کوئی گناہ نہین ہوتا اسی طرح سالک سے بھی کوئی گناہ صادر نہ ہونا چاہئے ۔ جس طرح مردے سے کسی کو دکھ نہین پہنچتا سالک سے بھی اسی طرح کسی کو دکھ نہ پہنچے ۔ جس طرح مرنے کے بعد انسان کی خواہشات منقطع ہوجاتی ہین اسی طرح سالک

---

[1] میکدۂ مصطفائی ص ۲۵ مطبوعہ ۱۹۶۵ء

سے بھی خواھشات منقطع ھوجانی چاھئین ۔ جس طرح مرنے کا
معاملہ صرف خدا تعالیٰ سے ھوتا ھے بعینہ اسی طرح سالك كا
معاملہ صرف ربّ سبحانہ تعالیٰ سے ھونا چاھیے ۔

کاملین کی نظر مین " موتوا قبل ان تموتوا " کے معنی کچھ
اور ھین اور وہ یہ ھے کہ انسان کے اندر اخلاق اللہ کے سوا باقی
اخلاق معدوم ھوجائین ۔ اور سالك اللہ تعالیٰ کے رنگ مین رنگ
جائے ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ بے رنگ ھے اسی طرح انسان کو بھی
بے رنگ ھوجانا چاھیے ۔ تخلّقوا باخلاق اللہ (خدائی اخلاق
پیدا کرو) سے موت اختیاری حاصل ھوتی ھے ۔ موتوا قبل ان تموتوا
سے یہی مراد ھے کہ موت اضطراری جو موت طبعی بھی کہلاتی
ھے اس سے پہلے موت اختیاری حاصل کرلو ۔ حیوانیت سے مرجاؤ اور
انسانیت مین زندہ ھوجاؤ ۔ پھر انسانیت مین مرجاؤ اور روحانیت مین
زندہ ھوجاؤ ۔ پھر روحانیت مین مرجاؤ اور خدائیت کے عالم مین زندہ
ھوجاؤ ۔ اسی طرح منزل بہ منزل مقصود تك پہنچ جاؤ ۔ "

پروفیسر علی نواز جتوئی اردو کے ایك اچھے ادیب نہ سہی لیکن پھر بھی ان
کی اردو نثر خاصی سلجھی ھوئی، سادہ، روان اور دل کش ھوتی ھے ۔ وہ سندھی
زبان کے ایك اچھے اور ممتاز ادیب ھین ۔ اردو انھون نے اپنے پیر و مرشد کی
ھدایت پر لکھنا شروع کیا تھا اور پھر ان کے فیض سے اللہ نے ان کی اردو تحریر مین
بھی دل کشی بخش دی ۔ پروفیسر علی نواز جتوئی کا رجحان چون کہ تصوف اور مذھب کی
طرف بہت زیادہ ھے اس لیے انھون نے بالعموم اسی طرح کے موضوعات پر مضامین

لکھے ہین ۔ اردو نثر مین ہمین گرچہ بہت نمایان طور پر ارتقائی اثرات کا پتا نہین چلتا پھر بھی ان کے قدیم و جدید تمام مضامین کو پڑھ کر یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ بہ مرور زمانہ ان کی اردو تحریر دن بہ دن زیادہ صاف اور دل کش ہوتی گئی ہے ۔ مثلاً" رسالہ نگار پاکستان کے خصوصی شمارہ مئی و جون۱۹٦۷ء مین "اردو صوتیے اور ان کی تحریری صورتین " کے عنوان سے جو مقالہ انھون نے لکھا ہے اس مین خاصی پختگی اور روانی پائی جاتی ہے ۔



ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی پیدائش ۱٦ دسمبر ۱۹۱۷ء کو تعلقہ سنجھور ضلع سانگھڑ کے ایک گاؤں " گوٹھ جعفر خان لغاری " مین ہوئی ـ آپ کے والد علی محمد خان بلوچ کا انتقال آپ کی بہت کم سنی مین ہوگیا تھا جب کہ آپ صرف چھ ماہ کے تھے ـ مان نے پرورش و پرداخت کے ساتھ تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھی اپنے نحیف و ناتوان کاندھون پر لی ـ گوٹھ جعفر خان کے پرائمری اسکول مین ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد نوشہرو فیروز مدرسہ اینڈ ھائی اسکول سے ۱۹۳٦ء مین میٹرک کا امتحان پاس کیا ـ پھر بہاء الدین کالج، جوناگڑھ مین داخل ہوگئے اور بمبئی یونیورسٹی سے بی ـ اے (آنرز عربی) مین فرسٹ کلاس لائے ـ ام ـ اے کے لیے مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ چلے گئے اور ام ـ اے (عربی) اور ایل ـ ایل ـ بی وھین سے ۱۹۴۳ء مین امتیاز کے ساتھ پاس کیا ـ علی گڑھ یونیورسٹی کی تعلیم، علمی ماحول اور اپنے بعض اساتذہ کی شفقت سے بلوچ صاحب بہت اثرپذیر ہوئے ہین

استاد عبدالعزیز میمن جو اس وقت علی گڑھ یونیورسیٹی مین شعبۂ عربی کے صدر اور بلوچ صاحب کے استاد تھے بلوچ صاحب کی عربی دانی اور لیاقت پر بہت زیادہ اثرانداز ہوئے ہین ۔ اس کا اعتراف اپنے ایک مقالہ محاضرات میمنی مین بلوچ صاحب نے اس طرح کیا ھے :-

"۱۹۲۱ء مین جب راقم الحروف ام ۔ اے عربی کے طالب علم کی حیثیت سے مسلم یونیورسیٹی، علی گڑھ پہنچا تو استاد میمن وھان پر پروفیسر اور صدر شعبۂ عربی تھے ۔ ھمارے لئے بی ۔اے تک کالج کی تعلیم کا مقصد و محور صرف چند درسی کتابین تھین جن کے پڑھانے پر اساتذہ اکتفا کرتے تھے اور ھم بھی ان درسی کتابون کو ھی رٹ کر امتحان مین اچھے نمبر لے لیتے تھے ۔ شعبۂ عربی، مسلم یونیورسیٹی، علی گڑھ مین جب ھم استاد میمن کے سامنے آئے تو ان کے لکچرون کا طریقہ کچھ اور ھی پایا ۔ کتاب کا متن تو پڑھاتے ھی تھے مگر زیادہ وقت متن کے خاص نکات و مقاصد، اشعار و معانی کی تشریح و توضیح مین صرف کرتے تھے ۔ اور پھر بات سے بات نکلتی تھی ۔ اور عربی شعر و ادب کے میدان مین کہین سے کہین نکل جاتے ۔ کبھی متقدمین کے مصادر و ماخذ تک جا پہنچتے تو کبھی مخطوطات و نوادر کے نایاب قلمی نسخون کے عرض و جوھر کو بیان فرماتے ۔ مجھ جیسے شکست بک زدہ طالب علم ام ۔ اے کے پہلے سال مین تو میمن صاحب کے لکچرون کو کچھ ضرورت سے زیادہ مشہور کرتے تھے البتہ ایک سال کی[1]

---

[1] صحیفہ، سہ ماھی، بابت جنوری ۱۹۷۱ء، شمارہ نمبر ۵۴، ص ۱ ۔ ۲

صحبت کے بعد جب ہم ام ۔ اے فائنل مین پہنچے تب کہین جاکر یہ محسوس ہوا کہ بے شك استاد مین ہی "اعلیٰ تعلیم" کو برقرار رکھتے ہوئے صحیح معنون مین ہمین علمی مباحث و مصادر سے روشناس کراتے ہین ۔ بلکہ علم کا دریا بہا دیتے ہین تاکہ کوئی طالب علم تشنہ کام نہ رہ جائے ۔"

مزید تعلیم کے لیے بلوچ صاحب کولمبیا یونیورسٹی (یو۔ایس۔اے) چلے گئے اور وہان سے ۱۹۲۷ء مین پہلے ایجوکیشن مین ام۔اے اور پھر ۱۹۲۹ء مین پی۔ایچ۔ڈی کیا ۔ پاکستان واپس آکر مختلف ملازمتون کی ذمہ داریون کو بخوبی انجام دیتے ہوئے ان دنون آپ ڈائرکٹر "انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن" سندھ یونیورسٹی کے عہدے پر فائز ہین[1]

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی مادری زبان سندھی ہے اور اس مین انھون نے بہت ساری اہم کتابین لکھی ہین ۔ "سندھی لوك ادب" کے تحت جس کے آپ ڈائرکٹر ہین، اب تك تقریبا "۲۷ کتابین شائع ہوچکی ہین ۔ فارسی، عربی اور انگریزی زبان و ادب پر آپ کو پوری قدرت حاصل ہے ۔ فارسی مین دیوان غلام، تاریخ طاہری، بیگ لارنامہ اور لب تاریخ سندھ اور عربی مین دیوان ابوعطا سندھی کو مرتب کرکے آپ نے فارسی اور عربی ادب کی بہت گران بہا خدامات انجام دی ہین ۔ انگریزی مین ادبی اور قومی مسائل پر آپ کے اکثر مضامین ڈان اور پاکستان ٹائمز مین چھپتے

---

[1] تمام سوانحی حالات راقم الحروف نے خود ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ صاحب سے مل کر حاصل کئے ۔

رھتے ھین ۔ صحافت سے آپ کو خاصی دلچسپی ھے اور جرنلسزم "Basic Course" کا علی گڑھ یونیورسیٹی سے پاس کرچکے ھین ۔

اردو آپ کی مادری زبان نہ ھوتے ھوئے بھی آپ کو حد درجہ عزیز ھے ۔ اس سے آپ کو والہانہ محبت اور دلچسپی ھے ۔ علی گڑھ کے ماحول، عظیم اساتذہ کی رھبری اور فیض نے آپ کو اردو کا ایک صاحب طرز ادیب بنا دیا ۔ آپ اردو نثر اھل زبان کی سی بے ساختگی اور اعتماد کے ساتھ لکھتے ھین ۔ علی گڑھ یونیورسیٹی جانے سے پہلے آپ کی اردو معمولی تھی اور فارسی، عربی کے سہارے چل رھی تھی لیکن علی گڑھ کے سازگار ماحول نے نہ صرف آپ کو اردو زبان سے آشنا کردیا بلکہ اسی زبان کا ایک اچھا ادیب اور مصنف بھی بنا دیا ۔ محاضرات مہمنسی مین وہ ایک جگہ اس کی طرف یون اشارہ کرتے ھین :-

> لـه[1] " یہ مواد ایک طالب علم کی ڈائری ھے جس مین وہ عام نقائص موجود ھین جو ایک طالب علم کی لکھی ھوئی یادداشت مین ھوسکتے ھین ۔ اردو عبارت بھی ایک ایسے طالب علم کی ھے جس کے لیے ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء تک اردو گویا ایک اجنبی سی زبان تھی ۔ "

لیکن اب وھی اجنبی زبان ڈاکٹر بلوچ کی سب سے زیادہ چہیتی اور ھم راز بنی ھوئی ھے اور خلوت و جلوت کسی جگہ ان سے جدا نہین رھتی ۔ اردو زبان مین ڈاکٹر صاحب نے بہت سے قابل رشک کارنامے انجام دئے ھین ۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ[1] خان

لـه[1] صحیفہ سہ ماھی بابت جنوری ۱۹۷۱ء شمارہ نمبر ۵۲ ، ص ۲

صاحب کے اشتراك سے انھون نے سندھی اردو لغت اور اردو سندھی لغت کـــی تدوین فرمائی ھے ۔ اردو مین دوسرا اھم کارنامہ آپ کا سندھ کے اردو شعراء کا تذکرہ ھے جو " سندھ مین اردو شاعری " کے نام سے چھپ چکا ھے ۔ڈاکٹر بلوچ صاحب کی یہ ایك تحقیقی اور علمی تصنیف ھے جس مین عہد شاہ جہان سے قیام پاکستان تك کے ستر (۷۰) اردو شعراء کے سوانح حیات اور نمونہ کلام کو بڑی جان کاھی اور تحقیق سے جمع کیا گیا ھے ۔ اس مین مذکورہ اکثر شعراء کا کلام قلمی ذخیرون سے حاصل کیا گیا ھے ۔بعض ایسے شعراء کو بھی شامل کیا گیا جن کا کلام " ھندی " کا معلوم ھوتا ھے لیکن دراصل وہ سندھ مین ارتقا کے درمیانی سلسلے مین ۔ اس بارے مین بلوچ صاحب نے اپنے پیش لفظ مین اس طرح وضاحت کی ھے :-

> [1] " بعض شعراء نے بھاشا یا ھندی مین شاعری کی ھے لیکن ھم اس شاعری کو ارتقائی طور پر اردو شاعری کی تاریخ کا ایك باب سمجھتے ھین ۔ اکثر شعراء کا کلام قلمی ذخیرون سے لیا گیا ھے ۔ "

اس کتاب کی وجہ تصنیف اور تعارف کے سلسلے مین بلوچ صاحب لکھتے ھین :-

> [2] " ۷ جنوری ۱۹۶۶ء کو بندہ راقم کی تجویز پر مہران آرٹس کونسل حیدرآباد کے زیر اھتمام فن شعر و شاعری کی ترویج کے سلسلے مین ایك محفل انشاد منعقد کی گئی جس مین خطۂ سندھ کے قدیم اردو شعراء کے منتخب اشعار پیش کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ قدما کـــے

---

[1] سندھ مین اردو شاعری از ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ (اشاعت دوم) ص ج مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۷۰ء

[2] ایـــــــــــضا " ص و ۔ ز

اسالیب بیان اور محاسن کلام منظر عام پر آجائین اور اس طرح تنقید شعری کا دائرہ وسیع ہو ۔ اور ساتھ ہی اردو شاعری کی ترویج مین خطۂ سندھ کا جو حصہ ہے وہ کسی قدر روشن ہوکر آئندہ کے لیے اہل علم کی توجہ کا باعث بن سکے ۔

محفل انشاد کے لیے بارہ شعراء کا انتخاب کیا گیا جن مین سے بعض ایسے بھی تھے جن کی سوانح یا کلام کے متعلق اب تک بہت کم معلومات تھین ۔ راقم نے ان کے متعلق ضروری معلومات فراہم کین تاکہ جو حضرات ان شعراء کے کلام کو پیش کرین انھین تنقید و تبصرے مین آسانی ہو ۔ یہ محفل ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب ' پروفیسر و صدر شعبۂ اردو ' سندھ یونیورسٹی کی زیر صدارت منعقد کی گئی ۔ ..... اس کتاب اور اس مین شامل مواد کے متعلق چند گذارشات ضروری ہین ۔
اول یہ کہ یہ تالیف اس موضوع پر کوئی تحقیقی مقالہ نہین بلکہ ایک اجمالی خاکہ ہے ۔ تفصیلی جائزہ نہین بلکہ ایک مثالی کوشش ہے ۔ لہذا سندھ مین اردو شاعری کی تاریخ کے ہر دور مین سے نمائندہ شعراء کو پیش کیا گیا ہے ان کے علاوہ اور بھی شعراء ہین جن کے نام معلوم ہین اور بعض کا کلام بھی موجود ہے لیکن سردست جو مواد اور معلومات راقم کے پاس موجود تھین یا آسانی سے حاصل ہوسکین ان کو اس کتاب مین مرتب کیا گیا ہے ۔ دوم یہ کہ ہر ایسے شعراء کو لیا گیا ہے جن کا تعلق خاص خطہ سندھ سے رہا ہے یہ عہد شاہ جہان سے لے کر تقریباً ۱۹۳۵ء تک کے ہین ۔ ان مین سے ان متاخرین کو لیا گیا ہے جن کی علمی اور ذہنی تربیت ۱۹۲۰ء سے پہلے ہوئی حالانکہ وہ ۱۹۳۵ء تک زندہ رہے ۔ یعنی ایسے شعراء کو لیا گیا ہے

جن کا کلام نسبتاً "خالص سندھی ماحول کی پیداوار ہے ۔ تاکہ سندھ
مین اردو کی مستقل نشوونما کی تاریخ کے خدوخال روشن ہوسکین ۔"

ڈاکٹر صاحب کے اردو مضامین اور مقالے اکثر مقتدر رسائل و جرائد جیسے ماہ نو،
صحیفہ، اردو اور قومی زبان وغیرہ مین شائع ہوتے رہتے ہین ۔ نمونہ نثر کے طور پر
ہم رسالہ اردو سہ ماہی سے ان کے ایک مضمون کا اقتباس اس جگہ پیش کرین گے
جو انھون نے بنگال کے فارسی ادب کے سلسلے مین ایک کتاب "شرف نامہ احمد منیری"
پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ۔ لکھتے ہین :-

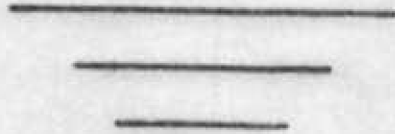
[1] "بنگال مین اسلامی اثرات کی ابتدا چھٹی صدی ہجری مین ہوتی
ہے ۔ ~~وہ~~ چنانچہ سب سے پہلی چیز جو اس سلسلہ مین
ہمارے سامنے آتی ہے ۔ وہ سنسکرت کتاب "امرت کنڈ" کا فارسی
ترجمہ ہے جو غالبا " بنگال و آسام مین فارسی کی سب سے پہلی کتاب
معلوم ہوتی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ "کامروپ" کا ایک برہمن جوگی
شہر گور مین جو اس وقت مسلمان فرمان روا علی مردان کا پایہ تخت تھا
وہان کی جامع مسجد مین آیا اور اس نے مذہب اسلام کے متعلق چند
سوالات کئے ۔ لوگون نے بتایا کہ وہ شہر کے قاضی رکن الدین سمرقندی
سے رجوع کرے چنانچہ وہ جوگی ان کی خدمت مین حاضر ہوا ۔ اور اسلام
کے متعلق چند سوالات پیش کئے جن کے جوابات قاضی صاحب نے تشفی بخش
دئے اور بالآخر وہ جوگس مشرف بہ اسلام ہوا ۔ اسلام لانے کے بعد
اس نے فلسفہ "یوگ" پر سنسکرت کتاب "امرت کنڈ" قاضی صاحب کی

---

[1] رسالہ اردو ۔ انجمن ترقی اردو کراچی، بابت ماہ اکتوبر ۱۹۵۲ء، ص ۲

خدمت مین پیش کی جس کا اس وقت فارسی مین ترجمہ کیا گیا ۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد فارسی سے اس کتاب کا عربی مین ترجمہ ھوا ۔ "

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو کے بہت اچھے اسکالر ھین ۔ تحقیقات علمیہ ان کا فطری مذاق ھے ۔ ان کی تصانیف مین تحقیقی موشگافیان اور علمی وقار پایا جاتا ھے ۔ وہ جو کچھ لکھتے ھین اچھی طرح پڑھ کر اور معلومات حاصل کرنے کے بعد لکھتے ھین ۔ ان کا انداز تحریر دل کش اور عام فہم ھے ۔ غرض وہ ایک اچھے ادیب ، شریف انسان اور پکے مسلمان ھین ۔ ان کی ادبی خدمات لائق تحسین ھین ۔



ڈاکٹر عبدالواحد هالی پوتا

"ڈاکٹر عبدالواحد هالی پوتا کی پیدائش موضع گل محمد هالی پوتا تعلقہ حیدرآباد (سندھ) مین یکم جنوری ۱۹۱۷ء کو هوئی ۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۸ء تک آپ قرآن مجید، سندھی، فارسی اور عربی تعلیم مقامی مدرسہ اور اسکول مین حاصل کرتے رهے ۔ ۱۹۳۶ء مین میٹرک خاص سے میٹرک کرکے ڈی ۔جے کالج حیدرآباد مین داخل هوئے ۔ وهان سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرکے بمبئی چلے گئے اور فارسی اور عربی مین ام ۔ اے کی ڈگری لینے کے بعد ڈاکٹریٹ کرنے کے لیے آکسفورڈ یونیورسٹی روانہ هوئے ۔ وهان سے علوم مشرقیہ مین ۱۹۴۹ء مین ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر واپس آئے ۔ لندن جانے سے پہلے آپ مدرسہ مظہرالحق سے فاضل علوم دین کی بھی سند لے چکے تھے ۔ مختلف درسگاهون مین پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے رهے هین ۔ آج کل سندھ یونیورسٹی مین پروفیسر اور صدر شعبۂ "تقابل ادیان و ثقافت اسلامیہ" هین ۔ ساتھ هی شاہ ولی اللہ اکیڈمی،

حیدرآباد کے اعزازی ڈائرکٹر بھی ھین ۔ "[1]

ڈاکٹر عبدالواحد ھالی پوتا صاحب کو سندھی اردو فارسی عربی اور انگریزی زبانون پر پورا عبور حاصل ھے ۔ آپ ایک کثیرالتصانیف علمی شخصیت ھین ۔ آپ کی تصانیف کا موضوع عالم عام طور پر اسلام اور اسلامی تاریخ رھا ھے ۔ آپ کی زیادہ تر کتابین انگریزی مین ھین ۔ لیکن اردو مین بھی اکثر آپ کے اھم مقالے اور مضامین مختلف جرائد علمیہ مین شائع ھوتے رھتے ھین ۔ رسالہ الرحیم مین آپ کے کئی اھم مقالے جو مندرجہ ذیل عنوانات سے شائع ھوئے ھین راقم الحروف کے اس وقت پیش نظر ھین :-

(۱) شاہ ولی اللہ کے اصول حکمت ۔ بابت جون ۱۹۶۳ء

(۲) سات اخلاق فاضلہ ۔ بابت جولائی ۱۹۶۳ء

(۳) وحدت دین کا تصور ۔ بابت ستمبر ۱۹۶۳ء

(۴) اسلام اور مرکزیت ۔ بابت مارچ ۱۹٦٤ء

" اسلام اور مرکزیت " سے نمونۂ تحریر ملاحظہ ھو :-

[2]" اسلام ایک بین الاقوامی انسانیت عامہ کا دین ھے جس کا بنیادی نقطہ توحید اور ضروری وصف وحدت ھے جو نظام اسلامی پر مبنی ھے ۔ درحقیقت وہ ساری انسانیت پر حاوی اور انسانی زندگی کے جملہ مراحل پر مشتمل ھے ۔ اسلام انسانیت کے مختلف اقوام، عرب ھون یا عجم،

---

[1] حالات زندگی راقم الحروف کو ڈاکٹر عبدالواحد ھالی پوتا صاحب نے فراھم کیے ھین جس کے لیے مین ان کا شکرگزار ھون ۔

[2] رسالہ الرحیم بابت مارچ ۱۹٦٤ء

سفید فام ہون یا سیہ فام، زمانہ حاضر مین بستے ہون یا مستقبل مین آنے والے ہون، سب کے لیے دین کامل ہے ۔ اسلامی نظام ہر ایک کے لیے باعث فلاح اور بہبودی ہے اور تاابد رہے گا ۔

یہ ظاہر ہے کہ اسلام جیسا جامع اور بین الاقوامی نظام جس مین ایک طرف اس قدر لچک اور تنوع ہے کہ اس مین ہر قوم بلکہ ہر فرد شامل ہوکر دنیوی اور اخروی فلاح حاصل کرسکتا ہے ۔ تو دوسری طرف اس مین وحدت اور توحید کی بنیاد کا قائم رہنا بھی ضروری ہے ۔ ایسے جامع نظام کے لیے ضروری ہے کہ ایسے مخصوص مرکزی نقاط پر مشتمل ہو جن کے محور پر سارا نظام قائم رہے اور ان مرکزی نقطون سے ہر عمل، کیفیت اور انفرادی خواہ اجتماعی مسائل کا براہ راست تعلق ہو، اس طرح اس کی مرکزیت رونما ہوگی جس سے دین مین وحدت، امت مین وحدت، انسانی مساوات اور اعمال مین یک جہتی ظہور پذیر ہوگی ۔ یہ تمام اوصاف دین اسلام مین پائے جاتے ہین ۔ یہی وجہ ہے کہ اس مین تا ابد چلنے کی صلاحیت ہے ۔ یہ دین ابتدائے انسانیت سے لے کر اس کے ارتقائی شکل اسلام تک ایک ہی رہا کیون کہ اس کا مرکز یا اصلی بنیاد ایک ہوتا چلا آیا ہے اگرچہ تفصیلات اور مناہجے کے لحاظ سے اس کی مختلف شکلین اور الگ الگ صورتین دیکھنے مین آتی رہین ۔ "

ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتا صاحب کا ایک اہم مقالہ "پاکستان کے ترقی پذیر معاشرے کے لیے ایک تعلیمی لائحہ عمل " کے عنوان سے مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور مین شائع ہوا ہے ۔ اس مقالہ کو ڈاکٹر صاحب نے ایک تعلیمی اجلاس مین پڑھا تھا جو ۱۹۶۸ء مین جامعہ اسلامیہ بہاول پور مین منعقد ہوا تھا ۔ اس مین ڈاکٹر صاحب

نے واضح طور پر بتایا ہے کہ پاکستان کے لیے تعلیمی لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے۔ نصابون کی ترتیب اور اساتذہ کی تنظیم کس طور پر ہونی چاہئے ۔ وہ لکھتے ہین :۔

"قرآن کریم کی سب سے پہلی نازل شدہ آیت اقرا بسم ربك الذی خلق کے حکم کی تعمیل مین مسلمانون کو اس کو پڑھنا اور کائنات پر غور کرنا ہے کہ پڑھنے اور غور کرنے کے ساتھ یہ بھی احساس ہوتا جائے کہ ہر آن اور ہر لمحہ تربیت دینے والا وہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے ۔ اس احساس کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبون پر غور و فکر اور تجسس و تحقیق کرنا ایك طرف نفس الامر کے مطابق اور دوسری طرف انسان کی علمی، ذہنی، عقلی، روحانی، مادی، انفرادی اور اجتماعی ترقی کے لیے ممد رہے ۔ یہ تھا ہمارے تعلیمی لائحہ عمل کا دینی اور تاریخی پس منظر ۔[1]

اب پاکستان کے ترقی یافتہ معاشرہ کے لیے تعلیمی لائحہ عمل یہ ہونا چاہئے کہ سب علوم خواہ کالجون مین پڑھائے جائین یا یونیورسٹیون مین ان کو اسلامی علوم کے دائرے سے خارج نہ سمجھین اور یہ تفریق جو انگریزون نے اسلامك اسٹڈیز کی اصطلاح مین چند علوم کے لیے متعین کر کے کالج اور مدرسون مین پیدا کردی تھی اس کو ختم کیا جائے ۔ جو یوروپین تعلیمات، نظام تعلیم اور غیر مسلم حکومت کے تسلط کی وجہ سے جو خامیان ہمارے تعلیمی نصاب مین داخل ہوچکی ہین ان کا ازالہ کرنے کے لیے وہ اقدام کرین جس سے مدارس اور کالجون مین تعلیمی نظام

---

[1] مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور۔ ص ۱۲۳ ۱۹۶۸ء

اسلامی نظام کے مطابق ہوجائے ۔ ان سب کو ایک ہی نظام تعلیم
کے مختلف ادارے سمجھا جائے جو مختلف مضامین مین تخصص کی
تعلیم سرانجام دے رہے ہین ۔"

ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتا سندھی اور اردو دونون کے ادیب ہین ۔اردو نثر مین ان کی زبان کی صفائی، روانی، دل کشی، اہل زبان کا دل موہ لیتی ہے ۔ وہ زیادہ تر اسلامی موضوعات پر لکھتے ہین کو مذہب اور اسلامیات ان کا اوڑھنا بچھونا ہے اور جب لکھتے ہین تو اپنے طرز بیان اور طریقہ استدلال سے اس موضوع مین جان ڈال دیتے ہین ۔ ان کی نثر مین عالمانہ وقار پایا جاتا ہے ۔علوم و فنون اور سائنس مین مسلمان پیش رو اور امام کی حیثیت رکھتے ہین، یہ ان کا دعوٰی ہے، اور اپنے اس دعوٰی کا ثبوت انھون نے اکثر اپنے مضامین مین پیش کیا ہے ۔ ایک امریکن مورخ ڈریپر کی اس تحریر کو کہ " قرآن کریم نے ایشیا اور افریقہ پر احسان یہ کیا کہ ان کو تین چیزین تمدن، دین اور علم (سائنس) عطا کین ۔ یورپ پر قرآن کا یہ احسان ہے کہ اس کو دو چیزین عطا کین "تمدن اور سائنس" پیش کرکے وہ لکھتے ہین :۔

[1] حقیقت یہ ہے کہ یورپ، اسلام اور قرآن سے پہلے ایک عمیق ترین
تاریکی کے دور سے گذر رہا تھا اور اسلامی اثرات کی وجہ سے ہسپانیہ،
قسطنطنیہ اور صلیبی معرکون کے ذریعہ اس کو علمی شعاعین پہنچین ۔
اس کے بعد یورپ نے مہذب ہونے کے طریقے سیکھے اور مسلمانون کسے

---

[1] مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور ۱۹۶۸ء

نقش قدم پر قدرے چلنے کی وجہ سے اس میں ذہنی اور مادی ترقی ایک حد تک ہوئی ۔ پھر بھی انسانیت کے مدارج میں وہ کہیں پیچھے ہیں ۔"

اردو زبان اور مذہب اسلام کو ان سے بہت سی اچھی توقعات وابستہ ہیں ۔

ڈاکٹر آصف جاہ کاروانی

آصف جاہ کاروانی کے والد ماجد حاجی غلام محمد صاحب ضلع تھرپارکر، سندھ کے ایک معزز شخص تھے - کاروانی صاحب ۵ جون ۱۹۱۸ء کو یہین اپنے آبائی وطن "ڈگری" ضلع تھرپارکر (سندھ) مین پیدا ہوئے - ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ جامع اسکول میرپور خاص سے ۱۹۳۴ء مین میٹرک کا امتحان پاس کیا - پھر ڈی - جے - سندھ کالج کراچی مین ایف - اے مین داخلہ لیا - ۱۹۳۸ء مین فارسی مین بی - اے - آنرز اور ۱۹۴۱ء مین اردو مین ام - اے بمبئی یونیورسیٹی سے پاس کیا - ۱۹۵۶ء مین الہ آباد یونیورسیٹی سے پی - ایچ ڈی کی ڈگری لی - آپ کے مقالے کا عنوان "اقبال کا فلسفۂ خودی اس کے ماخذ اور مقاصد" تھا جو اب کتاب کی شکل مین طبع ہوچکا ہے -

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کاروانی صاحب ڈی - جے سندھ کالج مین اردو کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کرنے لگے - پھر ترقی کرکے پرنسپل ہوگئے - آپ اردو اور فارسی ادب کے بہت اچھے اسکالر ہین اور علم و ادب کی خدمت اپنی

زندگی کا مقصد اولین سمجھتے ہین ۔ اردو سے آپ کو بے پناہ محبت ہے ۔ اردو زبان کے صاحب طرز ادیبون مین شمار کئے جاتے ہین ۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۶ء تک انجمن ترقی اردو کراچی کے معتمد اعزازی رہے ۔ اس زمانے مین آپ نے رسالہ " شعاع اردو " نکال کر اردو کی بڑی خدمت انجام دی ۔ آپ نے ادبی ماہنامہ کے علاوہ " شعاع اردو پبلیشنگ ہاؤس " بھی کراچی مین قائم کیا تھا جس کے تحت لالہ زار، کہسار وغیرہ کئی کتابین شائع ہوئین ۔

کاروانی صاحب اردو زبان کے قادرالکلام شاعر بھی ہین ۔ کاروان تخلص کرتے ہین ۔ ان کے کلام مین تخیل کی بلندی، درد و سوز اور پختگی پائی جاتی ہے ۔ تجسس اور حقیقت تک پہنچنے کی تڑپ شروع ہی سے آپ کی طبیعت مین موجود تھی ۔ اور اسی نے آگے چل کر ان کو رومی اور اقبال کا عاشق زار بنا دیا کیون کہ ان کے دل کی خلش اور تجسس کی تشنگی انھی اکابرین کے کلام سے دور ہوسکتی تھی ۔ اپنی کتاب " اقبال کا فلسفۂ خودی اس کے ماخذ اور مقاصد " کی ابتدا مین وہ خود لکھتے ہین :-

[1] " ہر انسان کی زندگی مین ایک دور ایسا ضرور آتا ہے جب اس کے دل مین ایک قسم کی غیر شعوری خلش سی پیدا ہوجاتی ہے ...... بہت سے سوالات پیدا ہوجاتے ہین اور تسلی بخش جواب نہ پاکر کبھی خاموش ہوجاتے ہین اور کبھی وجود کے تار کو جھنجھوڑ ڈالتے ہین ۔

---

[1] اقبال کا فلسفۂ خودی اس کے ماخذ اور مقاصد از آصف جاہ کاروانی ص ۱ مطبوعہ اسرار کریمی پریس الہ آباد ۱۹۵۵ء

میری زندگی مین بھی ایک ایسا دور آیا ۔ بیسیون سوالات دل مین پیدا ھوگئیے ۔ اس کائنات کا بنانے والا کون ھے ؟ کائنات کیون بنائی گئی ؟ یہ حقیقت ھے یا محض نظر کا دھوکا ؟ کائنات مین انسان کی کیا حیثیت ھے ؟ انسان اپنے اعمال مین مختار ھے یا مجبور ؟ اگر انسان نائب خدا ھے تو اسے گمراہ کرنے کے لئے شیطان کو پیدا کیون کیا گیا ؟ جنت اور دوزخ کیا ھین ؟ نیکی اور بدی کے کیا معنی ھین ؟ وغیرہ وغیرہ ....

۱۹۳۵ء مین پہلی دفعہ مین اقبال سے غائبانہ متعارف ھوا ۔ بال جبریل کا پہلا ایڈیشن بازار مین آیا ۔ مین نے بھی یہ کتاب منگائی لیکن اس وقت مین اس سے متاثر نہ ھوسکا ۔ اگلے سال مولانا روم کی مثنوی اور دیوان شمس تبریز پڑھنے کا اتفاق ھوا ۔ چند ھی روز کے مطالعہ مین ان کے خیالات سے ایسا متاثر ھوا کہ مطالعہ رومی میری زندگی کا مقصد اولیٰ بن گیا ۔ مین نے محسوس کیا کہ جو سوالات مجھے پریشان کئے ھوئے ھین وہ مولانا روم کے دل مین بھی پیدا ھوئے تھے انھون نے ان پر روشنی بھی ڈالی ھے جس سے بہت حد تک روح کی تشنگی دور ھوجاتی ھے ...... ۱۹۳۸ء مین علامہ اقبال کا انتقال ھوا ۔ درحقیقت یہی سانحہ تھا جس نے صحیح معنون مین مجھے اقبال سے متعارف کرایا ۔ مین نے ان کی جملہ تصانیف جمع کین اور ان کا بہ غور مطالعہ شروع کردیا ۔ چند ھی روز مین مین نے یہ محسوس کیا کہ علامہ اقبال کی فکری کاوشون کی وجہ بھی کچھ اسی قسم کی دقتین ھین جیسی مجھے درپیش رھی ھین ۔ مجھے یہ بھی محسوس ھوا کہ وہ بھی رومی کے پرستار ھین لیکن ان کا بات کہنے کا طریقہ روم کے مقابلے مین زیادہ موثر اور مفصل ھے ۔"

کاروانی صاحب کے لکھنے کا انداز بہت سلجھا ہوا، مدلل اور فلسفیانہ ہوتا ہے ۔ ان کی اردو تحریر بڑی رواں، سلیس اور دل کش ہوتی ہے ۔ وہ جو کچھ لکھتے ہیں خوب سمجھ کر لکھتے ہیں ۔ ان کو اردو زبان پر اہل زبان کی سی قدرت حاصل ہے ۔ وسعت مطالعہ نے ان کے دماغ اور قلم دونوں کو بڑی قوت بخشی ہے ۔ علامہ اقبال پر ان کی یہ کتاب ان کے فلسفہ خودی کو سمجھنے میں بڑی مددگار ہوسکتی ہے ۔

علامہ اقبال پر ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب کی روح اقبال بھی بہت اہم تصنیف ہے جس میں علامہ اقبال کا مطالعہ مختلف زاویوں سے کیا گیا ہے ۔ کاروانی صاحب نے اپنی اس کتاب میں علامہ اقبال کے مختصر حالات زندگی کے علاوہ صرف فلسفہ خودی کو پیش کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے بہت ہی وضاحت کے ساتھ کافی مطالعہ کے بعد لکھا ہے ۔ علامہ اقبال کے حالات زندگی میں انھوں نے علامہ اقبال کی سنہ پیدائش ۱۸۷۳ء لکھا ہے لیکن روزگار فقیر میں علامہ اقبال کی کا سنہ پیدائش کاروانی صاحب کے پیش کردہ سنہ پیدائش سے بالکل مختلف ہے ۔ کاروانی صاحب نے ثبوت میں رجسٹر فوتی و پیدائش کا حوالہ دیا ہے ۔ لیکن فقیر سید وحیدالدین صاحب مصنف روزگار فقیر[1] نے اس مبحث پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے ۔ اور علامہ اقبال کا سنہ پیدائش ۱۸۷۷ء لکھا ہے ۔ فقیر وحیدالدین صاحب کے دلائل اور شواہد قابل خیال ہیں ۔

خودی کے استحکام و ارتقا پر بحث کرتے ہوئے کاروانی صاحب نے علامہ اقبال کے خیالات اور فلسفہ پر بڑے دل کش انداز میں خاطر خواہ بحث کی ہے ۔ اس جگہ

---

[1] ملاحظہ ہو روزگار فقیر از فقیر سید وحیدالدین (حصہ اول) ص ۲۲۹ ۔ ۲۴۶ ۔ مطبوعہ لائن آرٹ پریس فریر روڈ کراچی ۔ بار پنجم ۔ مارچ ۱۹۶۵ء

اس کے کچھ اقتباسات پیش کرنے سے جہان جہان کاروانی صاحب کے شگفتہ، مدلل اور دل کش انداز تحریر کا اندازہ ہوگا وہاں علامہ اقبال کے نظریہ خودی کو بھی سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی :-

[1] " اب دیکھنا یہ ہے کہ خودی کے استحکام کے لوازمات کیا ہیں اور وہ کون سی باتیں ہیں جو خودی کو کم زور کرکے اس کے انہدام کا باعث ہوتی ہیں ۔ علامہ اقبال نے اقدار کا ایک معیار بھی پیش کردیا ہے جس سے اعمال و افعال کی اچھائی برائی پہچانی جاسکتی ہے ۔ ہر وہ عمل جو خودی کو چمکائے، ابھارے، مستحکم کرے، احسن ہے، صواب ہے، عبادت ہے ۔ ہر وہ عمل جو خودی کو مضمحل کرے، کم زور کرے، مٹائے، برا ہے، گناہ ہے ۔ ان دو کے علاوہ اعمال کی اور کوئی قسم نہیں ہے ۔ پہلی قسم میں جو عوامل آتے ہیں ان کی تفصیلات ذیل میں دی جاتی ہیں ۔

(۱) خود آگاہی (۲) عمل (۳) عشق (۴) جرات (۵) فقر
(٦) رواداری (۷) تخلیقی عمل (۸) کسب حلال (۹) آزادی
(۱۰) اشتراک عمل (۱۱) تسخیر کائنات ۔ "

" ۱ ۔ خود آگاہی :- استحکام خودی کے سلسلے میں سب سے اہم ضرورت احساس خودی کی ہے ۔ جو انسان خودی کے وجود ہی کا منکر ہوگا، جو شخص اپنی اہمیت ہی سے آگاہ نہ ہوگا، وہ خودی کو مستحکم بنانے کے لیے کوشاں کیوں ہونے لگا ۔ مشرقی ممالک میں جبر و فنا کے تصورات

---

[1] اقبال کا فلسفہ خودی اس کے ماخذ اور مقاصد ص ۱۰۵ ۔ ۱۰٦

نے انفرادیت اور احساس نفس کا گلا گھونٹ دیا ہے اور لوگ اس جذبے کو ترقی دینے کے بہ جائے اس کی بیخ کنی کے درپے رہتے ہین ۔ علامہ اقبال ان لوگون کو تنبیہہ کرتے ہوئے کہتے ہین :- ؎

چون تو در پہنائے من کوری کجا
جز بہ قندیلم ترا نوری کجا
یا بزی با ساز و برگ دل بری
یا بہ میر از ننگ و عار کمتری ۔ "

اسی طرح سب ہی عوامل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے ۔

کاروانی صاحب سے اب بھی اردو شعر و ادب کی بہت زیادہ توقعات وابستہ ہین ۔



ابوالمشتاق الحاج میرزا محمد افضل بیگ

میرزا محمد افضل بیگ کا خاندان ۱۸۰۵ء مین میران تالپور کے عہد حکومت مین ایران سے حیدرآباد' سندھ آیا تھا ـ سندھ آنے والون مین آپ کے دادا میرزا فریدون بیگ گرجی تھے ـ تال پور خاندان کے زوال کے بعد میرزا فریدون بیگ ٹنڈو سائین داد چلے گئے ـ آتش زدگی کے ایک حادثہ کے بعد ان کا خاندان ٹنڈو سائین داد سے میر محمود منتقل ہوگیا اور پھر وہان سے ٹنڈو ٹھورو مین مستقلا" سکونت پذیر ہوگیا ـ میرزا فریدون بیگ کا انتقال ۱۸۷۱ء مین ہوا ـ

میرزا فریدون بیگ کے لائق فرزند میرزا قلیچ بیگ نے اس خاندان کو چارچاند لگا یا ـ اعلیٰ منصب پر فائز رہنے کے علاوہ علم وفضل اور خدمت خلق مین انھون نے اپنی شان دار مثال چھوڑی ـ ان کی علمی اور ادبی خدمات کو سندھ والے کبھی فراموش نہین کر سکتے ـ

میرزا محمد افضل بیگ کی پیدائش اسی علمی اور ادبی ماحول مین بہ مقام قلیچ آباد (ٹنڈو ٹھورو) ۳/ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۵/مئی ۱۹۱۸ء کو ہوئی ـ ابتدائی تعلیم الحاج نادر بخش سومرو سے حاصل کی ـ قرآن شریف مرزا عبدالسبحان بیگ سے اور دینیات اپنے والد میرزا قلیچ بیگ سے پڑھا ـ دو بار حج خانہ کعبہ سے بھی مشرف ہوئے ـ اپنے خاندانی مسلک کے برخلاف آپ کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے ـ آپ کے والد ماجد اور بقیہ تمام افراد شیعہ مسلک کے پیرو تھے اور ہین ـ

سن شعور پر آنے کے بعد آپ کی طبیعت تصوف اور روحانیت کی طرف مائل ہوئی ۔ چنان چہ آپ مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت مین حاضر ہوئے ۔ اور جملہ علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل ان سے فرماکر ان ہی کے دست حق پرست پر بیعت بھی حاصل کیا ۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے کچھ عرصہ اپنے ساتھ رکھ کر ان کی تربیت فرمائی اور پھر اجازت اور خلافت سے نوازا ۔

میرزا افضل بیگ سندھی، فارسی، عربی اور اردو کے علاوہ انگریزی بھی اچھی طرح جانتے ہین گورنمنٹ ہائی اسکول حیدرآباد سے میٹرک پاس ہین لیکن مرید ہونے کے بعد آپ کی زندگی کا مقصد تبلیغ دین، رشد و ہدایت اور اشاعت تعلیم ہے ۔ آپ برابر اس مین منہمک رہتے ہین ۔ اس وقت آپ کی سرپرستی مین تین مدارس چل رہے ہین ۔ ایک تو مکتب مسجد جامع محمدی (ریلوے پھاٹک، حیدرآباد) دوسرا مدرسہ قاسمیہ اور تیسرا گوشہ حاجی مانگ بخش ہائی اسکول ہے ۔ یہ سب مدارس بہت خوش اسلوبی اور کامیابی سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہین ۔

میرزا افضل بیگ ان دنون مسجد محمدی اہل سنت والجماعت مین خطیب کے فرائض بھی انجام دے رہے ہین ۔ آپ کے خطبات بہت پرمغز بااثر اور دل کش ہوتے ہین ۔ خطابت کی خاصی شہرت ہے ۔ چنان چہ آپ کے خطبات کا ایک مجموعہ جو ۱۸٦ صفحات پر مشتمل ہے افضل الخطبات کے نام سے شائع بھی ہوچکا ہے ۔ آپ کے خطبات مین مغرب زدہ لوگون کی اصلاح اور معاشرے کو گندگیون سے پاک کرنے پر زور دیا گیا ہے ۔ آپ کے خطبات کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس مین ہر ایک

بات کے لیے قرآن اور حدیث سے استدلال لیا جاتا ہے ۔ قرآن و حدیث پر آپ کو زبردست عبور ہے ۔ مولانا عبیداللہ سندھی صاحب نے افضل الخطبات پر تبصرہ کرتے ہوئے بہت صحیح لکھا ہے کہ :۔

[1] " یہ مجموعہ اپنی حیثیت مین ایک دل فریب مجموعہ ہے ۔ ہر ایک مومن اس گلدستہ ایمان کو پڑھ کر ضرور محظوظ ہوگا ۔ ان خطبات مین توحید خداوندی سے لے کر محبت رسول صلی اللہ علیہ و سلم اور محبت صحابہ اور اہل بیت رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اور مدح اولیا اور دین کی اصولی اور فروعی چیزون کو بحث مین لیا گیا ہے اور ہر طرح کے ذخائر اس مین موجود ہین ۔ ہر رنگ مین رنگا ہوا آدمی ان خطبات کو پڑھ کر ظاہری اور باطنی سرور حاصل کرسکتا ہے ۔"

اسی تبصرہ مین مولانا عبیداللہ سندھی صاحب نے ایک جگہ میرزا افضل بیگ کی خاندانی وجاہت اور ان کے والد کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے افضل الخطبات کو خاندانی روایت کے مطابق بتایا ہے لکھتے ہین :۔

[2] " جناب مرزا افضل بیگ صاحب کے والد ماجد مرحوم نے جو علمی اور ادبی خدمات کی ہین وہ اظہر من الشمس ہین ۔ گورنمنٹ کے بڑے بڑے عہدون پر فائز ہوتے ہوئے سرزمین سندھ کے پس افتادہ مسلمانون کی جو رہبری کی ہے اس سے ہر ایک باشعور انسان واقف ہے ۔ جناب مرزا افضل بیگ صاحب بھی خاندانی روایات پر چلتے ہوئے قوم کی خدمت کا

---

[1] افضل الخطبات از مرزا افضل بیگ مطبوعہ ایجوکیشنل پریس، کراچی، ۱۹۶۲ء ص

[2] ایضاً ص ب

جذبہ دل مین رکھتے ہوئے مغربیت سے مرعوب قوم کی اصلاح کے لیے
یہ خطبات پیش کر رہے ہین ۔"

مرزا افضل بیگ اردو نثر اور نظم دونون لکھنے پر قادر ہین ۔ جہان ان کی اردو تحریرین سلیس اور روان ہوتی ہین وہان ان کی شاعری مین بھی خاصا زور ہوتا ہے اپنے خطبات مین انھون نے اکثر موقعون پر اپنے اشعار بھی لکھے ہین جن مین زیادہ تر عربی عبارتون کے ترجمے ہین ۔ نمونۃ" دو چار اشعار درج ذیل ہین :۔

لہ تعریف خلاق جہان اور مالک کون و مکان
اک شمہ ہو کس سے بیان بے شک وہ عالی شان ہے

اور نعت شاہ اصفیا بدرالدجیٰ شمس الضحیٰ
کیا ہوسکے ہم سے ادا جس طرح سے شایان ہے

نیکی کسی سے جب کرو منظور رحمت حق کی ہو
منت نہ تم اس پر دھرو ورنہ بہت خسران ہے

عاصی ہین ہم الٰہا رب العلا تو بخش دے ساری خطا
بہر نبی مصطفیٰ جو شافع عصیان ہے

مرزا افضل بیگ کی اردو نثر صاف، روان اور شگفتہ ہونے کے ساتھ ہر طرح کے موضوعات کو پیش کرنے کی اہل ہے اور یہ بڑی خوبی ہے ۔ نمونہ کے طور پر ان کے نثر کا کچھ اقتباس افضل الخطبات سے درج ذیل ہے :۔

لہ افضل الخطبات ص ۱۰۲ ۔ ۱۰۳

" واضح ہو کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ پڑھنے کا رواج عہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک بدستور چلا آرہا ہے ۔ سبحان اللہ خطبہ جمعہ کی کیا شان وعظمت ہے ۔ اور اس کو غور سے سننے کے لیے یہان تک تاکید آئی ہے کہ جس وقت خطبہ پڑھا جائے اس وقت بات کرنا بھی لغو ہے ۔ یہان تک کہ نماز و تلاوت قرآن مجید ناجائز ہے جب کہ آیت کریمہ انّ اللہ ملـئکـتہ یصلّون علی النبی پڑھا جائے یا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی سنئے تو درود شریف بھی دل مین پڑھے ۔

اگر کسی نے سنت یا نفل نماز شروع کی اور سجدہ کرنے سے پہلے خطیب نے خطبہ شروع کیا تو نماز توڑ کر خطبہ سننے بیٹھ جاوے ۔ یہ تاکید اس لئے ہے کہ احکام خدائے تعالی جل شانہ کو صدق دل سے سننے اور احادیث خیرالوری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نصائح رشد وھدایت غور سے سمجھ کر اس پر عمل کرے ۔"

مرزا افضل بیگ ایک درویش صفت اور خدا ترس انسان ہین ۔ آپ کا خاندان بہت بڑا ہے اور سندھ مین عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔

۱ـہ افضل الخطبات ص ۳ ـ ۲

شیخ عبدالرزاق راز

ــــــہ[1] شیخ عبدالرزاق راز کے والد شیخ عبدالروف صاحب سکھر کے رہنے والے تھے ـ ۱۹۱۹ء میں راز صاحب یہیں پیدا ہوئے ـ ابتدائی تعلیم میونسپل ھائی اسکول سکھر میں حاصل کی ـ میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسیٹی سے ۱۹۲۱ء میں پرائیوٹ امیدوار کی حیثیت سے دیا ـ ۱۹۲۵ء میں بمبئی یونیورسیٹی سے بی ـ اے کرکے ۱۹۲۷ء میں روزنامہ الوحید کے منیجر ہوگئے ـ ۱۹۲۸ء میں سکھر بلدیہ کے چیف آفیسر مقرر ہوئے ـ ۱۹۵۲ء میں کھوڑو منسٹری کے دوران کچھ سیاسی وجوہ کی بنا پر علاحدہ ہوگئے اور اسلامیہ کالج سکھر میں سندھی ادبیات کے لکچرار ہوگئے ـ ۱۹۵۷ء میں پیرزادہ منسٹری کے دوران انھیں پھر بلدیہ سکھر کے چیف آفیسر کی حیثیت سے بلالیا گیا ـ لیکن ان کے علمی، ادبی اور تدریسی رجحان نے انھیں زیادہ دنوں تک اس عہدے پر ٹھہرنے نہ دیا اور ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو وہ مستعفی ہوکر اسلامیہ کالج سکھر

ــــــہ[1] سوانحی حالات راقم الحروف نے خود شیخ عبدالرزاق راز صاحب سے مل کر حاصل کیے

مین سندھی ادبیات کے لکچرار کی حیثیت سے چلے گئے ۔ "اس بارے مین آفاق صدیقی نے اپنی کتاب "تاثرات" مین اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ھے :۔

لـه ۱ "علمی و ادبی دلچسپیون کی خاطر چیف آفیسری سے سبک دوشی حاصل کرکے پیشۂ معلمی اختیار کیا اور فرصت کے اوقات کو تصنیف و تالیف کے لیے وقف کردیا ۔ اب تک ایک درجن سے زیادہ کتابین شائع ھوچکی ھین ۔ ان کتابون مین افسانوی اور شعری مجموعے بھی ھین اور تحقیق و تنقید کے سنجیدہ مضامین بھی ۔ صرف سندھی ھی کے نہین اردو اور انگریزی کے بھی صاحب تصنیف ھین ۔"

رازصاحب اطلبو العلم من المهد الی اللحد کے قائل ھین ۔ وہ طلب علم کی راہ مین کبھی نہین تھکتے ۔ چنان چہ سندھ یونیورسیٹی سے انھون نے ۱۹۶۰ء مین مسلم ھسٹری مین اور ۱۹۶۲ء مین سندھی ادبیات مین ایم ۔ اے کیا پھر ۱۹۶۴ء مین بی ۔ ٹی کیا اور ان دنون میونسپل ھائی اسکول سکھر کے ھیڈماسٹر کے فرائض انجام دیے رھے ھین ۔

شیخ عبدالرزاق راز ایک مرنجان مرنج قسم کے انسان ھین ۔ وہ کوشش کرتے ھین کہ ھر شخص کو ان سے کچھ فائدہ ھی پہنچے نقصان نہ پہنچے ۔ ان کے قریبی دوست آفاق صدیقی صاحب نے ان کی اس فطرت کی عکاسی اس طرح کی ھے :۔

لـه ۲ "راز صاحب بڑے دھیمے مزاج کے آدمی ھین ۔ دوستون سے بڑی خندہ پیشانی اور کشادہ قلبی سے ملتے ھین اور بہ ظاھر دشمنون پر بھی اپنی دشمنی ظاھر نہین ھونے دیتے ۔"

لـه تاثرات از آفاق صدیقی ص ۱۵۳ مطبوعہ ادارۂ مصنفین پاکستان سکھر ۱۹۶۹ء
لـه ۲ ایضا " ص ۱۵۳

راز صاحب ایک راسخ العقیدہ مسلمان ھین اور اسلام اور اپنے ملک و قوم سے ان کو بڑی محبت ھے ۔ ڈاکٹر غلام مصطفی[1] خان صاحب، صدر شعبہ اردو، جامعہ سندھ نے ان کے بارے مین بہت صحیح لکھا ھے :۔

[1] " شیخ راز کا مجموعہ کلام تمام و کمال دیکھا ۔ ماشاءاللہ خوب لکھتے ھین اور جدید شاعری کے تمام تقاضون کو پیش نظر رکھتے ھین ۔ وہ اھل زبان اور اھل کمال نہ سہی لیکن سب سے بڑی خوبی یہ ھے کہ وہ ایک مسلمان کا دل و دماغ رکھتے ھین ۔ "

راز صاحب نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز اسکول ھی سے کردیا تھا ۔ ابتدا مین وہ سندھی اور اردو مین شعر کہتے تھے ۔ پھر وہ تحقیقی اور تنقیدی مضامین بھی لکھنے لگے اور اس وقت وہ کئی اھم کتابون کے مصنف ھین ۔ وہ شروع ھی سے مختلف ادبی انجمنون کے سرگرم ممبر اور عہدہ دار رھے اور آج بھی سکھر مین شعر و ادب کی شمع روشن کئے ھوئے ھین ۔ وہ سندھی کے علاوہ اردو کے بھی ایک قادرالکلام شاعر، صاحب طرز ادیب، بلندپایہ نقاد اور افسانہ نگار ھین ۔ ان کے معاصرین ان کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ھین ۔ محمد احمد صاحب، پرنسپل اسلامیہ کالج سکھر نے ان کے شعری مجموعہ " دھڑکنین " مین ان کا تعارف کراتے ھوئے ایک جگہ لکھا ھے :۔

[2] " پروفیسر شیخ عبدالرزاق راز کی عظیم شخصیت او فن محتاج تعارف نہین ۔ موصوف سرزمین سندھ کے نامور فرزند ھین اور ادبی حلقون مین

---

[1] دھڑکنین از شیخ عبدالرزاق راز ص ۱ مطبوعہ یونیائیٹڈ پبلیکیشنز لمیٹڈ سکھر ۱۹۶۸ء

[2] ایضاً " ص ۲

ایک ممتاز اور نمایاں حیثیت کے حامل ہیں ـ سندھی زبان کے
کہنہ مشق اور بہترین ادیب اور شاعر ہونے کے ساتھ انہیں اردو
سے بھی والہانہ شغف ہے اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں وہ
اہل زبان کے ساتھ ساتھ برابر کے شریک ہیں ـ بہ حیثیت انسان
راز صاحب شرافت و نجابت کا اعلٰی نمونہ ہیں ـ جن حضرات کو
ان سے سابقہ پڑا ہے وہ ان کی قابلیت، دیانت و ذہانت کے معترف
ہیں ـ ان کے دل میں دین کی تڑپ ہے اور انہیں اپنی روایات
کا پاس ہے ـ "

" پاکستان رائٹرز گلڈ " سکھر کے سکریٹری آفاق صدیقی صاحب راز صاحب
کی شاعرانہ صلاحیتوں اور ادبی کارگذاریوں پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں :-

" شیخ راز میرے جگری دوست بھی ہیں اور پرخلوص محسن بھی ـ[1]
سکھر کی بیس سالہ ادبی و ثقافتی سرگرمیوں میں ہم ایک دوسرے کے
رفیق کار رہے ہیں ـ راز صاحب کی حیرت انگیز اور ہمہ گیر صلاحیتیں قابل
رشک ہیں ـ ایسے حاضر دماغ، موزون طبع اور زود گو شاعر بہت کم ہی
ہوتے ہیں جو اپنی مادری زبان کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں میں بھی
اس سادگی، بے تکلفی، روانی اور بے ساختگی سے اشعار موزون کرسکیں ـ"
راز صاحب کو موسیقی سے فطری مناسبت ہے ـ میں نے ان کو اکثر
و بیشتر بڑے والہانہ انداز میں کوئی سندھی کافی یا اردو غزل گنگناتے
سنا ہے لیکن چاہے ان کی کتنی ہی منت سماجت کیوں نہ کی جائے،
عالم جلوت میں ترنم تو درکنار، تحت اللفظ میں بھی کچھ سنانے پر آمادہ

---

[1] ـہ دھڑکنیں کا سرورق (حاشیہ پر)

نہین ہوتے ـ خدا جانے اس مین کیا راز ہے ..... اس گانے اور
گنگنانے کا ہی کرشمہ ہے کہ اشعار مین بھاری بھرکم الفاظ اور
بوجھل ترکیبون سے گریز کرتے ہوئے اپنے دل کی تمام باتون کو
نرم و نازک اور مترنم الفاظ مین بیان کر جاتے ہین ....
عمیق مطالعہ کے باوجود ان کی شاعری مین فلسفیانہ موشگافیون،
فکری قلابازیون اور مرعوب کن لفاظیون کی کوئی گنجائش نہین ـ "

ریگ زار کے موتی جلد اول مین عبدالرزاق راز صاحب کی مندرجہ ذیل تصانیف
کی نشان دہی کی گئی ہے :-

(۱) سارنگ (سندھی مجموعہ کلام)

(۲) ڈاک بنگلہ (افسانون کا مجموعہ)

(۳) ماروی کے دیس مین (سندھی کی عوامی کہانیون کا اردو مجموعہ)

(۴) فاتح سندھ (ناولٹ)

(۵) سلطنت دہلی (سندھی تاریخ)

(۶) اردو مقالات جو مختلف رسائل مین شائع ہوئے ـ

(۷) Sukkur-Past and Present
(انگریزی مین سکھر کی ثقافتی تاریخ)

(۸) دھڑکین ـ

راز صاحب کے افسانون مین تصوف کی چاشنی بھی مل جاتی ہے ـ ان کی تصنیف
" ماروی کے دیس مین " سندھی کی عوامی کہانیون کا بہت دلچسپ مجموعہ ہے ـ

وادیٔ مہران کی ان عوامی کہانیون کو رازؔ صاحب نے شاہ لطیف بھٹائی کے کلام کی مدد سے بہت زیادہ پر کشش بنا دیا ہے ۔ اس مجموعہ کے شروع مین "کہانیون کے روحانی رموز و نکات " کے عنوان سے رازؔ صاحب نے اپنی ان کہانیون کے بارے مین خاصی وضاحت کی ہے ۔ لکھتے ہین :-

[1] " شاہ لطیف کے کلام کا بیشتر حصہ حسن و محبت کے راز و نیاز کا آئینہ دار ہے ۔ انہون نے اپنے کلام مین وادیٔ مہران کی عوامی کہانیون سے منظوم تمثیل نگاری کا کام لیا ہے اور مختلف و متضاد کردارون مین ایسے رموز و نکات ظاہر کیے ہین جن سے روحانی گہرائی و گیرائی کا سبق ملتا ہے ..... شاہ اپنے کلام مین کوئی پوری داستان نہین پیش کرتے بلکہ ایسے جاندار حوالے مہیا کرتے ہین جن سے پوری کہانی مرتب کی جاسکتی ہے یہ حوالے انہون نے پرانے زمانے کی ان عوامی کہانیون سے اخذ کیئے ہین جو عوام مین بیحد مقبول تھین ....

مومل رانو کی داستان مین معشوق عاشق کا طلب گار ہوتا ہے ۔ مومل پریشان و سرگردان اپنے عاشق کی تلاش مین نکلتی ہے ۔ اس داستان کے مضامین اس لیے " طلب معکوس " کے طور پر باندھے گئے ہین جس سے طالب، مطلوب ہوجاتا ہے اور مطلوب، طالب بن جاتا ہے .... اس داستان کی رمزیت یہ ہے کہ انسان مکاشفہ و مجاہدہ کرنے کے بعد اللہ کو پالیتا ہے ۔ پہلے وہ اپنے دل کی تمام گہرائیون سے اللہ کو چاہتا ہے پھر اللہ اسے چاہنے لگتا ہے اور اس طرح طالب، مطلوب بن جاتا ہے اور مطلوب، طالب ہوجاتا ہے ۔ "

---

[1] ماروی کے دیس مین از شیخ عبدالرزاق راز مطبوعہ سکھر ۱۹۶۰ء ص ۱۰ ـ ۱۱

راز صاحب کی کتاب "ماروی کے دیس مین " پڑھ کر جہان شاہ لطیف بھٹائی سے ان کی غیر معمولی عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے وہان ان کے دل کے نہان خانے مین تصوف اور سلوک کے جراثیم بھی کلبلا تے نظر آتے ہین ان کے افسانون کی زبان خاصی دل کش اور روان ہوتی ہے ۔

راز صاحب کا ایک مقالہ "سندھی جدید ادب "کے عنوان سے ماہنامہ "نئی قدرین " کے نیا ادب نمبر مین ۱۹۷۰ء مین شائع ہوا تھا ۔ ہم نمونۂ نثر کے طور پر اس کے کچھ اقتباسات درج ذیل کرتے ہین :-

لـه[1] " ۱۹۲۵ء مین انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد رکھی گی ۔ اس جماعت کے کارکن اردو کے نئے لکھنے والون سے بے حد متاثر تھے ۔ سندھ مین اردو لکھنے پڑھنے کا رواج تقسیم سے بہت پہلے عمل مین آچکا تھا ۔ سندھ کا ہر پڑھا لکھا طبقہ نئے اردو ادب سے متاثر تھا ۔ افسانہ مین خصوصا " کرشن چندر، عصمت، منٹو، بیدی اور احمدعباس نوجوان ذہنون پر چھائے ہوئے تھے ۔ پرانے لوگ مولانا شرر، راشد الخیری اور مولانا محمد صادق وغیرہ کے مداح تھے اور وہ شاعری مین ذوق، ظفر، داغ اور جگر کے پیروکار تھے نوجوان طبقہ فراق، جوش، حسرت فیض، میراجی، اختر شیرانی سے بیحد متاثر تھا ۔ انجمن کی ہفتہ وار نشستون مین عام طور پر اردو کے جدید ادیبون کی تخلیقات پر تبادلۂ خیال ہوتا تھا ۔ کراچی کا کالج سندھی کی بڑی درس گاہ تھا ۔ تعلیم کے حصول کی خاطر سندھ کے تمام شہرون سے طلبہ یہان آتے تھے ۔ وہ نوجوان

لـه[1] نئی قدرین شمارہ نمبر ۸ ۔ ۹ ۱۹۷۰ء ص ۵۳

صحیح معنون مین طالبعلم طلبہ تھے ۔ درس و تدریس کے علاوہ ان کا کوئی مشغلہ نہین تھا ۔ اس لیے وہ اپنا وقت مطالعہ پر صرف کرتے تھے ۔ انگریزی ادب ہویا فرانسیسی ادب یا روسی اور اردو ادب، جدید ادب کا رجحان کالج کے نوجوانون مین پہلے ہی سے موجود تھا اس لیے ترقی پسند مصنفین کی نظرین کالج پر لگی ہوئی تھین ۔"

عبدالرزاق راز صاحب کی اردو نثر روان اور سلیس ہوتی ہے ۔ ان کی کہانیان خاص طور پر بہت صاف ستھری زبان مین ہوتی ہین ۔ تصوف کے رموز و کنائے ان مین اور بھی جان ڈال دیتے ہین ۔ ان کی تحریرون مین کچھ کچھ ارتقائے ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ابتدائی تحریرون سے ان کی بعد کی تحریرین زیادہ صاف اور سلیس نظر آتی ہین ۔ ۱۹۶۰ء یا اس سے پہلے جو کچھ انھون نے لکھا ہے اس کے مقابلے مین آج کل ان کے جو مقالے رسائل مین شائع ہوتے ہین کافی سلیس اور دل کش ہین ۔ بلاشبہہ انھون نے اردو شعر و ادب کو بہت کچھ دیا ہے اور ابھی ان سے اردو زبان و ادب کی بہت ساری توقعات وابستہ ہین



مظفر حسین جوش

مظفر حسین جوش کے والد ماجد حاجی محمد حسین حیدر آباد (سندھ) کے سربرآوردہ اور ذی عزت لوگوں میں تھے ۔ آپ کے دادا خان بہادر حسن علی آفندی سندھ میں جج کے عہدہ پر فائز تھے اور یہاں کے مشہور سماجی تعلیمی اور اصلاحی کام کرنے والوں میں شمار کیے جاتے تھے ۔ مظفر حسین جوش کی پیدائش ۲۲ دسمبر ۱۹۲۰ء کو حیدر آباد (سندھ) میں ہوئی ۔ ان کے بارے میں مشتاق علی جعفری صاحب نے اپنی کتاب "سندھ کے جدید اردو شعراء" میں تذکرہ کیا ہے لیکن ولدیت اور سنہ پیدائش دونوں میں غلطی کی ہے ۔ لکھتے ہیں :-

"مظفر حسین جوش ابن حاجی محمد یوسف دسمبر ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے"

یہ غلطی غالباً "ان سے اس لیے ہوئی کہ انہوں نے خود جوش صاحب سے دریافت کرنے کی بجائے دوسرے متعلقہ لوگوں سے پوچھ کر قلم بند کردیا ۔ راقم الحروف نے خود جوش صاحب سے مل کر ان کے حالات اور خاندانی معلومات تحریری شکل میں حاصل کی ہیں

اس سے مجھے جعفری صاحب کی اس غلطی کا احساس ہوا ـ امید ہے آئندہ ایڈیشن میں وہ اس کی اصلاح کرلیں گے ـ

جوش صاحب کے دادا حسن علی آفندی صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ انگریزی تعلیم کو سندھ میں رائج کرنے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے ـ سندھ میں مسلمانوں کے پہلے تعلیمی ادارے "سندھ مدرسۃ الاسلام" کے بانی یہی تھے ـ ملک و قوم کے سچے اور بے نفس خادم ہونے کی وجہ سے عوام میں حد درجہ مقبول تھے ـ قوم نے ان کو بمبئی لیجسلیٹو کانسل (جو اس وقت سندھ سے ملحق تھا) کا ممبر بھی چنا تھا ـ اور اس دوران انہوں نے بڑی جانفشانی اور خلوص سے قوم کی خدمت کی ـ سیاست میں آنے کے بعد ان کے مختلف صوبوں کے سیاسی رہنماؤں سے بڑے اچھے تعلقات تھے ـ حسن امام صاحب ان کے مخلص دوستوں میں تھے ـ

جوش صاحب کے والد حاجی محمد حسین صاحب کا انتقال جوش صاحب کے دوران تعلیم ہوگیا تھا جس سے مجبور ہوکر انہوں نے تعلیم ملتوی کرکے ۱۹۲۱ء میں رائل انڈین نیوی میں شمولیت اختیار کرلی ـ اور مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے ملکوں میں پھرتے رہے ـ بعض وجوہ کی بنا پر ۱۹۲۶ء میں رائل نیوی سے سبک دوش ہوکر امپلائمنٹ ایکسچینج میں اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرنے لگے ـ پھر ۱۹۵۲ء میں پی ـ ڈبلیو ـ ڈی کے محکمے میں ملازمت کرلی ـ اور آخر میں ۱۹۵۸ء سے اب تک ریڈیو پاکستان حیدرآباد میں "اسکرپٹ رائٹر" کی حیثیت سے کام کررہے ہیں ـ

جوشؔ صاحب کا خاندان اور ماحول علمی تھا ۔ مخالف حالات نے ان کو کچھ عرصہ کے لیے علم و ادب کی گود سے جدا کر دیا تھا لیکن موقع ملتے ہی وہ پھر اپنے مذاق اور طبیعت کی آواز پر آگے بڑھے اور شعر و ادب کی خدمت اور حصول علم کی طرف متوجہ ہوگئے ۔ ۱۹۶۵ء میں ادیب اردو اور میٹرک کا امتحان ایک ساتھ پاس کیا ۔ ۱۹۶۸ء میں سندھ یونیورسٹی سے بی ۔ اے اور ۱۹۷۰ء میں ام ۔ اے (اردو) میں ڈگری لی ۔[1] شعر و ادب کا چسکا ان کو پہلے سے تھا اب وہ جی کھول کر لکھنے پڑھنے میں مشغول ہوگئے ۔ اردو سے ان کو بے پناہ محبت ہے اور اس وقت وہ حیدر آباد کے قادرالکلام شاعر اور صاحب طرز ادیبوں میں شمار کیے جاتے ہیں ۔ مصنف " سندھ کے جدید اردو شعرا " نے ان کی شاعری پر اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے :۔

[2] " جوشؔ صاحب بہت اچھے شاعر ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ بزم خلیل کی برکت سے ان کے کلام میں بڑی پختگی اور متانت پیدا ہوگئی ہے ۔ انھوں نے زیادہ تر غزلیں ہی لکھی ہیں ۰۰۰۰۰۰ ان غزلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کا مستقبل بہت روشن ہے اور وہ یقینا "سندھ کے اچھے شعرا" کی صف میں شمار ہوں گے ۔"

نمونہ " ان کے دو اشعار "سندھ کے جدید اردو شعرا" سے درج ذیل ہیں :۔

دل بنا دیر بنا کعبہ و بت خانہ بنے کتنے مرکز ترے اے جلوۂ جانانہ بنے
راز رہتی مری ہستی تو بہت اچھا تھا خیر اب بن گئی افسانہ تو افسانہ بنے

---

[1] تمام سوانحی حالات جوشؔ صاحب سے حاصل کئے گئے ہیں ۔

[2] سندھ کے جدید اردو شعرا از مشتاق علی جعفری ص ۵۹

جوش صاحب کو اردو نثر نگاری پر بھی خاصی قدرت حاصل ہے ۔ اگرچہ وہ نثر کم لکھتے ہین لیکن جب لکھتے ہین اور جو کچھ لکھتے ہین، خوب لکھتے ہین ۔ تحریر مین روانی اور دل کشی پائی جاتی ہے ۔ پیرایہ بیان سلجھا ہوا اور مدلل ہوتا ہے ۔ نمونہ نثر کے طور پر ان کے ایک مضمون "علاقائی ثقافت" سے کچھ اقتباسات درج ذیل ہین :-

ثقافت کے لغوی معنی ہین تہذیب و تمدن کا اجتماعی ارتقا، تعلیم و تربیت کے ذریعہ انسان کے قوائے دماغی کی پرورش اور نشوونما وغیرہ ۔ ثقافت انگریزی لفظ کلچر کا ترجمہ ہے جو اردو مین کم و بیش اسی معنی مین استعمال ہوتا ہے ...... یہ ایک جامع لفظ ہے جو ہمارے جغرافیائی ماحول اور معاشرے، معاشیات، اقتصادیات، تہذیب و تمدن اور شعور و شعار کی مکمل عکاسی کرتا ہے ۔ چونکہ ثقافت اور انسان مین چولی دامن کا ساتھ ہے لہذا یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جہان جہان انسان نے بود و باش اختیار کی وہان ضرور ثقافت کا وجود کسی نہ کسی صورت مین رہا ۔ مختصر یہ کہ ثقافت انسان کے رسم و رواج اور فہم و شعور کے ارتقا کے ساتھ ساتھ ترقی کے ادوار سے گذر کر موجودہ مقام تک پہنچی ہے ۔ لیکن صحیح معنی مین ثقافت کا ارتقا مذہب کا مرہون منت ہے ۔ لہذا ثقافت کی تاریخ کا ارتقائی دور بھی مذہب کی ابتدا کے ساتھ شروع ہوتا ہے ۔ یون تو دنیا کے مختلف خطون مین محدود ہوکر کی ثقافت مختلف مذہبی عقائد اور رسوم سے متاثر ہوکر انہی خطون مین محدود ہوکر رہ گئی ۔ لیکن مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے جغرافیائی حدود کو توڑ کر دنیا کے ہر خطے کی ثقافت پر گہرا اثر ڈالا ہے ۔

تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ پاک و ہند میں اسلامی ثقافت کے دھارے سب سے پہلے سرزمین سندھ میں داخل ہوئے جن کے اثر سے انسانی زندگی ایک نئے سانچے میں ڈھل گئی اور یہاں کا گلشن حیات ایک نئی بہار سے آراستہ ہوا ۔"



مولانا اللہ ورایو بـــروھـــی

" مولانا اللہ ورایو بروھی ' وادئ مہران کے قدیم ترین علمی مرکز ٹھٹھہ سے تین میل دور ایک گانو "مراد بخش بروھی جو گوٹھ " مین ۱۹۲۰ء مین پیدا ھوئے ۔ آپ کے والد کا نام حاجی رضـا محمد تھا ۔ ابتدائی تعلیم ٹھـٹھہ کے ایک مدرسہ فیض احمدیہ سے حاصل کرنے کے بعد مدرسہ مظہرالعلـوم کھڈہ ' کراچی چلے گئے اور وھان سے عربی اور فارسی مین درس نظامیہ کی تکمیل کی ۔ فارغ ھونے کے بعد اسی مدرسہ مین فارسی کے استاد مقرر ھوگئے ۔ کچھ دنون کے لیے اس مدرسہ سے باھر چلے گئے تھے لیکن پھر واپس آگئے اور ان دنون شعبہ فارسی کے صدر اوردارالافتاء کے منتظم کی حیثیت سے اپنی مادر تعلیم گاہ کی خدمت انجام دے رھے ھین ۔ [1]

---

[1] یہ تمام سوانحی حالات اور معلومات راقم الحروف نے خود مولانا سے مل کر حاصل کیے ھین ۔

مولانا کا فطری مذاق درس و تدریس کے علاوہ صحافت ہے ۔ سندھی اور اردو میں آپ شروع ہی سے مضمون لکھتے رہے ہیں ۔ آپ کا سب سے پہلا مضمون ۱۹۲۵ء میں سابق صوبہ سندھ کے چیف منسٹر اللہ بخش سومرو پر روزنامہ آزاد کراچی میں شائع ہوا تھا ۔ پھر برابر آپ کے مضامین الوحید کراچی، نوائے سندھ کراچی اور ہلال پاکستان حیدرآباد میں چھپتے رہے ۔ ۱۹۵۰ء میں کچھ عرصے کے لیے حیدرآباد کے سندھی ہفت روزہ اخبار الفاروق میں ایڈیٹر بھی رہے ۔ آپ کا میلان زیادہ تر علمی اور مذہبی مضامین لکھنے کا ہے ۔ دشمنان اسلام کے جھوٹے پروپیگنڈے کا جواب دینا، مسیحیت اور پرویزیت کی بڑھتی ہوئی ملک گیر سازش کے خلاف سینہ سپر ہونا آپ کا محبوب مشغلہ ہے ۔ اس سلسلے میں چھوٹے چھوٹے رسائل بھی لکھ کر آپ نے تقسیم کرائے ہیں ۔

سندھی آپ کی مادری زبان ہے اور سندھی میں آپ کا انداز تحریر خاصا دل پسند ہے ۔ لیکن اردو زبان پر بھی آپ کو قدرت حاصل ہے ۔ فارسی اور عربی کی غیرمعمولی صلاحیت، تبلیغی شوق اور صحافت کی طرف فطری رجحان نے آپ کو اردو میں بھی اچھا خاصا انشاپرداز بنادیا ہے ۔ اردو میں آپ کا سب سے پہلا مضمون "قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کا علمی کارنامہ" کے عنوان سے روزنامہ زمیندار لاہور میں شائع ہوا تھا ۔ جسے بعد میں زمیندار کے حوالہ سے چٹان لاہور اور نوائے وقت لاہور نے بھی شائع کیا تھا ۔ آپ کا ایک مقالہ "ٹھٹھہ ایک تاریخی علمی مرکز" کے عنوان سے رسالہ الرحیم میں شائع ہوا ہے ۔ اس سے کچھ اقتباسات نمونہ نثر کے طور پر درج ذیل ہیں :-

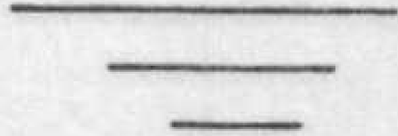
[1] سرزمین سندھ جو آج علم و فضل کے اعتبار سے حرف غلط کی طرح دنیا کے نقشے سے محو ہوتی جارہی ہے کسی زمانے مین یہی سرزمین علوم و معارف کا فلک اور فضل و کمال کا عرش عظیم تھا ۔ سندھ کا وہ مرکزی خطہ جو ٹھٹھ کے نام سے معروف ہے آج کل لایعنی رسومات کی چکی مین بری طرح پس رہا ہے ۔ کسی زمانے مین توحید و رسالت کا عظیم منبع تھا جہان آج جہالت کی حکومت ہے، وہ کسی صورت مین کم نہ تھا۔ جہان آج علوم اسلامیہ و دینیہ کا کوئی معروف عالم نظر نہین آتا، وہ کسی زمانے مین یگانۂ روزگار علماء کا مرکز تھا ۔

بلدہ ٹھٹھ کے متصل مغربی سمت مین ایک میل کی مسافت پر لب سڑک کوہسار مکلی واقع ہے جس کے دامن مین علم و فضل اور دین و مذہب کا عظیم کاروان آسودۂ خواب ہے ۔ اس خاک پاک کے درویشان باصفا اور مردان حق آگاہ نے اسلام کی تبلیغ کے سلسلے مین شاندار خدمات سرانجام دیے ہین ۔ وہ بوریا نشین تھے لیکن ان کے آستانۂ جلال پر بڑے بڑے باجبروت شہنشاہ جھکتے نظر آتے ہین ۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس تھا ۔ وہ ہر اس چیز سے اجتناب کرتے ہین جس سے مخالفت شریعت مین کی گئی تھی ۔ ان کی زندگی شریعت و طریقت کا حقیقی امتزاج تھا ۔"

---

[1] رسالہ الرحیم حیدرآباد بابت جولائی ۱۹۶۲ء

مولانا اللہ ورایو بروہی کی اردو نثر مین بڑی روانی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے ۔ اردو کے ادب العالیہ کا آپ نے گہرا مطالعہ کیا ہے ۔ کثرت کتب بینی نے آپ کی تحریر مین عالمانہ وقار اور ادبی دل کشی پیدا کردی ہے ۔ زبان بامحاورہ لکھتے ہین ۔ تحقیقی موشگافیان اور طریقۂ استدلال آپ کی اردو تحریر کی جان ہین ۔ اردو زبان و ادب کے سلسلے مین آپ کی خدمات لائق تحسین ہین ۔



مولانا غلام محمد گرامی

"مولانا غلام محمد گرامی کا تعلق لغاری بلوچ شاہانی خاندان سے ہے جو سندھ کا ایک ذی عزت خاندان ہے۔ آپ کے مورث اول مرادی خان اول میرون کے عہد حکومت مین "ڈیرہ غازی خان چوٹی بالا" سے آکر ضلع دادو کے ایک مقام ڈگھ بالا مین آباد ہوگئے تھے۔ میرون نے ان کو یہان ایک بڑی جاگیر عطا کردی تھی۔ آپ کے والد جاڑون خان یہان کے ایک ذی اثر رئیس تھے۔

مولانا غلام محمد گرامی کی پیدائش دادو کے ایک مقام میہڑ مین ۳۰ دسمبر ۱۹۲۰ء کو ہوئی تھی۔ آپ نے کسی اسکول اور کالج مین تعلیم حاصل نہین کی بلکہ بعض علمائے کرام سے گھر ہی پر اکتساب علم کیا ہے اور پھر غیر معمولی کتب بینی نے ان مین ایسی علمی صلاحیت پیدا کردی جو بہت کم لوگون کے حصہ مین آتی ہے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی علم و ادب کی خدمت کے لیے وقف کردی ہے۔ ابتدا مین ہفتہ وار اخبار الزمان ہالا، پاسبان ہالا کے ایڈیٹر ہوئے پھر ماہنامہ آفتاب کراچی، شاعر حیدرآباد، عرفان لطیف حیدرآباد کے ایڈیٹر کی حیثیت سے

علم و فن کی بڑے پیمانے پر خدمت انجام دی ۔ شمس العلماء داؤد پوتہ کی وفات کے بعد ۱۹۵۵ء سے تاحال سندھی آدبی بورڈ کے سہ ماہی مجلہ مہران کسی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ھین ۔ ؎[1]

مولانا غلام محمد گرامی نے گونا گون موضوعات پر قلم اٹھایا ھے ۔ تصوف، تاریخ، لسانیات، فلسفہ، سائنس اور دینیات خصوصیت کے ساتھ آپ کے پسندیدہ موضوعات ھین جن پر آپ اکثر لکھتے رھتے ھین متنوع موضوعات کے باوجود آپ کے مضامین مین تشنگی نہین پائی جاتی ۔ آپ جو کچھ لکھتے ھین آشنائے فن ھوکر لکھتے ھین اور کافی مطالعہ کے بعد لکھتے ھین ۔ اس خوبی نے ایک ادیب کی حیثیت سے آپ کا مقام بلند کردیا ھے ۔ سندھ کے تہذیبی، تمدنی اور علمی حلقون مین آپ کے مضامین کی وجہ سے خاص خوشگوار اور دل کش فضا پیدا ھوگئی ھے ۔

مولانا گرامی سندھی زبان کے بڑے عالم اور مقبول ادیب ھین ۔ ساتھ ھی اردو زبان سے بھی ان کو بڑی محبت اور دلچسپی ھے ۔ وہ اردو زبان کے بارے مین حد درجہ مخلص ھین ۔ انھون نے اردو مین بھی بہت سے علمی اور معلوماتی مضامین اور مقالے لکھے ھین جن سے ان کا خلوص اور اردو زبان پر ان کی مہارت نمایان ھے ۔ حضرت لطیف بھٹائی ان کے پسندیدہ صوفی شاعر ھین ۔ ان سے متعلق آپ نے بہت سے مقالے اردو مین لکھ کر خاص و عام سے ان کو متعارف کرانے کی کوشش کی ھے ۔

؎[1] یہ سوانحی حالات راقم الحروف نے مولانا سے خود مل کر حاصل کیے ھین ۔

لطیف کا نظریہ فن، لطیف کا انسان کامل، لطیف کا پیغام، لطیف کا نظریہ حیات، لطیف اور نظریہ وحدت الوجود، لطیف اور جدید دور، لطیف اور روس کے متشابہ اور متخالف پہلو وغیرہ کئی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مقالے آپ کے ذوق علمی کی نشان دہی کرتے ہین ۔ "اسلامی تاریخ کا تنقیدی مطالعہ" بھی آپ کی ایک اہم تصنیف ہے ۔

مولانا گرامی بہت ملنسار اور خلیق انسان ہین ۔ کتب بینی آپ کا سب سے دلچسپ مشغلہ ہے ۔ آپ کا کہنا ہے کہ علم صرف مطالعۂ کتب سے حاصل ہوتا ہے ۔ نمونۂ نثر کے طور پر کچھ اقتباس آپ کے مقالہ " شاہ لطیف شاعر حیات سے درج ذیل ہے ۔

[1] " شاہ کی شاعری اور پیام صحت مند دائمی اقدار کا حامل ہے لہذا ان کی شخصیت اور ان کا شعور ذات بھی تابناک اور زندہ جاوید فکر کا حامل ہے ۔ شاہ کا اسلوب بیان اگرچہ قدیم ہے مگر ان کا جذب نہان اور پیام لطیف ہر دور کے لیے نیا ہے ۔ شاہ کے قلب مضطر مین جن افکار اور خیالات نے پختگی حاصل کی ہے وہ حکیمانہ نقطۂ نظر سے نہایت عمیق ہے ۔ شاہ کے یہان نہ لفاظی ہے، نہ انشاپردازی، نہ لفظون کی جادوگری، نہ دماغی اور مصنوعی پیچ و خم ہینؔ اور نہ مرعوب کن تراکیب کا طومارؔ اور نہ بلند آہنگ دعوئؔ، نہ چیخ وپکار ۔ شاہ کے یہان سوز مسلسل ہے، حدت اور حرارت ہے، تپش اور ولولہ ہے ۔ خدا آگاہی اور خود آگاہی ہے ۔ شاہ اور اقبال

---

[1] نغمات لطیف، مرتبہ اختر انصاری اکبرآبادی، مطبوعہ گورنمنٹ پریس کراچی ۱۹۶۹ء

ابھی تک شارحوں کے اپنے ذاتی کاوشوں اور ذوق ادب کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ شاہ نہ تو فقط جمالیاتی شاعر ہیں اور نہ فقط فطری منظرنگاری کے نقاش ہیں۔ شاہ پاکباز زندگی کے مبلغ ہیں اور زندگی کا ناقدانہ اور دور رس نگاہوں سے مطالعہ کر چکے ہیں۔ زندگی کے مسائل اور عوامل شاہ نے بالکل قریب سے دیکھے ہیں۔

مشرق اور مغرب کے مشاہیر شعراء سے اگر کوئی چیز شاہ کو ممتاز مقام دیتی ہے تو وہ ہے شاہ کی شعوری اور فطری انفرادیت اور انداز بیان کی جدت۔ شاہ کے یہاں شاعری اور فن کی حیثیت ثانوی ہے۔ بطن اور معنی کو اولیت حاصل ہے۔

شاہ کا پہلا نظریہ یہ ہے کہ زندگی اور زندگی کی یہ ہنگامہ خیز حرکت اور ارتقا ایک اتفاقی ہنگامہ اور حنکاسی حادثہ کے مرہون منت ہیں۔ تخلیق کا نہ تو کوئی اصول متعین ہے اور نہ ارتقاء حیات کا کوئی مقصد مقرر ہے۔ تخلیقی عوامل کے پس پردہ نہ کوئی حکمت بالغہ ہے اور نہ قدرت کاملہ۔ نہ اس کائنات کا خالق ہے، نہ اس کا مقصد ہے اور نہ تو یہاں جزا و سزا کا گورکھ دھندا ہے .... شاہ کے کردار سسی، سوھنی، جہاد زندگی کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں۔ سسی صحراؤں اور پہاڑوں کو عبور کرتی ہے اور سوھنی دریائے بے پایاں کی موجوں سے کھیلتی ہے۔

شاہ وحدت الوجود کے شارح ہیں۔ وحدت اور کثرت کے اضافی فرق

کو دقیق اور عمیق فلسفیانہ انداز سے دیکھتے ہین ۔ شاہ کے کلام
کی خصوصی انفرادیت یہ ہے کہ الحاد اور بے یقینی کے سب مسائل
حل کردیے ہین اور وجدانی اور ذوقی انداز مین کلام کرتے ہین ۔
شاہ کے پاس خشک اور فلسفیانہ انداز بیان نہین ہے بلکہ وجدانی
کیفیات کو پیدا کرکے حقیقت کو اجاگر کرتے ہین ۔ "

مولانا گرامی کا انداز تحریر بہت دل کش اور باوقار ہے ۔ آپ کی اردو زبان مین وہ تمام عناصر پائے جاتے ہین جو ایک نقاد اور ادیب کے لیے ضروری ہین ۔ روانی، بلاغت، سنجیدگی اور شگفتگی آپ کے تحریر کی خصوصیات ہین ۔ آپ کو اہل زبان کی طرح اردو زبان پر قدرت اور گرفت حاصل ہے ۔ آپ کی زبان مین عربی فارسی کے کافی الفاظ ملتے ہین لیکن وہ سب برمحل اور مناسب طور پر استعمال کیے گئے ہین ۔ آپ کی تحریر مین صوفیون کی جیسی سرمستی اور سرشاری پائی جاتی ہے ۔ آپ کی تحریرون کو پڑھ کر ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے مولانا ابوالکلام آزاد کی تصانیف کا بہت گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کے انداز تحریر کو دل سے پسند کرتے ہین ۔



پیر سید محب اللہ شـــاہ

پیر سید محب اللہ شاہ[1] پانچویں پیر جھنڈو ہیں جو اپنے والد ماجد پیر سید فضل اللہ شاہ عرف سید احسان اللہ شاہ بن سید رشداللہ شاہ کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے ۔ آپ کی پیدائش ۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو بہ مقام پیر جھنڈو، نزد سعید آباد، حیدرآباد (سندھ) میں ہوئی ۔ عربی، فارسی، اردو کی تعلیم آپ نے مدرسہ دارالرشاد میں حاصل کی اور وہیں سے عربی اور فارسی زبان و ادب میں فاضل کا امتحان پاس کیا اور حافظ قرآن بھی ہوئے ۔ ۱۹۶۱ء میں سندھ یونیورسٹی سے بی ۔ اے اور ۱۹۶۳ء میں "Comparative Study of Religion" میں ام ۔ اے کی ڈگری لی ۔

پیر سید محب اللہ شاہ کو تعلیمی امور سے بڑی دلچسپی ہے ۔ اس بنا پر انھوں نے ۱۹۶۱ء میں اپنے گاؤں میں اورینٹل کالج قائم کیا ۔ یہ ایک اقامتی ادارہ ہے اور یہاں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے سارے اخراجات پیر صاحب خود اپنی طرف

---

[1] یہ تمام حالات پیر سید محب اللہ شاہ صاحب نے خود ہی قلم بند کروائے ہیں ۔

سے ادا کرتے ہین ۔ یہان کے طلبہ حیدرآباد بورڈ سے پرائیوٹ امتحان دے کر ادیب عالم اور ادیب فاضل کی سند حاصل کرتے ہین ۔ اس کالج مین عربی، فارسی اور سندھی کے ساتھ اردو کی بھی بہت اچھی تعلیم دی جاتی ہے ۔ پیر صاحب خود اس کالج کے پرنسپل ہین اور اپنے علم و فضل سے ملک و قوم کی بہت بہتر خدمت انجام دے رہے ہین ۔

پیر سید محب اللہ شاہ کی دو شادیان ہوئی ہین ۔ ایک سے صرف ایک لڑکا ہے اور دوسری سے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے ۔"

پیر صاحب کی زندگی بڑی درویشانہ اور عالمانہ گزری ہے ۔ تبلیغ دین اور درس و تدریس آپ کا محبوب مشغلہ ہے ۔ اپنا زیادہ وقت پڑھنے پڑھانے اور عبادت گزاری مین صرف کرتے ہین ۔ ان کی زندگی حد درجہ سادا ہے ۔ وہ سادا غذا، سادا لباس اور بے تکلف زندگی کے عادی ہین ۔ نمود و نمائش اور تصنع سے ان کو سخت نفرت ہے ۔ دوستون اور مریدون سے منکسرانہ ملتے ہین ۔ گفتگو ٹھہر ٹھہر کر بہت دھیمی آواز مین کرتے ہین ۔ احادیث نبوی اور تفسیر القرآن پر بڑی اچھی نظر رکھتے ہین ۔ سندھی اور اردو دونون زبانون مین لکھنے کی یکسان قدرت حاصل ہے ۔ اردو مین ان کا ایک پر مغز خطبہ ۱۹۶۷ء مین اشرف پریس، لاہور سے شائع ہوا ہے ۔ یہ غالبا "کسی مذہبی اجتماع پر خطبۂ صدارت کے طور پر پڑھا گیا تھا ۔ اس خطبہ مین پیر سید محب اللہ شاہ صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہل حدیث اسلامی عقائد سے روگردان نہین ہین ۔ وہ قرآن اور احادیث کے پیرو ہین

انھین محض بدنام کرنے کے لیے " وھابی " کہہ کر پکارا جاتا ھے ـ یہ سازش انگریزون کی تھی کہ اس طرح مسلمانون کو گروھون مین تقسیم کرکے کمزور کردیا جائے۔ وہ لکھتے ھین :-

[1] " اھل حدیث کے بارے مین کہا جاتا ھے کہ یہ شیخ محمد بن عبدالوھاب نجدی کے پیرو ھین لیکن اس سے زیادہ سفید جھوٹ نہین ھوسکتا کہ جماعت اھل حدیث کو شیخ کا مقلد قرار دیا جائے ....

" وہ (انگریز) جب برصغیر مین اپنے پانو جمانے لگے تو ان کے سامنے دو قومین تھین ـ ھندو اور مسلمان ـ ھندوؤن سے ان کو چندان خطرہ نہین تھا البتہ مسلمانون سے وہ کافی ڈر رھے تھے ـ اور مسلمانون مین بھی جماعت موحدین یا اھل حدیث ان کی نظر مین خار تھے ـ کیون کہ یہی ایک جماعت ھے جو ان کے ناپاک عزائم کا خاتمہ کرسکتی تھی اور حق کی کماحقہ مدافعت کرسکتی تھی ـ انگریز یہی چاھتے تھے کہ ان کو کسی طرح بدنام کیا جائے ..... وہ جانتے تھے کہ متحدہ ھندوستان کے لوگون مین بزرگون کی طرف زیادہ اعتقاد پایا جاتا ھے اگر کسی طرح جماعت اھل حدیث کو بزرگون سے پھری ھوئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے والی ثابت کردیا جائے تو لامحالہ عوام ان سے بدظن ھوجائین گے اور ان کا مقصد پورا ھوجائے گا ـ اسی ناپاک مقصد کے لیے انھون نے اپنے ایجنٹون کے ذریعہ لفظ وھابی عوام مین پھیلانا شروع کردیا ـ "

---

[1] خطبۂ صدارت، مطبوعہ اشرف پریس لاھور، ۱۹۶۷ھ ص ۸ ـ ۹

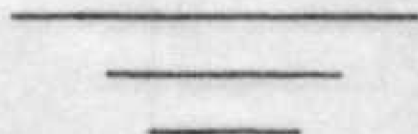
پیر سید محب اللہ شاہ کا ایک مقالہ رسالہ الاعتصام لاھور کے شمارہ نمبر ۳۵ بابت ۲۹ مارچ ۱۹۶۸ء مین " پردہ اور اسلام " کے عنوان سے شائع ہوا ہے ۔ پیر صاحب عورتون کے لیے پردہ اور چہرہ پر نقاب رکھنے کے بہت زبردست حامی ہین ان کے نزدیک عورتون کے چہرے پر نقاب نہ ہونے سے بہت سی خرابیان پیدا ہوسکتی ہین ۔ اس مقالہ مین انھون نے اپنے خیالات کی تائید مین قرآن اور احادیث سے دلائل بھی پیش کیئے ہین ۔ نمونۂ شہرہ کے طور پر اس مقالہ کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہین :-

[1] " عنوان بالا پر پہلے ہی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اس وقت اس پر قلم اٹھانے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ ہمارے معاشرے مین ایک مغرب زدہ طبقہ ایسا پیدا ہوچکا ہے جس نے یہی ٹھان لی ہے کہ وہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنے مغربی ماسٹرون کو ضرور ہی راضی کرے گا ...... اس حقیقت سے بھی کسی عقل سلیم رکھنے والے انسان کو لا انکار کی گنجائش نہین ہے کہ جنس کثیف (مرد) کی جملہ فتنہ سامانیان پیدا کرنے والے اہم عناصر بھی جنس لطیف کے چہرے کے خدوخال ہی ہین ۔ اس صورت مین اگر عورت کو جسم کے اسی حصے کو کھلا رکھنے کی رخصت مل جائے جو اصل طوفان و ہیجان کا باعث ہے تو پردہ کے حکم سے کیا حاصل ۔ "

---

[1] الاعتصام لاھور شمارہ ۳۵ بابت ۲۹ مارچ ۱۹۶۸ء ص ۲

پیر سید محب اللہ شاہ کی اردو نثر خاصی صاف، رواں اور عام فہم ہوتی ہے — یہ ایک بیدار مغز اور حالات حاضرہ سے باخبر انسان ہین — یہ جو کچھ بھی لکھتے ہین اس کو دلائل سے وقیع بنا دیتے ہین — پردہ کے اوپر جوان کا مضمون ہے اس مین خاصی دل کشی پائی جاتی ہے — ~~کیون~~ چون کہ اردو مین یہ کم لکھتے ہین اس لیے ان کی نثر مین ہم ارتقائے ذہنی کی کھوج نہین لگا سکتے لیکن پھر بھی ان کی اردو نثر کا ایک خاص رنگ ضرور ہے —



شاہ بشیرالدین احمد مخفی

شاہ بشیرالدین احمد مخفی حضرت شاہ غلام رسول صاحب قادری کے فرزند ارجمند تھے ۔ آپ کی پیدائش کراچی میں ۱۹۲۱ء میں ہوئی ۔ عربی، فارسی اور مذہبی تعلیم آپ نے اپنے والد ماجد سے حاصل کی ۔ پھر انگریزی تعلیم کے لئے سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں داخل ہوئے ۔ لیکن طبیعت شروع ہی سے تصوف اور شعر کی طرف مائل تھی ۔ والد شاہ غلام رسول اور نانا سائیں عبدالغنی جیسے بزرگ کامل اور صوفی با صفا کی صحبت اور تربیت نے ان کو فقر [illegible] سے اور زیادہ قریب کردیا ۔ اپنے والد سے مرید ہونے کے بعد دل دنیا سے ٹوٹ گیا ۔ باوجود علم و فضل، انھوں نے نوکری کی طرف مطلق توجہ نہ کی اور عبادت و ریاضت اور رشد و ہدایت میں ہی منہمک رہے ۔

رومی اور اقبال کے کلام کے عاشق زار تھے اور ان کے اشعار اکثر پڑھتے رہتے

" خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر "

ان کا بہت پسندیدہ شعر تھا جو اکثر ورد زبان رہتا تھا ۔ اپنے دادا پیر گل حسن شاہ قلندر سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور ان کا نام بڑی عزت و احترام سے لیتے تھے ۔ تصوف کا بڑا گہرا مطالعہ تھا ۔ ویدانت کو تصوف میں شامل کرنے کے بالکل مخالف تھے ۔ ویدانت کے نظریات سے ان کو کلی انکار تھا ۔ اسلامی تصوف کا ماخذ وہ صرف قرآن کو تسلیم کرتے تھے ۔ لباس سادہ پہنتے تھے ۔ ان کا رویہ

ع " درویش صفت باش کلاہ تتری دار " کے مطابق تھا ۔

اردو نثر اور نظم لکھنے پر نہ صرف قادر تھے بلکہ بہت فصیح، روان اور شستہ زبان استعمال کرتے تھے ۔ انھون نے کئی کتابین لکھین جن مین سے "اقبال کی خودی اور حافظ کی بے خودی" مقالات مخفی، عرفان اقبال تو مطبوعہ مین بقیہ افادات نوادر، چند جرعات رومی اور اقبال اور تصوف اور اسلام غیر مطبوعہ مسودہ کی شکل مین صاحبزادہ علم الدین علمی صاحب کے پاس ان کے خانقاہ قادریہ مین محفوظ مین ۔ رسالہ دبدبہ سکندری مین ان کے مضامین برابر چھپا کرتے تھے ۔

آخر عمر مین اپنے وصال سے سات سال پہلے ان پر جذبی کیفیت طاری ہوگئی تھی اور وہ مکمل طور پر گوشہ گیر ہوگئے تھے ۔ اس جذبی کیفیت مین انھون نے اپنی اکثر تصانیف اور مضامین کو ضائع بھی کردیا تھا ۔ شادی انھون نے کبھی نہین کی اور ہمیشہ مجرد رہے ۔

۱۹۶۲ء مین آپ کا وصال ہوا اور لیاری قبرستان مین اپنے نانا عارف باللہ حضرت سائین عبدالغنی کے مزار سے متصل سپرد خاک کئے گئے ۔ آپ کے نثر کے نمونہ کے لئے "اقبال کی خودی اور حافظ کی بے خودی" سے کچھ اقتباس درج ذیل ہے :-

[1] "شاعر مشرق علامہ اقبال نے اسرار خودی مین جو کچھ حافظ کے نظریے سے اختلاف کیا وہ چند وجوہ پر تھا۔ بعد مین آپ کا نظریہ بدل گیا تھا۔

---

[1] اقبال کی خودی اور حافظ کی بے خودی از شاہ بشیرالدین احمد مخفی مطبوعہ ضیا پریس کراچی ص ٦ ـ ٧ سنہ نہ دارد

جوہر اقبال مین حضرت اقبال کا مکتوب شاہد ہے ..... اقبال کی سیاسی زندگی اور حکیمانہ نظریون مین ایک حد تک دور حاضر کے انقلابی خارجی و داخلی اثرات بھی شامل تھے ۔ اور پھر اقبال نے صوفیاے کاملین کی فلاسفی "عرفان نفسی یا خود شناسی" کا نظریہ لے کر اپنے اجتہادی اصول مین خودی یعنی خود آگہی سے ملی نشوونما اور تربیت دینی چاہی :-

فردوس مین رومی سے یہ کہتا تھا سنائی
مشرق مین ابھی تک وہی کاسہ ہے وہی آش

حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مرد قلندر نے کیا راز خودی فاش

حافظ ایک خود آگاہ اور زندہ قلندر ہے جس نے اپنی آنکھون سے کئی انقلاب دیکھے، وہ جمود اور اثرات پھیلانے کا باعث نہین ہو سکتا ۔ ہم اگر غور و فکر کرین تو یہ بات سمجھ مین آسکتی ہے کہ حافظ کی فلاسفی بے خودی کی مستانہ کیفیتون مین بھی خود آگہی اور ہمت و عمل کی آئینہ دار ہے ۔ اب اگر اس کے آرٹ اور نظریے سے عوام کچھ اور مطلب نکال لین تو حافظ کی شاعری مورد الزام نہین ہوسکتی ۔ حافظ فطری جذبات اور عرفانی مشاہدات کی جھلک دکھلاتا ہے ۔

روحانیت کے فطری مقاصد ہر دور مین فطری تربیت کو نشوونما دینا چاہتے ہین اور اس کے لطیف اثرات ظاہر و باطن مین یکسان ظہور مین آتے ہین ۔ اس حقیقت کا انکشاف اقبال نے قلندریت کے دور مین خوب کیا ہے اس مین شک نہین کہ حافظ نے بھی اپنے اشعار مین بعض جگہ ملکی انتشار اور اس دور کے زوال کے اسباب پر اپنے احساسات کا اظہار کیا ہے ۔"

رشید احمد لاشاری

رشید احمد لاشاری وادی مہران کے ان مایہ ناز فرزندوں میں سے ایک تھے جن کی ساری زندگی علم و ادب کی خدمت اور مذہب کی حفاظت میں گزری۔ ان کا مسلک "علم را بر دل زنی یارے بود" پر تھا۔ انہوں نے دہریت، لادینیت اور ملائیت کے خلاف ہمیشہ آواز اٹھائی اور اس میں اپنی جان کی بازی لگادینے میں بھی ان کو کبھی تامل نہ ہوا۔

"آپ کی پیدائش ۱۶ مئی ۱۹۲۲ء کو نصیر آباد کے ایک گاؤں مل گزاری میں ہوئی تھی۔ آپ کے والد زوق خان لاشاری بڑے خدا ترس اور عبادت گذار بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم اردو اور سندھی میں حاصل کرنے کے بعد عربی، فارسی کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی، مولانا عبدالحکیم شکارپوری اور مولانا حبیب اللہ سے اکتساب علوم کرتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں ادیب فاضل کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے اور میٹرک کا امتحان سندھ سے پاس کرکے "اورینٹل کالج" حیدرآباد

مین لکچرار مقرر ہوگئے ۔ اس سے پہلے وہ "ٹریننگ کالج فارمن" حیدرآباد مین
معلم تھے ۔ کچھ دنون کے بعد سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے ڈاکٹر نبی بخش
خان بلوچ صاحب کی نگرانی مین تیار ہونے والی لغت کے سلسلے مین محمد بخش
واصف کے ساتھ ریسرچ اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرنے لگے ۔

بعض وجوہ کی بنا پر ۱۹۵۶ء مین حیدرآباد سے کراچی چلے گئے اور وہین
سکونت اختیار کرکے تعلیمی اور علمی و ادبی کامون مین مشغول ہوگئے ۔ معاشی
دشواریون مین اکثر مبتلا رہنے کے باعث وہ علمی و ادبی کامون کے علاوہ اکثر
فلمی کہانیان اور مکالمہ نگاری سے بھی اپنی ضروریات پوری کرتے رہتے تھے ۔
ملازمت کبھی جم کر نہ کی ۔ طبیعت کی آزادی کے باعث وہ اپنی معاشی مصروفیات
کو اکثر بدلتے رہے ۔ کبھی تعلیمی ادارے مین معلم رہے تو کبھی "نئین زندگی"
سندھی کے اسسٹنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرنے لگے ۔ کچھ عرصہ ریڈیو پاکستان
کراچی مین ملازم رہے تو اپنے انتقال سے کچھ عرصے پہلے ریڈیو پاکستان حیدرآباد
سے منسلک ہوگئے تھے تھوڑے عرصے کے لیے "ہارون کالج" کراچی مین سندھی
ادبیات کے پروفیسر بھی رہے تھے ۔[1] غرض ان کی بے چین طبیعت اور آزادخیالی
نے ان کو زندگی مین کبھی چین سے نہ رہنے دیا ۔ وہ ایک طرف حصول معاش کے
لیے جد وجہد کرتے رہے تو دوسری طرف اپنے ضمیر اور روح کی تسکین اور مالک
حقیقی کی رضاجوئی کے لیے ہر سرکش سے برسرپیکار رہے ۔

---

[1] یہ تمام سوانحی حالات راقم الحروف کو ڈاکٹر ابراہیم خلیل صاحب سے فراہم ہوئے جس کے لیے مین ان کا شکرگزار ہون ۔

رشید احمد لاشاری کی طبیعت شروع ھی سے تصوف کی طرف مائل تھی ـ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۰ء تک حضرت سلطان باھو کی اولاد مین صاحب زادے فیض سلطان کی صحبت سے مستفیض ھوتے رھے اور تصوف و سلوک کی منزلون سے آشنا ھوئے ـ اس سلسلے مین انھون نے پنجاب، بلوچستان اور افغانستان کا سفر بھی اختیار کیا ـ ان کا آخری سفر جو انھون نے اپنے مالک حقیقی سے ملنے کے لیے کیا وہ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء کو ھوا ـ انا للہ و انا الیہ راجعون ـ

ع "خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"

رشید لاشاری ان ادیبون مین سے تھے جن کو سندھی اور اردو دونون سے یکسان والہانہ محبت تھی ـ انھون نے سندھی کے علاوہ اردو زبان و ادب کی بھی بےپایان خدمت کی ـ انھون نے ادب کے ھر صنف پر طبع آزمائی کی ـ وہ ایمان دار صحافی، قادرالکلام شاعر اور ایک دل کش نثار تھے ـ انھون نے افسانے بھی لکھے ھین اور اھم علمی اور تحقیقی موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ھے ـ اردو سے جو ان کو دلی محبت اور لگاؤ تھا وہ ان کے اس شعر سے ظاھر ھوتا ھے ـ ؎

"یہی تو شان اردو ھے کہ اس کو سب سے الفت ھے
نہ پنجابی کی دشمن ھے نہ سندھی سے عداوت ھے"

ایک طرف سندھی زبان مین ان کی پچیس تصانیف ملتی ھین تو دوسری طرف اردو مین بھی ان کی متعدد تصانیف موجود ھین (۱) ادب کی آرٹ مین (۱) سوانح سچل سرمست (۳) سچل کا سرائیکی دیوان (۲) اردو اور وادی سندھ کی زبان (۵) معلم اردو (۶) سندھی اردو کائڈ (۷) اردو اصول (۸) روح لطیف

وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ھین ۔

(۱) ادب کی آڑ مین :۔ یہ ان کی ایک معرکۃ الآرا تصنیف ھے جس کے ذریعہ انھون نے نظریہ پاکستان کی مخالفت، اکھنڈ بھارت کی حمایت، الحاد اور اشتراکیت کا پروپیگنڈا، طبقاتی اور علاقائی منافرت کی تحریک اور داھر پرستی کا پرچار کرنے والون کو کاری ضرب لگانے کی کوشش کی ھے ان کو اپنے مذھب اور پاکستان سے محبت تھی اور وہ اس کی توھین اور تخریب کسی حالت مین بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھے ۔ انھون نے اس چھوٹی سی کتاب مین نہ صرف عوام کو ان فتنون سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ھے بلکہ ملک و مذھب کے ان دشمنون کو مسکت جواب دے کر ان کا منہ بند کردیا ھے ۔ اپنی اس کتاب کی ضرورت اور اھمیت پر روشنی ڈالتے ھوئے اس کتاب کے "پیش لفظ" مین لکھتے ھین ۔

[1]" اس کتاب نے باطل پرست گروہ مین ایک قسم کی کھلبلی مچادی ۔ پہلے تو ان لوگون نے مجھ ناچیز اور سندھ کے دوسرے مقتدر مسلمان ادیبون، صحافیون اور دانشورون پر مقدمات دائر کیے لیکن جب وھان پر ان کی دال نہ گلی اور حکومت کی بازپرس کی وجہ سے جھل جانے کا ڈر محسوس ھونے لگا تو فورا " چند معزز لوگون کی وساطت سے غیر مشروط طور پر تمام مقدمات خود سے واپس لے لیے .... مختصر لفظون مین مین یہ کہنا ضروری سمجھتا ھون کہ میرا اس گروہ کے تمام افراد سے ذاتی طور پر

---

[1] ادب کی آڑ مین، از رشید احمد لاشاری ۔ پیش لفظ ص ح ۔ ک مطبوعہ انجمن پریس کراچی ۱۹۷۰ء

یا بہ حیثیت انسان نہ توان سے کوئی اختلاف تھا اور نہ اب ہے
باقی الحبّ للّٰہ و البغض للّٰہ کے مطابق میرا ان لوگوں سے
صرف اس بات پر اختلاف ہے کہ یہ لوگ خدا، رسول اور مذہب
اسلام سے جھوٹی باتیں منسوب کر رہے ہیں اور ان پر ناروا حملے،
نازیبا الفاظ میں کر رہے ہیں ۔"

(۲) سوانح سچل سرمست :۔ رشید احمد لاشاری کی یہ دوسری غیرفانی تصنیف ہے جس میں ان کی ادبیت کے ساتھ ساتھ مذہبیت بھی بہت نمایاں ہے ۔ اس کتاب میں مجذوب صوفی شاعر حافظ عبدالوہاب فاروقی عرف سچل سرمست کی مفصل سوانح حیات اور ان کی شاعری پر مفصل تبصرہ پیش کیا گیا ہے ۔ اس کتاب کے پڑھنے سے رشید احمد لاشاری میں سوانح نگاری کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ تنقیدی صلاحیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے ۔ حضرت سچل سرمست جس طرح سندھی اور سرائیکی زبان کے قابل قدر شاعر تھے اسی طرح اردو شاعری میں بھی ان کو قدرت تامہ حاصل تھی ۔ اس کتاب کو پیش کرکے لاشاری نے اردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے

(۳) سچل کا سرائیکی دیوان :۔ یہ کتاب لاشاری نے اپنی تصنیف " سچل سرمست " کے بعد لکھی ہے ۔ اس میں لاشاری کی خداداد ادبی صلاحیت اور شاعرانہ مہارت کا جوہر کھلتا ہے ۔ اس میں سچل سرمست کے تمام پنجابی اور سرائیکی کلام کو بہ صورت دیوان اردو رسم الخط میں مرتب کرکے ہر ایک سرائیکی " کافی " کے سامنے اسی مترنم بحر میں اس کا منظوم اردو ترجمہ بھی پیش کیا گیا ہے اور حواشی پر خالص پنجابی سرائیکی الفاظ و محاورات کی تشریح بھی کردی گئی ہے ۔

(۲) اردو اور وادی سندھ کی زبان :- اس اهم تصنیف مین مصنف نے تحقیقی دلائل سے ثابت کیا ھے کہ تمام مغربی پاکستان کی قدیم زبان ایک تھی - سندھ اور پنجاب الگ علاقے نہ تھے - اردو یہان کی تمام علاقائی زبانون کی صاف شستہ اور مشترکہ صورت ھے اور اردو کا مولد بھی سندھ اور پنجاب کا مشترکہ علاقہ ھے وادی سندھ کی قدیم زبان سامی نما زبان تھی - دکنی اور گجراتی اردو پر بھی سندھی، پنجابی اور داردی زبانون کا اثر غالب ھے اور موجودہ سرائیکی یا ملتانی بولی وادی سندھ کی زبان کی وہ مشترکہ کڑی ھے جو سندھی کو پنجابی سے ملاتی ھے - اس کتاب کو لکھ کر لاشاری نے لسانیات کے موضوع پر اردو ادب مین ایک قابل قدر اضافہ کیا ھے - بقیہ رسالے تعلیمی غرض سے بچون کے لیے لکھے گئے ھین -

رشید احمد لاشاری کی زبان روان اور دل کش ھے - وہ اردو نثر اھل زبان کی سی مہارت کے ساتھ لکھنے پر قادر تھے ان کے یہان لطافت، صفائی اور شستگی پائی جاتی ھے - وہ بلا شبہہ ایک پختہ کار اردو نثر نگار تھے - نمونۂ تحریر کے طور پر سچل سرمست سے کچھ اقتباسات درج ذیل ھین - حضرت سچل سرمست کی ولادت اور بچپن کا ذکر کرتے ھوئے لکھتے ھین :-

"۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء مین حضرت خواجہ محمد حافظ عرف میان صاحبڈنہ فاروقی کے بڑے صاحب زادے میان صلاح الدین کے گھر ھمارے ھفت زبان شاعر حضرت سچل سرمست تولد ھوئے -[۱]

---

[۱] سچل سرمست ص ۲۸ - ۲۹ - مطبوعہ ۱۹۶۶ء

حضرت خواجه محمد حافظ کے ارشاد کے مطابق آپ کا نام عبدالوهاب رکھا گیا ـ یہی عبدالوهاب تھے جو آگے چل کر سندھی زبان مین " سچو " اور " سچے ڈینه " پنجابی اور اردو مین " سچل " اور فارسی مین "آشکار " اور "خدائی" کے تخلص کے ساتھ مشہور ہوئے ـ چونکه آپ بچپن ہی سے ہمیشه سچ بولا کرتے تھے اس لیے سب بزرگ آپ کو پیار کی وجه سے " سچو " " سچے ڈینه " اور "سچل " کہنے لگے ـ ان تینون لفظون کے معنی ہین زیادہ سچ بولنے والا ـ دراصل یہی سچ تھا جو حضرت سچل سرمست کی شاعری کا اصلی اور فطری راز بنا اور اس کی صداقت اور حقیقت سے کوئی انکار نہین کرسکتا .... سچل سرمست کی عمر تقریباً " چھ برس کی تھی کہ آپ کے والد میان صلاح الدین نے وفات پائی اور اس در یتیم کی پرورش آپ کے چچا خواجه عبدالحق کے دریائے عاطفت اور بحر معرفت مین ہوئی ـ " دولہا درازی " کے مصنف کی روایت کے مطابق حضرت سچل سرمست کی پرورش ایک نیک سیرت دایه کے سپرد کی گئی جو شیدی (حبشی) قوم سے تھی اور حضرت سچل سرمست اسے پیار مین "کالی امان " کہا کرتے تھے ـ "

شیخ مبارک ایاز

شیخ مبارک ایاز کے والد شیخ غلام حسین ایک ذی علم اور مذہبی انسان تھے۔ شیخ ایاز کی پیدائش ۱۹۲۲ء[۱] میں اپنے آبائی وطن شکارپور (سندھ) میں ہوئی۔ میٹرک اور ایف اے کے امتحانات انھوں نے شکارپور کے گورنمنٹ ہائی اسکول اور گورنمنٹ کالج سے پاس کئے۔ بی۔ اے کے لیے کراچی آگئے اور یہاں ڈی۔جے کالج سے بی۔ اے کرنے کے بعد ایل۔ایل۔بی کی ڈگری بھی لی۔[۲]

شیخ ایاز کے والد انگریزی، فارسی، سندھی اور اردو زبان و ادب سے دلی شغف رکھتے تھے۔ اردو، فارسی اور سندھی کی مختلف موضوعات پر کتابیں گھر میں موجود تھیں اور برابر آتی رہتی تھیں اس لیے شیخ ایاز کو بچپن ہی سے اردو زبان و ادب سے

(۱) سندھ کے جدید اردو شعراء (از مشتاق علی جعفری) میں سال پیدائش ۱۹۳۲ء دیا گیا ہے اور "ریگ زار کے موتی" (از آفاق صدیقی) میں ۱۹۲۲ء ہے۔ خود شیخ ایاز نے مجھے ۱۹۲۲ء ہی بتایا ہے۔اس لیے یہی صحیح ہے مشتاق جعفری صاحب کی کتاب میں طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

(۲) سندھ کے جدید اردو شعرا ص ۳۹

دلچسپی پیدا ہوگئی تھی ۔ انھون نے زمانۂ طالب علمی ہی سے شعر و شاعری اور افسانہ نگاری کی مشق شروع کردی تھی ۔ ان کی شاعری کی ابتدا گورنمنٹ کالج شکارپور سے ہی ہوگئی تھی لیکن اس وقت رومانیت مین سرشار تھے ۔ کراچی آنے کے بعد ان کو صحیح علمی اور ادبی ماحول ملا اور پھر وہ سندھ کے نوجوانون مین ایک مقبول شاعر اور افسانہ نگار کی حیثیت سے ابھرے اور بہت جلد ادبی حلقے پر چھا گئے ۔

شیخ ایاز کے سندھی افسانون کا ایک مجموعہ " سفید وحشی " کے نام سے چھپ چکا ہے اور یہ خاصا مقبول ہے ۔ اردو مین نظم اور نثر لکھنے کا باقاعدہ سلسلہ شیخ ایاز نے کراچی کے قیام کے دوران شروع کیا جب کہ وہ ڈیڑھ سال تک وکالت کے پیشہ کی غرض سے وہان قیام پذیر تھے لیکن ۱۹۵۰ء مین جب وہ اپنی وکالت کے سلسلے مین سکھر چلے آئے تو پھر یہان ان کی ادبی سرگرمیان بہت تیز ہوگئین ۔ ۱۹۵۳ء مین وسیع پیمانے پر اردو سندھی کانفرنس منعقد کرانے والون مین یہ سب سے پیش تھے اس کانفرنس کا بنیادی اصول تھا کہ " ہر زبان کا ادب ہمارا ادب ہے " اس کانفرنس کے مستقل صدر ہوکر انھون نے سندھی کے ساتھ اردو زبان و ادب کی بھی بڑی خدمت کی ۔ ان کی اردو غزلون اور نظمون کا مجموعہ " بوئے گل و نالۂ دل " کے نام سے شائع ہوا ہے ۔

اگست ۱۹۵۵ء مین سندھ یونیورسیٹی کی طرف سے وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ضخیم مجموعہ کلام [1] کا منظوم اردو ترجمہ کرنے پر مامور ہوئے جس کو ۱۹۵۷ء مین انھون نے بہت کامیابی اور حسن و خوبی سے انجام دیا۔ پیر حسام الدین راشدی صاحب نے ان کی صلاحیتون اور اردو ترجمہ پر قدرت کا اعتراف ان الفاظ مین کیا ہے :-

> [2] " شعراء کرام عموما " ذمہ داری اور پابندی قبول کرنے سے گریز کرتے ہین لیکن یہان تو شیخ ایاز صاحب تھے جو نہ صرف اس دور کے مایہ ناز شاعر ہین بلکہ وکالت کی بہت مصروف زندگی گذارتے ہین۔ مجھے خوشی ہے کہ انھون نے اپنی تمام مصروفیات کے باوجود کسی نہ کسی طرح وقت بچاکر محبت، محنت اور بڑی عرق ریزی اور سلیقے سے اس مشکل کام کو اختتام تک پہنچایا۔"

شیخ ایاز اردو مین غزل اور نظم سب ہی لکھتے ہین لیکن ان کی گیتون کو بہت مقبولیت حاصل ہے۔ اردو غزلون مین ان کا انداز موجودہ دور کے عام اردو شعراء کے جیسا ہے۔ زبان صاف ستھری اور دل کشا استعمال کرتے ہین۔ غالب کی ترکیبین

---

(۱) " یہ رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کی وفات کے بعد شاہ کے ارادت مندون نے مرتب کیا۔ اس کی اولین طباعت کا شرف ایک جرمن ارنیسٹ ٹرمپ کو ملا۔ یہ نسخہ ۱۸٦٦ء مین لائپزگ مین شائع ہوا۔" تفصیل کے لیے دیکھئے " تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند " (تیرھوین جلد) ص ۵۱٦ مطبوعہ ۱۹۷۱ء پنجاب یونیورسیٹی لاہور

(۲) دیباچہ رسالہ شاہ عبداللطیف، صفحہ و مطبوعہ سندھ یونیورسیٹی حیدرآباد ۱۹٦۳ء

اپنی غزلون مین انھین باندھنے کا بہت شوق ہے ۔ اپنی اردو غزلون کے لیے زیادہ تر چھوٹی بحرون کا انتخاب کرتے ہین ۔ اردو زبان پر قدرت اور شاعری پر مہارت کا اندازہ ان کے شاہ عبداللطیف بھٹائی یا سانگس کے سندھی کلام کے منظوم اردو ترجمے سے ظاہر ہوتا ہے مثال کے طور پر ان نظمون کے چند ترجمے درج ذیل ہین :- (بیت)

آزمودہ ہے جرأت صد شوق — دل کو اب سوگوار کون کرے
دیکھ کر جلوہ ہائے رنگا رنگ — حسن کا اعتبار کون کرے
اے خوشا لذت فراق یار — خواہش وصل یار کون کرے
زندگی کشتۂ محبت ہے — موت کا انتظار کون کرے

ایک اور بیت ملاحظہ ہو :-

موج در موج بحر بے پایان — میرے محبوب کی نشانی ہے
حاصل جلوہ ہائے رنگا رنگ — درحقیقت وہی روانی ہے
ظاہری حسن کو ثبات کہان — ہر تب و تاب آنی جانی ہے
خواہش وصل یار کیا معنی — قرب محبوب جاودانی ہے

شیخ ایاز نے شاہ کے کلام کے ترجمہ کے ساتھ ان کے سوانح حیات اور ان کے کلام کی خصوصیات و محاسن پر ایک تفصیلی مقدمہ بھی جو سو صفحات پر مشتمل ہے، تحریر کیا ہے جو یقینا " شاہ صاحب کی ذات اور ان کے خیالات و تعلیمات کو اردو دان طبقے سے روشناس کرانے مین مفید ثابت ہوا ہے ۔ نمونۂ نثر کے طور پر اس سے ایک اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے :-

"اس سے تو سبھی کو اتفاق ہے کہ شاہ لطیف کے کلام میں تصوف کا عمل دخل بنیادی حیثیت رکھتا ہے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس حیثیت میں صرف روایتی بازگشت ہے یا کچھ ایسے محرکات بھی ہیں جو صرف شاہ کے لیے مخصوص ہیں ۔ زمان و مکان کے تعینات پیش‌نظر رکھتے ہوئے اگر کچھ کہا جائے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کی عمر کا بیشتر حصہ سندھ اور اس کے گردو نواح میں گزرا اور اس طرح زندگی کے قریب قریب ۶۳ سال (۱۶۹۸ء تا ۱۷۵۲ء) پورے ہوگئے لیکن صرف اتنا کہہ دینے سے کوئی خاص ایسی بات پیدا نہیں ہوتی جو شاہ کے کلام میں تصوف کی گہرائی اور گیرائی کی چھان بین میں کچھ مدد دے سکے ۔[1]

شاہ نے ایک صوفی منش گھرانے میں آنکھ کھولی ۔ تصوف پسند ماحول میں پروان چڑھے، گوشہ نشین عارفوں اور چلتے پھرتے سالکوں کے ہم صحبت رہے ۔ حال و قال اور شعر و نغمہ کی محفلوں سے لطف اندوز ہوئے ۔ جنگل جنگل، صحرا صحرا، وادی وادی، بستی بستی، گھومے پھرے اور صحیفۂ قدرت کے بکھرے ہوئے اوراق کا مطالعہ کیا لیکن ان سب عوامل سے بڑھ کر شاہ کی تصوف پسندی میں جو شاعرانہ حسیاتی عمل بنیادی محرک کی حیثیت رکھتا ہے، وہ ہے غالباً" نوجوانی کا ایک حادثۂ عشق ۔ اس حادثۂ عشق کی پہلی شکست اور دوسری فتح کے درمیان احساس محرومی کی ایذا پسندی، روحانی ماورائیت اور پر اسرار تلاش و تجسس کے جو مرحلے درپیش آئے، انھیں کی خیالی

---

[1] مقدمہ رسالۂ شاہ عبداللطیف از شیخ ایاز ص ۲۱ ـ ۲۵

بازگشت سے شاہ کی شاعرانہ صوف پسندی عبارت ہے اور وہی خیالی بازگشت نت نئے روپ مین ان کے وجدانی کلام کو حقیقی سوز و گداز عطا کرتی ہے ....

شاہ لطیف نے غزالی اور ابن العربی وغیرہ کی فکری تجدید کا جو اثر مثنوی رومی کے توسل سے قبول کیا اس کی کوئی واضح مثال نظر نہین آتی لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ زندگی کو ایک سلسلۂ لامتناہی سمجھتے ہین ۔ ان کے خیال مین حیات و ممات صرف درمیانی مراحل ہین ورنہ انسانی زندگی کی نہ کوئی واضح ابتدا ہے نہ انتہا ۔ بعض اوقات شاہ لطیف زندگی اور موت کو کچھ اس طرح تصور کرتے ہین گویا وہ شعور اور لاشعور کے ملتے جلتے دو علاحدہ نفسی وجود ہین ۔ شاہ کا خیال ہے کہ شعوری زندگی ماحول کی دشواریون سے گھبراتی ہے اس لیے اس کی سعی و کوشش بالعموم نتیجہ خیز ثابت نہین ہوتی ۔ اس کے برعکس اپنے وجود کو مطلوب حقیقی مین جذب کر لینے سے دشواریون کا مطلقاً احساس نہین ہوتا ۔ شاہ کی نظر مین طلب ایک متحرک روح افروز اور انہماک آفرین عمل ہے ۔ کسی چیز کو تلاش کرنے مین جو انتظار، لگن اور اضطراب ہوتا ہے وہ اس خوشی سے کم ولولہ انگیز نہین جو اس کو حاصل کرنے پر میسر آتی ہے ۔ "

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے اس رسالہ کے متعلق پروفیسر لطف اللہ بدوی نے ایک جگہ اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے :-

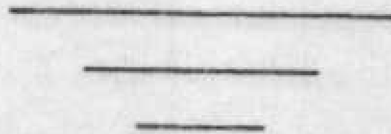
[1] " شاہ صاحب کے کلام کا مجموعہ " رسالے " کے نام سے مشہور ہے ۔

---

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (تیرھوین جلد) ص ۵۱۵

یہ رسالہ اکتیس سرون یا راگنیون مین منقسم ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ " رسالے " مین چند ایسے بھی سر یا باب موجود ہین جن کا موسیقی کے ساتھ کوئی تعلق نہین ہے ۔ کھنبایت، ساموٹڈی، کارایل، وہ وغیرہ ۔ اکثر سرون کے عنوانات سندھ کی لوک کہانیون سے نسبت رکھتے ہین مثلا" سوھنی مہیوال، مومل رانو، سورٹھ، عمر ماروی، لیلا چنیسر، وغیرہ ۔"

شیخ ایاز کی اردو تحریر شگفتہ اور روان ہوتی ہے ۔ انھین حضرت سچل سرمست اور شاہ عبداللطیف بھٹائی سے خاصی عقیدت بھی معلوم ہوتی ہے ۔ ان دونون بزرگان دین کے اشعار کا ترجمہ کرکے ان کی تعلیمات اور اخلاق کو پھیلانے کی انھون نے کامیاب کوشش کی ہے ۔



ڈاکٹر نبی بخش قاضی

" ڈاکٹر نبی بخش قاضی کی پیدائش بہ مقام روہڑی (سندھ) ۱۹۲۳ء مین ہوئی تھی ۔ آپ کے والد ماجد کا نام غلام محمد تھا ۔ ابتدائی تعلیم روہڑی مین حاصل کی ۔ پھر اسکول اور کالج کی تعلیم شکارپور، جوناگڑھ اور حیدرآباد مین مکمل کی ۔ ۱۹۴۴ء مین بی ۔ اے آنرز (فارسی) کے ساتھ کیا اور یونیورسٹی مین اول مقام حاصل کرکے گولڈ میڈل لیا ۔ پھر فیلو کی حیثیت سے شکارپور کالج مین فارسی ادبیات کے لکچرر مقرر ہوئے ۔ ۱۹۴۶ء مین بمبئی یونیورسٹی سے عربی اور فارسی مین ام ۔ اے امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور گولڈ میڈل لیا ۔ جون ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۸ء تک سندھ مسلم کالج کراچی مین عربی اور فارسی کے لکچرار کی حیثیت سے کام کیا ۔ ۱۹۴۸ء مین گورنمنٹ کالج حیدرآباد چلے گئے اور وہان ۱۹۵۳ء تک پروفیسر کے فرائض انجام دیتے رہے ۔ ۱۹۵۳ء مین قاضی صاحب نے ام ۔ ایڈ کا امتحان دیا اور چانسلرز گولڈ میڈل حاصل کیا ۔ ۱۹۵۶ء مین "گوئٹے انسٹی ٹیوٹ"
Proficiency in German Language
مغربی جرمنی سے (جرمن زبان دانی)

کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۶۰ء مین "گوٹنجن یونیورسیٹی" (مغربی جرمنی) سے پی-ایچ-ڈی کیا - ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۰ء تک سندھ یونیورسیٹی کے شعبۂ فارسی سے منسلک رہے ساتھ ہی ساتھ چھ سال تک اسسٹنٹ پروفیسر ایجوکیشن کے فرائض بھی انجام دیتے رہے - ۱۹۶۷ء مین International Orientatist Congress جو Michigan University (U.S.A.) مین منعقد ہوا تھا مین شریک ہو کر احمد رومی کی فارسی مثنوی دقائق الطریق (مخطوطه) پر ایک محققانہ اور ناقدانہ مقالہ پڑھا جو بہت پسند کیا گیا - آج کل ڈاکٹر نبی بخش قاضی صاحب سندھ ٹکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین کے فرائض انجام دے رہے ھین -"[1]

مشی گن یونیورسیٹی امریکہ کے ستائیسوین بین الاقوامی اجتماع مین شرکت کا حال قاضی صاحب نے دسمبر ۱۹۶۷ء کے رسالہ الرحیم مین لکھا ہے اس جگہ اس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ھین - ان سے مشی گن یونیورسیٹی کے کچھ حالات بھی معلوم ہوجائین گے اور قاضی صاحب کی اردو تحریر کا کچھ انداز بھی ملے گا :-

[2]" ڈیڑھ سال قبل مستشرقین کے ستائیسوین بین الاقوامی اجتماع مین شریک ہونے اور علمی مقالہ پڑھنے کے لیے مجھے مشی گن یونیورسیٹی، امریکہ کی طرف سے دعوت موصول ہوئی تھی - دوسری طرف ۱۹۶۷ء مین موسم گرما مین مغربی جرمنی کی طرف سے جرمن یونیورسیٹیون مین علمی تحقیق کے لیے بلایا گیا تھا اور مین مغربی جرمنی پہنچ چکا تھا

---

[1] سوانحی حالات راقم الحروف نے خود ڈاکٹر نبی بخش قاضی صاحب سے مل کر حاصل کی -

[2] رسالہ الرحیم بابت دسمبر ۱۹۶۷ء ص ۵۱۶-۵۱۸ (مجلد)

عالمی اجتماع مین جرمنی سے شریک ہونے والے محققون کے لیے ایک
خاص ہوائی جہاز کا انتظام کیا گیا تھا اس لیے مجھے مستشرقین
کے اس بین الاقوامی اجتماع کی دعوت قبول کرنے مین بڑی آسانی
ہوئی اور مین نے اپنے مقالے کا نام بھی ان کو لکھ کر بھیجا
تھا ۔ مذکورہ اجتماع اگست ۱۹۶۷ء کے وسط مین ہونا تھا اور
اس وقت مین میونک یونیورسیٹی جس کو جرمن مین (مئن شین)
کہتے ہین ملا صدرا شیرازی کے فلسفۂ وجود پر تحقیق کر رہا
تھا ....

جامعہ مشی گن آئن آربر (Ann Arbor) شہر مین
واقع ہے اور یہ جامعہ ممالک متحدہ امریکہ کی بڑی اور قدیم
یونیورسیٹیون مین سے ایک یونیورسیٹی ہے ۔ اس یونیورسیٹی کا تقریبا "
ایک سو سال سے علوم مشرقیہ سے تعلق رہا ہے اور وہان کے کئی
شعبے ہین ۔ طوالت کی وجہ سے ان کا ذکر نہین کیا جاتا ۔ ان
مین اکثر شعبے ایسے ہین جن کا تعلق مشرق تہذیب کے ادب اور
زبانون سے ہے جن پر عربی اسلام کا اثر غالب ہے ۔ اس طرح عجم
مین اسلام پر کافی تحقیق ہوئی ہین اور یہان کے کتب خانون مین
بھی اسلامی کتب کا اچھا ذخیرہ ہے ۔ "

ڈاکٹر نبی بخش قاضی کی مادری زبان سندھی ہے ۔ سندھی زبان مین انھون نے
بہت کچھ لکھا ہے لیکن سندھی کے ساتھ فارسی، اردو، جرمن اور انگریزی زبان و
ادب پر بھی ان کو پورا عبور حاصل ہے ۔ انگریزی زبان مین بہت سے علمی کارنامون
کے علاوہ ان کی ایک اہم کتاب لال شہباز قلندر پر بھی ۱۹۷۱ء مین شائع ہوئی ہے ۔

اردو مین اب تک گرچہ ان کے چند مقالے اور مضامین ھی شائع ہوئے ھین لیکن جو ھین ان سے اردو زبان پر ان کی قدرت اور مہارت کا اندازہ ہوتا ھے ۔ان کی اردو نثر بڑی پاکیزہ، شستہ، رواں اور سلجھی ہوئی ہوتی ھے ۔ ان کا ایک مقالہ " غالب کی فارسی شاعری " اور دوسرا "اقبال اور نژاد نو " بہت دلچسپ اور پر از معلومات ھے ۔ "غالب کی فارسی شاعری " سے کچھ اقتباسات نمونہ نثر کے طور پر درج ذیل ھین :-

۱ " غالب کی فارسی شاعری کی قدر و قیمت سمجھنے کے لیے ھمین ان کی زندگی اور سوانح حیات پر ایک نظر ڈالنی چاھئے کیونکہ ایک شاعر کی زندگی احساس پر مبنی ھے ۔ شاعر بڑا حساس انسان ہوتا ھے ۔کائنات کی ھر چیز اور زندگی کے ھر واقعے سے شاعر اثر پذیر ہوتا ھے ۔ شاعر کے احساس کے ذریعہ جو ارتسامات ان کے دل مین وقوع پذیر ہوتے ھین وھی الفاظ کی صورت پا کر ظاھر ہوتے ھین ۔ انگریزی مین جس کو 'Aesthenetic Experience' کہتے ھین یہ وھی " ذوقی تجربہ "یا "جمالیاتی تجربہ " ھے جس سے شاعرون کا مفہوم حسن پیدا ہوتا ھے ۔

۱۲۲۶ ھ مطابق ۱۸۱۱ء مین جس وقت غالب کی عمر ۱۴ سال تھی ان کی ملاقات ایک ایرانی عالم سے ہوئی جو ساسانی خاندان سے اپنا شجرۂ نسل بتاتا تھا ۔ وہ اصل مین زردشتی مذھب رکھتا تھا اور ھرمزد نام سے موسوم تھا ۔مسلمان ہونے

---

۱ "ذکر ان کا باتین ان کی " ص ۲۶ مطبوعہ مجلس ادب حیدرآباد (سندھ) سنہ نہ دارد ۔

کے بعد اپنا نام عبدالصمد رکھا ۔ وہ عربی، فارسی کا عالم فاضل تھا اور ملا عبدالصمد کہلاتا تھا " ۔

مقالہ " اقبال اور نژاد نو " مین بھی قاضی صاحب کی تحریر کی دل کشی اور روانی نمایان ہے ۔ اس مقالہ مین اقبال کو بہت صحیح روشنی مین پیش کیا گیا ہے لکھتے ہین :-

[1] " علامہ اقبال مرحوم کو قوم کے نونہالون اور ان کے نشست و برخواست، علم و فکر اور مستقبل سے دلچسپی رہی ہے ۔ ایک طرف تو ان کی نظر مسلمانون کے شاندار ماضی کی طرف تھی ۔ جیسے کہتے ہین ؎

دین اذانین کبھی یورپ کے کلیساؤن مین
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤن مین
شان آنکھون مین نہ جچتی تھی جہاندارون کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤن مین تلوارون کی

دوسری طرف مسلمانون کے مستقبل کی ان کو بڑی فکر تھی جس کی وجہ سے نہ صرف ان کو اپنے اشعار سے جگاتے رہے اور کہتے رہے ۔ ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام قومون کی امامت کا

---

[1] "ذکر ان کا باتین ان کی " ۔ ص ۶۳ ۔ ۶۶

بلکه هندوستان کے مسلمانون کے سامنے انھون نے ایک ٹھوس سیاسی تجویز پیش کی جس نے بعد مین پاکستان کی شکل مین وجود پایا ۔ اقبال اگرچه مغرب کے میکدۂ فکر سے مستفید ہوئے، ان کے دل اور دماغ قرآنی تعلیم کی شرابا " طہورا سے سرشار تھے۔ اقبال کے کلام مین مولانا روم کا اثر بہت نمایان ہے .....
ان باتون کو سامنے رکھ کر اقبال ہماری نسل نو کو تعمیر اور تربیت کرنا چاہتے ہین ۔ مغرب مین ان کو فکر یا عقل کا تسلط نظر آیا، مشرق مین ذکر یا عشق کو لوگون نے اپنایا ۔ ایک طرف سائنس تھی اور دوسری طرف جذبه ۔ لیکن یه وہی سائنس تھی، وہی جدید علوم تھے جن کا محرک حقیقی قرآنی تعلیمات تھین اور اس بات کا اعتراف خود مغرب یا یورپ نے کیا ......
اسی ذکر و فکر سے انسان کی شخصیت کی تعمیر اور تربیت ہوتی ہے جاویدنامه کی مناجات مین کہتے ہین ؎

عقل دادی هم جنونی ده مرا
ره به جذب اندرونی ده مرا
علم از تا عشق برخوردار نیست
جز تماشا خانۂ افکار نیست

وه چاہتے ہین که ہمارے نوجوان مشرق اور مغرب کے علوم و فنون کے جاننے والے ہون ۔ اہل ذکر اور اہل فکر ہون ۔ وه یقین اور امید سے بھرپور ہون ۔ ان کی آنکھین تیز اور دوربین ہون، ان کا علم زندگی کے سوز و ساز پر مبنی ہو ۔ اقبال ہمارے نوجوانون مین

ساری انسانی ذات کے لیے احترام اور عزت پیدا کرنا چاہتے ہین انسانی محبت کا درس دیتے ہین اور ہمارے نوجوانون کے دل کو ایک طرح کی کائنات تصور کرتے ہین جس کی پہنائیون مین کفر و ایمان دونون سما جاتے ہین ؎

آدمیت احترام آدمی

باخبر شو از مقام آدمی "

قاضی صاحب فارسی کے اسکالر ہین ۔ اردو مین وہ کبھی کبھی لکھتے ہین ۔ لیکن جو لکھتے ہین وہ خاصہ کی چیز ہوتی ہے ۔ وہ بے ضرورت عربی فارسی کے الفاظ سے زبان کو بوجھل نہین بناتے ۔ فارسی الفاظ استعمال کرتے مین وہ اعتدال پذیر ہین ۔ ان کی اردو نثر مین عالمانہ شگفتگی حد درجہ پائی جاتی ہے ۔



صاحبزادہ محمد علم الدین القادری علمی

محمد علم الدین علمی قادری صاحب کے والد ماجد حضرت حافظ شاہ محمد غلام رسول صاحب بڑے روشن ضمیر صوفیوں میں سے تھے ۔آپ ۱۹۲۳ء میں اپنے آبائی مسکن صدر کراچی متصل مسجد قصابان میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی سے مڈل کا امتحان پاس کیا ۔ یکایک انگریزی تعلیم سے برگشتہ خاطر ہوکر دینی علوم کی طرف راغب ہوئے اور اپنے والد ماجد حضرت شاہ غلام رسول صاحب سجادہ نشین خانقاہ سائین عبدالغنی قریشی قادری قلندری اویسی سے علوم ظاہری اور باطنی کی تحصیل کرکے ان ہی کے دست حق پرست پر بیعت بھی حاصل کیا ۔ اور پھر اپنے والد کے وصال کے بعد ان کی جگہ سجادہ نشین ہوکر منصب رشد و ھدائیت اور علوم دینی کے درس و تدریس میں مشغول ہیں ۔ حضرت شاہ غلام رسول صاحب نے سولجر بازار متصل قادری مسجد میں مدرسہ علمیہ قادریہ کے نام سے ایک مذھبی تعلیم گاہ قائم کی تھی ۔ آپ اسی کو چلا رہے ہیں

آپ کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن اپنے ذاتی اخراجات کے لئے آپ اپنے مریدوں سے نذرانہ تک نہیں قبول کرتے۔ان کا خیال ہے کہ مریدوں کے داد و دھش سے پیروں کو اپنے اخراجات پورے نہیں کرنے چاھئیں ۔

شاہ علم الدین علمی صاحب اردو کے ایک اچھے نثر نگار اور قادرالکلام شاعر ہیں۔ شاعری میں وہ زیادہ تر حمد و نعت اور منقبت لکھتے ہیں ۔ مثنوی مولانا روم کے کلام سے

ان کو عشق ہے ۔ ان کے بہت سے اشعار کا انہوں نے اردو میں منظوم ترجمہ "ارشادات رومی مع تعلیمات رومی" کے عنوان سے کیا ہے جو ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوا ہے بلکہ مسودہ کی شکل میں علمی صاحب ہی کے پاس محفوظ ہے۔

اردو نثر میں آپ کی کئی کتابیں موجود ہیں جن میں قدم النبی، جہاد اصغر، بہشتی جہیز اور نومسلمہ غیر مطبوعہ اور قادری نامہ (دو حصہ میں)، تحفہ علمی اور تحفہ نور وغیرہ مطبوعہ ہیں

نومسلمہ (غیر مطبوعہ)، عبدالحلیم شرر کے ناول ملک العزیز ورجنا کے طرز پر لکھا ہوا ایک ناول ہے جو ۱۳۶۵ھ میں لکھا گیا ہے۔ جہاد اصغر، جہاد کے موضوع پر مختصر سا رسالہ ہے جس میں جہاد کی فضیلت اور اہمیت بتائی گئی ہے ۔

تحفہ علمی میں مختصر سوانح و حالات خلفائے راشدین و شہدائے بدر، شہدائے کربلا، مع مشائخین سلاسل عالیہ، قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور مدحیات و مناقب ائمہ عشر و امام اعظم و منقبت حضرت داتا گنج بخش رضوان اللہ علیہم اجمعین درج ہیں ۔ تحریر کا انداز یہ ہے :-

"[1] شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے مشہور پیشوائے طریقت ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ جب حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں اولاد نرینہ کی تمنا لے کر دعا کے لئے حاضر ہوئیں تو سرکار غوث پاک نے شہاب الدین کے پیدا ہونے کی یہ حکم

---

[1] تحفہ علمی از صاحبزادہ محمد علم الدین علمی مطبوعہ جاوید پریس کراچی ۱۳۸۲ھ ص ۱۰۰ ـ ۱۰۱

خدا بشارت دی ـ اور صاحب علم و فضل اور باخدا ہستی ہونے کی دعا فرمائی ـ ساتھ ہی ان کے وجود کی بعض علامات بھی بتلا دین کہ اس طرح ہون گی ـ بہرحال آپ یعنی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ بڑے زبردست عالی شان صاحب کرامات بزرگ ہستی ہوئے ہین ـ ان کے سلسلہ عالیہ مین حضرت بہاوالدین ذکریا ملتانی ان کے مرید اور خلیفہ ہوئے ـ اسی طرح حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی بھی آپ کے مرید و خلیفہ ہوئے ہین ـ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے بھی آپ سے فیض صحبت حاصل فرمایا ہے ـ ان کی مشہور تصنیف عوارف المعارف ہے ـ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر باقاعدہ اس کتاب کا درس دیتے تھے ....

سوچئے اور غور کیجئے کہ یہ سب بزرگان دین اولیائے کاملین اپنی ماؤن کی گود مین پرورش پاکر دین اسلام کی صداقت اور مذھب حنفیہ اھل سنت والجماعت کی حقانیت کی تبلیغ کے لیے کہان کہان اور کس کس سرزمین مین آسودہ ہین ـ "

نغمہ نور مین کراچی شہر کے لیاری قبرستان کے بزرگان کرام کا تذکرہ کیا ھے ـ یہ بیس صفحات پر مشتمل مختصر سا رسالہ ہے ـ انداز تحریر یہ ہے :-

لہ " کراچی شہر کے مختلف محلون اور علاقون مین قدیمی بزرگان دین کے مزارات تو بفضل مشہور اور اس زمانے مین بھی مرجع خلائق ہین لیکن اس لیاری قبرستان مین آسودگان مردگان خدا بھی اپنا شجرہ نسب حسب و نسب بفضلہ تعالیٰ بزرگان متقدمین سے مربوط رکھتے ہین خدا ہی

لہ نغمہ نور از صاحبزادہ محمد علم الدین علمی مطبوعہ کامل پریس کراچی ۱۳۷۰ھ ص۳

بہتر جانتا ہے کہ اس لیاری قبرستان مین کتنے مردان خدا گوشہ گمنامی مین بھی عالم برزخ کے اعلیٰ مقامات کی جانب مائل پرواز ہونگے ـ جن کے مزارات سے کوئی بھی آشنا نہین ہے ـ لیکن ان مردان خدا کی پاک ارواح یقینا " امت محمدیہ کے لئے توجہ رحمت اور نظر فیض و برکت سے عام مسلمانون کی مغفرت و نجات کا موجب ہین ـ اللہ تعالیٰ ان کی مقدس روحون کو مزید ترقی درجات اور اپنے جوار رحمت مین اعلیٰ مقامات مرحمت فرمائے ـ "

ابو محمد سید بدیع الدین شاہ

ابو محمد سید بدیع الدین شاہ موجودہ پیر جھنڈو کے چھوٹے بھائی اور حضرت پیر سید فضل اللہ شاہ عرف احسان اللہ شاہ بن پیر سید رشداللہ شاہ کے فرزند ارجمند ہین ۔ [1] " آپ کی پیدائش ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء کو بہ مقام پیر جھنڈو، نزد سعید آباد، حیدرآباد (سندھ) ہوئی ۔ آپ کی تعلیم مدرسہ دارالرشاد اور مدرسہ غزنویہ امرتسر مین ہوئی ۔ آپ کو مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے علاوہ مولانا عبدالحق صاحب بہاولپوری مہاجر مکہ سے بھی تلمذ حاصل ہے ۔" آپ کی ذہانت اور فطانت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے صرف چار ماہ کے مختصر عرصے مین قرآن مجید حفظ کرلیا ۔ تفسیر قرآن اور احادیث نبوی پر آپ کو پوری بصیرت حاصل ہے اور یہ آپ کے پسندیدہ مضامین ہین ۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور مطالعہ کتب مین اپنا سارا وقت گزارتے ہین

---

[1] یہ حالات مخدوم مکرم سید بدیع الدین شاہ صاحب نے خود ہی قلم بند کروائے ہین ۔

اور اسی کو مقصد حیات بنالیا ہے ۔ علم دین کے مستند عالم کی حیثیت سے اپنے معاصرین مین عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہین ۔ آپ کے مریدان اور دوسرے لوگ نزدیک اور دور سے مذہبی مسائل پوچھ کر اپنے شکوک و شبہات دور کرتے رہتے ہین ۔ آپ ایک درویش اور عالم باعمل کی سی زندگی گزارتے ہین ۔ طبیعت مین بڑی انکساری، عاجزی اور خداترسی پائی جاتی ہے ۔ ملنے والون سے محبت اور خلوص سے ملتے ہین ۔ اور خاص کر علمی مذاق رکھنے والون اور اسکالرز کی ہر مشکلات کو دور کرنے کے لیے ہمہ دم تیار رہتے ہین ۔

آپ کی خانگی زندگی بڑی پرسکون ہے ۔ آپ کی شادی خاندان ہی کی ایک خاتون سے ہوئی ہے جن سے اللہ تعالٰی نے چار لڑکے اور تین لڑکیان عطا فرمائی ہین ۔ سندھی اور عربی کے علاوہ اردو مین بھی اکثر تالیف و تصنیف فرماتے رہتے ہین ۔ آپ کے تین رسالے اردو زبان مین مطبوعہ ہین اور کئی کتابین غیر مطبوعہ بھی مسودے کی شکل مین موجود ہین جو راقم الحروف کی نظر سے گزری ہین ۔ آپ کی جملہ تصانیف مذہبی اور فقہی مسائل سے متعلق ہین جن کو پڑھنے سے علوم دینیہ مین آپ کی بصیرت، وسعت مطالعہ اور صاف ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ آپ کے مطبوعہ کتابون کے نام یہ ہین :۔

(۱) زیادۃ الخشوع ۔

(۲) الدلیل التام علی ان سنۃ المصلی الوضع کما تم ۔

(۳) الاعلام ۔

یہ تینوں رسالے سید بدیع الدین شاہ صاحب نے ایک فقہی مسئلہ کی وضاحت کے سلسلے میں لکھے ہیں ۔ فقہ کا ایک مسئلہ "ارسال الیدین" کا ہے ۔ اس میں بعض لوگوں کے درمیان کچھ اختلاف پایا جاتا ہے ۔ ایک جماعت ہے جو رکوع کے بعد کھڑے ہوئے میں ہاتھ باندھنے پر عمل کرتی ہے اور دوسری جماعت رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ نہیں باندھتی ۔ مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی مرحوم نے ایک رسالہ "ارسال الیدین" لکھ کر رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ نہیں باندھنے کو درست ثابت کیا تھا ۔ سید بدیع الدین شاہ صاحب رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنے کے قائل اور عامل ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے پہلے زیادۃ الخشوع لکھا تھا ۔ مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی مرحوم نے اپنے رسالہ "ارسال الیدین" میں زیادۃ الخشوع کو زیر بحث لایا تھا ۔ اس کے جواب میں سید بدیع الدین شاہ صاحب نے "الدلیل التام علی ان سنۃ المصلی الوضع کلما قام" لکھ کر مولانا حافظ عبداللہ صاحب کی رائے سے اختلاف کیا ہے ۔ اپنے رسالہ الدلیل التام کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں :-

[1] " رکوع کے بعد کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھنے پر ہم نے اپنے علاقے میں سب سے پہلے علامہ محدث ابو محمد عبدالحق صاحب بہاول پوری مہاجر مکی کو عمل کرتے ہوئے دیکھا اور تحقیق سے ہمیں بھی معلوم ہوا کہ احادیث اور آثار میں صرف کھڑے ہونے کی

---

[1] الدلیل التام علی ان سنۃ المصلی الوضع کلما قام ص ۳ ۔ ۵ مطبوعہ ۱۹۶۲ء

حالت مین وضع (ھاتھ باندھنے) کا ذکر ہے ....

چنانچہ جب یقین ہوا کہ یہ تخصیص بلا مخصص ہے تو ہم نے استخارہ کرنے کے بعد اس پر عمل شروع کیا ۔ یہ ۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے اور عربی زبان مین ایک مبسوط رسالہ بھی لکھا ہے جس کی وجہ سے سندھ کے کئی علماء اس پر عامل ہوئے اور ۱۹۲۶ء مین دھلی جانا ہوا ۔ وھان برادر محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب نومسلم سے شیخ الکل میان صاحب سید نذیر حسین کے تلمیذ علامہ ابواسمٰعیل یوسف حسین صاحب ہزاروی کا رسالہ " اتمام الخشوع بوضع الیمین علی الشمال بعد الرکوع " ملا اور پھر ۱۹۲۷ء مین سفر حج نصیب ہوا ۔ وھان بہت سے علما کو عامل پایا .... ؎

نہ من تنہا درین مئی خانہ مستم
جنید و شبلی و عطار شد مست

گذشتہ سال عوام کے سمجھنے کے لیے ہم نے اس مسئلہ کے متعلق سندھی زبان مین ایک مختصر رسالہ لکھا جو کہ شائع ہوکر کافی مقبول ہوا ۔ غیر سندھی حضرات کے اصرار پر اس سال ایک اور رسالہ اردو مین بہ نام " زیادۃ الخشوع بوضع الیدین فی القیام بعد الرکوع " لکھا جو کہ شائع ہوکر لوگون کے ھاتھون مین پہنچ چکا ہے ۔ ابھی ابھی ہم کو ہمارے محترم مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی کا رسالہ ملا جس مین حافظ صاحب موصوف نے علامہ ہزاروی کے رسالہ اتمام الخشوع کی تردید کے ساتھ ہم کو یاد فرمایا ہے اور جا بہ جا ہمارے سندھی رسالے کے حوالے دئے ہین ۔ کئی دوستون نے مجبور کیا

کہ اس کا جواب لکھا جائے اگرچہ غور سے دیکھا جائے تو ھمارے اردو رسالہ مین ان کی سب باتون کا جواب بعض کا اجمالا" اور بعض کا تفصیلا" پہلے موجود ھے ۔ مگر بہ موجب کل جدید لــذیذ " اس رسالہ کا بھی جواب لکھا جاتا ھے ۰۰۰۰۰۰۰ اور اس رسالہ کا نام "الدلیل التام علی ان سنة المصلی الوضـع کلما قام " رکھا ھے ۔"

کچھ عرصہ کے بعد فروری ۱۹۶۶ء مین مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی نے ھفتہ وار "تنظیم الحدیث " مین پھر اس بحث کو چھیڑا اور سید بدیع الدین شاہ صاحب کے رسالہ "الـدلیـل التام " کا جواب "رفع الابہام فی جواب الدلیل التام " کے عنوان سے شائع کیا ۔ سید بدیع الدین شاہ صاحب نے "الاعلام " بہ جواب رفع الابہام و تائید الدلیل التام " کے عنوان سے یہ رسالہ اس کے جواب مین لکھا ھے اور اس مین اس فقہی مسئلہ کو آیات قرآنــی اور احادیث نبوی کے حوالے سے مزید واضح کرنے کی کوشش کی ھے ۔ تینون رسالون کی زبان علمی اور روان ھے ۔ نمونۂ تحریر رسالہ "الدلیل التام " سے درج ذیل ھے :۔

"مین نے دراصل یہ کہا ھے اور اب بھی کہتا ہون کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اندر کھڑے ہونے کی حالت مین ھاتھ باندھنا وارد ھے اور رکوع کے بعد بھی کھڑا ہونا ھے اور جو لوگ ارسال کے مدعی ھین وہ کسی حدیث سے آپ (صلعہ اللہ [1]

---

[1] الدلیل التام علی ان سنة المصلی الوضع کلما قام ۔ ص ۷ ۔ مطبوعہ ۱۹۶۲ء

علیہ وسلم) سے بعدالرکوع ارسال کا ثبوت دین تو ان کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا ۔ سو واقعی حافظ صاحب ایسا ثبوت اپنے رسالے مین نہین دے سکے ۔ افسوس یہ ہے کہ نام ارسال الیدین رکھا ہے اور کوشش وضع کے عدم ثبوت کے لئے کی ہے حالانکہ ان دونون مین تباین کلی نہین جو ایک کا رفع دوسرے کے وقوع کو مستلزم ہو ۔ حافظ صاحب پر لازم تھا کہ " ارسال " کا ثبوت دیتے مگر سارا رسالہ دیکھ کر بے ساختہ یہی منہ سے نکلتا ہے کہ :-

ـــہ کوئی بھی کام مسیحا تیرا پورا نہ ہـــوا
نامرادی مین ہوا ہے ترا آنا جـــــانا "

ان مطبوعہ کتابون کے علاوہ مندرجہ ذیل غیر مطبوعہ کتابون کے مسودون سے بھی سید بدیع الدین شاہ صاحب کی مہربانی سے راقم الحروف کو استفادے کا موقع ملا ہے ۔

(۱) خالص توحید

(۲) عقید السدید پر رسالہ اجتہاد و تقلید

(۳) نشاط العبد

(۴) بدیع الفتاوی

(۱) خالص توحید :- تقریباً " دو سو صفحات پر مشتمل سید بدیع الدین شاہ صاحب کی یہ بہت اہم تصنیف ہے ۔ اس مین مسئلہ وحدۃالوجود کے نظریہ کو قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی مین غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ اس کتاب مین " وسیلہ " کے مسئلے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے ۔ سید صاحب کا خیال ہے کہ

وسیله کوئی بڑی چیز نہین ـ یہ خیال غلط ہے کہ بغیر وسیلہ کے اللہ عام بندون کی نہین سنتا ـ وہ بغیر وسیلے کے بھی سب کی دعا قبول کرتا ہے ـ یہ سوال و جواب کی شکل مین لکھا گیا ہے ایک طرح سے اس کو ہم " بدیع الفتاوی[1] " کا ہی ایک حصہ قرار دے سکتے ہین ـ توحید کے سلسلے مین سید صاحب نے مسلسل احادیث نبوی اور آیات قرآنی اس طرح پیش کئے ہین کہ اردو کسی عبارت درمیان مین سطر آدھ سطر سے زیادہ نہین آتی ہے ـ

(۲) تنقید السدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید :- سید بدیع الدین شاہ صاحب نے یہ کتاب علامہ محمد ادریس کاندھلوی کے رسالہ اجتہاد و تقلید کے جواب مین ۱۹۶۵ء مین لکھی ہے ـ یہ تقریبا" ۳۶۵ صفحات پر مشتمل ہے اور ابھی تک بعض وجوہ کی بنا پر طبع نہین ہوسکی ہے ـ سید صاحب کا خیال ہے کہ تقلید درست نہین ـ اور جیساکہ ان کے لکھنے کا انداز ہے اس مسئلے پر بھی انھون نے احادیث نبوی سے کافی ثبوت اور دلائل فراہم کیئے ہین ـ اسلوب تحریر ملاحظہ ہو :-

[1] جانور اپنے کھینچنے والے کے پیچھے ایسا جاتا ہے کہ اس کو
یہ خبر نہین کہ مجھے گھاس کھلانے کے لئے لے جارہا ہے یا
کسی اور کام کے لئے یا بیچنے کے لئے یا ذبح کرنے کے لئے ـ
اسی طرح مقلد کو بھی علم نہین کہ وہ جس کے پیچھے لگا ہے
وہ حق پر لے جارہا ہے یا باطل پر کیون کہ اس کو نہ دلیل معلوم

---

[1] تنقید السدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید ص ۱۱ (قلمی)

ہے نہ اس کا امام معصوم ۔ اس لئے مولانا روم نے اپنی مثنوی مین خوب کہا ہے :۔

پس مقلد ہست چون طفل علیل
گرچہ دارد بحث باریک و دلیل
آن مقلد نیز مانند کرا ست
اندران شادی کہ او را رہبر است "

(۳) نشاط العبد :۔ یہ ۳۷ صفحات پر مشتمل ایک غیر مطبوعہ رسالہ ہے ۔ اس مین سید صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ نماز مین رکوع کے بعد " ربنا لک الحمد " بہ آواز بلند کہنا چاہئے ۔نمونۂ تحریر ملاحظہ ہو :۔

[1] " اما بعد ۔ ارباب رکوع و عبادت و اصحاب خشوع و ریاضت کی خدمت بابرکت مین عرض ہے کہ نماز اللّٰہ تعالیٰ کی خالص حمد کا نمونہ ہے ۔جب بندہ رکوع سے سیدھا ہوتا ہے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے جس کا مطلب ہے کہ جس بندے نے اپنے رب کی تعریف کی تو وہ اس کی سنتا ہے یعنی قبول فرماتا ہے ۔ یہ جملہ جواب کا مقتضی ہے یعنی اس کے عقب مین جوابی طور پر خدا کی حمد کرنا ضروری ہے کیونکہ اس وقت قبولیت ایزدی منتظر ہوتی ہے اس لئے جواب مین اللہم ربنا لک الحمد یعنی اے اللّٰہ ہمارے پروردگار تیرے لئے حمد ہے کہنا مشروع ہوا چونکہ اس ترتیب سے ظاہر ہوا کہ یہ جواب اس جملہ کا تابع ہے لہذا جو حکم متبوع کا ہوگا وہی تابع کا ہونا

---

[1] نشاط العبد ۔ مسودہ قلمی ص ۲۰۱

چاهئے یعنی اگر متبوع جہرا " ہے تو تابع بھی جہرا " اور وہ سراً "
ہے تو یہ بھی سراً " ہونا چاہئے جیساکہ آمین قراۃ کی تابع
ہے مگر یہ این ہمہ زمانہ میں اکثر جگہ پر اس کے خلاف عمل ہورہا
ہے بلکہ دیکھا گیا ہے کہ بعض اہل علم جہرا " ربنا ولك الحمد
کہنے کو ناپسند کرتے ہین حتیٰ کہ بعض تو ایسے کہنے والون کو نفرت
کی نگاہ سے دیکھتے ہین ۔ اگرچہ علماء سے ایسا ہرگز متوقع نہ تھا مگر
کیا کیا جائے ۔ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی ۔ اس حالت کے مدنظر
اس مختصر رسالہ موسوم نشاط العبد بہ جہر ربنا و لك الحمد
مین چند احادیث و آثار جمع کئے جاتے ہین ۔ "

(۲) بدیع الفتاویٰ :- یہ کتاب دراصل ان کے مریدون کے وقتا " فوقتا "
کئے گئے سوالات کے فتویٰ[1] کی شکل مین جوابات ہین ۔ یہ سلسلہ عرصے سے چل

---

[1] فتاویٰ اکثر علمائے دین نے مرتب کئے ہین ۔ یہ ایک مقبول اور مفید موضوع ہے ۔
اس سلسلے مین مولانا احمد رضاخان بریلوی کی " برکات الامداد " اور
" فتاویٰ احمد رضا خان " وغیرہ مولانا ارشاد حسین کی " فتاویٰ ارشادیہ "
مولانا اشرف علی تھانوی کی " فتاویٰ اشرفیہ " مفتی امیرالدین کی
" فتاویٰ امیریہ " مولانا رشید احمد گنگوہی کی " فتاویٰ رشیدیہ "
مفتی رکن الدین کی " فتاویٰ نظامیہ " نواب صدیق حسن خان کی
" مجموعۂ فتاویٰ " مولانا عبدالباری لکھنوی کی " فتاویٰ قیام
الملت و دین " میر عبدالرحمن کی " فتوےٰ علما " مفتی عبدالفتاح کی
" جامع الفتاویٰ " شاہ عبدالقدوس کی " شرح الفتاویٰ " مولانا محمد
شفیع کی " فتاویٰ دارالعلوم " مولانا محمد یوسف کی " مجموعۂ فتاویٰ "
مولانا نذیر حسین محدث دہلوی کی " فتاویٰ نذیریہ " مولانا وحیدالزمان کی
فتاویٰ بے نظیر " خاص طور پر قابل ذکر ہین ۔ پیر بدیع الدین شاہ کے فتاوےٰ
ان فتاویٰ سے قطع نظر ان کے مریدون کے سوالات کے جوابات ہین جن مین انھون
نے پورے طور پر مسئلے کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے ۔

رہا ہے اور آگے چل کر فتاویٰ کی یہ ایک دلچسپ کتاب ہوجائے گی ۔ سید صاحب نے اپنے مریدون کے شکوک و شبہات کو اسلامی عقائد اور سنت رسول کے مطابق آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی مین دور کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اس کتاب کی ایک اہم اور عجیب خصوصیت یہ ہے کہ مرید نے جس زبان مین سوال کیا ہے اس کے سوال کو لکھ کر جواب اسی زبان مین دیا گیا ہے ۔ اس طرح اس مین عربی سندھی اور اردو تینون زبانون مین عبارتین ملتی ہین ۔ اب تک اس کتاب کا حجم تقریباً " نو سو (۹۰۰) صفحات تک پہنچ گیا ہے ۔ نمونۂ تحریر کے طور پر ایک مرید کا سوال اور اس کا جواب درج ہے :-

سید بدیع الدین شاہ صاحب سے ایک شخص قادر بخش نے دریافت کیا کہ وہ اپنی لڑکی کی شادی کے موقع پر داماد سے اسٹامپ پر یہ شرط لکھوانا چاہتا ہے کہ اگر نکاح کے بعد داماد نے بریلوی عقیدہ اختیار کیا تو میری لڑکی کو طلاق بائنہ ہوجائے گا ۔ اس شرط کے ساتھ نکاح از روئے شرع جائز اور درست ہے یا نہین ۔

اس کے جواب مین فتویٰ دیا گیا ہے کہ :-

[1] "اس قسم کا شرط جائز ہے ۔ اخرج البخاری و مسلم عن عقبہ ابن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح کے وقت شروط جائز ہین الا ایسے شروط جو کہ شرع کے خلاف ہون ۰۰۰۰۰۰۰

---

[1] بدیع الفتاویٰ (مسودہ قلمی) از سید بدیع الدین شاہ ۔ صفحہ ۳۰۱

اور یہ شرط تو نہایت ضروری ہے کیونکہ شرکیہ عقیدہ والے کو لڑکی دینا یا شادی کرنا منع ہے ۔ ۰۰۰۰۰ بالخصوص جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ وہ کہین غلط راہ اختیار نہ کرے تو ایسی صورت مین یہ شرط نہایت لابدی اور اہم ہے ۔ اور نیز حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرط پرپابند رہنا فرض و لازمی ہے ۔ بہ صورت دیگر ~~طلاق~~ طلاق واقع ہوجائے گی ۔ "

سید بدیع الدین شاہ صاحب ایک علمی آدمی ہین ان کو سیاست سے کوئی تعلق نہین پھر بھی ملک و قوم کے بعض اہم سیاسی مسائل پر وہ اپنی رائے وقتا" فوقتا" ظاہر کرتے رہتے ہین ۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے دوران جب ملک مین ہر طرف سوشلزم کا نعرہ بلند ہوا تو یہ خاموش تماشائی نہ رہ سکے اور انہون نے سوشلزم اور اس کے حامیون کے خلاف بہت ہی جرات مندانہ انداز مین آواز بلند کی اور مخالفت کے لیے سامنے آگئے ۔ پریس کانفرنس کی اور اخبارات و رسائل مین اپنے مضامین بھیجے ۔ آپ کا ایک مضمون الاعتصام مین رسول بخش تال پور (سندھ) کے جواب مین شائع ہوا ہے جس مین سوشلزم کے نعرے کو ایک ڈھونگ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہین :-

" اسلامی سوشلزم کا نعرہ محض ڈھونگ اور فریب ہے کیون کہ جب دونون نظریے الگ اور مستقل ایک دوسرے کے مخالف ہین تو پھر ان کا آپس مین اختلاط ہرگز درست نہ ہوگا ۔ اس لئے کہ دونون ایک دوسرے کے ضد ہین اور دو ضدون کا اجتماع عقلا" محال ہے ۔ "

---

[1] الاعتصام شمارہ ۱۲ بابت ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء ص ۱۱

سیدبدیع الدین شاہ کی تصانیف زیادہ تر مذہبی نوعیت کی ہین اور اس مین بھی ان کی شان مناظر کی نظر آتی ہے ۔ ان مذہبی تصانیف مین ان کی زبان بہت روان نہین بلکہ عربی و فارسی کے الفاظ سے بوجھل ہوگئی ہے ۔احادیث اور آیات قرآنی کے بہ کثرت استعمال نے ان مین وقار اور استدلال تو ضرور بڑھا دیا ہے لیکن ادبیت اور زبان کی دل کشی مین کمی ہوگئی ہے ۔ ایک دو مضامین ان کے سیاسی نوعیت کے بھی ملتے ہین جو بعض اخبارات مین شائع ہوئے ہین اس مین خاصی روانی اور سلاست آگئی ہے ۔ مجموعی طور پر سیدصاحب کی تصانیف مین ارتقائے ذہنی کا اندازہ نہین ملتا ۔ تقریبا" ان کی ساری تصانیف مذہبی ہین اور سب مین وہی ایک رنگ پایا جاتا ہے ۔ ان مین کوئی زیادہ فرق محسوس نہین ہوتا ۔ لیکن ایک چیز ان کی تمام تحریر مین ضرور پائی جاتی ہے اور وہ ہے اس کو عام فہم بنانے کی کوشش اور اس مین وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہین ۔



مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی

مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب کے والد ماجد حافظ محمود صاحب اپنے وقت کے علماے کبار مین سے تھے اور ساتھ ھی شیخ طریقت بھی تھے ۔ آپ کا خاندان ضلع لاڑکانہ کے ایک گانو "رئیس جو گوٹھ" مین عرصہ سے آباد ھے۔ مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب اپنے اسی آبائی گانو مین ۲۲ جون ۱۹۲۴ء کو پیدا ھوئے ۔ والد کا انتقال اس وقت ھوگیا تھا جب آپ صرف دو برس کے تھے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد کے تلامذہ سے گھر پر حاصل کرنے کے بعد تحصیل میروخان مین مولانا خوش محمد صاحب کے مدرسے مین داخل ھوگئے ۔ کچھ روز یہان پڑھنے کے بعد تحریک خلافت سے قائم شدہ دارالعلوم گوٹھ سلیمان، تحصیل تھیر، لاڑکانہ مین چلے گئے جہان مروجہ علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ صحافت، ادب، سیاست اور اسی قسم کے دیگر مضامین کی تعلیم بھی دی جاتی تھی اور طلبہ کو قوم و وطن کو سامراج کے تسلط سے چھڑانے کے لیے سیاسی رھنمائی کرنے کے قابل بنایا جاتا تھا ۔ اس مدرسہ مین مولانا نے اپنے وقت کے مشہور عالم علامہ عبدالکریم صاحب

سے علم حدیث اور تحصیل نظامیہ کی کتابون کے علاوہ علم طب بھی پڑھا نیز فلسفہ اور علوم عقلیہ مین بھی کمال حاصل کیا ۔ مولانا یہان سے فیض یاب ہونے کے بعد دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور یہان شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی صاحب سے تلمذ حاصل کرکے علم حدیث کی سند حاصل کی اور یہین روحانیت کے مدارج بھی طے کیے ۔

۱۹۳۸ء مین دیوبند سے دھلی تشریف لے گئے اور وہان تین سال قیام کرکے مولوی فاضل (عربی آنرز) ادیب فاضل وغیرہ کی ڈگری حاصل کی ۔ اس زمانے مین مولانا عبیداللہ سندھی، بیت الحکمت، دھلی مین حضرت شاہ ولی اللہ کی انقلابی تحریک اور تعلیمات کی ترویج و اشاعت مین منہمک تھے ۔ مولانا غلام مصطفے قاسمی صاحب نے ان کی نگرانی مین قرآن مجید اور حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کیا اور پھر مولانا عبیداللہ سندھی کی علمیت اور شاہ ولی اللہ کی تعلیمات سے اتنا متاثر ہوئے کہ اپنی زندگی کا مقصد ہی مولانا عبیداللہ سندھی کی طرح شاہ ولی اللہ دھلوی کی تعلیمات کو عام کرنا قرار دیا ۔ مولانا عبیداللہ سندھی سے اس وقت جو تعلقات پیدا ہوئے وہ ہرمنزل مین قائم رہے اور دونون ایک دوسرے کے رفیق کار رہے ۔

۱۹۴۱ء مین دھلی سے وطن واپس آکر مدرسہ دارالسادات مین پہلے شیخ الحدیث کی حیثیت سے کام کرنے لگے ۔ تین سال تک یہان درس و تدریس مین مشغول رہنے کے بعد "پیر جھنڈو" مین مولانا عبیداللہ سندھی کے پاس چلے گئے

اور ان کے ساتھ رہ کر فلسفہ شاہ ولی اللہ پر مزید عبور حاصل کیا ۔ ۱۹۴۲ء مین جمعیت الطلبہ کی بنیاد رکھی اور سندھ کے مختلف مقامات پر دارالحکمت کی طرف سے حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی کے علوم اور فلسفہ پر درس دیتے رہے ۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی تشریف لے گئے اور سندھ مسلم کالج، کراچی مین اسلامیات کے لکچرر متعین ہوئے ۔ ۱۹۶۳ء مین حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد شام، عراق، لبنان، اردن وغیرہ اسلامی ممالک کی سیاحت کی اور وہان کے کتب خانون سے مستفید ہوئے ۔

۱۹۶۴ء مین حیدرآباد کے شاہ ولی اللہ اکیڈمی مین ریسرچ پروفیسر کی حیثیت سے متعین ہوئے اور اس ادارے کے تحت آپ نے بہت زیادہ مذھبی علمی اور ادبی خدمات انجام دیے ۔

مولانا کے تصنیف و تالیف کی ابتدا اسی وقت سے ہوگئی تھی جب آپ دارالعلوم کور سلیمان مین زیر تعلیم تھے ۔ اس زمانے مین ایک عربی کتاب مفیدالطلبہ لکھی تھی جو کتب خانہ دیوبند سے کئی بار چھپ چکی ھے اور آج کل عربی مدارس کے نصاب مین شامل ھے ۔ اب تک بیسیون کتابین شائع ہوچکی ھین جن مین علم حدیث کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ کی عربی، فارسی تصنیفات سطعات، لمعات، تفہیم الٰہیہ پر حواشی و تعلیقات و مقدمے شامل ھین ۔ ان کتابون سے مولانا قاسمی صاحب کے ~~[illegible]~~ تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ھے ۔

مولانا غلام مصطفٰے[1] قاسمی صاحب کی تصنیفات زیادہ تر عربی اور فارسی زبان مین هین لیکن سندهی اور اردو مین بهی آپ نے کافی مضامین اور مقالے لکهے هین ـ سندهی زبان مین آپ کا مقاله " قرآن مجید کے سندهی تراجم " رساله نئین زندگی، کراچی مین جو شائع هوا تها اس کی اهمیت اور افادیت کا اندازه اس سے لگایا جاسکتا هے که هارور یونیورسیٹی کے پروفیسر ڈاکٹر شومَل نے اس کا انگریزی ترجمه شائع کرکے بہت اچهے لفظون مین اس کے مصنف کی لیاقت اور قابلیت کا اعتراف کیا هے ـ

اردو مین مضمون نگاری کا آغاز مولانا نے قیام دهلی کے دوران هی کیا تها ـ اور پهر بے شمار مضامین اور مقالے اردو مین لکهے جو ملک کے مختلف اخبارات و رسائل مین چهپتے رهے ـ آپ کے یه مضامین زیاده تر حضرت شاه ولی الله کے فلسفے اور بعض دیگر علمی اور تاریخی مسائل سے متعلق هوتے هین ـ ۱۹۶۲ھ سے شاه ولی الله اکیڈمی، حیدرآباد سے اردو مین شائع هونے والا علمی جریده الرحیم کی ادارت فرما رهے هین ـ[1] "

رساله الرحیم کے مختلف شمارے مین مولانا کے جو مضامین شائع هوئے هین هم ان کی فہرست اس خیال کے تحت اس جگه پیش کر رهے هین که بعض لوگ جو مولانا کے افکار سے استفاده کرنا چاهین، کرسکین گے اور دوسرے ان سے مضمون نگاری

---

[1] یه تمام سوانحی حالات راقم الحروف نے خود مولانا غلام مصطفٰے قاسمی سے مل کر حاصل کیے هین ـ

مین مولانا کے میلان طبع کا بھی اندازہ ہوگا :-

(۱) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ - بابت جون ۱۹۶۳ء

(۲) علماے سندھ اور شاہ ولی اللہ کے علمی روابط - بابت دسمبر ۱۹۶۳ء

(۳) میرا سفر حجاز (دو قسطون مین) - بابت جنوری فروری ۱۹۶۴ء

(۴) حرمین شریفین کی علمی شخصیتین - اپریل ۱۹۶۴ء

(۵) مدینہ منورہ کے کتب خانے اور علماےسندھ کی تصانیف - مئی ۱۹۶۴ء

(۶) شریعت کا جادۂ قویمہ شاہ ولی اللہ کی نظر مین - بابت جنوری ۱۹۶۵ء

(۷) عارف بخشائی اور ابن فارض - جولائی ۱۹۶۵ء

(۸) شاہ ولی اللہ کی تالیفات پر ایک نظر (پانچ قسطون مین) (یہ طویل مقالہ ستمبر ۱۹۶۵ء سے جون ۱۹۶۶ء تک شائع ہوتا رہا ہے) -

(۹) اسلامی دور کے کتب خانے - فروری ۱۹۶۷ء

مولانا غلام مصطفےٰ[۱] قاسمی صاحب اچھے مترجم بھی ہین - انھون نے کئی کتابون کے ترجمے کیے ہین اور اس سے بہت اچھی طرح عہدہ برآ ہوئے ہین - حضرت شاہ ولی اللہ کی تالیف " قصص انبیا کے رموز اور ان کی حکمتین " کا جو ترجمہ مولانا قاسمی صاحب نے کیا ہے اس کا نمونہ درج ذیل ہے :-

[۱] " ایوب علیہ السلام نے نعمت، ثروت، آرام، عبادت اور نظافت مین نشونما پائی پھر وہ اپنی قوم کی طرف نبی بناکر بھیجے گئے - یہ ان کو

---

[۱] قصص انبیا کے رموز اور ان کی حکمتین، مولفہ حضرت شاہ ولی اللہ، مترجمہ مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی، ص ۹۱، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، سندھ (باراول) ۱۹۶۹ء

نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائیوں سے روکتے تھے اور ان کو ملت حنیفی کی طرف بلاتے تھے ۔ قوم کے فقراء اور مساکین کی حالت رواش کرتے تھے ۔ پھر موافق ہوگئے ۔ اسباب سماوی مصیبت پہنچانے پر ان کے مال و اہل عیال اور جسم سب ہیں اور اس وقت بھی ان کے پروردگار کی ان پر عنایتیں تھیں کہ ان پر خیر کا فیضان ہوتا تھا اور ان کو قلبی اطمینان تھا ...... جب ان کی مصائب جاتی رہیں تو اللہ تعالٰی نے ان پر اپنی نعمتیں برسائیں اور جو رحمت پوشیدہ تھی وہ ظاہر ہوئی ۔"

اب ہم مولانا غلام مصطفٰے[1] قاسمی صاحب کی اردو نثر کے نمونہ کے طور پر ان کے مقالہ " شاہ ولی اللہ کی تالیفات پر ایک نظر " سے کچھ اقتباس پیش کریں گے ۔ یہ بسیط مقالہ کئی قسطوں میں رسالہ الرحیم میں شائع ہوتا رہا ہے ۔ اس مضمون میں مولانا نے شاہ صاحب کی گیارہ تالیفات کو پیش کیا ہے ۔

[1] " شاہ صاحب کی جملہ تالیفات میں سے یہ معرکۃ الآرا اور علمی شہرت کی کتاب ہے ۔ اور یہ بھی سفر حرمین سے واپسی کے بعد کی تالیف ہے ۔ اور علم حدیث کے " اسرار دین " کے فن میں داخل ہے ۔ مولف امام علم حدیث کے درجات پر بحث کرتے ہوئے اس کتاب کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں (ترجمہ) " ہمارے نزدیک حدیثوں کے متعلق عام فنون سے سب سے زیادہ باریک اور گہری بنیاد والا اور دور دور تک روشنی پہنچانے والا فن اور اسلام کی شریعت کے ساتھ تعلق رکھنے والے

---

[1] رسالہ الرحیم بابت جون ۱۹۶۶ء ص ۳۱

تمام علموں میں سب سے اونچے درجے کا علم وہ ہے جس کا نام ہم "علم اسرار دین" رکھتے ہیں۔ اس علم میں اس بات پر بحث ہوتی ہے کہ حدیثوں میں جو حکم دئیے گئے ہیں وہ کیوں دیے گئے ہیں۔ ان میں کیا کیا حکمتیں ہیں ؟ وہ کیا ضرورتیں ہیں جن کی وجہ سے حکموں میں درجے پیدا کیے گئے ہیں یعنی کسی کو کم ضروری اور کسی کو زیادہ ضروری اور کسی کو بہت ہی ضروری بنایا گیا ہے۔"

مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب تحقیق و انتقاد کے لحاظ سے بہت ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی طرح حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیمات اور افکار سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ تحریر میں عالمانہ وقار، تحقیقی موشگافیاں، منطقیانہ استدلال پایا جاتا ہے۔ زبان بہت صاف، سلیس، عام فہم اور رواں لکھتے ہیں۔ دہلی میں قیام کے باعث اردو زبان ان کی خاص نکھر گئی ہے۔ ان کی تحریر میں اہل زبان کی سی خود اعتمادی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ اپنے مضامین میں اقتباسات اور حوالے بڑی چابک دستی سے پیش کرتے ہیں۔ بے ضرورت عربی فارسی کے ثقیل الفاظ نہیں استعمال کرتے۔

محمودہ رضویہ

" محمودہ رضویہ صاحبہ کی پیدائش کراچی میں ۱۹۲۲ء میں ہوئی تھی ۔
آپ کے والد ماجد حافظ شریف حسین صاحب ایک ذی علم بزرگ تھے ۔ کراچی
میں تحریک خلافت کو بڑھانے میں آپ کا نمایاں ہاتھ رہا ہے ۔ آپ کی تقاریر
اور تحریریں عوام میں بہت پسند کی جاتی تھیں ۔

محمودہ رضویہ کی ابتدائی تعلیم مولانا اشتی کاظمی امروہی سے ہوئی ۔
میٹرک کا امتحان کنیا مہاودیالہ سے پاس کیا ۔ انٹرمیڈیٹ ڈی ۔ جے سندھ
کالج کراچی سے، بی ۔ اے (آنرز فارسی) میں اور ام ۔ اے کراچی یونیورسٹی
سے پاس کیا ۔ پھر اردو کالج دھلی سے ادیب فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات
پاس کیے ۔ ۱۹۴۲ء میں شعاع اردو ماھنامہ کی آپ اڈیٹر بھی رہیں ۔ "[1]
اس دوران میں آپ کی کچھ تصانیف بھی شائع ہوچکی تھیں جیساکہ مئی ۱۹۴۵ء

---

[1] سوانحی حالات محمودہ رضویہ کی مرسلہ تحریر سے لیے گئے ۔

کے ماہنامہ شعاع اردو کراچی مین جناب اسرار احمد سہاروی، ام-اے، ایل-ایل-بی کے ایک شائع شدہ مضمون سے ظاہر ہوتا ہے :-

[1]" محمودہ رضویہ سندھ کی ایک مایہ ناز اور باعث صد افتخار ادیبہ ہین- تعجب ہوتا ہے کہ ایک بیس بائیس برس کی طالبہ علم ہوتے ہوئے وہ اتنی جلدی ادب کے اتنے مدارج کیسے طے کرگئین ...... یون کہئے کہ اس عمر مین تقریبا" پندرہ کتابین تصنیف فرما چکی ہین- اگر تصنیف و تالیف کا یہی عالم ہے اور اشاعت کی رفتار مین بھی یہی تیزی رہی تو ممکن ہے کہ آئندہ چند سال مین محترمہ کوئی ریکارڈ قائم کردین .... محمودہ رضویہ مجلہ شعاع کی مدیرہ بھی ہین- یہ رسالہ کراچی سے نکلتا ہے اور اپنے ہم عصرون مین ممتاز ہے- "

محمودہ رضویہ اردو کی صاحب طرز ادیبہ اور مضمون نگار ہین ادبی اور اصلاحی مضامین کے علاوہ وہ افسانے بھی خوب لکھتی ہین- ان کے کئی افسانوی مجموعے نظر سے گزرے جن مین سے (۱) سوز و ساز (۲) مشک و عود (۳) ہست و بود (۴) نمود و راز خاص طور پر قابل ذکر ہین- ادبی مجموعے کے تحت ان کی مندرجہ ذیل کتابین طبع ہوچکی ہین :-

---

[1] شعاع اردو، کراچی، بابت مئی ۱۹۲۵ء مضمون " ادیبہ سندھ " ص ۱۹

(۱) دردانہ (۲) زلزلہ زار (۳) ارمغان (۴) کہکشان (۵) آبشار
(٦) ذرات (۷) نامۂ تہدید (۸) شمس بازغہ (۹) وطن پرست وغیرہ۔
بچون کے لیے بھی انھون نے کچھ کتابین لکھی ھین جن مین (۱) دو بھائی (۲) ننھا مجاھد (۳) جان باز قابل ذکر ھین۔ ملکۂ مشرق ان کی دلچسپ کتاب ھے جس مین انھون نے کراچی کے ماضی اور حال سے بحث کی ھے۔ ایک صاحب نے اس کتاب کے بارے مین صحیح لکھا ھے کہ :-

[۱] "یہ کتاب بہ ظاھر تو رھنمائے کراچی معلوم ھوتی ھے لیکن درحقیقت سندھ بلکہ سرزمین ھند پر آفتاب اسلام کے طلوع اور فروغ کی دلچسپ داستان ھے۔ اھل عرب کی اولالعزمی اور جہان گیری کی روداد ھے جو تاریخی تحقیق و توثیق کی شان رکھتی ھے۔"

نمونۂ تحریر کے طور پر ان کے مضامین کے کچھ اقتباسات درج ذیل ھین
"وقت کی پکار" کے عنوان سے ایک مضمون مین لکھتی ھین :-

[۲] "کیون نہ آج ھر خار مغیلان کو گلاب بنا دیا جائے اور ھر ذرۂ عالم کو آفتاب، رنگ عارض دوران زرد زرد ھے اور روئے کائنات پریشان و افسردہ، انھین ملاکر رشک ماھتاب بنایا جائے اور ھجوم انبساط سے منور و تابناک آنکھون کے دریچون سے جھانکتی ھوئی روح کو آج مژدۂ آزادی سنائین اور غم دیدہ قلب کو حریت و برتری کا پیام!

---

[۱] رسالہ پرواز خاص نمبر بابت اگست ۱۹۲۸ء تنقید و تبصرہ ص ۱۲۵
[۲] "ذرات" ص ۱۰۲ مطبوعہ جولائی ۱۹۲٦ء بہ اھتمام بشیر اینڈ سنز کراچی

کیون نہ آج جہان مین انقلاب بپا کیا جائے، اپنی قسم کا واحد انقلاب، جو روح شجاعت کو بے قرار کر دے ـ بستہ غنچۂ آرزو کو وا ـ جام مئے حیات کا طعم ذائقہ بدل دے اور مغلوب و مفتوح اقوام عالم کا راستہ جو جور و جبر کی حکومت پہ آندھی بن کے چھاجائے ـ ظلم و ستم کے طوفان کا موج بن کر مقابلہ کرے، موت کی بے وقت منڈلانے والی گھٹاؤن سے مطلع صاف کرے ـ اور مصائب و آلام، اضمحلال و پژمردگی کا قلع قمع "ـ

" مزدور کا گیت " کے عنوان سے دوسرے مضمون سے اقتباس ملاحظہ ہو :ـ

"[1] ہم زمانہ بھر کے ستائے ہوئے ہین ـ خدائی بھر کے ٹھکرائے ہوئے ـ حد ذلت سے بڑھ کر ذلیل و خوار ہین اور اپنی ہستی سے شرمائے ہوئے، ہمارے لئے شب ماہ کی کیفیت آتشین بے اثر ہے، روز روشن کی چہل پہل دھندلی دھندلی، فضائے دھر دم گھوٹنے والی ہے ـ ماحول نامانوس و مسموم ـ

ہم آج تک فلک کی آنکھ کا ناسور رہے اور قلب دھر پر چبھتے ہوئے بھالے ـ پھر ستان جبرو شمشیر استبداد کے گھائل ـ مفلسی، فاقہ کشی، مجبوری و لاچاری، کس مپرسی و بے چارگی اور دیگر صدھا بیماریون کے شکار لاتعداد تکالیف کے آلسہ کار ـ "

محمودہ رضویہ کی تحریر مین خاص ندرت اور صفائی بہ پائی جاتی ہے ـ زبان بڑی دل کش ہوتی ہے ـ اکثر وہ نثر مین شاعری کر دیتی ہین ـ ان کے افسانے

---

[1] ذرات ص ۳۲

زیادہ تر اصلاحی ہوتے ہیں ۔ ان کا خیال ہے کہ مردوں نے عورتوں پر شریعت کے پردے میں بڑے مظالم کئے ہیں ۔ "ثمرات" میں، جو ان کے مضامین کا مجموعہ ہے، کئی مضامین مسلمان قوم، مفتیان دین، پاسبان شریعت، زاہد ریاکار وغیرہ کے عنوانات سے شائع ہوئے ہیں جن میں ان کی آزردگیوں کی جھلک نمایاں ہے ۔ لیکن یہ مضامین غالباً " اس وقت کے لکھے ہوئے ہیں جب موصوفہ بیس بائیس برس کی تھیں ۔ اس لیے ادبی ذوق اور علمی صلاحیت کے باوجود سنجیدگی کی کمی ظاہر ہوتی ہے ۔

" شمس بازغہ " موصوفہ کی بہت اچھی کتاب ہے ۔ اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری کی چیدہ چیدہ روایات کو حد درجہ دل کش پیرایہ میں لکھا گیا ہے ۔ بقول آنریبل سرعبدالقادر مرحوم :-

[1] " ان کی تازہ ترین کتاب " شمس بازغہ " ہے جو ادبی لحاظ سے بھی اچھی ہے اور اس کے پڑھنے میں افسانے کا لطف ہے ۔ مزید خوبی یہ ہے کہ وہ سراسر تاریخ پر مبنی ہے اور تاریخ بھی کون سی، دنیا کے سب سے بڑے نبی حضرت محمد کی سوانح عمری کی وہ چیدہ روایات جن سے آنحضرت کی شان رسالت آشکارا ہے .... مصنفہ (محمودہ رضویہ) کی بعض ابتدائی تصانیف میں یاس پسندی کا میلان پایا جاتا ہے ۔ ان کی اس تازہ تصنیف کو دیکھ کر مجھے بہت مسرت ہوتی ہے کہ ان کی تحریر

---

[1] رسالہ شمع اردو، کراچی، بابت دسمبر ۱۹۴۲ء ص ۲۳

کا رنگ پختہ ہوگیا ہے اور ان کی یہ کتاب اس مقصد کو پورا کر رہی ہے جو ہر اچھے مصنف اور بہی خواہ ملک و قوم کا مقصود ہونا چاہئے میں انہیں اس کتاب کی تصنیف پر مبارک باد دیتا ہوں ـ"

کتاب " شمس بازغہ " کو دیکھ کر خواجہ محمد شفیع صاحب مرحوم نے اپنے خیالات کا اظہار ایک جگہ اس طرح کیا ہے :-

[1]" شمس بازغہ روشن کن دل و دیدہ ہے ـ انداز بیان دل پذیر، فقرے گھے ہوئے، تراکیب حسن و ندرت کی حامل ...... نثر میں شاعری کی ہے ـ الفاظ میں پھول بکھیرے ہیں ـ کتاب سبد گل ہے اور مصنفہ گل پوش و گل فروش ـ دربار رسالت میں عقیدت کے پھول لئے حاضر، زبان حال سے کہہ رہی ہے "گرقبول افتد زہے عزو شرف ـ "

محمودہ رضویہ ان دنوں کراچی میں مقیم ہیں اور اردو ادب کی خدمت میں منہمک ـ

---

[1] رسالہ شعاع اردو، کراچی، بابت دسمبر ۱۹۲۲ء ص ۲۳

میرزا عباس علی بیگ

" میرزا عباس علی بیگ کی پیدائش به مقام ٹنڈو آغا، حیدرآباد (سندھ) ۱۹۲۲ء مین ہوئی تھی ـ آپ کے والد ماجد مرزا امام علی بیگ ایک ذی عزت شیعہ خاندانے کے فرد تھے ـ مرثیہ خوانی ان کے یہان مذہبی اہمیت رکھتی ہے انیس و دبیر سے اس خاندان کو قلبی تعلق ہے ـ ہمیشہ ان کا اور ان کی مرثیہ گوئی کا گھر مین چرچا رہتا ہے ـ بقول مرزا عباس علی بیگ صاحب :ـ

" ہم انیس و دبیر کے مرثیون کے درمیان پیدا ہوئے ـ رات دن شعر و شاعری اور ادب کا چرچا گھر مین رہتا تھا ـ وہین سے اردو شعر و ادب سے محبت پیدا ہوئی ـ "

میرزا صاحب کی تعلیم میٹرک تک ہے ـ میٹرک پاس کرنے سے پہلے ہی ان کو فکر معاش مین لگ جانا پڑا اور وہ حکومت سندھ کے شعبہ مال مین ملازم ہوگئے ـ میرزا صاحب کا خاندان اردو شعر و ادب کی خدمت کے لیے مشہور ہے ـ ماحول نے میرزا صاحب کو بھی شاعر اور نثرنگار بنا دیا ـ اپنی مادری زبان سندھی اور اردو

دونون مین شعر کہتے ہین اور اچھا کہتے ہین ۔ ابتدا مین تخلص مشتری لکھتے تھے لیکن لکھنو کی ایک طوائف کا تخلص بھی مشتری تھا اس لیے اسے چھوڑکر عباس اختیار کیا ۔ عباس صاحب کہتے تھے کہ علم نجوم کے اصول پر میرا ستارہ مشتری ہے اسی لیے مین نے شروع مین تخلص بھی مشتری رکھا تھا پھر بدل کر عباس اختیار کرلیا ۔ العصر لکھنو کے جون ۱۹۲۸ء کے شمارے مین آپ کی ایک نظم شائع ہوئی ہے اس سے دو اشعار پیش کرتا ہون ۔

سندھ مین آباد ہین حیدر کے مستانے بہت
آج خود موجود ہین یان سب حسینی جان نثار
ہے دعا اللہ سے یہ مشتری کی بار بار
تا ابد رکھے علی آباد کو پروردگار

اس نظم مین عباس صاحب نے مشتری تخلص لکھا ہے اور اپنے آبائی وطن ٹنڈو آغا کہ جس کا دوسرا نام علی آباد بھی ہے تذکرہ کردیا ہے ۔[1]

میرزا صاحب کے اردو مضامین ماہ نو کراچی اور شیعہ اخبار لاہور مین اور سندھی زبان مین ان کے مضامین سندھی اخبارات و رسائل مین اکثر شائع ہوتے رہتے ہین ۔ ان کا ایک مقالہ اردو زبان مین رسالہ الشہید کراچی مین مئی ۱۹۵۷ء کے شمارے مین " سندھ مین تالپور خاندان کی اہل بیت سے محبت " کے عنوان سے شائع ہوا ہے ۔ نمونہ تحریر کے طور پر اس سے کچھ اقتباس درج ذیل ہے :-

---

[1] سوانحی حالات میرزا صاحب سے راقم الحروف نے خود مل کر حاصل کیے ۔

ـــه[1] ۱۷۸۲ء میں خاندان عباسی کلہوڑا کے بعد سندھ میں تالپور خاندان کی حکومت کا آغاز ہوا ـ واضح ہو کہ تالپور حکمران حقیقی معنی میں خاندان نبوت و دودمان رسالت کے شیدائی تھے ـ اور جن کا مذہب علی الاعلان شیعہ اثناعشریہ تھا ـ ان حضرات میں ہر فرد عقیدت مندی اور شرع و مذہبیت میں اپنی مثال آپ تھا ـ جس کا ثبوت ان کے اقوال و اشعار اور کردار ہیں ....
تالپور خاندان کا پہلا تاج دار میر فتح علی خان الملقب بہ سرکار عالی متعالی خود مختار بادشاہ ہوئے، مہر پر یہ شعر کندہ تھا :-

بہ مدد گاری نبی و ولی
داد نصرت خدا بہ فتح علی

آپ کی مذہبی اور عزاداری سیدالشہدا علیہ السلام کے خلوص کا نمایاں کام یہ ہے کہ آپ نے سریر آرائے تخت ہوتے ہی سرزمین سندھ میں عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام کی بنا ڈالی ـ

جناب میر صاحب موصوف ۲۱ ماہ رمضان کو تولد ہوئے ـ ۱۸ برس کی عمر میں تخت نشین ہوئے ـ اکیس سال آپ نے عنان حکومت ہاتھ میں رکھ کر شب عاشورہ ۱۲۱۷ ھ میں وصال کیا ـ آپ کے بعد آپ کا دوسرا نمبر برادر میر غلام علی خان الملقب بہ میرا میران میر نظام الملک ۱۸۰۲ء میں تخت نشین ہوئے ـ آپ بھی اپنے برادر کلان کے نقش قدم پر چلے ـ آپ کی مہر پر یہ شعر ہے :-

ناصر من بود نبی و ولی   منم از جان و دل غلام علی

ـــه[1] رسالہ الشہید کراچی بابت مئی ۱۹۵۷ء

آپ دس برس حاکم خود مختار رہ کر ٦ جمادی الاول ١٢٢٧ھ مطابق ١٨١٢ء مین داعی اجل کو لبیک کہا ۔

آپ کے بعد آپ کے تیسرے نمبر برادر جناب میر کرم علی خان الملقب بہ سرکار عظمت مدار والی تخت ہوئے ۔ اس خاندان مین آپ پہلے شاعر ہین ۔ تخلص کرم ہے ۰۰۰۰۰۰۰ آپ علم و ادب کے بڑے قدردان ہوکے گذرے ہین اور دیوان کرم آپ کی یادگار ہے ۔ چنانچہ آپ کے دور حکومت مین دنیا بھر کے شعراء اور ادباء آکر انعام و اکرام سے مالا مال ہوتے تھے ۔ آپ نے اپنے ہم عصر شاہ ایران فتح علی شاہ قاچار سے دوستانہ سلسلہ جاری کیا ۔ اور طرفین مین شاہی تحفہ تحائف آیا جایا کرتے تھے ۔ نیز مذہبی علمائے کرام و شعرائے عظام کا آپ کے عہد سلطنت مین اور عزائے امام حسین علیہ السلام کو دوگنی رونق ہوئی ۔ آپ کی وفات ١٢٤٤ھ مین ہوئی ۔ "

میرزا عباس علی بیگ صاحب کی مادری زبان سندھی ہے ۔ اردو انھون نے باقاعدہ شوق سے پڑھی ہے ۔ کہین کہین عبارت مین رکاوٹ سی محسوس ہوتی ہے ۔ یون ان کی اردو نثر بہت عام فہم اور سادہ ہے ۔ عبارت آرائی یا فارسی عربی کے ثقیل الفاظ ان کے یہان بالکل نہین ملتے ۔



۴۶۵

محمد لکھانو ابن الیاس سومرو

محمد لکھانو ابن الیاس سومرو ۱۹۲۵ء مین حیدرآباد (سندھ) مین پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر قابل اساتذہ سے حاصل کرنے کے بعد انجمن ترقی اردو ہند (دھلی) کے زیر نگرانی فاضل اردو کا امتحان پاس کیا۔ پھر نو ودیالیہ ھائی اسکول سے میٹرک پاس کرنے کے بعد "ٹیچرس ٹریننگ کالج فارمین حیدرآباد" سے مدرسی کی تربیت حاصل کی۔ اور اس امتحان مین صوبہ بھر مین اول آئے۔ امتحان مین اول آنے کے بعد اسی ٹیچرس ٹریننگ کالج مین استاد مقرر ہوگئے۔ وھان کے قیام کے دوران "اردو سندھی لغات" مرتب کی جو حکومت مغربی پاکستان سے منظور ہوئی۔

آپ سندھی اور اردو دونون زبانون کے ادیب ھین اور رسائل اور اخبارات مین آپ کے مضامین برابر چھپتے رھتے ھین۔ آپ افسانے اور کہانیان بھی لکھتے ھین لیکن زیادہ تر آپ کا رجحان معلوماتی اور تاریخی موضوعات پر مضامین لکھنے کا ہے۔ آپ کا طرز تحریر صاف اور سادہ ہے۔ لیکن تحریر مین روانی اور بے ساختہ پن نہین پائی جاتی۔ جو کچھ لکھتے ھین عام فہم غیر مبہم انداز مین لکھتے ھین۔ آپ کا ایک مضمون

روزنامہ حریت بابت ۱۸/مئی ۱۹٦۷ء میں چھپا تھا ۔ اس کے کچھ اقتباسات بہ طور نمونہ نثر درج ذیل ہیں :-

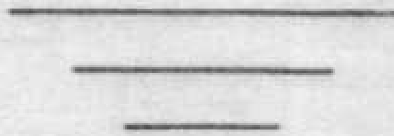
ملہ ۱ "شہر پور میں بلندپایہ عالم اور بڑے صاحب دل درویش اور ولی اللہ پیدا ہوتے رہے ہیں جن کا تذکرہ تاریخ تحفۃالکرام میں جا بجا ملتا ہے ۔اسی شہر باشرف میں تقریبا" ۱۸۲۰ء میں سید مصری شاہ تولد ہوئے آپ کے والد کا نام سید بلند شاہ تھا ۔ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم آپ نے اپنے والد سے حاصل کی ۔جوانی میں فقر کی راہ پر گام زن رہے ۔سیر و سفر کا شوق دامن گیر ہوا تو فقیروں کے گرد چلے گئے ۔کافی عرصہ رہنے کے بعد اجمیر شریف خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ فیض بارگاہ پر حاضری دی ۔ جہاں پر چشتی طریقے سے متاثر ہوئے وہاں سے آبو پہاڑ جا پہنچے ۔ آبو پہاڑ پر فقیروں کی صحبت میں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہے ۔ آپ کے دل و دماغ عشق حقیقی سے لبریز اور سرشار ہوگئے اور باطن روشن ہوگیا ۔ اس کے بعد وطن لوٹے دل میں حقانی رو چلی ۔ اس نے شاعری کا لباس پہنا اور شاعری کو دلی جذبات کا ترجمان بنایا ۔ بالآخر انیسویں صدی کی ابتدا میں تقریبا" ۱۹۰۲ءمیں سندھی زبان کے یہ باکمال شاعر صوفی با صفا ولی اللہ اور عارف وقت اس دنیا سے کوچ کر گئے ۔ اور محبوب حقیقی سے جا ملے ۔

مصری شاہ سندھی کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے "کافی" کو عربی ، فارسی اور اردو الفاظ سے مزین کیا ۔ ان سے قبل سندھی کافی میں زیادہ تر ہندی اور برج بھاشا کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے ۔سندھی زبان میں دوسری زبانوں کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے مصری شاہ سلاست فن کا خاص خیال رکھتے تھے ۔ اس لیے زبان صاف اور روانی سے پر ہے ۔ آپ کا کلام تصوف اور علم الاخلاق کا سبق ہے ۔ آپ کے کلام میں روائتی صوفیانہ شاعری

ملہ اقتباس از روزنامہ حریت مورخہ ۱۸ /مئی ۱۹٦۷ء

کی یاس اور ناامیدی کی فضا نظر نہیں آتی بلکہ امید کا عنصر غالب نظر آیا آتا ہے ـ مصری شاہ سندھی زبان کے واحد واحد شاعر ہیں جن کے پیغام میں صوفی شاعروں جیسا یا سیت پسند تخیل نہیں ملتا ـ بلکہ کامیابی کا یقین ملتا ہے ـ قاری اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے پاتا ہے ـ اور ایک یقینی فضا محسوس کرتا ہے ـ مصری شاہ کو اپنے منفرد پیغام کی وجہ سے تمام شعرائے کرام میں امتیازی مقام حاصل ہے

مثال کے طور پر .... میرے محبوب نے اٹھا اپنی نرگسی نین اٹھاکر مجھے دیکھا ـ مجھ پر بڑی مہربانی کی اس سے میرے محبوب کی تجلی موسیٰ پر پڑی .... وہ بے ہوش ہوگیا ـ میرے رہنما نے تو عرش پر معراج کی ہے ـ یقینا " ہمارے لئے راستہ کھول دیا ہے ـ"



سید لطف علی شاہ منظور نقوی

سید لطف علی شاہ منظور نقوی سندھ کے قدیم خاندان سادات کے چشم و چراغ ہیں ۔ آپ کا تعلق حضرت مخدوم سید جہانیاں جہاں گشت کے خاندان سے ہے ۔ آپ کے والد سید حسین علی شاہ نقوی حیدرآباد (سندھ) کے ذی علم اور مشہور بزرگ تھے ۔ اس خاندان کا سلسلہ نسب اوپر جاکر حضرت امام نقی سے ملتا ہے اس لیے اس خاندان کے افراد اپنے کو نقوی لکھتے ہیں ۔ مصنف " سندھ کے جدید اردو شعراء " نے منظور صاحب کا سنہ پیدائش ۱۹۲۶ء لکھا ہے ۔ آپ کی تعلیم کے بارے میں مزید لکھتے ہیں :-

ؔ[1] " بچپن ہی سے فہیم تھے ۔ گیارہ سال کی عمر میں پہلا سندھی شعر کہا جو ایک نوحہ تھا ۔ بیس برس کی عمر میں علم ہئیت، رمل، جعفر، تاریخ میں کافی مہارت حاصل کی اور علم طب میں دہلی سے سند بھی حاصل کی ۔ ان علوم کے علاوہ بعض فنون مثلاً " مصوری اور

ؔ[1] " سندھ کے جدید اردو شعراء " ص ۱۰۷

موسیقی مین بھی دست رس حاصل کی ۔ میٹرک تک تعلیم پائی ۔
سندھی تعلیم حوب فل اسکول مین اور انگریزی تعلیم ودیالم هائی
اسکول مین حاصل کی ۔ "

لیکن منظور نقوی صاحب سے مل کر راقم الحروف نے خود ان کی تاریخ پیدائش اور حالات زندگی کے بارے مین دریافت کیا تو انھون نے فرمایا کہ :-

" میری پیدائش به مقام ٹنڈو جہانیان ' حیدرآباد ' سندھ ۱۸ مئی ۱۹۲۲ء کو ہوئی تھی ۔ ابتدائی تعلیم نوودیالیه ' حیدرآباد مین حاصل کی ۔ ۱۹۳۸ء مین پنجاب بورڈ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۴۲ء مین جامعه طبیه دھلی سے کامل الاطباء کی سند حاصل کی ۔ "

منظور نقوی صاحب کو اپنے والد کی طرح فائن آرٹ اور موسیقی سے گہری دلچسپی ھے ۔ وہ کئی ساز بجانے پر قادر ھین ۔ سندھی اور اردو دونون زبانون مین شعر کہتے ھین بلکه فارسی اور ھندی مین بھی طبع آزمائی کرتے ھین ۔ اردو اصناف شاعری مین خصوصیت کے ساتھ غزلین اوررباعیات کہتے ھین اور خوب کہتے ھین سندھی مین انھون نے مراثی ' منقبت ' نوحے ' سوز ' رباعیات اور کافیان وغیرہ لکھی ھین ۔ مشتاق علی جعفری صاحب مصنف " سندھ کے جدید اردو شعراء " نے ان کی اردو شاعری پر اس طرح اظہار خیال فرمایا ھے :-

[1] " اردو شاعری ۱۹۴۲ء سے باقاعدہ شروع کی ۔ سندھی اردو کے

---

[1] سندھ کے جدید اردو شعراء ص ۱۰۸ ۔ ۱۱۰

علاوہ فارسی اور سندھی زبانون مین بھی طبع آزمائی کی ھے ۔ فارسی
سے اس قدر لگاؤ ھے کہ علمی شوق کی وجہ سے ایران کا سفر
بھی کیا ۰۰۰۰۰۰۰۰ حیدرآباد سندھ کی جمعیت الشعراء سندھ،
اردو شاعری کے حق مین ایک نعمت غیر مترقبہ ھے ۔ اس کی بدولت
۵ اچھے اچھے شعرا جمع ھوئے اور ڈاکٹر ابراھیم خلیل صاحب کی
رہبری مین اچھا خاصا لکھنے لگے ۔ منظور صاحب بھی اس بزم کے
ایک رکن ھین ۔ اور ان کا کلام یقینا" اچھا ھے ۔ یہ تو نہین کہا
جاسکتا کہ وہ آئندہ چل کر اپنا کیا مقام پیدا کرسکین گے ۔ تاھم اس
وقت بھی وہ نکتہ آفرینی، خیال آرائی اور ندرت اسلوب مین خاصا دخل
رکھتے ھین ۔ بعض اشعار یقینا" اچھے ھین ۔

؎ " الفت کے زمانے مین اکثر سجدے بھی روا ھوجاتے ھین
اعجاز محبت کیا کہئے بندے بھی خدا ھوجاتے ھین ۔"

نظم کے ساتھ ساتھ اردو نثر مین بھی آپ اکثر لکھتے رھتے ھین ۔ خاص طور پر
۱۹۵٦ء مین ریڈیو پاکستان، حیدرآباد سے وابستہ ھوجانے کے بعد تو آپ کا تحریرکردہ
فیچر، نغمے، گیتون بھری کہانیان اور ڈرامے وغیرہ برابر نشر ھوتے رھتے ھین جنھین
سننے والون کا بڑا حلقہ پسند کرتا ھے ۔ تاریخی اور تحقیقی مضامین بھی لکھتے ھین
جن مین "سندھی کافی" اور "شاہ لطیف کے کلام کی بحر" قابل ذکر ھین ۔
آپ کی تصانیف کے بارے مین مشتاق جعفری صاحب لکھتے ھین :۔
؎[1] " آپ کی متعدد تصانیف ھین مگر سب غیر مطبوعہ ھین مثلا"

؎[1] سندھ کے جدید اردو شعراء ص ۱۰۸

(۱) پنج گنج :- اس کتاب مین سسی پنون، مومل رانو، نوری جام تماچی، لیلان چنیسر اور مورڑو مانگر مچھ کہانیان تحقیق سے لکھی گئی ہین -

(۲) عدن سندھ :- اس کتاب مین سندھی زبان اور عدن سے بحث کی ہے - تحقیقی مضامین " کافی کی تحقیق " اور " شاہ لطیف کے کلام کی بحر " بہت مشہور ہین - "

منظور صاحب کی اردو نثر ارتقائی منزلون سے بہت تیزی سے گذری اور گذر رہی ہے - اپنی ذہانت اور علمی ماحول کی وجہ سے ان کا قدم ترقی اور ارتقا کی طرف تیزی سے بڑھتا ہے - بھٹ شاہ کلچرل سنٹر سیمینار مین ۱۲ مئی ۱۹۶۰ء کو انہون نے ایک مقالہ پیش کیا تھا اس کا انداز تحریر ملاحظہ ہو :-

" یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی علیہ الرحمۃ ، سندھی زبان کے ایک ایسے قادرالکلام شاعر تھے جن کا کوئی نظیر نہین ملتا - یہ نظریہ اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنے گلشن سخن کو ایسا دل کش اور دیدہ زیب بنایا ہے کہ آپ کا کلام سننے سے روح مین تازگی آجاتی ہے - یہ اس لیے ہے کہ آپ کے یہان الفاظ کی بندش، تشبیہات کے حسین گل، محاورہ اور روزمرہ کے عمدہ پیوند ، اصطلاحات اور تلمیحات کے شیرین ثمر، صنائع بدائع کی دل فریب بیلین لگائین - ندرت اور سلاست کی سنبل سے سرسبز و شاداب کیا - یہی سبب ہے کہ اس معمار زبان نے سندھی زبان کو ایسا محفوظ اور مضبوط بنادیا کہ زمانہ اسے کوئی گزند نہین پہنچا سکتا - "

منظور نقوی صاحب کا ایک مختصر مقالہ رسالہ آہنگ کراچی مین "عوامی کہانیون مین معاشرے کی جھلک" کے عنوان سے شائع ہوا ہے ۔ اس مین انہون نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ سندھ کی عوامی کہانیان سندھی معاشرے کی کہان تک ترجمانی کرتی ہین ۔ وہ لکھتے ہین :۔

[1] "کسی قوم کے تمدن اور معاشرتی خد و خال کا سراغ اس قوم کے لوک گیتون اور عوامی کہانیون سے بڑی آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ کیون کہ عوامی کہانیان اور عوامی گیت ہی کسی قوم کے معاشرے اور روزمرہ زندگی کے مختلف پہلوؤن کے آئینہ دار ہوتے ہین ۔ وادیٔ سندھ کی عوامی کہانیون مین بھی اس خطے کے تمدن اور معاشرت کی بھرپور عکاسی ملتی ہے ۔ عوامی اخلاق، معیار تہذیب و تمدن، طبیعت و طینت، رسوم و رواج، یہ سب قدرین ان کہانیون کے پس منظر سے نمایان ہوتی ہین ۔ اور یہی عوامی کہانیان ہین جو ہماری مہذب مدنیت کی تاریخ بھی بیان کرتی ہین ۔ مثلاً " عمر ماروی کی کہانی کو لیجئے جس مین کہا جاتا ہے کہ جس وقت ماروی واپس ہوئی تو خانہ بدوشون کو اس کی پاک دامنی پر شک ہوا ۔ اس شک کو رفع کرنے کے لیے ماروی کو ایک سخت آزمائش سے گذرنا پڑا ۔ وہ آزمائش یہ تھی کہ انہون نے لوہے کی سلاخون کو خوب گرم کر کے ماروی کے ہاتھون پر رکھ دیا ۔ لیکن لوہے کی یہ گرم سلاخین اس پاک باز عورت کے ہاتھون کو جھلسا نہ سکین اس امتحان کے بعد جب خانہ بہ دوشون کو یقین ہوگیا کہ ماروی پاک دامن ہے، تب انہون نے ماروی کی شادی کھیت سین سے کردی۔

---

[1] رسالہ آہنگ، کراچی، مطبوعہ ۲ دسمبر ۱۹۵۹ء ص ۸

اس امتحان سے بھی پتا چلتا ھے کہ ان دنون شادی بیاہ کے معاملے مین اس خطے کے باشندے کس قدر عزت وعصمت کا احساس رکھتے تھے ۔ اس کہانی مین کئی ایسے مقام ھین جہان سے ھمارے معاشرے کی تصویر آسانی سے کھینچ سکتے ھین ۔ معاشرے کی ایسی جھلکیان صرف عمر ماروی کے قصے سے نہین بلکہ ھر عوامی کہانی مین ملتی ھین جن سے ھماری قدیم تہذیبی اور تمدنی روایات اور ان کے حسن و قبح کا پتا چلتا ھے ۔ "

اس مقالہ کے چار سال پہلے ۱۹۵۵ء مین جو مقالہ بھٹ شاہ کلچرل سنٹر سیمینار مین انھون نے پیش کیا تھا اس کا اقتباس اور پڑھیے ۔ دونون کے اندر آپ کو نمایان فرق نظر آئے گا ۔ آپ کی اردو نثر مین بہرحال ایک خاص دل کشی اور روانی پائی جاتی ھے ۔



محمد اسمٰعیل شیخ

محمد اسمٰعیل شیخ کے والد ماجد کا نام شیخ احمد ہے ۔ ۱۹۲۸ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے ۔ مالی حالت زیادہ بہتر نہ ہونے کے باعث آپ نے سندھی ورناکولر فائنل پاس کرلینے کے بعد پرائمری مدارس میں ملازمت کرلی ۔ لیکن فطری طور پر چونکہ آپ کو علم اور ادب سے لگاؤ تھا اس لیے کچھ عرصہ بعد آپ نے سندھ اورینٹل کالج، حیدرآباد سے ادیب فاضل کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کرلیا اور ان دنوں قاضی محمد اکبر گورنمنٹ پرائمری اسکول حیدرآباد میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں ۔

محمد اسمٰعیل شیخ صاحب ابتدا میں طنزیہ اور مزاحیہ مضامین لکھنے کی طرف مائل تھے لیکن بعد میں وہ علمی اور تحقیقی کاموں کی طرف متوجہ ہوگئے اور عرصہ تک ملک کے مشہور محقق ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے تحت "سندھی لغت" اور "سندھی لوک ادب" کی ترتیب و تدوین میں کام کرتے رہے ہیں ۔ آپ کو "لسانیات" اور "لوک ادب" سے بڑی دلچسپی ہے اور ان موضوعات پر برابر کچھ نہ کچھ کام کرتے رہتے ہیں ۔ سندھی ادبی بورڈ میں تقریبا" دس سال تک ریسرچ اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرکے مختلف تحقیقی اور علمی خدمات انجام دے چکے ہیں ۔

سرائیکی ادب کے عنوان پر آپ کا ایک مضمون عرصہ ہوا ریڈیو حیدرآباد سے پڑھا گیا تھا ۔ اس کے کچھ اقتباسات نمونہ تحریر کے طور پر اس جگہ درج ہیں :-

" علم اللسان کی اصطلاح مین سرائیکی ھندا زبان کی ایک شاخ ھے تاریخی اعتبار سے ھندا وادی مہران کی ایک قدیم زبان ھے اور موجودہ دور مین یہ زبان پورے پاکستان مین بولی جاتی ھے ۔ البتہ لہجے اور بول چال مین معمولی فرق پایا جاتا ھے ۔ مقامی طور پر اس زبان کے مختلف نام لئے جاتے ھین بہاول پوری، ملتانی، ڈیرے والی، میان والی، شاہ پوری اور ھندکو ۔ علمی اور ادبی تحریرون مین اس زبان کو ھندوی اور ھندی بھی کہا گیا ھے ۔ دراصل ھندی، ھندوی یا ھندکو اس زبان کے خاص ذاتی نام ھین اور باقی اور نام مخصوص علاقائی حدود سے متعلق ھین ۔ خود ھندا کے معنی ھین مغربی خطے کی زبان ۔ "

میر محمد نظامانی

" میر محمد نظامانی کے والد ماجد محمد بخش خان بدین، حیدرآباد (سندھ) کے ایک شریف خاندانے سے تعلق رکھتے تھے ۔ میر محمد نظامانی کی پیدائش ۱۹۲۹ء مین حیدرآباد مین ہوئی تھی ۔ ابتدائی تعلیم انہون نے سندھی مدرسہ مین حاصل کی ۔ پھر گورنمنٹ ہائی انگلوکی اسکول ٹنڈو باگو سے ۱۹۵۰ء مین میٹرک پاس کیا ۔ انٹرمیڈیٹ گورنمنٹ کالج، حیدرآباد سے اور بی ۔اے (آنرز) سٹی کالج، حیدرآباد سے کرکے سندھ یونیورسٹی مین داخل ہوگئے اور وہان سے ۱۹۵۹ء مین سندھی ادبیات مین ام ۔ اے امتیاز کے ساتھ پاس کرکے گورنمنٹ ڈگری کالج حیدرآباد مین لکچرر ہوگئے ۔ پھر چند مہینون کے بعد وہان سے سندھ یونیورسٹی مین شعبۂ سندھی مین لکچرر کی حیثیت سے بلا لیے گئے ۔ ۱۹۶۲ء مین Linguistic and Phonetics کی اعلٰی تعلیم کے لیے سندھ یونیورسٹی نے انھین " یونیورسٹی اف لندن " بھیجنا چاہا تو انہون نے اپنے بعض احباب اور ہمدردون کے مشورے پر جانے سے انکار کر دیا ۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۸ء تک سندھ یونیورسٹی

مین "کنٹرولر آف اکزامینشن" کے عہدے پر فائز رہے ۔پھر ۱۹۶۹ء مین یونیورسیٹی کے اسسٹنٹ رجسٹرار ہوگئے اور آج کل سندھ یونیورسیٹی کے اسٹیبلشمنٹ آفیسر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہین ۔"[1]

میر محمد نظامانی کی مادری زبان سندھی ہے ۔ سندھی زبان اور سندھی ادبیات سے ان کو فطری اور دلی لگاؤ ہے ۔ انھون نے ام ۔ اے بھی اسی مین کیا ہے ۔سندھی زبان مین ہین لیکن سندھی کے ساتھ اردو مین بھی یہ اکثر لکھتے رہتے ہین اور ان کو اردو سے خاصا شغف ہے ۔ ریڈیو پاکستان، حیدرآباد سے ادبی، ثقافتی اور تعلیمی موضوعات پر ان کے مقالے اکثر اردو زبان مین نشر ہوتے رہتے ہین ۔ ان مین سے ان کا ایک مقالہ "سندھی اردو کہاوتین" بہت زیادہ مقبول ہوا۔ ۱۹۶۶ء مین مجلس شاہ حسین "لاہور کی طرف سے جو کہ پنجابی ادب، لاہور، کی ایک شاخ ہے حضرت شاہ حسین کے عرس کے موقع پر انھون نے ایک مقالہ "پاکستان کی علاقائی زبان مین تصوف" کے عنوان سے پاکستان کونسل مین پڑھا تھا جو حد درجہ پسند کیا گیا ۔

میر محمد نظامانی صاحب فارسی زبان کے بھی اچھے عالم ہین ۔ اس کا اندازہ خلیفہ محمود کی کتاب ~~مبدأ~~ محبوبۃ المحمودیہ کے ترجمے سے ہوتا ہے جو انھون نے کیا ہے ۔ محبوبۃ المحمودیہ فارسی زبان مین تصوف اور سلوک سے متعلق ایک اہم اور ~~دلچسپ~~ دلچسپ کتاب ہے ۔حضرت خلیفہ محمود نے اس کو اپنے مریدون کی

---

[1] یہ تمام سوانحی حالات راقم الحروف نے میر محمد نظامانی صاحب سے خود مل کر حاصل کیے ۔

اصلاح اور تعلیم کے لیے لکھا ہے ۔ میر محمد نظامانی صاحب نے افادیت کے لحاظ سے اس کا ترجمہ اردو میں کرکے ۱۹۶۸ء میں " محمودیہ اکیڈمی " حیدرآباد سے شائع کرادیا ہے ۔ ؎ اس ترجمے سے جہاں میر محمد نظامانی صاحب کی فارسی زبان پر کامل دست رس کا اندازہ ہوتا ہے وہاں ان کی اردو زبان پر قدرت کا بھی پتا چلتا ہے ۔ اس ترجمے میں انھوں نے اس کا پورا خیال رکھا ہے کہ ترجمے میں نہ صرف اصل عبارت سے انحراف ہو بلکہ اس کی روح کی تمام عکاسی ہوجائے ۔ ساتھ ہی زبان کی سادگی، روانی، سلاست اور دل کشی بھی قائم رہے اور یہ خاصا مشکل کام ہے لیکن میر محمد نظامانی صاحب اس سے بہت اچھی طرح عہدہ برآ ہوئے ہیں ۔ مثال کے طور پر ہم اس کتاب سے فارسی کے اشعار کو پیش کرین گے اور پھر اس کا میر محمد نظامانی صاحب کا کیا ہوا ترجمہ دین گے اس سے صحیح اندازہ ہوگا :-

(۱) "محبت اعتبار ذات حق است ؎	(۱) محبت ذات حق کا اعتبار ہے
محبت مظہر آیات حق ست	(۲) محبت حق کے نشانات کا مظہر ہے
(۲) محبت خازن گنج شہود ست	(۲) محبت شہود کے خزانے کا خزانچی ہے
محبت مبدءٔ اصل الوجود ست	۷ محبت اصل وجود کو پیدا کرنے والی ہے
(۳) محبت مونس جان کباب ست	(۳) محبت جان کباب کی غمخوار ہے
محبت پردہ سوز احتجاب ست	محبت حجاب کے پردے کو چاک کرتی ہے

؎ مقدمہ کتاب مستطاب محبوبۃ المحمودیہ، ص ۱۲ ــ ۱۳ شائع کردہ، محمودیہ اکیڈمی، کڑیہ گھنور، تحصیل گونی، ضلع حیدرآباد ۱۹۶۸ء

اب محبوبۃ المحمودیہ سے فارسی نثر کے ایک ٹکڑے کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:-

"اس نے وُصُوْل اِلَی الرَّسُوْل کے لیے حبل المتین کی ایک مضبوط رسی کو اور " تَدْلِیْلُ اِلَی الْمَدْلُوْل " کے لیے "عُرْوَۃُ الْوُثْقیٰ"[1] کے مضبوط دستی کو اپنے ہاتھ سے قائم کیا - اور اس کی ذات ایک ایسا جوہر ہے جس میں انوار صفاتی کی منشا موجود ہے اور وہ ایسے نور کا شفاف چشمہ ہے جو عارفین کے ارشاد کی صورت میں روشنی لاکسرو مریدون کے دلون پر تجلی کا تاپ ڈالتا ہے اور مرشد ان کے وعظ اور کلام سے سننے والون کی جانین حیران و پریشان کردیتا ہے -

وہ عشق ہی ہے جو معشوقانہ لباس پہن کر حسن و جمال کے سنگار اور خدو خال کی سجاوٹ سے عاشقون کے دلون کو درد اور سوز مین بلکہ مبتلا اور گرفتار کر دیتا ہے اور غم و الم کی جان گداز آتش سے دوش کے تنکے اور کانٹے جلاکر عاشقون کے سدا بہار دلون کے باغ کو پاک و صاف کر دیتا ہے -"

میر محمد نظامانی صاحب نے اردو مین کچھ افسانے بھی لکھے ہین جیسے وہ سندھی زبان کے بہت اچھے اور مقبول افسانہ نگار ہین - اپنے ان افسانون مین انھون نے زیادہ تر عورتون کی محرومی، محکومی اور مظلومی کو پیش نظر رکھا ہے اور زیادہ تر یہی ان کے افسانون کا مرکزی خیال ہوتا ہے - ان کا خیال ہے کہ عورت وفا کی دیوی ہے، محبت کی راہ مین وہ ہر قسم کے مشکلات جھیل جاتی ہے اور زبان پر "اف" بھی نہین لاتی - اس کے برعکس مرد ایسے فریب دیتا ہے اور مختلف انداز مین بےوفائی

[1] مقدمہ کتاب مستطاب محبوبۃ المحمودیہ ص ١١ - ١٢

کرتا ہے ۔ ان تمام چیزوں کو عورت خاموشی سے برداشت کرتی چلی جاتی ہے ۔ یہاں تک کہ ایک روز خاموشی سے موت کو گلے لگا لیتی ہے ۔ ان کا ایک افسانہ " کیسے بھلاؤں " ہے اس سے چند سطور نمونہ کے طور پر درج ذیل ہیں :-

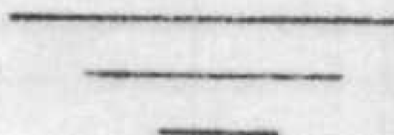
" نیلوفر آج وہی نازوں کی پلی نیلو نہ تھی ۔ اس کے چاند سے حسین چہرے پر وہ رونق نہ تھی' اس کی خوبصورت کالی کالی آنکھوں میں وہ چمک نہ تھی' اس کی دنیا تو پہلے ہی ویران ہو چکی تھی ۔ لیکن شادی کے بعد اس کا یہ شک بھی حقیقت میں تبدیل ہو چکا تھا کہ جہاں دولت ہوتی ہے وہاں محبت قدم بھی نہیں رکھتی ..... مگر اب تو وہ محبت کی بھی قائل نہ تھی ۔ اس کا خیال تھا کہ ہر محبت ایک دھوکا ہے اور ہر دھوکا ایک غلطی' ہر غلطی ایک داستان اور ہر داستان ایک تباہی ہے' .... اور جہیزوں کے ساتھ بابل کے گھر سے یہ الفاظ الفاظ بھی اسے جہیز میں ملے تھے وہی الفاظ ہر وقت اس کے دل پر تیر آتے تھے " نیلوفر بیٹی ! تو اپنے دولہا کے گھر ڈولی میں جارہی ہے لیکن کھٹولی پر گھر میں سے نکلنا ۔ " یہ تھی نیلوفر کی ماں کی آخری وصیت جس پر لڑکی اپنی جان قربان کردیتی ہے ۔ " [1]

میر محمد نظامانی صاحب کی اردو نثر سادہ اور عام فہم ہوتی ہے ۔ انہوں نے اردو میں بہت کم لکھا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے وہ خاصے کی چیز ہے ۔ افسانے

---

[1] راقم الحروف نے یہ اقتباس مصنف کے اصل مسودے سے حاصل کیا ہے جو ان سے ملاقات کے دوران دیکھنے میں آیا ۔

ان کے دلچسپ اور اصلاحی ہوتے ہین ۔ اردو زبان و ادب کوان سے بجا طور پر توقعات وابستہ ہین کیون کہ ایسا ادیب جو سندھی اور فارسی دو زبانون کا اچھا عالم ہو، اردو زبان کو بہت کچھ دے سکتا ہے ۔



کریم بخش نظامانی

کریم بخش نظامانی کے والد ولی محمد نظامانی صاحب ٹنڈو سومرو کے ایک ذی عزت شخص تھے ۔ چھوٹی سی زمین داری تھی ۔ کریم بخش نظامانی صاحب ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء کو یہین گوٹھ ٹنڈو سومرو، ضلع حیدرآباد (سندھ) مین پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد بڑے مذہبی آدمی تھے اور ایک پرائمری اسکول مین معلمی کے فرائض ادا کرنے کے بعد اپنا زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت مین گذارتے تھے ۔ ان کے مورث اعلیٰ قیصر خان میرون کے عہد حکومت مین ٹنڈو سومرو مین آکر آباد ہوئے تھے اور یہ خاندان اپنی علمی صلاحیت، عزم و ہمت اور شجاعت و جنگ جوئی کی وجہ سے سندھ مین ممتاز رہا ۔

کریم بخش نظامانی ابھی کم سن ہی تھے کہ ۱۹۳۱ء مین آپ کے والد ولی محمد صاحب کا انتقال ہوگیا ۔ والد کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش آپ کے ماموں حاجی اللہ بخش نے کی اور انہی کے زیر تربیت آپ نے پرورش پائی ۔ ۱۹۴۶ء مین

کہ جس وقت انھون نے میٹرک بھی پاس نہین کیا تھا خاکسار تحریک مین شامل ہوکر ۳۱۳ کے جیش کے ساتھ صوبہ بہار چلے گئے اور وھان سرکار برطانیہ کے حکم سے گرفتار کر لیئے گئے ۔ رہا ہوئے تو پھر بہار ریلیف کے کامون مین مشغول ہوگیئے ۔ خاکسار تحریک کے یہ اس زمانے مین بڑے سرگرم ممبر تھے ۔ بہار سے چلے تو دھلی مین خاکسار تحریک کے اجتماع مین شریک ہوتے ہوئے "گوٹھ ٹنڈو سومرو " واپس آگئے تعلیم منقطع ہوچکی تھی اس لیے میٹرک کا امتحان ۱۹۵۰ء مین سندھ یونیورسیٹی سے پرائیوٹ دیا ۔ ۱۹۵۵ء مین سی ۔ٹی آرٹس کالج، حیدرآباد سے بی ۔ اے کیا اور ۱۹۶۲ء مین انگریزی ادبیات مین سندھ یونیورسیٹی سے ام ۔ اے کرکے ایس ۔ام کالج، ٹنڈو اللہ یار مین انگریزی ادبیات کے لکچرر مقرر ہوگیئے ۔ ۱۹۶۵ء مین اسی کالج کے پرنسپل ہوگیئے ۔ ۱۹۶۷ء مین جب ایوب حکومت کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو اس مین سرگرم حصہ لیا اور پرنسپل کے عہدے سے مستعفی ہوگیئے ۔ کالج سے علاحدہ ہونے کے بعد جون ۱۹۷۱ء تک اخبار الوحیـــد کے کالم نویس کی حیثیت سے کام کیا اور بہت سے مضامین " تیر بر حدف " کے عنوان سے انھون نے سندھی زبان مین لکھے ۔ آخر مین کچھ دنون تک اس کے ایڈیٹر بھی رہے ۔[1]

کریم بخش نظامانی صاحب مختلف وقتون مین مختلف تحریکون مین شامل ہوتے رہے اور جس مین شامل ہوئے دل و جان سے ہوئے ۔ شروع شروع مین خاکسار تحریک مین

---

[1] یہ تمام حالات زندگی کریم بخش نظامانی صاحب نے راقم الحروف کی استدعا پر خود ھی قلم بند کرائے ھین ۔

شامل ہوکر جیل کی سختیان برداشت کین اور تعلیمی سال برباد کیا ـ کالج کی تعلیم کے دوران اشتراکیت کے چکر مین پڑ گئے ـ اس وقت کی یادگار ان کا ایک اردو ڈرامہ ہے جس مین وہ خدا سے بغاوت پر آمادہ ہوتے نظر آتے ہین ـ پھر اس راستے سے ہٹے تو سچے اور دین دار مسلمان ہوکر جماعت اسلامی مین شامل ہوگئے اور ۱۹٦۷ء مین اس کے تحت ایوب حکومت کی آمریت کے خلاف جنگ مین شریک ہوکر کالج کی پرنسپل شپ کو بھی لات مار دیا ـ پھر خالص صحافتی اور ادبی زندگی مین داخل ہوگئے ـ

کریم بخش نظامانی صاحب سندھی اور انگریزی زبان پر اچھا عبور رکھتے ہین اور اردو سے تو ان کو دلی محبت ہے ـ اردو مین شعر بھی کہتے ہین اور نثر بھی لکھتے ہین ـ پہلی نثری تحریر ان کی ۱۹۲٦ء مین اخبار "الاصلاح" لاہور مین ایک خط کی شکل مین شائع ہوئی تھی لیکن باقاعدہ ان کی ادبی زندگی کا آغاز بقول ان کے ۱۹۲۹ء سے ہوا جب کہ وہ بچون کے لیے چھوٹی چھوٹی دلچسپ کہانیان لکھنے کی طرف مائل ہوئے ـ پھر افسانے لکھنے لگے اور اس وقت سندھ کے اردو افسانہ نگارون مین بہت ممتاز اور مقبول ہین ـ

کریم بخش نظامانی صاحب کا سب سے پہلا افسانہ ۱۹٦۲ء مین "ایک اور مریض" کے عنوان سے رسالہ "ساقی" کراچی مین شائع ہوا اور پھر کئی افسانے مثلاً "غیر مرئی ہاتھ" "راکھی ٹوٹ گئی" "تین ٹکڑے" "ہم باپ نہ ہوتے" مختلف ادبی رسائل مین شائع ہوئے اور بے حد پسند کئے گئے ـ ان کے افسانون کے کردار کی تعمیر مین جہان مرئی حالات کا اثر ہوتا ہے وہان غیر مرئی طاقتین بھی اسے متاثر کرتی رہتی ہین ـ

ڈپٹی نذیر احمد کی افسانہ نگاری سے وہ بہت متاثر ھین ۔ ان کے افسانون مین عموما " اصلاحی انداز پایا جاتا ھے ۔ مرکزی کردار بالعموم ایمان اور نیکیون پر سختی سے جما ھوا نظر آتا ھے اور معاشرے کے برے لوگون سے مقابلہ کرتا ھوا تباہ ھوجانے پر بھی شکست نہین مانتا ۔ ان کے کردارون مین ایک " بد " اور ایک حد درجہ " نیک " ھوتا ھے ۔ اردو ادب کے متعلق آپ کی رائے ھے کہ مذھب کو اگر ادب سے الگ کردیا جائے تو ادب کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ھے ۔ ادبی مطالعے کے بارے مین ایک سوال کے جواب مین آپ نے بتایا کہ " میری پیدائش صرف سندھی ھے باقی مین نے سب کچھ اردو ادب ھی سے سیکھا ھے ۔ "

۱۹۶۷ء مین انھون نے ایک ناول لکھا ھے جو زیر طبع ھے ۔ اس کا نام " پندرھوین صدی " ھے ۔ اس ناول کا مرکزی خیال سائنس کی انتہائی ترقی مین اسلامی حکومت کی کامیابی دکھانا ھے ۔

کریم بخش نظامانی صاحب کا ایک اور غیر مطبوعہ ناول " کامریڈ موسوف کی ڈائری " ھے یہ سندھی اور اردو دونون زبانون مین لکھی گئی ھے ۔ سندھی زبان مین تو بالاقساط ماھنامہ "بطحا جہان نو " سکھر مین شائع ھو رھا ھے ۔ لیکن اردو مین ابھی مسودے کی شکل مین نظامانی صاحب کے پاس محفوظ ھے اور ان کی مہربانی سے راقم الحروف کو دیکھنے کا موقع ملا ھے ۔

کامریڈ موسوف کی ڈائری مین موسوف اور اس کی بہن لیلسی اس کے دو اھم کردار ھین جو مذھبی پس منظر کے گرد گھومتے ھین ۔ کالج کی تعلیم کے دوران موسوف

سوشلسٹ خیالات سے متاثر ہوکر پارٹی مین شامل ہوجاتا ہے ۔اور اس کے ایک "سیل" کا ممبر بن جاتا ہے ۔ لیلٰی بھی ترقی پسند بن جاتی ہے مگر وہ پارٹی ممبر نہین بنتی ۔ موسوف کی یہ کوشش رہتی ہے کہ اس کی بہن اس قدر ترقی پسند بن جائے کہ اسے غیر مردون سے اختلاط مین بھی کوئی جھجک نہ ہو ۔ لیکن لیلٰی سے یہ نہین ہوپاتا ۔ اور وہ اپنے بھائی موسوف سے الگ ہوجاتی ہے اور کسی نامعلوم مقام سے اسے خطوط لکھتی رہتی ہے ۔ کامریڈ موسوف کی ڈائری لیلٰی کے ان ہی خطوط کے اقتباسات اور اس کے اپنے تخیلات پر مشتمل ہے ۔ یہ خطوط اور ان پر کامریڈ موسوف کا تبصرہ گویا ایک قسم کی بحث ہے جو "ترقی پسند" اور "رجعت پسند" طرز ہائے فکر مین جاری ہے ۔

اس ڈائری کی تہہ مین جاکر دیکھا جائے تو یون محسوس ہوتا ہے کہ کامریڈ موسوف ایک بگڑے ہوئے معاشرے کے ایک ایسے فرد کی "انا" ہے جو اپنی روایات سے بغاوت کرنے کے بعد مادی لذات کا سہارا تلاش کرتا پھرتا ہے اور لیلٰی انسان کی روح "(Super Ego)" کی ایک ایسی علامت بن جاتی ہے جو اسے ضمیر کی کسک بن کر ہر لحظہ نیکی کی طرف بلاتی رہتی ہے ۔ چون کہ یہ سعید روح زیادہ دیر تک ایک بگڑے ہوئے شخص کا ساتھ نہین دے سکتی ۔ اس لیے وہ اس سے الگ ہوجاتی ہے ۔ اور لیلٰی کی شکل مین اسے نیکی کی طرف بلاتی رہتی ہے ۔ مصنف نے اس "آواز" اور "بلاوے" کو لیلٰی کے خطوط کی صورت مین پیش کیا ہے

"کامریڈ موسوف کی ڈائری" سے ایک اقتباس نمونۂ تحریر کے طور پر درج ذیل ہے :-

ـــہ[1] " یہاں کی نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کو اس بات پر بھی تعجب ہوتا ہے کہ میں اپنا سینہ دوپٹا سے اچھی طرح کیوں نہیں ڈھانپتی (یاد رہے میں اب دوپٹا اوڑھنے لگی ہوں) وہ یہ بھی محسوس کرتی ہیں کہ میں کس مٹی کی بنی ہوئی ہوں کہ غیر مردوں کو دیکھ کر نہ جھجکتی ہوں اور نہ شرماتی ہوں ۔ بعض نے تو مجھ سے کھل کر اس قسم کی گفتگو بھی کی ہے ۔ وہ مجھ سے میرے ماضی کے متعلق بھی پوچھتی ہیں ۔ میں نے انہیں اپنے متعلق کوئی حقیقت نہیں بتائی ۔ انہیں کیا پتا رکھا ہے یہ تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ۔

تم لوگوں کے ساتھ رہ کر میری فطرت مسخ ہوچکی تھی اور اس " مسخ شدہ فطرت " کو میں اصلی اور حقیقی عورت سمجھنے لگی تھی ۔ یہاں آکر مجھے احساس ہوا کہ ڈولٹا ، گلستان ، مادام دیمنتوف اور لیلش عورت کا حقیقی روپ نہیں ہے ۔ میں یہ بھی نہیں کہتی کہ میں نے عورت کو اس کے اصلی روپ میں دیکھ لیا ہے لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ تمہارے پاس عورت کا جو نقش ہے اس میں فرائڈ ، اینجلز اور مارکس ہی نے رنگ بھرا ہے ۔ یہ فطرت کا کارنامہ نہیں ۔ عورت کو جس سانچے میں ڈھالوگے ویسا ہی روپ دھارلے گی ۔ تم لوگوں کے پاس صرف عریانیت اور شہوت رانی کے سانچے ہیں ۔ اس لیے تمہارے سانچے میں گلستان اور مادام دیمنتوف ہی آئی ہیں ۔ کوئی اور سانچا ہوتا تو شاید یہ روپ بھی مختلف ہوتے "

کریم بخش نظامانی کی اردو تحریریں صاف ، رواں اور شستہ ہوتی ہیں ۔ ان کی اردو تحریروں میں اہل زبان کی سی خود اعتمادی پائی جاتی ہے ۔ وہ جو کچھ لکھتے ہیں

ـــہ[1] کامریڈ موسوف کی ڈائری ۔ از کریم بخش نظامانی (مخطوطہ) ص ۲۲۶ ــ ۲۲۷

آشنائے فن ہوکر لکھتے ہین ۔ ان کے افسانے فطری طور پر ارتقا کی منزلون سے گذرے ہین لیکن نظامانی صاحب کی ذہانت اور فطانت نے اس منزل کو بڑے سلیقے سے طے کیا ہے ۔ ان کا ایک افسانہ " تین بکرے " ۱۹۶۶ء مین لکھا گیا ہے ۔ اس کے مندرجہ ذیل چند سطور آپ ملاحظہ فرمائین :-

[1] " صبح کے گیارہ بجنے والے تھے ۔ رئیس قادر داد خان حسب معمول اپنے بنگلہ پر مطالعہ کے کمرے مین بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا ۔ وہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سیدھا کھیت کو چلا جاتا اور یہ دیکھ کر کہ اس کی پچھلی ہدایت پر کہان تک عمل ہوا ہے ، کسانون کو نئی ہدایت دیتا ۔ آج اس کا مطالعہ کا موڈ نہین تھا ۔ یون ہی شلف پر رکھی ہوئی کتابون مین سے ایک کتاب اٹھالی ۔ یہ شکسپیر کا ڈرامہ میکبتھ تھا ۔ پہلے بھی کئی مرتبہ اس نے یہ ڈرامہ پڑھا تھا ۔ آج پھر وہ اس کا آخری ایکٹ پڑھ رہا تھا ۔ " ہر ظالم کا وہی انجام ہوتا ہے جو لیڈی میکبتھ کا ہوا اور ہر آخر میکبتھ ہی کی طرح ختم ہوجاتا ہے ۔ "

" حرف بے اختیار " کے تحت اردو ڈائجسٹ مارچ ۱۹۷۱ء مین سوالات کا جواب دیتے ہوئے کریم بخش نظامانی صاحب ایک جگہ لکھتے ہین :-

[2] " واقعہ میرے شعور سنبھالنے سے پہلے پیش آچکا تھا ۔ مین صرف لوگون سے سن رہا تھا کہ مین بھی کسی زمانے مین ماں باپ رکھتا تھا

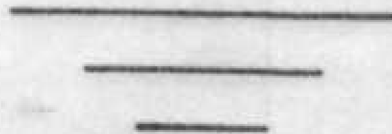
---

[1] ماہنامہ ساقی کراچی بابت اگست ۱۹۶۶ء

[2] اردو ڈائجسٹ مارچ ۱۹۷۱ء ص ۴۳

اور یہ بھی سن رکھا تھا کہ بہت ہی دیندار اور نیک لوگ تھے ۔
ایک دن بیٹھے بٹھائے والد مرحوم ہم سے روٹھ گئے ۔ وہ سجدے
کی حالت میں تھے ۔ کچھ دنون بعد امی ان کو تلاش کرنے نکل گئین ۔
دور ! بہت دور ! افق کے اس پار ۔ آج تک مین آوازین دے رہا
ہون ۔ لیکن وہ سنتے ہی نہین ۔ شاید وہ جنت مین بیٹھے ہوئے
میرے حق مین دعائین مانگ رہے ہین ۔ سترہ اٹھارہ برس کی عمر
تک تو مین بھی سمجھتا رہا (اور بالکل سنجیدگی سے) کہ وہ لوٹ
آئین گے لیکن افـق کے اس پار سے کون لوٹتا ہے ؟ "

اس عبارت سے " افسانے " کی عبارت اور " کامریڈ موصوف کی ڈائری " کی عبارت کا مقابلہ کرین ۔ آپ کی باریک بین اور نقاد آنکھین کچھ فرق ضرور محسوس کرین گی ۔ کریم بخش خالد صاحب کی نثر ارتقائی دور سے گذری ہے اور گذر رہی ہے ۔ اس مین سادگی ، شگفتگی ، تاثیر اور اچھوتا پن ہے ۔ اردو زبان پر انھین اہل زبان ادیبون کی سی قدرت حاصل ہے ۔ ان کی ذات سے اردو زبان و ادب کی بہت سی توقعات وابستہ ہین ۔



ڈاکٹر خواجہ غلام علی الانہ

" خواجہ غلام علی الانہ کے والد مسٹر الانہ سندھ کے ایک متمول تاجر تھے۔ خواجہ غلام علی الانہ اپنے آبائی گانو تڑ خواجہ، ضلع ٹھٹھہ مین ۱۹۳۰ء مین پیدا ہوئے تھے ۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی ۔ سیٹھ رمضان علی کے صاحبزادے سیٹھ محب علی آپ کے ہم مکتب تھے ۔ کچھ انگریزی گھر پر پڑھ کر این ۔ جے وی ھائی اسکول مین داخل ہوگئے اور ۱۹۴۹ء مین یہان سے فرسٹ ڈیوڈیژن مین میٹرک پاس کرکے گورنمنٹ کالج حیدرآباد مین داخلہ لیا ۔ ۱۹۵۳ء مین اسی کالج سے بی ۔ اے آنرز (سندھی) اور ۱۹۵۵ء مین سندھ یونیورسٹی سے سندھی مین ام ۔ اے امتیاز کے ساتھ پاس کیا ۔ ۱۹۶۲ء مین " لندن اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز" کے "جنرل لنگوئسٹک اینڈ فونٹکس " کے شعبہ سے ام ۔ اے کیا ۔ ۱۹۷۱ء مین مولانا غلام مصطفے قاسمی صاحب کی نگرانی اور رہ نمائی مین " The Arabic elements in Sindhi " (سندھی پر عربی کے اثرات) پر پی ایچ ڈی کر چکے ہین ۔ اس وقت سندھ یونیورسٹی مین سندھی ادبیات کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہین ۔

پروفیسر غلام علی الانہ کو موسیقی سے بھی گہری دلچسپی ہے - سیٹھ محب علی اور ان کے بھائی سلطان علی کو شعر و ادب سے گہرا لگاؤ تھا - انھین کی رفاقت مین غلام علی الانہ صاحب کو بھی موسیقی کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کا چسکا لگا - ان کے حقیقی نانا کے بھائی محمد عیسیٰ صاحب کے پاس ساون فقیر اور اللہ ڈنا بسیر آتے رہتے تھے جہان شعر و شاعری اور سنگیت کی محفلین جما کرتی تھین - گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ پروفیسر غلام علی الانہ بھی ان مین شریک ہوا کرتے تھے - ان حالات نے ان کو ایک اچھا موسیقار اور شعر و ادب کا رسیا بنادیا - پکوازا یکتارہ اور هارمونیم پر غلام علی الانہ صاحب کو خاص مہارت حاصل ہے - [1]

۱۹۴۷ء سے پہلے پروفیسر غلام علی الانہ اردو سے ناواقف تھے - قیام پاکستان کے بعد اجمیر شریف کا ایک مہاجر خاندان ان کے پڑوس مین آکر آباد ہوا اور اس سے میل جول کے بعد ان کو اردو سے دلچسپی پیدا ہوئی - اور پھر رفتہ رفتہ وہ دلچسپی شغف اور شیدائیت کے درجہ تک پہنچ گئی - انھون نے باضابطہ اردو پڑھی - "انجمن ترقی اردو" کی مجلسون مین شریک ہوتے اور اردو کی اشاعت اور ترقی مین بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے - پھر مضامین لکھنے لگے اور ایک اچھے مضمون نگار بن گئے - اس وقت ان کا شمار نہ صرف اردو کے ہمدردون اور شیدائیون مین بلکہ اچھے اردو نثر نگارون مین ہوتا ہے - وہ اچھی اردو لکھتے ہین - ان کے انداز تحریر

---

[1] یہ تمام سوانحی حالات راقم الحروف نے خود پروفیسر غلام علی الانہ سے حاصل کیے ہین -

مین بے ساختگی پائی جاتی ہے ۔ ان کے کچھ مضامین جس مین ایک " حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے حالات زندگی اور شاعری کا جائزہ " بھی ہے اردو زبان مین ریڈیو پاکستان، حیدر آباد سے نشر ہوئے ہین ۔

ان کے نمونہ نثر کے لیے مین ان کا ایک تبصرہ پیش کر رہا ہون جو انھون نے ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کی تصنیف " اردو سندھی کے لسانی روابط " پر کیا ہے ۔ وہ تبصرہ کتاب مذکور کے سرورق پر بھی چھپا ہے ۔ اس سے ان کی تحریر کی روانی اور بے ساختگی کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے ۔ لکھتے ہین :-

" ڈاکٹر شرف الدین صاحب سے میری ملاقات اگست ۱۹۶۳ء مین ہوئی جب آپ ڈاکٹریٹ کے لیے اپنا مقالہ لکھ رہے تھے جس کا عنوان تھا " اردو سندھی کے لسانی روابط " ۔ اسی سال مین لندن یونیورسٹی کے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز کے شعبہ صوتیات و لسانیات عامہ سے ایم ۔ اے کر کے لوٹا تھا ۔

ڈاکٹر شرف الدین صاحب کا پورا مقالہ اور خاص طور پر وہ ابواب جو سندھی اور اردو صوتیات، سندھی اور اردو کے صرفیات و نحویات کے تقابلی مطالعے کے بارے مین ہین، میری نظر سے گذرے ہین ۔ ڈاکٹر شرف الدین صاحب دونون زبانون ـــــ سندھی اردو کے ان مسئلون کو زیر بحث لائے ہین جو سندھی اور اردو لسانیات کے طالب علمون کے نزدیک انوکھے، اچھوتے اور قابل توجہ ہین ۔ سندھی اور اردو زبانون کے تقابلی مطالعے کے میدان مین ڈاکٹر شرف الدین صاحب کے اس مقالہ مین ان گنت موضوع ہین جن پر مزید کام کیا جاسکتا ہے ۔

ڈاکٹر صاحب نے جس محنت اور جذبے کے ساتھ فاضلانہ اور
محققانہ انداز سے دونون زبانون کے لسانی روابط اور لسانی اشتراک
پر کام کیا ہے وہ قابل قدر ہے ۔ آپ کا یہ مقالہ سندھی اور اردو
زبان کے مطالعے کے لیے بہترین چیز ہے ۔"

اردو زبان مین ان کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ وہ ہے جو انھون نے "تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند" (تیرھوین جلد) مین سندھ مین سومرہ اور سمہ عہد (۱۰۵۰ء تا ۱۵۲۲ء) کی ادبی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے پیش کیا ہے ۔ یہ گران قدر کتاب پنجاب یونیورسٹی کے زیر نگرانی ۱۹۷۱ء مین طبع ہوئی ہے ۔ اس مین غلام علی الانا صاحب کے علاوہ ملک کے اور دوسرے نامی علماء نے بھی مختلف علاقائی ادبیات پر اظہار خیال فرمایا ہے ۔ پروفیسر غلام علی الانا صاحب کا مقالہ دو فصلون پر مشتمل ہے ۔ ایک مین سومرہ عہد کے علمی، ادبی اور ثقافتی کامون پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دوسرے مین سمہ عہد کے ۔ ان دونون مقالون مین پروفیسر الانا صاحب نے بڑی تحقیق اور کاوش سے عربی زبان کے مقابلے مین سندھی ادب کے رواج اور نشونما پر سیر حاصل بحث کی ہے ۔ سندھی زبان کی نشونما، پھر اس زبان کے ادبی ذخیرون کو پیش کرتے ہوئے انھون نے اس زمانے کی کئی لوک کہانیون کو بھی پیش کیا ہے ۔ ان عشقیہ کہانیون مین جہان اس دور کی ثقافت اور ادب پر روشنی پڑتی ہے وہان شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سچل سرمست جیسے صوفیائے کرام نے مجاز سے حقیقت تک رھبری کی ہے ۔

ان مقالون مین پروفیسر غلام علی الانا کا انداز تحریر عالمانہ اور محققانہ ہے۔
ان مین زبان صاف، روان، شگفتہ اور دل کش استعمال کی گئی ہے ۔ مقالہ سومرہ عہد
سے کچھ اقتباس نمونہ کے طور پر درج ذیل ہے :۔

"[1] سومرون کے دور مین (۱۰۵۱ء ۔ ۱۳۵۱ء) مرکزیت اور سیاسی
استحکام کے سبب سندھ کے لوگون کا رجحان موسیقی، شعر و شاعری اور رزمیہ داستانون
کی طرف ہوا ۔ ایسی محفلون کے روح روان " چارن " "بھاٹ " اور "جاجک "
ہوتے تھے جو گجرات، سندھ اور راجستھان مین آتے جاتے تھے ۔
سومرون کا دور سندھی ادب کے نشو ارتقا کے لیے نمایان حیثیت رکھتا ہے ۔
اس سے پہلے عبداللہ بن عمر ھباری کے زمانے (۸۸۳ء ۔ ۸۹۲ء) مین سندھی نثر
کی موجودگی کے تاریخی شواھد ملتے ھین لیکن سومرون کا دور سندھی ادب کا رومانوی
دور تھا ۔ اس دور کی ادبی روایات نے آنے والے دور کے لیے بنیاد کا کام دیا ۔ ماروی،
لیلٰی، مومل، سسی اسی دور کی یادگار ھین ۔ ماروی کی حب الوطنی، لیلٰی کی
خودداری، سسی کی مستقل مزاجی، مومل کی دانائی، ہوشمندی اور مردانگی نے سندھی
ادب کی بنیادون کو مضبوط کیا اور سندھی ادب کی تاریخ مین ایسے ابواب کا اضافہ
کیا جو ولولہ، امنگ، جوش اور جذبہ کے نقوش سے مزین ھین ۔

---

[1] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ھند (تیرھوین جلد) ص ۲۲۶ ۔ ۲۲۷
مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاھور ۱۹۷۱ء

سومرہ دور کے ادبی ذخیرہ کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت شمار کیا جاتا ہے :-

(الف) عشقیہ داستانیں

(ب) نیم عشقیہ داستانیں

(ج) مذہبی تحریریں اور گنشے (گنان)

(د) رزمیہ قصے

(ح) مدحیہ قصے

(و) گیت (گیچ) "



میمن عبدالمجید سندھی

"میمن عبدالمجید سندھی کے والدحاجی غلام حسین تعلقہ سکھر، ضلع سکھر کے ایک گانو ماڑی کے رہنے والے تھے - میمن عبدالمجید سندھی کی پیدائش وہین اپنے آبائی گانو مین ۱۹۳۱ء مین ہوئی تھی - ابتدائی تعلیم اپنے گانو کے پرائمری اسکول مین حاصل کی - ۱۹۴۲ء مین ماڑی سیلاب مین غرق آب ہوگیا تو ان کا خاندان شکارپور جابسا جوماڑی سے صرف تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے - شکارپور مین میمن عبدالمجید سندھی صاحب نے مولوی فضل اللہ صاحب سے قرأت اور فارسی سیکھی -

۱۹۴۵ء مین انگریزی تعلیم کے سلسلے مین نیوایرا ہائی اسکول شکارپور مین داخل ہوئے - پھر لاڑکانہ گورنمنٹ ہائی اسکول مین چلے گئے اور وہین سے ۱۹۵۲ء مین میٹرک کا امتحان پاس کیا - میٹرک کے بعد ریونیو کلرک ہوگئے - پھر ۱۹۵۳ء مین

اسپیشل اورسیر کا کورس ختم کرکے ڈپلوما لے لیا ۔ ۱۹۵۹ء مین سندھ یونیورسیٹی سے بی ۔ اے اور ۱۹۶۱ء مین کراچی یونیورسیٹی سے سندھی مین ام ۔ اے کرکے اسلامیہ کالج سکھر مین لکچرر ھوگئے ۔ ۱۹۶۳ء مین سندھ یونیورسیٹی سے اسلامک کلچر مین ام ۔ اے، ۱۹۶۴ء مین ایل ۔ ایل ۔ بی اور ۱۹۶۵ء مین ریلیجن مین ام ۔ اے کیا ۔ اور آج کل پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے لیے مقالہ تیار کر رھے ھین ۔"[1]

میمن عبدالمجید سندھی صاحب کا بیان ھے کہ ماڑی مین جہان ان کا ایک چھوٹا سا کپڑا بننے کا کارخانہ (اوطاق) قائم تھا اکثر " لوک ادب " کی مجلسین جما کرتی تھین اس لیے بچپن سے سندھی ادب اور ثقافت سے مجھے دلچسپی پیدا ھوگئی ۔ میمن صاحب کے بڑے چچا حاجی رحیم بخش صاحب انھین بہت زیادہ پیار کرتے تھے اور ھمیشہ ان کی تعلیم و تربیت پر خاص دھیان دیتے تھے ۔ حاجی صاحب کو چون کہ تصوف سے بڑی دلچسپی تھی اس لیے انھون نے اپنے بھتیجے کو بھی اس لذت سے آشنا کردیا اور یہ تصوف کی چاٹ میمن صاحب کو بچپن ھی سے اپنے چچا ھی کی صحبت مین لگی ۔

اپنے نام کے ساتھ سندھی کا لفظ لگانے کے بارے مین برسبیل تذکرہ کہنے لگے کہ " لاڑکانہ ھائی اسکول مین میرے ایک ساتھی اور دوست خادم حسین شاہ تھے ۔ ان کا سندھی زبان و ادب کا مذاق بہت اچھا تھا ۔ ان کے ساتھ رھنے سے

---

[1] یہ تمام سوانحی حالات راقم الحروف کو خود میمن عبدالمجید سندھی صاحب نے ازراہ کرم تحریری شکل مین فراھم کیے ھین ۔

مجھے بھی سندھی زبان وادب سے دلچسپی پیدا ہوگئی ۔ اور سید خادم حسین شاہ صاحب نے مجھے پیار سے " سندھی " کہنا شروع کیا ۔ آگے چل کر ذہنی طور پر میں نے اپنے عزیز دوست کے اس خطاب کو قبول کرلیا اور اپنے نام کے ساتھ "سندھی " لکھنا شروع کیا ۔ "

میمن عبدالمجید سندھی صاحب نے سندھی شاعری اپنے عربی کے استاد مولانا نورالدین نور سے سیکھی ۔ وہ اچھے شاعر اور علم عروض کے ماہر تھے ۔ ان سے میمن عبدالمجید سندھی صاحب نے علم عروض بھی سیکھا اور مشاعروں میں شعر کہنے لگے ۔ ۱۹۵۳ء سے آپ کی ادبی زندگی باقاعدہ شروع ہوئی ۔ ان کا پہلا مضمون ۲ اگست ۱۹۵۳ء کو " ایک گم نام صوفی شاعر حافظ ھادی ڈنو " پر روزنامہ الوحید کراچی میں شائع ہوا ۔ پھر برابر اس میں ان کے مضامین شائع ہونے لگے ۔ ماہنامہ " نئین زندگی " میں مئی ۱۹۵۳ء میں ان کا پہلا افسانہ شائع ہوا اور پھر مسلسل اس میں شائع ہونے لگے ۔ میمن عبدالمجید سندھی صاحب نے مجھے جو تحریری حالات فراہم کیے ہیں اس میں بہت سے رسائل اور اخبارات کا نام بھی لکھا ہے ۔ جس میں ان کے مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں :۔

(۱) روزنامہ نوائے کوئٹہ اور ماہنامہ نئین زندگی (۲) روزنامہ مہران
(۳) روزنامہ نوائے وقت (۴) روزنامہ کاروان (۵) روزنامہ ہلال پاکستان
(۶) ہفت روزہ آزاد کراچی (۷) ماہنامہ ذوالفقار ٹنڈو باگو
(۸) ماہنامہ گل دستہ خیرپور میرس (۹) ماہنامہ ادا نواب شاہ
(۱۰) ماہنامہ روح ادب حیدرآباد (۱۱) ماہنامہ رہبر ڈائجسٹ

میمن عبدالمجید سندھی صاحب نے سندھی کے ساتھ ساتھ اردو زبان مین بھی مضامین ۱۹۵۳ء ھی سے لکھنا شروع کر دیا تھا ۔ چنان چہ ان کا پہلا مضمون سندھ کے اردو شاعر حضرت قادر بخش بیدل پر سہ ماھی اردو نامہ جنوری تا مارچ ۱۹۶۳ء مین شائع ھوا ۔ اس کے بعد سہ ماھی اردو، ماھنامہ استقلال لاھور، ماھنامہ بلوچی دنیا ملتان، ماھنامہ ماہ نو، سہ ماھی بصائر کراچی، سہ ماھی العلم، ماھنامہ الرحیم، مین ان کے مقالے اور مضامین اکثر شائع ھوتے رھتے ھین ۔ اسلامی تعلیم کے متعلق ان کے تین کتابچے (۱) اسلام اور تعلیم (۲) اسلام اور اخلاقی اقدار (۳) اسلام اور مساوات ۔ یہ تمام عالمی ادارہ، اشاعت علوم اسلامیہ، چھیلک ملتان کی طرف سے شائع ھوئے ھین ۔ فرینکلن پبلیکیشن کی طرف سے شائع ھونے والی اردو انسائیکلوپیڈیا مین بھی ان کے کچھ مقالے شامل کئے گئے ھین ۔ آج کل پنجاب یونیورسیٹی کے شعبۂ دینیات کی طرف سے " انڈو پاک کی تاریخ ادبیات " کئی جلدون مین شائع ھو رھی ھے اس مین "بلوچی ادب کی تاریخ " اور "سندھی ادب کی تاریخ " پر میمن صاحب کے کئی مقالے شامل کئے گئے ھین ۔

میمن عبدالمجید سندھی صاحب کی فراھم کردہ اطلاع کے مطابق اب تک سندھی زبان مین ان کی ۲۵ کتابین شائع ھوچکی ھین جن مین یہ چند خاص طور پر قابل ذکر ھین :-

(۱) ملا نصیرالدین (۲) گوہر (۳) تذکرہ شعرائے سکھر (۴) تذکرہ شہباز
(۵) کریم جو کلام (۶) دیس دیس جون کہانیون (۷) فکر لطیف
(۸) فکر بیدل (۹) سندھی علم ادب (۱۰) ذکر اشرف وغیرہ ۔

میمن عبدالمجید سندھی صاحب کا ایک اہم مقالہ "سندھ کے سہروردی مشائخ مشائخ
کے عنوان سے پانچ شمارے مین رسالہ الرحیم مین شائع ہوا ہے [1] ۔ اس مین
انھون نے سندھ کے سہروردی مشائخ پر تحقیقی کام کیا ہے ۔ ان کے روحانی برکات
اور ادبی خدمات کا بھی تذکرہ کیا ہے ۔ اس مین ان مشائخ کی تعلیمات اور تصانیف
سے متعلق تذکرہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہین :-

[2] قدیم زمانے مین سندھی علماء صرف عربی اور فارسی مین کتابین تصنیف کیا کرتے تھے ۔ مخدوم ضیاء الدین کے زمانے مین مخدوم ابوالحسن ٹھٹوی نے مذہبی کتب سندھی زبان مین لکھنے کی ابتدا کی ۔ آپ نے ۱۷۰۰ھ مین "الف اشباع" کی صنف نظم مین ایک ضخیم کتاب "مقدمۃ الصلوٰۃ" تصنیف کی جو نماز کے مسائل کے متعلق ہے ۔ مخدوم ابوالحسن کے بعد مخدوم ضیاء الدین دوسرے عالم ہین جنھون نے فقہی مسائل کے متعلق سندھی مین ایک کتاب تصنیف کی جو مخدوم ضیاء الدین سندھی کے نام سے مشہور ہے ۔ اس کے بعد حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی اور دوسرے علماء نے سندھی مین مذہبی کتابین لکھین ۔ مخدوم ضیاء الدین نے لکھنے کا سبب یہ بیان فرمایا ہے کہ مین نے دینی مسائل سندھی مین اس لیے لکھے ہین کہ سندھی آسان ہے اور سب آسانی سے پڑھ سکین گے ۔ "

نمونۂ نثر کے طور پر میمن عبدالمجید سندھی صاحب کے ایک مضمون "میر حیدرالدین کامل ـــــ سندھ کے ایک اردو شاعر" سے کچھ اقتباس درج ذیل ہے :-

---

[1] رسالہ الرحیم حیدرآباد شمارہ بابت ماہ مارچ، مئی، اگست، ستمبر، نومبر ۱۹۶۲ھ
[2] رسالہ الرحیم بابت نومبر ۱۹۶۲ھ ص ۵٦

[1] " میرکامل کا دور وہ ہے جب سندھ مین مغلون کا زوال ہوا اور کلہوڑے حکم ران ہوئے ۔ اس سے پہلے مغلون کے دور مین سندھ مین ہندوستان سے صوبے دار آتے رہتے تھے ۔ خود آپ کے دادا میر ابوالقاسم بھی ہندوستان سے صوبے دار ہوکر سندھ مین آئے ۔ اسی لیے اس دور مین بہت سے اردو شعراء سندھ مین آئے ۔ مثلاً " محمد سعید راہبر (۱۱۳۷ ۔ ۱۱۲۳ ھ) کولیار سے نواب سیف اللہ کے ساتھ آئے ۔ میر جعفر علی بے نوا، نواب مبابت خان کاظم کے دور مین ٹھٹھ مین آئے ۔ محسن الدین شیرازی (۱۱۷۳ ھ) ٹھٹھ مین آئے اور میر قانع سے ملاقات کی ۔ عمادالملک نواب غازی الدین خان فیروز جنگ (۱۱۹۵ ھ) مین ٹھٹھ مین آئے ۔ سید عبدالجلیل بلگرامی، سید محمد بلگرامی اور میر غلام علی آزاد بلگرامی وقائع نویس (۱۱۱٦ ۔ ۱۱۲۵ ھ) مین سندھ آئے اور بکھر اور سیوھن مین رہے ۔ یہ سب فارسی کے شاعر ہونے کے علاوہ اردو شاعر بھی تھے ۔ ان کے علاوہ خود صوبہ دار بھی اردو شاعر تھے ۔ "

میمن عبدالمجید سندھی کا انداز تحریر عالمانہ اور محققانہ ہے ۔ سندھی ان کی مادری زبان ہے اور بلاشبہہ وہ اس کے مشہور ادیب اور شاعر ہین لیکن اردو زبان و ادب پر بھی ان کو کم قدرت اور مہارت حاصل نہین ۔ زیادہ تر وہ تصوف اور ادب پر تحقیقی مقالے لکھتے ہین اور پورے اعتماد سے لکھتے ہین ۔ ان کی اردو تحریر کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ انھین سندھی سے کم نہین اردو زبان سے محبت اور دلچسپی ہے ۔

---

[1] اسلامیہ کالج میگزین، سکھر بابت ٦۲ ۔ ۱۹٦۳ء، مطبوعہ اتحاد پریس سکھر، ص ۳۵

وہ فطرت کی طرف سے علمی اور ادبی دماغ لے کر پیدا ہوئے ہیں ۔ لکھنا پڑھنا ان کا اوڑھنا بچھونا معلوم ہوتا ہے اور ان کی زندگی کا غالباً " سب سے بڑا مقصد علم و ادب کی خدمت کرنا ہے ۔ سندھی اور اردو زبان و ادب کی ان سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں ۔

آصف جیلانی

* آصف جیلانی کا آبائی وطن ودھن مہر ، ضلع سکھر ہے ۔ آپ کے والد ماجد عبدالواحد سندھی بچوں کے ادیب کی حیثیت سے بڑی مقبول شخصیت کے مالک ہیں ۔ عبدالواحد سندھی صاحب ایک مسلم راجپوت خاندان کے فرد ہیں ۔ انھوں نے عرصہ تک جامعہ ملیہ دہلی میں رہ کر بچوں کے ذہنی ارتقا میں مدد کی ہے اور آج بھی جامعہ ملیہ کراچی میں بچوں کا رسالہ نکال رہے ہیں اور ان کے لیے کتابیں لکھتے رہتے ہیں ۔

آصف جیلانی صاحب ۱۹۳۲ء میں علی گڑھ میں پیدا ہوئے ۔ ان کی ابتدائی تعلیم جامعہ ملیہ دہلی میں ہوئی ۔ میٹرک سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی سے ۱۹۵۲ء میں اور بی ۔ اے سندھ مسلم کالج سے ۱۹۵۵ء میں پاس کیا ۔ بی ۔ اے کے بعد یہ صحافت کی طرف چلے گئے اور روزنامہ امروز میں رپورٹر کی حیثیت سے ملازم ہوگئے ۔ ۱۹۵۸ء میں اخبار جنگ کے نمائندہ کی حیثیت سے دہلی گئے اور ۱۹۶۵ء کی

پاک و بھارت جنگ میں بھارت میں گرفتار کر لیے گئے تھے ۔ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں رہا ہوکر پاکستان آئے ۔ اور نومبر ۱۹۶۵ء میں اخبار جنگ کے نمائندہ کی حیثیت سے لندن چلے گئے اور ابھی تک اسی سے وابستہ ہیں ۔ اخبار جنگ اور اخبار جہاں ہفت روزہ میں برابر رپورٹر اور مضمون نگار کی حیثیت سے ان کی تحریریں شائع ہوتی رہتی ہیں ۔

آصف جیلانی صاحب کا ننھیال علی گڑھ ہے ۔ وہیں خالہ زاد بہن محسنہ بیگم سے ان کی شادی ہوئی جو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون ہیں ۔ "[1]

۱۹۷۲ء کے اپریل میں ان کا ایک دلچسپ مضمون " صدر بھٹو روس سے کیا لائے " شائع ہوا ہے ۔ اس سے کچھ اقتباس نمونۂ تحریر کے طور پر درج ذیل ہے :۔

[2] " صدر بھٹو کا بوئنگ طیارہ جب ماسکو کے ہوائی اڈہ نمبر ۲ پر اترا تو اس وقت دور دور تک میدان اور عمارتیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں اور یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں ۔ ماسکو کا یہ سرد موسم اور ہوائی اڈے پر روس کے وزیر اعظم کوسگین اور دوسرے وزرا کی طرف سے پاکستان کے صدر کا سرد خیر مقدم نہ صرف سوویت یونین اور پاکستان کے پچھلے ایک سال کے کشیدہ تعلقات کا مظہر تھا بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ روسی لیڈروں سے بات چیت میں صدر بھٹو کو برف کے کتنے بڑے بڑے تودوں کو کاٹنا پڑے گا ...... ماسکو آمد کے فوراً بعد کریملن میں صدر بھٹو اور روس کے وزیر اعظم کوسگین کے درمیان

---

[1] یہ عام سوانحی حالات راقم الحروف کو محترم عبدالواحد سندھی صاحب نے فراہم کیے ہیں جس کے لیے میں ان کا شکرگذار ہوں ۔

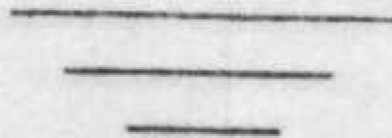
[2] اخبار جہاں ہفت روزہ بابت ۵ اپریل ۱۹۷۲ء ص ۵

پہلی ملاقات بڑی کٹھن رہی ۔ نہ صرف اس وجہ سے کہ پیچیدہ مسائل سے بھرپور غیر معمولی حالات اور روس پاکستان کے درمیان گذشتہ ایک سال کی باہمی رنجشوں اور شکوک و شبہات سے اٹی ہوئی فضا میں صدر بھٹو کا روسی لیڈروں سے پہلا رابطہ تھا بلکہ ایک بڑا سبب اس کا وہ طویل خط تھا جو بھارت کی وزیر اعظم مسز گاندھی نے عین مسٹر بھٹو کے دورہ ماسکو کے موقع پر روس کے وزیر اعظم کوسگین کو بھیجا تھا ۔ مقصد مسز گاندھی کے اس خط کا چاہے جو بھی ہو لیکن نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ صدر بھٹو اور وزیر اعظم کوسگین کے درمیان بات چیت کا پہلا دور دھندلا دھندلا سا رہا ......

صدر بھٹو اور وزیر اعظم کوسگین کے درمیان بات چیت کا یہ تعطل دوسرے روز صدر بھٹو اور کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکرٹری مسٹر برزنیف کے درمیان تین گھنٹے کی بات چیت کے بعد ٹوٹا ....
ماسکو میں چوالیس گھنٹے کے قیام کے بعد جس کے دوران صدر بھٹو نے روسی لیڈروں سے دس گھنٹے سے زیادہ بات چیت کی ہفتہ کی صبح کو روانگی کے وقت گو ماسکو کا ایک بڑا حصہ برف سے بدستور ڈھکا ہوا تھا لیکن یخ بستہ ہواؤں کی رفتار قدرے تیز ہوگئی تھی ۔ اگر موسم پر سیاسی موسم کا کوئی اثر ہے تو اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ پاکستان اور روس کے درمیان یخ بستہ تعلقات کی برف پگھلی ہے اور تیز و تند ہوائیں نئے تعلقات کا پیش خیمہ ہیں ۔ "

آصف جیلانی صاحب کا ننھیال علی گڑھ ہے جو اردو نشاۃ الثانیہ کا منبع سمجھا جاتا ہے ۔ آپ کے والد سندھی ہونے کے باوجود اردو کے صاحب طرز ادیبوں

مین شمار کیے جاتے ہین ۔ تعلیم و تربیت بھی جامعہ ملیہ دہلی اور کراچی مین ہوئی ۔ نتیجہ مین ان کی اردو تحریر جیسی ہونی چاہئے تھی وہ ہے ۔ ان کی اردو نثر نگاری اور اردو سے ان کی گہری دلچسپی توقع کے مین مطابق ہے ۔ وہ اردو بہت دل کش لکھتے ہین ۔ ان کی تحریر مین صحافتی رنگ کے ساتھ ساتھ ادبیت اور بے ساختگی پائی جاتی ہے ۔ ان کی کوئی کتاب میری نظر سے نہین گذری ہے ۔ ان کا انداز تحریر بتاتا ہے کہ وہ سیاسی یا تاریخی موضوعات پر جو کچھ بھی لکھین گے بہت خوب لکھین گے ۔



غلام احمد بدوی

" غلام احمد بدوی کے والد ماجد لطف اللہ بدوی مرحوم ایک ذی علم اور صاحب دل بزرگ تھے ۔ سندھ میں آپ کی علم دوستی اور اردو زبان و ادب سے دلچسپی خاص طور پر یاد کی جاتی ہے ۔ غلام احمد بدوی صاحب کی پیدائش ۱۹۳۲ء میں شکارپور، (سندھ) میں ہوئی ۔ والد کے زیر تربیت ادبی اور علمی ماحول میں پرورش پاتے رہے ۔ ابتدائی تعلیم کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول شکارپور میں داخل ہوگئے اور یہیں سے ۱۹۵۰ء میں میٹرک پاس کیا ۔ کچھ دنوں تک اسی اسکول میں ڈرائنگ ٹیچر کی حیثیت سے ملازم رہے پھر کالج میں داخل ہوگئے اور ۱۹۵۶ء میں بی ۔ اے (آنرز سندھی) میں کیا ۔ ۱۹۶۰ء میں سندھ یونیورسٹی سے سندھی میں ام ۔ اے کیا ۔ ان دنوں وہ " شاہ عبداللطیف بھٹائی اور ان کے ہم عصر اردو شعراء " پر پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے لیے اردو میں مقالہ لکھ رہے ہیں اور گورنمنٹ کالج، شکارپور میں لکچرار کے فرائض انجام دے رہے ہیں ۔ " [1]

---

[1] حالات زندگی راقم الحروف نے خود غلام احمد بدوی صاحب سے مل کر حاصل کیے ۔

غلام احمد بدوی صاحب کو ادب سے دلچسپی اور اس کی خدمت کا جذبہ اپنے والد سے ورثہ میں ملا ہے ۔ سندھی اور اردو دونوں زبان پر آپ کو پوری قدرت حاصل ہے اور برابر کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہتے ہیں ۔ ابھی کوئی تصنیف آپ کی نہیں نکلی ہے لیکن دوران ملاقات آپ کے زیر ترتیب مقالات کے کچھ مسودے میری نظر سے گذرے ہیں جن میں سے بعض چیزیں مجھے بہت پسند آئیں ۔ " عرب اور سندھ کے تعلقات " پر آپ کے مقالے سے کچھ اقتباسات میں نے لے لیے تھے وہ یہاں پیش کرتا ہوں :-

[1] " عرب اور سندھیوں میں قریب تر معاشرتی رشتے پیدا ہوئے ۔ متعدد شادیاں اور باہمی رشتے ہونے لگے ۔ سندھ کی شرافت اور غیرت سے بڑے بڑے عرب خاندان متاثر ہوئے جنہوں نے باہمی طور پر شادیاں کیں ۔ ایک عرب محقق و مورخ ابن قتیبہ اپنی تصنیف " کتاب المعارف کے صفحہ ۱۱۰ پر لکھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند حضرت محمد کی والدہ سندھی خاتون تھیں ۔ حضرت امام زین العابدین اور امام زید بن حسین کی والدہ بھی سندھی تھیں ۔ بنی امیہ کے مشہور جنرل مہلب کے دو بہادر بیٹوں مفضل اور عبدالملک کی والدہ بھی سندھی عورت تھیں جن کا نام بحلی تھا ۔ بنو امیہ کے آخری کماشر (حکمران) یزید بن عمر کی والدہ بھی سندھی تھیں جو نہایت حسین تھیں اور جن کے قتل پر ابوعطا سندھی نے عربی زبان میں ایک بے نظیر مرثیہ لکھا جو عربی شاعری کا نادر نمونہ تھا ۔ اس باہمی

---

[1] ازمسودہ قلمی غلام احمد بدوی ص ۲ ۔ ۱۲

میل جول سے سندھی زبان پر عربی زبان کا اثر ہوا ۰۰۰۰۰۰۰۰۰
بدوی عرب تمدن کی خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ ان افراد کو
بدوی زندگی کی جزئیاتی ہر چیز کا علم تھا ـ وہ اپنے وطن کے
ریت کے ذرے ذرے سے آشنا تھے لہذا بدوی تمدن کا مکمل عکس
سندھ کی دھقانی زندگی میں موجود نظر آتا ہے، وہی جہد و جرات
وہی ہیئت و شرافت ـ "

غلام احمد بدوی صاحب کے مضامین اکثر مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں ـ گورنمنٹ کالج، شکارپور کے میگزین، نخلستان میں آپ کا ایک مضمون " میر علی نواز علوی، اردو زبان کے سندھی شاعر " کے عنوان سے شائع ہوا ہے ـ نمونۂ نثر کے طور پر ہم اس سے کچھ اقتباسات درج ذیل کرتے ہیں :ـ

[1] " میر علی نواز علوی، شکارپور کے برگزیدہ علوی خاندان کے ممتاز فرد تھے ـ
آپ کے جد اعلیٰ حضرت فقیراللّٰہ صاحب علوی نقشبندی بڑے پایہ کے
بزرگ ہیں ۰۰۰۰۰۰۰۰ عربی، فارسی، سندھی اور اردو ادب پر
آپ کو کافی عبور تھا ـ دینی علوم میں آپ کی حیثیت اس وقت کے
علمائے کرام میں ممتاز مانی جاتی تھی ـ سالہا سال شکارپور کی میونسپلٹی
کے مختار کل رہے اور اس اقتدار کے زمانے میں آپ نے جو شہروالوں کی
خدمت کی وہ کبھی فراموش ہو نہیں سکتی ـ فارسی کلام کے علاوہ آپ
کے کلیات میں اردو کے کلام کا بھی کافی حصہ موجود ہے ـ جس کو دیکھ
کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ اردو زبان کے سرپرستوں میں تھے ـ اگرچہ
سندھ میں صحیح اردو زبان میں میر عبدالحسین خان سانگی اور حضرت

---

[1] نخلستان ـ گورنمنٹ کالج شکارپور ـ بابت ۱۹۶۶ء ص ۵۲ ـ ۵۷

قادر بخش بیدل نے اپنے اشعار کی بنیاد رکھی لیکن ہم میر صاحب کے کلام کو دیکھ کر یہ کہنے کی جرات کرسکتے ہین کہ آپ بھی اپنے معاصرون مین کسی طرح کم نہ تھے ....
شکار پور کی دور افتادہ بستی سے اردو کی یہ صدائین آج سے نصف صدی پیشتر اٹھتی ہوئی دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اردو سندھ مین اتنی ہی قدیم ہے جتنی ہندوستان مین ـ "

غلام احمد بدوی صاحب ایک ہونہار ادبی مذاق رکھنے والے نوجوان ہین ـ ابھی ان کی اردو تحریر مین وہ بے ساختگی نہین آئی ہے لیکن خاصی روان اور اچھی لکھتے ہین ـ ان سے سندھی اور اردو دونون زبان و ادب کی بہت زیادہ توقعات وابستہ ہین ـ



عبدالرزاق شاہد سومرو

* عبدالرزاق شاہد سومرو کے والد واحد بخش سومرو کا تعلق سومرا حکم ران خاندان سے تھا ۔ سومرا خاندان کے زوال کے بعد واحد بخش سومرا کو بھی برے وقت دیکھنے پڑے اور انہوں نے بڑی محنت اور مشقت سے زندگی گذاری ۔ عبدالرزاق شاہد سومرو اپنے آبائی گاؤں ٹھٹھہ گوٹھ ضلع سکھر (سندھ) میں ۵ مئی ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے تھے ۔ ابتدائی تعلیم ریلوے ہائی اسکول سکھر میں حاصل کی ۔ ۱۹۵۹ء میں ادیب اردو کا اور ۱۹۶۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرکے کالج میں داخل ہوگئے ۔ ۱۹۶۷ء میں سندھ یونیورسٹی سے اردو میں ام ۔ اے کیا ۔

اپنے استادوں میں وہ مولوی برکت علی صاحب کے مذہبی خیالات اور سادہ زندگی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ مذہب کے معاملے میں خاصے جذباتی ہیں ۔ سندھی آپ کی مادری زبان ہے لیکن اردو ان کو سندھی سے کم عزیز

نہین - اردو شعر و ادب سے ان کو خاص دلچسپی ہے - وہ مضامین بھی لکھتے
ہین اور فکر سخن بھی کرتے ہین - اردو شاعری مین انھون نے حکیم شمس الحسن
حیدرآبادی سے اصلاح لیا ہے اور خوب کہتے ہین - اردو نثر پر ان کو پوری دسترس
حاصل ہے - مضامین کے علاوہ ان کی اردو مین دو تصانیف بھی ہین - آج کل وہ
" سینٹ زیویرس اسکول " سکھر مین استاد کے فرائض انجام دے رہے ہین - "[1]

اردو زبان کے وہ بڑے حامی اور ہمدرد ہین - دوران گفتگو کہنے لگے کہ
" اردو سندھ کی قومی زبان ہے اور اسے سندھ مین پروان چڑھنا ہے - چند غیرمحب
وطن عناصر اردو کی مخالفت کرتے ہین ورنہ تمام سندھی اس زبان کو بولتے اور سمجھتے
ہین اور اپنی قومی زبان سمجھتے ہین - "

عبدالرزاق شاہد سومرو کی ادبی زندگی بچپن ہی سے شروع ہوگئی تھی -
کالج مین آنے کے بعد وہ اردو مین بھی مضامین لکھنے لگے - ایک موقع پر کہنے
لگے کہ " اردو سے میرا تعلق بچپن سے ہے گرچہ میری مادری زبان سندھی ہے - "
مغربی پاکستان کی علمی و ادبی انجمن " ارباب قلم " کے یہ سرگرم ممبر ہین -
اور رسالہ ارباب قلم مین ان کے اردو مضامین برابر شائع ہوتے رہتے ہین -

عبدالرزاق شاہد سومرو کی دو تصانیف مین سے ایک " ممتاز علمی مضامین " کے
نام سے ۱۹۶۹ء مین سکھر سے شائع ہوچکی ہے اور دوسری " حیات بیدل اور ان

---

[1] تمام سوانحی حالات راقم الحروف نے خود عبدالرزاق شاہد سومرو سے مل کر
حاصل کیے ہین -

کی اردو شاعری " ابھی غیر مطبوعہ ہے ۔ کتاب " ستارِ علمی مضامین " کو انھون نے قوم کے ان نونہالون کے نام معنون کیا ہے جنھین اپنی قومی زبان سے محبت ہے ۔ یہ کتاب ثانوی اور اعلیٰ ثانوی جماعتون کے طلبہ کے فائدے کے پیش نظر بھی لکھی گئی ہے ۔ اس کتاب مین کچھ تو عام مضامین ہین جیسے " اردو ہماری قومی زبان ہے " " دولت تمام برائیون کی جڑ ہے " مخلوط تعلیم ' سائنس کی تباہ کاریان وغیرہ اور بقیہ اردو شعراء اور نثر نگارون کے حالات زندگی اور ان کی شاعری اور نثر نگاری سے متعلق ہین ۔ شاعرون مین میر تقی میر سے لے کر حفیظ جالندھری تک اور نثر نگارون مین میر امن سے سید سلیمان ندوی تک کے تمام اہم شعراء اور نثرنگارون کو اس کتاب مین شامل کرلیا گیا ہے ۔ ان کے انداز تحریر کو سمجھنے کے لیے ان کے ایک دو مضامین کے اقتباسات درج ذیل ہین ۔ اپنے مضمون " اردو ہماری قومی زبان ہے " مین ایک جگہ لکھتے ہین :۔

> ؎[1] " قوم کی تشکیل زبان سے ہوتی ہے اور قومی زبان کے بغیر کوئی قوم ترقی نہین کرسکتی اور پھر یہ کہ اردو ہماری اپنی زبان ہے ۔ اس زبان کو ہمارے اسلاف بولتے چلے آئے ہین ۔ اس زبان مین ہمارے ادباء اور ہمارے شعراء کا علمی اور ادبی سرمایہ موجود ہے اور اسی علمی سرمایہ کو پڑھ کر ہمارے اندر علمی اور سیاسی شعور پیدا ہوا ۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ مین اسی زبان کے ترانون نے قوم مین جوش و خروش

؎[1] ستارِ علمی مضامین از عبدالرزاق شاهد سومرو ص ۱۸ ۔ ۱۹ مطبوعہ ۱۹۶۹ء

پیدا کیا ۔ اس کا لوہا دوسری قومین بھی مانتی ہین ۔ اس زبان مین
ایک ایسا لوچ اور سہلا پن ہے کہ انسان اعتراف کیے بغیر نہین
رہ سکتا ۔"

شاعرون مین نظیر اکبرآبادی پر انھون نے اس طرح اپنی رائے پیش کی ہے :-

ا؎ "نظیر کا کلام اپنے وقت اور اپنے ماحول کا آئینہ ہے ۔ وہ خیالات
کے شاعر نہین بلکہ واقعات کے شاعر ہین ۔ انھون نے وہی کچھ
نظم کیا ہے جو انھون نے اپنی آنکھون سے دیکھا ہے ۔ نظیر کو
واقعہ نگاری اور مرقع نگاری پر بڑی قدرت حاصل تھی ۔ وہ جس چیز
کو دیکھتے تھے اس کی ہو بہ ہو تصویر اتار کر رکھ دیتے ۔ برسات کی
بہارین ، ہولی ، عیدالفطر ، بنجارہ نامہ ، شب برات اور آدمی نامہ
واقعہ نگاری اور منظر نگاری کی بہترین مثالین ہین ۔ نظیر نے ہر
صنف سخن مین طبع آزمائی کی ہے ۔ ان کی شاعری داخلی اور خارجی
دونون حیثیتون سے مکمل ہے ۔ ان کا کلام صنائع بدائع سے مالا مال ہے
ان کو زبان پر بڑی قدرت حاصل تھی ۔ ظرافت ، سوز و گداز ، ترنم اور
روانی ان کے کلام کی خصوصیات ہین ۔"

عبدالرزاق شاھد سومرو صاحب کی دوسری تصنیف جو ابھی مسودے کی شکل مین ہے اور
ان کی مہربانی سے مجھے دیکھنے کا موقع ملا ہے ، سندھ کے مشہور صوفی شاعر بیدل
کی سوانح حیات اور اردو شاعری سے متعلق ہے ۔ اس مین انھون نے اس صوفی شاعر کی
تمام تصنیفات اور بالخصوص اردو شاعری پر خاطر خواہ بحث کی ہے ۔ ان کی شاعری سے

ا؎ ممتاز علی مضامین ص ۱۰۹

ایک جگہ لکھتے ہیں :-

سلہ " بیدل کو روحانی فیض اور ذوق شعری حضرت عثمان قلندر لعل شہباز کے روضہ کی زیارت کے بعد نصیب ہوا ۔ اس سے پہلے یہ کہیں معلوم نہیں ہوتا کہ بیدل نے شعر کہے ہیں یا نہیں ۔ لیکن آپ جب قلندر شہباز کے روضے پر پہنچے تو آپ پر بے ہوشی طاری ہوجاتی ہے اس عالم میں پانچ چھ روز وہ روضہ میں پڑے رہے ۔ جب ہوش آیا تو مجذوب بن چکے تھے .... بہرحال یہ قصہ جس طرح بیان کیا گیا ہے ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہے ۔ ہماری بحث بیدل کے ذوق شعری سے ہے ۔ اور یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ بیدل کو ذوق شعری قلندر شہباز کے فیض روحانی سے نصیب ہوا ۔ آپ کو جب ہوش آیا تو آپ نے دو غزلیں کہیں ۔ ان میں سے ایک اردو اور دوسری فارسی میں تھی .... "

" زبان کے لحاظ سے بیدل کا مقابلہ اردو کے پہلے دور کے شعرا سے کیا جاسکتا ہے ۔ لیکن مضمون، فکر اور خیالات کی بلند پروازی وہی ہے جو آپ کے سندھی اور سرائیکی اشعار میں ملتی ہے ۔ آپ کا اردو کلام زندگی کا آئینہ دار ہے کہ سوز و ساز سے بھرپور ہے کہ نہایت موثر اور پردرد ہے ۔ اشعار میں مسائل تصوف اور خصوصا " وحدت الوجود اور ہمہ اوست کی تلقین ہے ۔ جا بجا " وحدت الوجود " " ہمہ اوست " " وحدت و کثرت " "حسن وعشق " اور " فراق و وصال " کا ذکر ملتا ہے جو خالص صوفیانہ ہیں ۔ "

سلہ حیات بیدل اور ان کی شاعری از عبدالرزاق شاہد سومرو (قلمی) ص ۲۲ تا ۲۵

جیساکہ مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے عبدالرزاق صاحب کی تحریر مین روانی اور پختگی پائی جاتی ہے ۔ ان کی زبان سادہ اور شگفتہ ہے ۔ اسلوب تحریر مین بے ساختگی پائی جاتی ہے جو چیز پیش کرتے ہین سلجھے ہوئے اندازمین پیش کرتے ہین ۔ عربی فارسی کے ثقیل الفاظ ان کے یہان کہیا نہین ملتے ۔



سلیمان طاھر

سلہ[1] " سلیمان طاھر صاحب کی پیدائش ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء کو بہ مقام "گوٹھ ابراھیم الدھر" تحصیل سکھر، سندھ میں ھوئی تھی ۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد نورمحمد صاحب سے حاصل کی جو اپنے وقت کے ایک ذی علم شخص تھے ۔ پھر جامعہ دارالھدیٰ، ٹھیڑی (خیرپور) سندھ سے فارغ التحصیل ھوئے ۔ اور علوم دینیہ کی سند حاصل کی ۔ کچھ عرصے تک آپ نے سراج العلوم سرگودھا اور دارالعلوم راولپنڈی میں بھی پڑھا ھے ۔ تعلیم کے دوران ھی آپ تحریک اسلامی سے متاثر ھوگئے تھے ۔ ۱۹۶۲ء میں باقاعدہ جماعت اسلامی میں شامل ھوئے اور ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۱ء تک جماعت اسلامی ضلع سکھر کے امیر رھے ۔ "

سلیمان طاھر صاحب کی مادری زبان سندھی ھے لیکن آپ کو سندھی زبان و ادب کے ساتھ اردو زبان و ادب اور اسلامی اقدار سے بھی بے انتہا محبت ھے ۔ اردو زبان پر آپ کو پوری دسترس حاصل ھے اور بڑی شستہ، شگفتہ اور دل کش اردو لکھتے ھیں ۔

سلہ[1] حالات زندگی راقم الحروف نے سلیمان طاھر صاحب سے خود مل کر حاصل کیے ۔

آپ زیادہ تر مذھبی اور علمی موضوعات پر لکھتے ھین ۔ آپ کے مضامین ماھنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی اور ھفت روزہ ایشیا لاھور مین اکثر شائع ھوتے رھتے ھین ۔ آپ نے "محمد بن قاسم سندھی ادبی سوسائٹی سندھ" کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا ھے جس کا مقصد سندھی ادب کی اشاعت اور اسلامی اقدار کی حفاظت ھے ۔ اس ادارے کے تحت اس وقت تک گیارہ کتابین شائع ھوچکی چکی ھین ۔[1]

آپ کے نمونۂ نثر کے لیے " اخلاق نبویؐ "کے عنوان سے آپ کے ایک مضمون کا اقتباس جو ھفت روزہ ایشیا مین چھپا ھے درج ذیل ھے :۔

[2]" نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی دعوت حق پر لبیک کہنے والے صرف غربا ھی نہین تھے بلکہ رئیس التجار، سردار قوم، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے اور قوم کے مفکر مدبر اور فلسفی انسان سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تھے ۔ اور بنی عیمہ قبیلہ کا جنگ جو اور نہایت جری انسان اور خدا کی چمکتی ھوئی تلوار خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے ۔ ان کو کس چیز نے آپ کے پیچھے کردیا تھا ؟ کیا کسی نے جبر کیا تھا ؟ کیا کسی ڈر کی وجہ سے آئے تھے ؟ نہین اور ھرگز نہین ۔ یہ ایک اخلاقی قوت تھی اور آپ معدن اخلاق تھے ۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ کے گرد جمع ھوگئے تھے ۔ اس لیے ھی تو " بالمومنین رؤف الرحیم " کا خطاب خالق کائنات نے عطا فرمایا ھے ۔ "

---

[1] مولانا سلیمان طاھر نے گفتگو کے دوران بتایا ۔
[2] ھفت روزہ ایشیا لاھور ۱۹۶۰ء

ایک دوسرا مضمون آپ کا " علماے حق کا مقام " کے عنوان سے ماھنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی مین شائع ھوا ھے ۔ اس سے بھی تھوڑا سا اقتباس درج ذیل ھے :-

"[1] لیکن علمائے حق کا وہ طبقہ بھی ھمیشہ سے چلا آرھا ھے جن کا مقصد زندگی، اقامت دین اور احیائے اسلام کے لئے جدوجہد اور منکرین اسلام کے خلاف بروقت جہاد مین مشغول رھنا ھے ۔ وہ اپنے اپنے دور مین شرک و بدعات کی تاریکیون کو توحید و سنت کے نورانی کرنون سے روشن کرتے تھے ۔ ساری دنیا اگرچہ ان کی مخالفت کرتی رھی لیکن وہ اپنے منصب توحید سے ایک انچ پیچھے ھٹنا گوارا نہین کرتے ۔ اس سلسلے مین اگر ان کو قید و بند کی تاریک کوٹھریان اور پھانسی کے تختہ دار کا سامنا کرنا پڑا اور ننگے بدن پر درے کھانے پڑے تو انھون نے بہ طیب خاطر اس کو قبول کیا مگر غیراللہ کی اطاعت اور اللہ کے باغی اور نافرمان لوگون کی غلامی ھرگز برداشت نہین کی ۔

امام ابوحنیفہ امام مالک امام احمد بن حنبل مجدد الف ثانی امام ابن تیمیہ امام ولی اللہ دھلوی حضرت شاہ اسماعیل شہید وغیرھم کی دعوت عزیمت ان کے مجاھدانہ واقعات اس بات پر شاھد عدل ھین یہ مجاھدین امت پر طاغوتی طاقت اور ھر معبود باطل سے لڑنے کے عادی ھوچکے تھے ۔"

مولانا ایک سرگرم عمل اور پرجوش نوجوان ھین ۔ اردو زبان اور اسلامی اقدار کو ان سے کافی توقعات وابستہ ھین ۔

---

[1] ماھنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ۱۹۶۱ء

ظــفر حــســن

" ظفر حسن کے والد سید نذر علی شاہ " گوٹھ قطب شاہ " حیدر آباد (سندھ)
کے ایک خوش حال کھاتے پیتے گھرانے کے فرد تھے ۔ ظفر حسن صاحب کی پیدائش
۱۲ اگست ۱۹۳۷ء کو حیدر آباد (سندھ) میں ہوئی ۔ ابتدائی تعلیم کے بعد
نور محمد ہائی اسکول ، حیدر آباد میں داخل ہوگئے اور ۱۹۶۱ء میں ایم ۔ اے (جغرافیہ)
کر کے سندھ یونیورسٹی میں لکچرر ہوگئے اور اس وقت تک اسی پیشہ سے وابستہ ہیں " [۱]

ظفر حسن صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز کالج میں داخل ہونے کے بعد ۱۹۵۲ء
ہی سے ہوگیا تھا ۔ سندھی زبان میں آپ کا پہلا افسانہ اسی سال کالج میگزین میں
شائع ہوا تھا ۔ پھر وہ برابر لکھتے رہے ۔ جون ۱۹۵۶ء میں آپ کا مزاحیہ رنگ میں
ایک انشائیہ رسالہ چاند میں " ایڈیٹر کو خطوط " کے عنوان سے شائع ہوا ۔ پھر
نئی قدریں ، حیدر آباد میں آپ کے مسلسل افسانے شائع ہونے لگے جن میں نیند ،
ایسا ہی ہوتا ہے اور دوسرا گناہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

---

[۱] سوانحی حالات راقم الحروف نے خود مل کر ظفر حسن صاحب سے معلوم کیے ہیں

ظفرحسن صاحب نے کچھ سندھی افسانون کے اردو ترجمے بھی کیے ھین جن مین نسیم احمد کھرن کا "کافر" اور امرجلیل کے افسانے "عشق" اور "اشرپو" کو بہت مقبولیت حاصل ھوئی ـ یہ ترجمے بڑے کامیاب اور دل کش ھوئے ھین ـ ریڈیو پاکستان، حیدرآباد کے ادبی پروگرامون مین آپ کی تخلیقات اکثر نشر ھوتی رھتی ھین ـ

ظفر حسن صاحب اس وقت سندھی اور اردو زبان کے ھونہار اور ابھرتے ھوئے افسانہ نگار کی حیثیت سے افق ادب پر نمایان ھوئے ھین ـ آپ کے افسانون مین مقصدیت ھوتی ھے ـ آپ انسانی ذھن کی پیچیدگیون اور فرد کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ھوئے افسانے لکھتے ھین ـ آپ شاعر بھی ھین اور آزاد نظمین اور قطعات لکھتے ھین ـ نمونۂ تحریر کے طور پر آپ کے افسانہ "نیند" سے کچھ اقتباس درج ذیل ھے :-

[1] "زینہ اب بی ـ اے کے آخری سال مین تھی اور ابھی تک وہ اس کی شادی کا انتظام نہین کرسکا تھا ـ اس ایک فکر کے سامنے دوسرے تفکرات کوئی وقعت نہین رکھتے تھے ـ وہ سوچ رھا تھا کہ انسان کی زندگی مین وقت کی کتنی قدر ھے ـ وقت کے ساتھ انسان کے تقاضے بدلتے رھتے ھین، اصول بدلتے رھتے ھین ـ اس نے خود اپنے بارے مین یہی سوچا ـ اس نے زینہ کی مان سے کہا تھا کہ وہ زینہ کی شادی کسی اچھے کھاتے پیتے خاندان مین اچھی صورت و شکل کے لڑکے سے کروائے گا ـ وہ خاندان امیر ھوگا ـ لڑکا پڑھ لکھ کر اچھے عہدے پر فائز ھوگا اور نہ جانے کیا کیا ھوگا ـ لیکن اب جیسے جیسے وقت گذرتا

---

[1] ماھنامہ نئی قدرین حیدرآباد شمارہ ۵ ـ ٦ ۱۹٦۵ء

جا رہا تھا اس کے خیالات بدلتے جا رہے تھے ۔ خاندان ـــــ یہ خاندان
واندان کچھ نہین سب انسان برابر ہین ۔ آدمی کا اخلاق اچھا
ہونا چاہئے ۔ اعلیٰ خاندان کے آوارہ نوجوان سے معمولی خاندان
کا شریف لڑکا بدرجہا اچھا ہے ۔ دولت سے کیا ہوتا ہے ۔ وہ تو
آتی جاتی ہے ۔ بس اتنی تنخواہ ہونی چاہئے کہ اچھا کھا اور پہن
سکین ۔ دولت تو انسان کو خراب کردیتی ہے بلکہ دولت نہ ہو تو
اچھا ہی ہے ۔ "

ظفرحسن صاحب کی مادری زبان سندھی ہے اس کے باوجود ان کی اردو زبان مین جو صفائی اور روانی ہے وہ قابل تحسین ہے ۔ افسانہ نگاری کی موجودہ تکنک اور فنی معیار پر ان کے افسانے پورے نہین اترتے پھر بھی ان کے ذہن کا سلجھاؤ اور ادب کی جانب ان کا خلوص ہمین ان سے اچھی امیدین وابستہ رکھنے پر آمادہ کرتا ہے ۔ ابھی ان کے افسانون مین کچھ خامیان ہین لیکن ان کا خلوص، رجحان اور ذہنی صلاحیت بہت جلد ان پر قابو پالے گا ۔ زبان مین ان کے سادگی، صفائی اور روانی ضرور ہے لیکن افسانوی شعاس اور لپک نہین پائی جاتی بلکہ زبان پر صحافیانہ انداز زیادہ غالب ہے ۔ سندھی کے ساتھ اردو زبان و ادب کی بھی ان سے بہت زیادہ توقعات وابستہ ہین ۔

ممتاز مرزا

ممتاز مرزا سندھی زبان کے مشہور ادیب اور شاعر جناب مرزا گل حسن احسن کربلائی کے فرزند ہیں ۔ آپ کی پیدائش ٹنڈو آغا حیدرآباد میں ۱۹۳۷ء میں ہوئی ۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد نور محمد ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا ۔ پھر ایف ۔ اے ، بی ۔ اے کر لینے کے بعد سندھ یونیورسٹی سے ام ۔ اے کیا ۔ سندھ اورینٹل کالج سے ادیب فاضل کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا ۔

ادبی زندگی کا آغاز سندھی زبان میں افسانہ نویسی سے کیا ۔ " مہران " اور " نئین زندگی " میں آپ کے سندھی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ سندھی افسانہ نگاروں میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور پچاسی سے زائد افسانے رسائل میں ان کے چھپ چکے ہیں ۔

ریڈیو پاکستان حیدرآباد میں اسٹاف آرٹسٹ کی حیثیت سے ملازم ہیں اور ۱۹۵۷ء سے اردو میں بھی ڈرامے ، فیچر اور کہانیاں لکھنے لگے ہیں اور خوب لکھتے ہیں ۔ آپ کے اردو مضامین اور ڈرامے وغیرہ ریڈیو کے پندرہ روزہ رسالہ آہنگ اور نئی قدریں میں برابر چھپتے رہتے ہیں ۔ ان کے مضامین اور فیچر ریڈیو سے بھی شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ شہروں کی داستان کے سلسلے میں " سکھر " کا تعارف آپ نے جس انداز سے کرایا وہ مضمون

بہت زیادہ مقبول ہوا ۔

آپ کا ایک مضمون "سسی" جس میں ڈرامائی عنصر بہت زیادہ پایا جاتا ہے خواتین کے پروگرام "انجمن" میں شائع ہوا تو لوگوں نے اسے بہت زیادہ پسند کیا ۔اور ان کے دلکش اسلوب کا لوگوں نے اعتراف کیا ۔

آپ کی اردو نثر میں سادگی روانی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے ۔ محاورات اور ضرب الامثال کا استعمال بہت خوبصورتی اور چابک دستی سے کرتے ہیں ۔ نمونہ نثر کے طور پر ان کے مضمون سسی ہی سے چند سطور درج ذیل ہیں :۔

[1] " یہ اس کے مصائب کی ابتدا تھی ۔ اپنے والدین سے بچھڑ کر وہ ایک نئے ماحول میں رہنے لگی ۔ وہ "سسی" تھی ۔ وہ "سسی" جسے زندگی میں ایک لمحے کا سکون بھی میسر نہ ہوا ۔ ہر گھڑی ہر لمحہ اپنے ساتھ ایک نئی مصیبت لے کر آتا ۔ ایک دن کیچ مکران سے سوداگروں کا قافلہ آیا۔ جب یہ قافلہ بھنبھور پہنچا تو خوشبوؤں سے سارا شہر مہکنے لگا ۔مشک وغیرہ کی خرید و فروخت ہونے لگی ۔اس قافلے کا سردار کیچ مکران کے حاکم کا چھوٹا بیٹا "پنہوں" تھا ۔ جو سسی کے حسن و خوبصورتی کے چرچے سن کر سوداگر کے بھیس میں یہاں آیا تھا ۔حسن اتفاق سے اسی دن ملیا سسی بن ٹھن کر اپنی سہیلیوں کے ساتھ وہاں آئی تھی ۔ ایک دوسرے کو دیکھنے سے دلوں میں چھپی ہوئی ازلی محبت بھڑک اٹھی ۔ سسی کے رنج والم کے دن ختم ہوگئے ۔"

---

(۱) سندھ کے جدید اردو مصنفین ص ۱۹۳

آنسہ نور شاہین ہما

حیدرآباد کے سندھی اور ادبی حلقوں میں آنسہ نور شاہین ہما کا نام خاص طور پر مشہور ہے ۔ آپ کے آباو اجداد کابل سے سندھ آئے تھے ۔ اور وہاں کے "مرشد عبدالحکیم" کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔

آنسہ نور شاہین ہما حیدرآباد شہر میں ۸ / اگست ۱۹۳۷ء کو پیدا ہوئیں ۔ والدین نے پہلے بخت بلند نام رکھا لیکن اسکول میں داخل ہونے کے بعد جب سہیلیوں نے "بلند خان" کہہ کر چھیڑنا شروع کیا تو انہوں نے اپنی اسکول کی ہیڈ مسٹریس کے مشورے کے مطابق اپنا نام نور جہان رکھ لیا ۔

سندھ کے مشہور شاعر اور ادیب رشید احمد لاشاری سے ادبی رابطہ قائم ہونے کے بعد ان کے کہنے پر انہوں نے اپنا نام نور جہان نور شاہین رکھ لیا ۔ اور جب اردو شعر و سخن کے سلسلے میں حیدرآباد کے مشہور شاعر رشی جے پوری سے تلمذ حاصل ہوا تو انہوں نے نور شاہین ہما کر دیا ۔ آج کل ادبی دنیا میں اسی نام سے جانی پہچانی جاتی ہیں ۔

ابتدائی تعلیم سینٹ میری کانونٹ اسکول حیدرآباد میں حاصل کی ۔ ۱۹۵۲ء میں والد کے انتقال کی وجہ سے تعلیم رک گئی پھر ۱۹۶۵ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا ۔

خاصی مرنجان مرنج اور سنجیدہ خاتون ہین ـ

مضمون نگاری کا آغاز سینٹ میری اسکول مین تعلیم کے دوران کیا تھا اور اسکول میگزین مین انگریزی زبان مین مضامین لکھتی تھین ـ تعلیم سے فراغت کے بعد سندھی مین باقاعدہ لکھنے لگین ـ ۱۹٦۰ء سے اردو مین ان کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا ـ اور اب اردو مین نظم اور نثر دونون لکھتی ہین اور خوب لکھتی ہین ـ آپ کے مضامین اور افسانے اردو رسائل شمع دہلی اور تاج کراچی مین اکثر شائع ہوتے رہتے ہین ـ روزنامہ حریت مین بھی اکثر لکھتی رہتی رہی ہین ـ سندھی مین آپ کی کافی کتابین شائع ہوچکی ہین ـ

اردو زبان مین آپ کی مندرجہ ذیل کتابین ملتی ہین :-

(۱) نغمات ہما (۲) ایک حقیقت ایک افسانہ (ناول) (۳) افسانے

(۴) دشت جنون (مجموعہ کلام) (۵) رباعی (رباعیات) وغیرہ

نثر مین آپ تاریخی ادبی اور تنقیدی مضامین زیادہ لکھتی ہین ـ ادب مین آپ مقصدیت کی قائل ہین ـ اور موضوع کے لحاظ سے زبان استعمال کرتی ہین ـ انداز بیان شاعرانہ اور دلکش ہوتا ہے ـ تحریر مین روانی اور سلاست پائی جاتی ہے ـ نمونہ نثر کے طور پر بابا ذہین تاجی کے مجموعہ کلام آیات جمال سے کچھ سطرین درج ذیل ہین :-

"آیات جمال کے ہر شعر مین عجب کیف ہویدا ہے ـ یون معلوم ہوتا ہے کہ ہر شعر تو کیا اس کا ہر لفظ مہجوران دل کے شباب عشق کو رقصان کر رہا ہے ـ لکھنے والے نے صفحہ قرطاس پر گویا ایک کیف بکھیر دیا ہے کہ قارئین پڑھنے سے پہلے دل کو تھام لینے پر مجبور ہوجاتے ہین ـ آیات جمال صرف ترکیبی نام ہی نہین یہ اس خیال سے بھی انتہائی درست نام ہے کہ یہ عالم ہست و بود ایک ہی چیز کی مختلف اشکال کا آئینہ ہے ـ"[1]

---

(۱) ماہنامہ تاج کراچی ـ بہ حوالہ سندھی کے جدید اردو مصنفین از عبدالرشید خان تبسم ص ۱۸۱

نکہت پروین

محترمہ نکہت پروین نے اپنے گرامی نامے مین اپنے حالات اس طرح لکھے ھین :-

"[1] میرا نام نکہت پروین، مقام پیدائش سکھر، (سندھ) اور تاریخ پیدائش ۳۰ نومبر ۱۹۳۸ء ھے — میرے والد کا نام سید الطاف حسین شاہ بخاری اور آبائی وطن مڈل ایسٹ تھا — ابتدائی تعلیم ٹریننگ کالج فار وومن (Training College for Women) حیدر آباد، سندھ مین ھوئی، میٹرک سینٹ میری کانونٹ اسکول سے کیا — آج کل ریڈیو اناؤنسر افغان پرشین پروگرام برائے کابل از کراچی ھون — دو بچیان ھین بڑی ساڑھے دس سال اور چھوٹی آٹھ سال کی — شاعری سے اب تک تعلق ھے اور مشاعرون مین اکثر جانا پڑتا ھے —"

"اردو مین ادبی آغاز بچون کے صفحات اخبار جنگ اور بچون کے رسالے بہ عمر دس سال کیا — ادبی زندگی مین نظم، نثر، مقالے، ڈرامے ھر قسم کی کوشش کی جو قسمت سے کامیاب رھی — ادیب بغیر صحافی بنے کبھی کامیاب نہین ھو سکتا لہذا کچھ عرصہ اس میدان مین بھی کام کیا — اپنے رسالہ سہارا کے علاوہ حریم لائلپور، گیسوین صدی

---

[1] بہ حوالہ مکتوب مرقومہ ۲۷ اگست ۱۹۷۱ء

لاہور، شمع کراچی، اور لاہور کے علاوہ شہنم کراچی میں بہ حیثیت
سب ایڈیٹر کام کرچکی ہوں ـ ۱۶ جولائی ۱۹۵۶ء کو شادی ہوئی
اور یکم جون ۱۹۶۸ء کو بیوہ ہوگئی ۰۰۰۰۰ کم عمری کی شادی
اور کم عمری کی بیوگی ـ ہائے میرے سہاگ اجڑنے سے تین سال پہلے
اس فانی دنیا میں تنہا چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہوگئے ـ بھائی بھی
نہ تھا کہ کچھ آس رہتی اور بیٹا بھی نہیں کہ آئندہ کی امید سے
دھارس بندھ سکتی ـ "

نکہت پروین صاحبہ ایک اردو صحافی کی حیثیت سے بہت نمایاں ہیں ـ ان کے مضامین رسالہ سہارا اور دوسرے رسائل میں برابر ہی شائع ہوتے رہے ہیں اور آج کل بھی لکھتی ہی رہتی ہیں لیکن کوئی تصنیف ابھی تک سامنے نہیں آئی ـ اپنے اس مکتوب میں وہ خود لکھتی ہیں :-

[1] " میری مکمل تصنیف کوئی نہیں ـ حالات ہی اپ سٹ
رہے ـ اب ایک ناول لکھ رہی ہوں جو میری زندگی کا نچوڑ ہوگا ـ "

نکہت پروین صاحبہ نے اردو نثر کے مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی ہے لیکن زیادہ تر ان کو اصلاحی مضامین لکھنے سے دلچسپی معلوم ہوتی ہے ـ سماجی اصلاح اور خاص کر عورتوں سے متعلق انہوں نے کئی مضامین لکھے ہیں ـ ماہنامہ سہارا بابت فروری و مارچ ۱۹۵۱ء میں " زندگی کے سودے " کے عنوان سے انہوں نے مسلسل مضامین لکھے ہیں ـ طرز نگارش کے نمونہ کے طور پر دونوں سے تھوڑا تھوڑا اقتباس درج ذیل ہے :

---

[1] بہ حوالہ مکتوب مرقومہ ۲۷ اگست ۱۹۷۱ء

ا؎ " اور تو اور ہماری قوم میں ایسے بھی دور اندیش گھرانے موجود ہیں جو اپنی کمسن اور معصوم بچیوں کے لیے خود ایک پا در رکاب بوڑھے بزرگ کا انتخاب فرمالیتے ہیں کیون کہ بوڑھا کھوسٹ مالدار ہے اور لا ولد بھی ۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس ناشائستہ انتخاب پر والدین ناز بھی کیا کرتے ہیں ۔ ایسے ناخوشگوار حادثہ پر کوئی صاحب سوال کر بیٹھتے ہیں کہ حضرت یہ کہاں کا انصاف ہے خلاف فطرت آپ اپنی معصوم بچی کو ایک گزشت اور سال خوردہ انسان کے حوالے کر رہے ہیں تو فخریہ جواب ملتا ہے ۔ اماں چھوڑو بھی ۔ ان باتوں میں دھرا ہی کیا ہے ۔ تم کیا جانو ۔ ہماری بچی کے تو بھاگ کھلے ۔ عیش کرے گی عیش ہماری ننھی ۔ فردوس نما کوٹھیوں میں رہے گی سونے چاندی سے کھیلے گی ۔ موٹر نوکر خادمائیں غرض کہ ہر طرف سے آسودگی قدم چومے گی ۔ ایک اعلٰی گھرانے کی بہو کہلائے گی اور پھر تم جانو آج کل تو دنیا میں پیسہ ہی حل مشکلات ہے ۔ سمجھے آپ ....

مولوی نے قبول ایجاب کے شرائط منوائے ، بے جوڑ جوڑا کو نکاح کی بیڑیاں پہنا کر تشریف لے گئے ...... سہرے کی لڑیاں اٹھیں بدنصیب دلہن کا کلیجہ دھک سا ہوگیا ۔ زمین و آسمان گھومتے دکھائی دئے ۔ خود کو سنبھال کر انکھیں مل مل کر دیکھتی ہے ۔ کیا خواب پریشان تو نہیں ؟ افسوس کہ یہ حقیقت تھی ان کے شریک حیات ان کے ابا جان قلیل عمر سے دو گنا بڑے ۔ جھریاں زدہ خشک چہرہ ، کمر خمیدہ ، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ، بال برف سے زیادہ سفید ۔ معصوم یہ نظارہ دیکھ کر لرزہ براندام ہونے لگی ۔ "

ا؎ ماہنامہ سہارا بابت فروری ۱۹۵۱ء ص ۵ ۔ ۷

ے[1] "صنف مجبور کا افسانہ تو کائنات کے گوشے گوشے مین دھرایا گیا اور دھرایا جا رہا ھے ۰۰۰۰۰ مگر وائے برحال ما کہ اب تک ھماری قوم اس اھم ترین مسئلہ سے غافل ھے ۔حالانکہ اسلام نے عورت کو بہت سے حقوق سے نوازا لیکن آج بھی مسلمان عورت جہان تھی وھین ھے ۰۰۰۰۰۰ مرد مسلم نے عورت کو کمزور، کم ھمت، ناقص العقل، بے کس اور مجبور بلکہ ایک ناکارہ سی چیز سمجھ کر الگ رکھ دیا ۔ اس کا مقولہ ھے کہ عورت فسقط اس لیے پیدا کی گئی ھے کہ خاندان کی لاج پر مرمٹے، شوھر پر قربان ھوجائے، باورچی خانہ کی ملکہ ھو اور بچون کی پرورش کرے ۰۰۰۰۰۰ ھر روز کا مشاھدہ ھے کہ اسی پروگرام کے ماتحت ھزارون معصوم لڑکیان جو ایک اعلیٰ دل ودماغ کی مالک تھین، ھزارون جوھر اور ارمان لیے لحد کی گود مین سلائی جا رھی ھین ۔ "

ے[1] ماھنامہ سہارا بابت مارچ ۱۹۵۱ھ ص ٦

طارق اشرف

طارق اشرف صاحب اس وقت کے نوجوان لکھنے والون مین اس حیثیت سے خاص طور پر قابل ذکر ہین کہ انھون نے سندھی اور اردو دونون زبانون مین ایک ساتھ افسانہ نگاری شروع کی ۔ وادی مہران کے افسانہ نگارون مین آپ کا ایک خاص مقام سمجھا جاتا ہے ۔ وہ اکثر پہلے سندھی زبان مین افسانے لکھتے ہین اور پھر اسے خود ہی اردو مین منتقل کر دیتے ہین ۔ کبھی کبھی اردو طبعزاد افسانے بھی لکھتے ہین ۔

آپ کے والد ماجد کا نام سید لطف علی شاہ ہے ۔ آپ کی پیدائش ۵ جولائی ۱۹۲۰ء کو حیدرآباد مین ہوئی تھی ۔ سندھی مین سندھ یونیورسٹی سے ایم ۔اے کیا ہے ۔ آپ کے سندھی افسانون کا ایک مجموعہ ۱۹۶۲ء مین "سونھن پتھر ۽ پیارا" (حسن پتھر اور پیار) کے نام سے چھپ چکا ہے ۔ نگارش اور نیا راہی رسائل مین آپ کی اردو کہانیان اکثر چھپی ہین ۔ آپ کے اردو افسانون مین " اتوار کی شام" "کرچ" "آپ نہ بولون گا" "جھوٹ" "کملا" "داستان دکھی حیرا کی" خاص طور پر قابل ذکر ہین ۔

افسانون مین آپ کا موضوع زیادہ تر غربت سے پیدا شدہ مسائل، انسانی نفسیات اور محبت ہوتا ہے ۔ مئی ۱۹۶۱ء کے رسالہ نگارش مین آپ کا ایک افسانہ "چرکا" کے نام سے شائع ہوا ہے ۔ بہ طور نمونہ اس کا اقتباس درج ذیل ہے ۔ سندھی

اور اردو دونون مین آپ کی کہانیون کی زبان بڑی پیاری، شگفتہ اور دل کش ہوتی

ہے :-

[1] " اس نے دل ہی دل مین کہا " ہمت، محنت " اس نے سوچا اگر وہ کشکول لے کر بھاگ جائے تو یقینا " آج کی رات بھوکا مرنے سے بچ جائے گا - پھر اس نے یہ بھی سوچا کہ فقیر بہت بوڑھا ہے - اور اس کے سامنے رکھی ہوئی بیساکھیون سے ظاہر ہے کہ وہ لنگڑا بھی ہے نہ تو وہ اس کا پیچھا کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی مدد کو آسکتا ہے کیون کہ رات کافی ہوچکی ہے - وہ ابھی اور بھی کچھ سوچتا مگر جب اس نے دیکھا کہ بوڑھا فقیر جلے کپڑون سے ہاتھ صاف کرکے کھانا کھانا ہی چاہتا ہے تو وہ آگے بڑھا - کیون کہ مزید انتظار نقصان دہ تھا - وہ بوڑھے فقیر کے پاس پہنچ کرکشکول اٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ بوڑھے نے کہا -

" آؤ بھائی بسم اللہ کرو - "

---

[1] ماہنامہ نگارش کراچی بابت ماہ مئی ۱۹۶۱ء

غلام نبی مغل

غلام نبی مغل صاحب سندھ کے ابھرتے ہوئے نوجوان ادیبون مین شمار کئے جاتے ہین ۔ آپ کی پیدائش ۱۹۲۲ء مین حیدرآباد مین ہوئی ۔ سندھ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہین ۔ آپ کے والد کا نام محمد صدیق مغل ہے ۔

غلام نبی مغل صاحب ایک افسانہ نویس کی حیثیت سے مقبول ہین ۔ یہ سندھی اور اردو دونون زبانون مین افسانے لکھتے ہین ۔ اکثر اپنے یا دوسرون کے سندھی افسانون کا اردو مین ترجمہ بھی کرکے پیش کرتے ہین ۔ افسانون مین آپ کا موضوع زیادہ تر "جنسیات" ہوتا ہے ۔ اردو مین آپ کے افسانون مین "ٹوٹتے شیشے" "سوپ" اور "آدم کا گناہ" بہت زیادہ مقبول ہوئے ۔ آپ کے افسانون مین بیانیہ انداز نمایان ہوتا ہے ۔ زبان روان اور دل کش ہوتی ہے ۔ سندھی مین آپ کے افسانون کے دو مجموعے شائع ہوچکے ہین ۔ نمونہ کے طور پر یہ چند سطرین ملاحظہ ہون:

ــہ[1] "سلیم کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے رشیدہ آپا کے کمرے مین جھانکا جس وقت وہ کپڑے تبدیل کر رہی تھین بس اتنی سی بات تھی جس پر شیخ صاحب اتنے چیخے کہ محلے بھر کے لوگ اکٹھے ہوگئے ۔ اور بیچارے سلیم کو بےدردی سے پیٹا گیا ۔ سلیم اپنے تحفظ کے لئے کچھ بھی نہ کرسکا ۔ بھلا شیخ صاحب جیسے تگڑے دیو ہیکل انسان کے سامنے وہ کر بھی کیا سکتا تھا اور پھر محلے والون کی لعنتین سنتے سنتے اس کے کان پکنے لگے ۔ اس وقت سلیم کا بس چلتا تو سب کی گردنین دبوچ کر ان کے منہ پر تھوک دیتا ۔"

ــہ[1] ماھنامہ نگارش کراچی بابت مئی ۱۹۶۱ء

حافظ محمد موسیٰ بھٹو

حافظ محمد موسیٰ بھٹو کے والد محمد عیسیٰ بھٹو صاحب جنڈو ڈیرو، ضلع سکھر کے ایک خوش مقدور اور ذی عزت لوگوں میں ہیں ۔ ان لوگوں کا خاندانی پیشہ تجارت ہے ۔ موسیٰ بھٹو صاحب کی پیدائش ۱۹۵۱ء میں ہوئی ۔ ابتدائی تعلیم کے بعد قرآن مجید حفظ کیا اور عربی میں مولوی کا امتحان پاس کیا ۔ انگریزی میں اسکول کی تعلیم سے آگے نہیں بڑھے ۔ گھر کا ماحول اسلامی اور مذہبی رہا ۔ والدین جماعت اسلامی کے تحریک سے متاثر تھے اور نتیجہ میں سید ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے علماء کی اردو کتابیں گھر میں آتی رہتی تھیں ۔ اس نے ان کو بھی شوق دلایا اور یہ اردو زبان و ادب سے گہری دلچسپی لینے لگے ۔ اور پھر اردو اور فارسی میں اچھی لیاقت پیدا کرلی ۔ اس بارے میں انھوں نے راقم الحروف کے استفسار پر ایک بار لکھا تھا :-

"میں نے اردو کسی استاد سے نہیں سیکھی ۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابوں کے مطالعہ سے اردو آتی گئی ۔ چونکہ ہمارا معاشرہ جماعت اسلامی سے منسلک ہے اس لیے ابتدا سے ہی اردو کتابیں فراہم ہوتی رہیں ۔"

موسیٰ صاحب نے اپنی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا اور اس وقت اپنی کم سنی کے باوجود وہ ایک اچھے منجھے ہوئے صحافی ہین ۔ ان کی تحریر مین حقیقت، سادگی اور واقعہ نگاری کی خوبیان بہت نمایان ہین ۔ وہ جو کچھ لکھتے ہین سلجھے ہوئے اور غیر جانبدارانہ انداز مین لکھتے ہین ۔ میرے استفسار پر اپنے حالات سے متعلق فراہم کردہ مضمون مین اپنی صحافتی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہین :۔

" صحافت کا آغاز سندھی زبان مین مضامین سے کیا ۔ پہلے روزنامہ الوحید مین مضامین لکھے ۔ اس کے بعد روزنامہ مہران مین مختلف مسائل پر مضامین شائع ہوئے ۔ بعد ازان الوحید مین کالم نگار کی حیثیت سے کام کیا ۔ الوحید کے بند ہونے کے بعد روزنامہ جسارت سے منسلک رہا ۔ جسارت مین گذشتہ ڈیڑھ سال سے کام کر رہا ہون ۔ کتاب ابھی تک کوئی شائع نہین ہوئی ۔ میرا ذریعہ معاش صحافت ہی ہے ۔ اب تک تقریباً " ستر (۷۰) سے اوپر مضامین شائع ہوچکے ہین ۔ .... میری عمر اس وقت ۲۱ سال ہے ۔ اور اردو صحافت کا آغاز فروری ۱۹۷۱ء مین ایک مضمون "صرف مہاجر بھائیون کے لیے" سے کیا تھا ۔ یہ مضمون روزنامہ جسارت کراچی کی اشاعت مین شائع ہوا تھا ۔ "

موسیٰ بھٹو صاحب ابھی ایک نوجوان صحافی ہین جو سندھی اور اردو دونون پر قدرت رکھتے ہین ۔ ان کی تحریری خصوصیات یا انداز تحریر پر رائے زنی کرنا قبل از وقت ہے لیکن ان کا امکان بتا رہا ہے کہ وہ مستقبل قریب مین سندھی اور اردو کے اچھے ادیب اور صحافی ہون گے اور ان سے اچھی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہین ۔

اردو انھون نے باضابطہ نہین پڑھا ہے مادری زبان بھی ان کی سندھی ہے پھر بھی ان کی اردو تحریر مین خاصی دلکشی اور روانی پائی جاتی ہے ۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو بڑے اعتماد کے ساتھ ادا کردینے پر قادر ہین اور یہی بہت بڑی بات ہے ۔ اب ہم نمونہ کے طور پر بعض اخبارات سے ان کے مضامین کسے کچھ اقتباسات پیش کرین گے ۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۷۲ء کے جسارت مین ایک رپورٹر کسی حیثیت سے ان کا ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے لکھتے ہین :-

" گذشتہ چند ماہ سے تھرپارکر کے ریگستانی اور سرحدی علاقہ سے ایسی روح فرسا خبرین آرہی تھین جس سے وطن عزیز کا ہر شخص ملک کے مستقبل کے بارے مین پریشان اور مجسّم اضطراب ہوا جا رہا تھا ۔ کبھی یہ دل گداز خبر سننے مین آئی کہ بھارت نے سرحدی علاقون کے ہندوؤن کی مدد سے تھرپارکر کی ڈھائی تحصیلون پر (جس کی ہر تحصیل کا رقبہ ایک ضلع کے برابر ہے) قبضہ کرلیا ہے اور وہان کے لاکھون مسلمانون سے ان کی متاع حیات اور کل پونجیسی چھین کر انھین در بدر اور بے گھر کردیا ہے ....

ان اطلاعات کے بعد اخبارات مین دل ہلادینے والی یہ خبرین بھی شائع ہوئین کہ حکومت پاکستان نے ہندوستانی حکومت کے بتائے ہوئے ساٹھ ہزار ہندوؤن کو سندھ کے سرحدی علاقہ کے اہم مقامات پر آباد کرنے کی تجویز قبول کر لی ہے ۔ اور رانا چندر سنگھ کی قیادت مین قومی اسمبلی کے دو ارکان غلام رسول شاہ اور میر علی بخش تال پور غدار ہندوؤن کی خوشامد کرنے اور انہین سندھ مین آکر آباد ہونے پر راضی کرنے کے لیے سرحدی علاقہ کے دورہ پر روانہ ہوگئے ہین ۔ "

مولانا جان محمد عباسی سے انٹرویو کے سلسلے مین موسیٰ بھٹو صاحب ان کا تعارف اس
طرح کراتے ھین :-

" مولانا جان محمد عباسی نہ صرف سندھ کے ممتاز سیاسی رھنما ھین بلکہ سماجی اعتبار سے بھی ان کی حیثیت بہت بڑی ھے وہ ملکی اور بین الاقوامی معاملات مین ماھرانہ بصیرت رکھنے کے ساتھ ساتھ صوبہ سندھ کے مسائل کو بھی بخوبی جانتے ھین - بلکہ حقیقت یہ ھے کہ وہ اھل سندھ کے صحیح معنون مین بہی خواہ اور ھمدرد ھین - آپ سندھ کے کسی بھی جائز مسئلے کو لیجئے اس کے حل کے لیے جان محمد عباسی آپ کو پیش پیش نظر آئین گے - ۱۹۶۹ء مین سندھ کے تھرپارکر علاقے مین جو ھولناک قحط پیدا ھوا جس مین بیسیون انسان بھوک کا شکار ھوکر لقمہ اجل ھوگئے - ھزارون جانور مرگئے اور لاکھون نقل مکانی کر کے اور بے سروسامانی کے عالم مین اندرون سندھ چلے آئے - تو ان کی امداد اور آبادکاری کے لیے سب سے پہلا قدم آپ ھ نے ھی اٹھایا - آپ نے اخباری بیانات اور ملک کے چپے چپے کا دورہ کر کے اس مسئلے کو ملکی بنیادون پر اٹھایا - یون آپ کی کوششون کے نتیجہ مین اناج، کپڑے اور لاکھون روپے نقد جمع ھوگئے تھے جو قحط زدگان مین تقسیم کیا گیا - اس کے بعد اھل سندھ کے سب سے اھم مسئلہ پانی کی قلت کے ذمہ دارون کی آپ نے نقاب کشائی کی - اور حقائق اور دلائل سے ثابت کیا کہ پانی کی قلت کا اصل سبب "سندھ طاس" معاھدہ ھے اور یہ معاھدہ ایوب خان اور ان کے وزیرخارجہ کی مشترکہ سازشون کے نتیجہ مین ظہور پذیر ھوا تھا - یہ اور اس قسم کے بے شمار مسائل ھین جن کو اٹھانے اور حل کرنے مین آپ نے پیش قدمی کی - "

حصّهٔ سوم

حصہ سوم

۱۹۴۷ء کے بعد سندھ مین اردو زبان وادب

کے

دائرہ عمل کا ایک سرسری جائزہ

سندھ مین اردو زبان و ادب کے دائرہ عمل کا جائزہ لینے کے سلسلے مین سب سے پہلے سرکاری اور سرکاری مدد سے چلائے جانے والے مختلف ادارون کو پیش کیا جائے گا جو اپنے اپنے طورپر مذھبی تعلیمی سائنسی فنی اور ادبی تصانیف کی تخلیق مین منہمک ھین ـ پھر ان کی کئی معرکۃ الآرا اور قابل قدر کتابون کے ذکر کے بعد فن وار کتابون کی فہرست ان کے مصنفین کے اسمائے گرامی کے ساتھ پیش کیا جائے گا تاکہ معلوم ھو کہ پاکستان کے وجود مین آنے کے بعد سندھ مین اردو بولا کے لیے کیسی محنت تن دھی لگن خلوص اور جانفشانی کے ساتھ کام کیا جا رھا ھے ـ پھر آخر مین جامعہ کراچی اور جامعہ سندھ کے شعبہ اردو کے اساتذہ اور طلبہ کی علمی ادبی اور تحقیقی خدمات کو پیش کرکے ان کی کارگذاریون پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی ـ

مذھبیات

سندھ مین مسلمان فاتحین عربی فارسی بولتے ھوئے آئے تھے اور اپنے ساتھ ایک ایسا مذھب اور نظام حیات بھی لائے تھے جو دیکھتے دیکھتے وادی سندھ پر چھا گیا ـ عربی فارسی کے ساتھ مقامی دراویڈی اور آریائی زبانون کے اختلاط نے "سندھی ریختہ" کو جنم دیا ـ شعراء اور علماء کو یہ سندھی ریختہ اتنی پیاری معلوم ھوئی کہ انھون نے مذھب کی اشاعت کے لیے فارسی عربی کے ساتھ

" سندھی ریختہ " کو بھی اپنالیا ۔ صوفیاء کی عالم گیر محبت نے سندھی ریختہ کو رفتہ رفتہ اردو کا روپ بخشا اور پھر عام دینی اور مذہبی علوم کا ذخیرہ رفتہ رفتہ فارسی اور عربی سے اسی اردو زبان میں منتقل ہونے لگا ۔ بقول مصنف " مذہب اور شاعری " :-

ے[1] " جس وقت اردو کی تخلیق ہو رہی تھی ملک میں مذہبی فضا ہر شعبہ زندگی پر حاوی تھی سلطنت چاہے کسی کی رہی ہو مگر مذہب شاہنشاہی کر رہا تھا ۔ ہر طبقہ اس کے آگے سرجھکائے ہوئے تھا ۔ اسی کی آنکھ سے دنیا کی ہر چیز دیکھی جارہی تھی ۔ اسلام مشرق و مغرب کے گوشے چھان کر ہندوستان میں اپنا جھنڈا گاڑنے کی فکر کر رہا تھا ۔ مسلمان بادشاہوں نے تبلیغ اسلام کے لیے کوئی منظم انجمن یہاں قائم نہیں کی ۔ فقراء و علماء نے البتہ اشاعت اسلام میں کافی حصہ لیا ۔ جہاں کہیں وہ پہنچ سکے مذہب کسی توجہ دل کھول کر کی اور اسی سلسلے میں اردو کو بھی آگے بڑھنے کا موقع ہاتھ آتا رہا ۔ "

غرض اردو کی تخلیق کے بعد سندھ میں مسلمانوں کا مذہبی اور دینی سرمایہ زیادہ تر اردو ہی میں پایا جاتا ہے اور آج بھی صحافت اور علم و ادب میں اردو ہی کو سندھ میں برتری حاصل ہے ۔ عبداللہ قدسی صاحب کے پیش کردہ جائزے کے مطابق ے[2] " پاکستان میں ایک ہزار ایک سے زیادہ روزنامے، ہفتہ وار اور ماہنامے

---

(۱) مذہب اور شاعری از ڈاکٹر اعجاز حسین ص ٦٥

(۲) پاکستان میں ذہنی رجحانات از عبداللہ قدسی مطبوعہ انٹرنیشنل پریس کراچی ۱۹۵۸ء ص ۹ ۔

وغیرہ نکلتے ہین ان مین سے ۶۸۵ اردو مین ، ۱۶۵ انگریزی مین ، ۱۳۰ بنگالی مین اور ۱۲۰ باقی دوسری مقامی اور بیرونی زبانون مین نکلتے ہین ۔ صوبون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو صرف کراچی سے اردو مین نکلنے والے رسائل اور اخبارات کی مجموعی تعداد ۲۳۰ ہوتی ہے ۔"

بقول ڈاکٹر اعجاز حسین : " [1] اسلام عملی مذہب ہونے کے لحاظ سے دین و دنیا دونون سے متحد تھا ۔ ولادت کے وقت سے لے کر وفات تک کی ضروریات اور وفات کے بعد عالم ارواح سے لے کر حشر و نشر تک کی تفصیلات پر روشنی ڈالتا ہے ۔ اس لیے اس کے مذہبی دائرے سے کسی چیز کو الگ کرنا مشکل ہے ۔"

مذہب نے اردو کو بے شمار الفاظ، مصطلحات، رمزیات، عنوانات، خیالات اور جذبات دیے ۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر علانیہ یا پس پردہ مذہب کارفرما نہ ہوتا تو اس تیزی کے ساتھ نہ تو اردو شعر و ادب کی ترقی ہی ممکن تھی اور نہ اس کو ایسے نوع بہ نوع کے مواد فراہم ہوسکتے تھے ۔ عبداللہ قدسی صاحب نے صحیح لکھا ہے کہ :-

[2] " ہم کو صوفی کا خاص طور پر ممنون ہونا چاہیے کہ اس نے مختلف مسائل پر حکیمانہ انداز مین گفتگو کرکے زبان و بیان کو ادبی لحاظ سے ایک عالمانہ راستہ پر لگا دیا، نہ اس نے صرف ایسے الفاظ و محاورات اردو

---

(۱) مذہب اور شاعری از ڈاکٹر اعجاز حسین ص ۳۰۵

(۲) پاکستان مین ذہنی رجحانات ص ۱۳۲

کو عطا کئے جس مین انتہا درجہ کی جامعیت و بلاغت تھی ـ ایک ایک لفظ مین نہایت وسیع مفہوم پنہان تھے بلکہ خیالات کے تنوع اور طرزِ کلام کی دل پذیری سے متعارف کرکے اردو کی ذہنیت مین ندرت و سپردگی کے احساسات بھی پیدا کردیے ـ طرزِ تخیل مین شگفتگی اور نظریۂ عشق مین شدت و خودداری کی ایک ایسی لہر دوڑا دی کہ عشق حقیقی کے علاوہ عشق مجازی کے معیار مین بلندی اور احساس مین خاص لذت پیدا ہوگئی ـ حسن و عشق کے نظریہ مین احترام پیدا کرنے کا بڑی حد تک ذمہ دار یہی تصوف ہے ـ

تصوف کے اثرات دیکھنے کے بعد اگر متشرع عقائد کے اثرات کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان عقائد نے تصوف سے زیادہ خدمت کی ـ تمام شرعی امور شاعری کے موضوعات بن گئے جس کا ایک مجموعی اثر یہ پڑا کہ ہماری شاعری مین مسلسل گفتگو کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ـ عنوانات کے علاوہ اردو کی اشاعت و ہمہ گیری مین بھی اضافہ ہوتا رہا ـ"

اسلام مین دین اور دنیا کو دو علاحدہ چیز نہین سمجھا گیا ہے ـ بلکہ دونون ایک دوسرے سے وابستہ ہین ـ اسلام نام ہی ہے ایک ایسے مکمل نظام حیات کا جو زندگی کی ہر منزل مین انسان کی مددگار ہو ـ نتیجہ مین اکثر و بیشتر مذہبی تحریک نے سیاسی تحریک کی شکل اختیار کرلی ہے ـ حضرت مجدد الف ثانی سب سے پہلی روحانی شخصیت ہین جنھون نے سیاست اور شہنشاہیت سے بے باکانہ ٹکر لی ـ اور اسلام کے حقائق کو جرات کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کیا ـ ان کی تحریک احیاء اسلام کا اثر نہ صرف سولہوین صدی عیسوی مین نمایان رہا بلکہ اس

وقت سے اب تک مکمل طور پر جاری و ساری ہے ۔ اسی تحریک نے حضرت خواجہ باقی باللہ ، حضرت شاہ ولی اللہ ، حضرت شاہ عبدالعزیز ، حضرت شاہ عبدالحق دھلوی ، حضرت سید اسمٰعیل شہید ، حضرت سید احمد بریلوی ، علمائے صادق پور پٹنہ ، سرسید احمد خان اور ان کے رفقائے کار ، علمائے دیوبند ، علمائے فرنگی محل لکھنو ، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبید اللہ سندھی جیسی قابل عزت ہستیاں پیدا کین ۔ یہی تحریک مسلمانون مین وقتاً فوقتاً بیداری اور آزادی کی روح پھونکتی رہی جس سے برابر مسلمانون کی مذھبی ، سیاسی اور معاشی تحریکین وجود مین آتی رہین ۔ اسی تحریک نے انیسوین صدی عیسوی مین حضرت سید احمد شہید کے خون سے تازگی حاصل کر کے نوع بہ نوع کے گل کھلائے ۔ علامہ اقبال ، مولانا محمد علی ، شوکت علی اور مولانا ظفر علی خان جیسے مفکرین مدبرین اور مجاھدین اسلام اسی تحریک کی پیداوار ھین جنھون نے برصغیر پاک و ھند کے مسلمانون مین نئی جان ڈال دی ۔

غرض برصغیر ھندو پاک مین مذھبی تحریک سے برابر موجین اٹھتی رہین اور آپس مین ٹکرا کر مختلف گوشون مین پھیلتی رہین ۔ ان کے امتزاج نے ایک نسئی " تحریک پاکستان " کی بنیاد رکھی ۔ جس کے خالق سرسید ، علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح ھوئے ۔ اور ان تینون مین سب سے بڑا حصہ علامہ اقبال کا رہا ہے کیون کہ مجدد الف ثانی کے بعد یہی وہ مفکر ھین جنھون نے بڑی چابک دستی اور فرزانگی سے عالم گیر نظام اسلام کا نیا ڈھانچہ پیش کیا اور اس مین خالص اسلامی فکر سے تصوراتی رنگ بھرا ۔ " انسان کامل " اور " مرد مومن " کا تصور دنیا کو دیا ۔ اس فکر و نظر کو عمل مین بدل دینے والے قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے رفقاء ھین ۔

پاکستان میں علامہ اقبال پر بے حساب کتابیں اور مقالے لکھے گئے اور یہ سب زیادہ تر اردو میں لکھے گئے ۔ سندھ میں اقبال اکیڈمی کراچی، ادارہ طلوع اسلام کراچی، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی جیسے کئی مختلف مذہبی ادارے قائم ہیں جو نہ صرف دین و مذہب کے مختلف موضوعوں کو اردو میں منتقل کر رہے ہیں بلکہ علامہ اقبال کے عالم گیر نظام اسلام تعلیمات اور پیغامات کو بہتر سے بہتر طور پر دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں ۔

اقبال اکیڈمی کراچی

حکومت پاکستان کی مدد سے ۱۹۵۰ء میں یہ ادارہ قائم ہوا تھا ۔ اس کا صدر وزیر تعلیم ہوا کرتا ہے لیکن سوائے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے بہت کم وزرائے تعلیم نے اس میں شرکت فرمائی ۔ "اقبالیات" پر اس ادارے نے کافی ذخیرہ جمع کرلیا ہے ۔ لیکن کام بہت آہستہ اور رک رک کر ہوتا ہے ۔ اس ادارے نے کئی اچھی کتابیں شائع کی ہیں جن میں "اقبالیات کا جائزہ" از اختر میاں جوناگڑھی اور "ترجمہ خطوط اقبال بنام عطیہ بیگم" از عطیہ بیگم خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

ادارہ طلوع اسلام کراچی

اس ادارہ کے بانی اور نگران غلام محمد صاحب پرویز، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے سابق رفیق کار ہیں لیکن آج یہ ادارہ جماعت اسلامی کا زبردست حریف اور مخالف ہے ۔ یہ ادارہ ۱۹۳۸ء میں ہندوستان میں قائم ہوا تھا ۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی منتقل ہوگیا ۔ اور کچھ دنوں کے بعد اس کا صدر دفتر لاہور چلا گیا ۔ اور اب لاہور اور کراچی دونوں جگہ سے یہ اپنی مذہبی خدمات انجام دے

رہا ہے ۔ پرویز صاحب اہل قرآن ہین اور حدیث کے صحیح کے منکر ہین ۔ اس ادارے سے اپنے نہج کا کافی مذہبی لٹریچر شائع ہوتا رہتا ہے اور کسی نہ کسی طـــرح " پرویزی نقطہ نگاہ " کی اشاعت کرکے دین کی خدمت کرتا رہتا ہے ۔ " تعـرف الاشیاء باضـدادھا " کے اصول پر جماعت اسلامی اور پرویزی مسلک کے لٹریچـر کا ایک ساتھ مطالعہ کرنے سے انسان حقیقت تک آسانی سے پہنچ جاتا ہے ۔ اس ادارہ نے کئی کتابین بہت اہتمام سے شائع کی ہین ۔ ایک ماہنامہ طلوع اسلام کے نام سے بھی اس ادارہ کے تحت شائع ہوتا ہے ۔ اس ادارہ کی مندرجہ ذیل چند اہم مطبوعات خاص طور پر قابل ذکر ہین :- (۱) اسلام کیا ہے از پرویز (۲) المفہوم القران از پرویز (۳) اسباب زوال امت از پرویز (۴) اسلامی معاشرت از پرویز (۵) اقبال اور قران از پرویز (۶) طاہرہ کے نام از پرویز (۷) سلیم کے نام از پرویز (۸) اسلام مین قانون سازی کا اصول (۹) نظام ربوبیت از پرویز (۱۰) لغات القران از پرویز (۱۱) مخبر الاسلام از علامہ محمد امین مصری کا اردو ترجمہ (۱۲) ابلیس و آدم از پرویز (۱۳) من و یزدان از پرویز (۱۴) جوئے نور از پرویز (۱۵) برق طور از پرویز (۱۶) شعلہ مستور از پـــرویز (۱۷) معراج انسانیت از پرویز (۱۸) انسان نے کیا سوچا از پرویز (۱۹) الفتنۃ الکبریٰ از ڈاکٹر طٰہ حسین مصری کا اردو ترجمہ (۲۰) تاریخ الامت از علامہ اسلم جیراج پوری (مکمل آٹھ جلدون مین)

اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ | اس ادارہ کا افتتاح ۱۹۵۸ء مین کراچی مین ہوا تھا۔ پھر بعد مین یہ اسلام آباد منتقل ہوگیا ۔ یہ ادارہ دستور دفعہ ۱۹۷ کے مطابق وجود مین آیا ہے ۔ اس کا مقصد صحیح اسلامی بنیاد پر ملت اسلامی کی تشکیل اور قرآن و سنت کی روشنی مین معدتہ اور اعلیٰ تعلیم ہے۔ اس کے مقصد مین مطالعہ اور تحقیق کے لیے نصاب کا مقرر کرنا اور سائنس و آرٹس مین ماضی کے شان دار کارنامون کو منصۂ شہود پر لانا شامل ہے ۔ اس کے صدر مجلس ڈاکٹر ممتاز حسن صاحب اور ڈائرکٹر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سابق پروفیسر علامہ عبدالعزیز میمن ہین جو اس کی ترقی کے لیے بہت کچھ کر رہے ہین ۔

تعلیمات

مملکت خدا داد پاکستان کی بنیاد عقیدے اور نظریہ پر رکھی گئی تھی ۔ مسلمانون کی قومیت کا مدار جغرافیائی حدود کی بجائے دین کی وحدت پر ہے اور اس دعویٰ کے تحت بڑی قربانیون کے بعد مسلمانان برصغیر نے پاکستان کا مقدمہ جیتا تھا ۔ چنان چہ قیام پاکستان کے بعد نومبر ۱۹۴۷ء مین پہلی تعلیمی کانفرنس کے موقع پر قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ :-

[1] " تعلیم اور صحیح قسم کی تعلیم کی اہمیت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے ۔ تقریباً " ایک صدی کے دور غلامی مین قوم کی تعلیم کا سوال

---

(۱) پاکستان مین ذہنی رجحانات ص ۸۸

صحیح توجہ سے محروم رہا ۔ اور اگر ہمیں صحیح معنوں میں جلد سے جلد اور معتدبہ ترقی کرنی ہے تو اس مسئلے کے حل کی طرف جلد متوجہ ہونا چاہیے اور اپنی تعلیم، حکمت عملی اور پروگرام کو ایسا بنانا چاہیے جو اہل ملک کے مزاج کے مطابق ہو اور ہماری تاریخ اور ثقافت سے پوری طرح ہم آہنگ ہو ۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ یہ ضرور مدنظر رہے کہ جدید اقدار حیات اور جدید ترقیات علمی بھی کسی صورت نظرانداز نہ ہونی چاہئیں ۔"

ماہرین تعلیم نے اس کانفرنس کے بعد ایک ایسی اسکیم کا خاکہ مرتب کیا جو اسلامی تصور حیات، اخوت اسلامی اور عالم گیر اسلامی اصولوں پر مشتمل تھا ۔ اس کانفرنس نے تین مجلس مشاورت بھی قائم کیں جنہیں وزارت تعلیم کے تعاون سے مل جل کر کام کرنا تھا ۔ (۱) تعلیمی مجلس مشاورت (۲) فنی تعلیم کی کونسل (۳) پاکستان کی یونیورسیٹیوں کی باہمی مجلس ۔ لیکن یہ سب کاغذی حدود سے آگے نہیں بڑھیں ۔ ملک کے حالات بد سے بدتر ہوتے گئے اور تعلیمی حیثیت سے وہ اتنا پیچھے ہوگیا کہ اس خلا کو پورا کرنا ناممکن نظر آنے لگا ۔ اس کا بڑا سبب قائد اعظم کے ارشادات کو عملی جامہ پہنانے والوں اور ماہرین تعلیم حضرات کی تجاویز کو سامنے رکھ کر اصلاحات نافذ کرنے والوں کا مغرب زدہ ہونا تھا ۔ انگریز چلے گئے تھے لیکن انگریزیت ان سے جدا نہیں ہوئی تھی ۔ وہ انگریزی معاشرت کے دل دادہ اور لارڈ میکالے کے تصورات پر مبنی تعلیم کے نقیب اور ترجمان تھے ۔ وہ دین کی وحدت پر ہمارے ثقافتی اور اجتماعی عقیدے کو اپنانے کی بجائے لارڈ میکالے کے تعلیمی تصور کے مطابق حکومت کا روپیہ ضائع کرتے رہے ۔

اور ان کا یہ مذاق صرف تعلیم ہی تک محدود نہین رہا بلکہ ہماری قومی تاریخ اور ثقافت پر بھی اثرانداز ہوا ـ انہون نے علامہ اقبال کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر مغرب کی غلط قومیت پرستی اور محدود شعور وطنیت کو اتنا ابھارا کہ اتحاد عالم انسانی پارہ پارہ ہوگیا ـ انہون نے مذہب اسلام کو وطنیت کے کفن مین لپیٹ کر دفن کردینے مین کوئی کسر نہین چھوڑی ـ مکہ اور مدینہ کے مشاق موہنجوڈارو کی تہذیب اور ثقافت پر جھومنے لگے ـ رسول عربی کی امت پر فخر کرنے والے داہر سے اپنا نسلی تعلق بے جھجک ظاہر کرنے لگے ـ حالان کہ یہ ہماری بدبختی تھی کیون کہ :[1] "ازمنہ قدیم اور ازمنہ وسطی کا ثقافتی سرمایہ ہماری تحقیق و تجربہ کے لیے تو جاذب توجہ ہوسکتا ہے جس طرح عاد و ثمود کی قومون کا سرمایہ بصائر قرآنی کی روشنی مین عبرت و نصیحت کا ذریعہ ہے لیکن اس سرمایہ کو پاکستان کی ثقافتی میراث نہین کہا جاسکتا نہ ہماری ثقافت کے نام سے دنیا کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے ـ "

اس بھول اور بدبختی کا جو انجام ہوا وہ غلام محمد پرویز صاحب کے الفاظ مین ملاحظہ کرین :-

[2] " پاکستان کے یہ تمام اصول و معانی نقش و نگار طاق مفاد پرستی ہوگئے اور مختلف صوبون کے مسلمان عملاً " مختلف قومیتون مین بٹ گئے ...... ہندوستان مین ہندوؤن اور مسلمانون مین جس قدر بغض و عناد تھا پاکستان کے مختلف صوبون کے مسلمانون مین اس سے کم بغض و عناد نہین ـ "

(۱) پاکستان مین ذہنی رجحانات ص ۹۲
(۲) جشن نامے از غلام محمد پرویز ص ۲۰۸

اس انتشار اور صحیح رجحان کی کمیابی کے زمانے مین بھی پاکستان مین کچھ ایسے صاحب الرائے اور اہل فکر حضرات موجود تھے جو اپنے طور پر ادارے قائم کرکے اور کانفرنسون کے ذریعہ ڈوبتی ناؤ کو بچانے کے لیے آگے بڑھے ـ اس طرح کے ادارون مین آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی اور ادارہ مجلس تعلیم ملی کراچی خاص طور پر قابل ذکر ہین ـ

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی

یہ وہ ادارہ ہے جس کی بنیاد ۱۸۸٦ء مین سرسید احمد خان اور ان کے جانشینون نے تعلیمی اور اصلاحی تحریک پر رکھی تھی ـ اس کا سب سے بڑا مقصد تعلیمی اور اصلاحی ادب کی ترویج و اشاعت تھا ـ اس کی صدارت برصغیر کے تمام مشہور مسلم زعماء اپنے اپنے زمانے مین کرچکے ہین ـ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۱ء مین اس ادارہ کا احیا کراچی مین "آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس" کے نام سے سید الطاف علی بریلوی بی ـ اے (علیگ) نے کیا ـ جس کے تحت سرسید گرلز کالج، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ایک شاندار لائبریری اور میوزیم کے علاوہ سہ ماہی رسالہ العلم بڑی شان سے چلایا جارہا ہے ـ اس کانفرنس کے سکریٹری اور العلم کے اڈیٹر خود سید الطاف علی بریلوی صاحب ہین اور یہی اس کی روح و روان ہین ـ پاکستان مین اس کی دوسری سالانہ کانفرنس پروفیسر اے ـ بی ـ حلیم صاحب کی صدارت مین ۱۹۵٦ء مین منعقد ہوئی تھی ـ جس مین بہت سے تعلیمی مسائل زیر بحث آئے اور ان پر تجاویز مرتب ہوئین ـ پروفیسر اے ـ بی ـ حلیم کا معرکۃ الآرا صدارتی خطبہ اس لحاظ سے بہت

اہم ہے کہ اس میں نظام تعلیم کا مکمل خاکہ پیش کیا گیا ہے ۔ابتدائی تعلیم کے بعد وسطی اسکولوں کا انتظام، ثانوی، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم پر خاطرخواہ بحث کرتے ہوئے ذریعہ تعلیم، زبان، اصطلاحات، ترجمے اور اسلامی تعلیم کے بارے میں متعدد تجاویز پیش کی گئی ہیں ۔فرماتے ہیں :۔

"پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دینے کا اعلان اس بات کا مقتضی ہے کہ اس میں زندگی کے تمام گونا گون پہلو اور متضاد حقیقتوں کو توحیدی نظام فکر میں جمع کرکے ہر عضو کو اس کا جائز اور صحیح مقام عطا کیا جائے ۔ اور اس مقصد کا حصول بغیر تعلیم کے ناممکن ہے ۔ تعلیم لازمی اور عام کردینے کی اسکیمیں اب تک بہت سی مرتب ہوچکی ہیں اور بعض کو بروے کار لانے کی کوشش بھی ہوئی ہے لیکن اس راہ میں وسائل کی کمی ہمیشہ حائل ہوتی رہی ہے ۔اسکولوں کے لیے جگہ، عمارت، اساتذہ اور ان کی تنخواہوں کے مصارف کے اہم سوالات سامنے آتے رہتے ہیں ۔ اس لیے ہمیں ایسے طریقے سوچنے کی ضرورت ہے جن سے جلد سے جلد پاکستان میں تعلیم عام، مفت اور لازمی ہوسکے ۔ اس سلسلے میں میرا خیال ہے کہ مسجدوں میں مکاتیب کی تجویز کو اس قدر توجہ حاصل نہیں ہوئی جتنی کہ ہونی چاہیے ۔اپنے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی ایک قابل عمل تجویز ہے ۔ اس تجویز میں خوبیاں یہ ہیں کہ اس سے جگہ اور عمارت کا سوال ختم ہوجاتا ہے ۔مسجدیں بہترین مکاتیب بن سکتی ہیں پیش امام ابتدائی مدرسی کے فرائض انجام دے سکتے ہیں ۔ نظام الاوقاف اور زکواۃ فنڈ سرمایہ کی ضرورت پوری کر سکتا ہے ....[1]

---

(۱) "خطبہ صدارت" آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۵۶ء از پروفیسر ابوبکر احمد حلیم صاحب ۔

ان مدرسین کو تعلیم دینے کے طریقے سکھانے کے لیے متکامی تدبیرین اختیار کی جاسکتی ھین جہان ان مکاتب کے ذریعہ بچون کی ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا جاسکتا ھے وھان انھین مسجدون مین بالغون کی اساسی تعلیم و تربیت کا سامان بھی فراھم کیا جاسکتا ھے۔ اگر دن مین بچون کو تعلیم دی جاسکتی ھے تو رات مین بالغون کی تعلیم و تربیت کا انتظام ھوسکتا ھے ۔ اس اساسی تعلیم و تربیت کے نصاب کو بھی ھمین اپنی تہذیب و تمدن کے قالب مین ڈھالنا ھوگا ۔ اس مین اخلاقی و ذھنی تربیت کا خاص لحاظ رکھنا پڑے گا ۔ اس مین تعلق باللہ، خدمت خلق، جذبہ ھمدردی اور ایثار کی روح پیدا کرنی پڑے گی۔ اگر اس مین ھمین کامیابی ھوگئی تو اساسی تعلیم و تربیت ھماری ترقی و فلاح کا پیش خیمہ ثابت ھوگی ۔ "

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے تحت سید الطاف علی بریلوی کی جدوجہد سے تصنیف و تالیف، تحقیق و تفتیش، نشر و اشاعت اور درس و تدریس کا بہت خاطر خواہ کام ھو رھا ھے ۔ ساٹھ سے اوپر قابل قدر کتابین اس ادارے سے شائع ھوچکی ھین جن مین چند کے نام درج ذیل ھین :

(۱) ھندوؤن کی تعلیم مسلمانون کے عہد مین — از علامہ سید سلیمان ندوی

(۲) " " (کا انگریزی ترجمہ) — از ڈاکٹر زبید احمد ام ۔ اے پی ایچ ڈی و مرزا عاشق حسین ام۔ اے

(۳) " " (کا بنگالی ترجمہ) — از مولانا غلام محی الدین ۔ ڈھاکہ

(۴) مسلم خواتین کی تعلیم — از مولوی محمد امین زبیری

(۵) مسلمانوں کا نظام تعلیم — از پروفیسر سعید احمد رفیق ام۔اے

(٦) جمہوریت اور تعلیم (حصہ اول و دوم) — (مترجمہ) سید محمد تقی الدیشرجنگ
از پروفیسر جان ڈوی

(۷) اصول تدریس — (مترجمہ) اخلاص حسین زبیری ام۔اے
از رائبون اینڈ فورج

(۸) اصول و اساس تعلیم — (مترجمہ) انعام عظیم برنی ام۔اے
از سی پرسی نن

(۹) مقصد تعلیم — (مترجمہ) سید محمد تقی الدیشر جنگ
از اے۔این وہائٹ ہیڈ

(۱۰) مشاہیر کے تعلیمی نظریئے — از مولوی محمد حسین خان زبیری ام۔اے (علیگ)

(۱۱) مسلمانان کراچی و سندھ کی تعلیم — از سید مصطفٰے علی بریلوی بی کام ایم اے ایل ایل بی

(۱۲) انگریزوں کی لسانی پالسی — از " "

(۱۳) نواب خان بہادر خان شہید — از " "

(۱۴) مسلمانان بنگال کی تعلیم — از " "

(۱۵) تعلیمی مسائل پس منظر اور پیش منظر — از سید الطاف علی بریلوی بی۔اے (علیگ)

(۱٦) مقالات بریلوی — از " "

(۱۷) تعلیم و تعلم — از " "

(۱۸) حاصل مطالعہ — از " "

(۱۹) حیات حافظ رحمت خان — از " "

(۲۰) راهی و راه نما — از سید الطاف علی بریلوی بی۔اے علیگ

(۲۱) چند محسن چند دوست — از "

(۲۲) تعلیم و تربیت — از پروفیسر ضیاء الدین احمد برنی

(۲۳) مادری زبان کی تعلیم — از پروفسر یونس حسن فروخ علوی ام۔اے

(۲۴) مفکرین تعلیم — از پروفسر ضیاء الدین احمد برنی

(۲۵) تعلیم بالغان اور اس کی قومی اہمیت — از مولوی مظہرالرحمن تپھرایونی

(۲۶) طالب علم کی ڈائری — از سید الطاف علی بریلوی

(۲۷) تعلیم کے ابتدائی اصول (حصہ اول و دوم) — از ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم۔اے

(۲۸) اقبال کے تعلیمی نظریات — از محمد احمد صدیقی ام۔اے بی ٹی (علیگ)

(۲۹) عظیم علمائے نفسیات
از ایس سٹیفنز فیلڈ سارجنٹ — مترجمہ پروفسر عبد المجید قریشی

(۳۰) تعلیمی نفسیات کا بنیادی خاکہ
از پروفسر جے۔ایس راس — مترجمہ پروفسر وحید الحق صدیقی

(۳۱) ارتقائے انسانی (موجودہ سائنس کی روشنی میں) — از مولانا سید طفیل احمد منگلوری

(۳۲) پراسرار کائنات
از سر جیمس جینس — مترجمہ سید محمد تقی ڈیشرجنگ

(۳۳) چند عظیم علمائے جراثیم
از ڈاکٹر پال ڈی کرائف — مترجمہ پروفسر عبد المجید قریشی

(۳۴) سائنس کے کرشمے — از مسرور احمد توقیر ام۔اے

(۳۵) یادیں اور خاکے — از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی

(۳٦) ان کہی کہانیاں — از " "

(۳۷) تاثرات و مشاہدات — از " "

(۳۸) پاکستان کا معاشی پس منظر — از " "

(۳۹) ادب منزل بہ منزل — از " "

(۴۰) تجزیہ کلام غالب — از سید رفیع الدین بلخی ایڈوکیٹ

(۴۱) علمائے سلف و نابینا علماء — از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی

(۴۲) سید عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات — از مولانا اعجاز الحق قدوسی

(۴۳) عہد اسلامی میں علمی ترقی — از ابن — ابن — لا

(۴۴) رومن رسم الخط اور پاکستان — از سید عبدالقدوس ہاشمی

(۴۵) سرسید کا علمی کارنامہ — از قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی

(۴٦) قدیم شہنشاہیاں — از مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ)

(۴۷) تعلیمات حضرت شاہ مینار — از الحاج محمد فضیلت حسین صابری ام اے

(۴۸) صوفیائے بہار اور اردو — از پروفیسر محمد معین الدین دردائی ام — اے (علیگ)

(۴۹) دریائے نیل — از محمد قطب الدین ام — ایس سی

(۵۰) عہد بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ — از پروفیسر محمد ایوب قادری

ادارہ مجلس تعلیم ملی کراچی | تقسیم ہند سے پہلے اکتوبر ۱۹۲۰ء میں برصغیر پاک و ہند کے قوم پرست نوجوانوں نے ایک قومی تعلیم گاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تھی ۔ اس کے پہلے شیخ الجامعہ مولانا محمد علی تھے ۔ ڈاکٹر ذاکرحسین خان صاحب کی سربراہی میں اس نے بڑی ترقی کی اور اس وقت بھی ہندوستان میں تعلیم و تدریس اور اردو تالیف و تصنیف کے لحاظ سے بہت اہم خدمات انجام دے رہا ہے ۔

تقسیم ہند کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بہت سے قدیم طلبہ اور اساتذہ جب کراچی آگئے تو انھوں نے یہاں بھی اپنے کامیاب سابق تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۹۵۲ء میں مجلس تعلیم ملی کی بنیاد رکھی ۔ ڈاکٹر محمود حسین خان صاحب اس کے صدر منتخب ہوئے اور ملیر میں مجلس کے تحت تعلیمی اور تدریسی کام کی ابتدا کردی ۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا ایک مکتبہ بھی قائم کیا گیا ۔ جس کا بنیادی مقصد عام فہم اور آسان اردو ادب کے ذریعہ " تعلیم بالغان " کے سلسلے کو رواج دینا تھا ۔ یہ ادارہ اردو زبان و ادب کی بہت اہم خدمت انجام دے رہا ہے اور بہت کم قیمت، صرف چند آنوں میں اپنی مفید مطبوعات عوام تک پہنچا رہا ہے ۔ اس سے آئندہ بہت زیادہ توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں ۔ اس کی چند اردو مطبوعات درج ذیل ہیں :۔

(۱) اقوام متحدہ از آغا محمد اشرف (۲) بچوں کی تربیت از ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب

(۳) اردو کی کہانی از محمود علی خان جامعی (۴) اسلامی کہانیاں از الیاس مجیبی

(۵) مذہبی رواداری از غلام مصطفے (۶) دنیا کی کہانی (۳ حصوں میں) از ابرار صدیقی

(۷) شوکت تھانوی از سید ابوالخیر کشفی (۸) اقبال از محمود علی خان جامعی

(۹) حالی از عبدالقیوم (۱۰) امتیاز علی تاج از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

(۱۱) سر سید احمد از ڈاکٹر ابولیث صدیقی (۱۲) دنیا کے عظیم مذاھب از سید حسن ریاض

(۱۳) رسول پاک از عبدالحفیظ خان (۱۴) بزرگان دین از محمود علی جامعی

(۱۵) دنیا کے بڑے مذھبی پیشوا از شریف المجاھد

(۱٦) ھماری دنیا از شمس الضحیٰ (۱۷) قومون کا بھائی چارہ از آغا محمد اشرف

"جدید سائنسی و فنی تخلیقات"

مختلف علوم و فنون کو اردو مین منتقل کرنے کا کام ۱۸۲۱ء مین انگریزون کے دور حکومت مین شروع ہوا تھا ۔ پھر انگریزی کی سائنس کی کتابون کے اردو ترجمے شائع ہونے لگے ۔ اس زمانے مین مرحوم دھلی کالج مین مشرقی علوم کے ساتھ ساتھ مغربی علوم بھی اردو ھی مین پڑھائے جاتے تھے ۔ اس زمانے مین وضع اصطلاحات کے کچھ اصول طے کئے گئے تھے ۔ بعد مین جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ کے تحت یہ کام جاری رہا اور وضع اصطلاحات کے ~~کچھ اصول طے کئے گئے تھے ۔ بعد مین جامعہ عثمانیہ کے~~ بنیادی اصولون کو منضبط طور پر متعین کر کے ترجمے اور تدریس مین بڑی کامیابی کے ساتھ عملاً برتا گیا ۔ جدید سائنسی اور فنی علوم کی تدریس مین جامعہ عثمانیہ کو اسی وضع اصطلاحات کے معینہ اصول کے سبب غیر معمولی کامیابی ہوئی تھی ۔ مملکت پاکستان کے قیام کے بعد جب " آن قدح بہ شکست و آن ساقی نہ ماند " کے مصداق دھلی اور مملکت حیدر آباد دکن تہہ و بالا ہوا تو کراچی مین حکومت کی مدد سے شعبہ تصنیف و تالیف

و ترجمہ کراچی یونیورسٹی ، ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی اور ادارہ ترقی اردو بورڈ کراچی کا قیام عمل مین آیا ۔ اور یہ ادارے ماشاءاللہ بڑے حسن و خوبی سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہین ۔

شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی | کراچی یونیورسٹی نے چون کہ شروع ہی سے اردو کو متبادل ذریعہ تعلیم کے طور پر اختیار کرلیا تھا اس لیے یہان کے طلبہ کی مخصوص علمی ، فنی ، سائنسی اور تحقیقی ضرورتون کو پورا کرنے کی غرض سے ۱۹۵۷ء مین اس ادارہ کا قیام کراچی یونیورسٹی کے تحت عمل مین آیا ۔ اور روز بروز اس کے دائرہ عمل مین تیزی پیدا ہو رہی ہے ۔ اس ادارہ کے تین اہم مقاصد ہین (۱) فرہنگین شائع کرنا (۲) درسی کتابون کی فراہمی (۳) اور ادبیات عالیہ کی تخلیق ۔

مقصد اول، فرہنگین شائع کرنے کے کام کو اس ادارہ نے دو شعبون مین تقسیم کردیا ہے (الف) عام فرہنگون کی تیاری (ب) فراہنگ اصطلاحات کی فراہمی ۔ عام فرہنگ سے مراد ایک ایسی مکمل مستند اور جامع فرہنگ ہے جو ادبی الفاظ کے ساتھ ساتھ جملہ علوم و فنون کے الفاظ ان کے معانی و مطالب اور مترادفات وغیرہ پر مشتمل ہو اور اساتذہ کے علاوہ مترجمین اور مصنفین کی ضرورتون کو پورا کرتی ہو ۔ اس سلسلے مین یہ شعبہ دو فرہنگین تیار کر رہا ہے (۱) معیاری انگریزی اردو فرہنگ (۲) معیاری اردو انگریزی فرہنگ ۔

(ب) فراہنگ اصطلاحات پر کام کرنے کے لیے اس شعبہ نے علم و فن کے لحاظ سے الگ الگ "مجالس وضع اصطلاحات" قائم کردی ہین ۔ ہر مجلس یونیورسٹی کے

صدر شعبہ اور چند قابل اساتذہ اور ایک ماہر زبان پر مشتمل ہوتی ہے ۔ اس وقت اس سلسلے مین مندرجہ ذیل مجلسین کام کر رہی ہین :۔ (۱) مجلس تاریخ و سیاسیات و عمرانیات (۲) مجلس فلسفہ (۳) مجلس معاشیات و تجارت (۴) مجلس نفسیات (۵) مجلس ارضیات (۶) مجلس جغرافیہ (۷) مجلس طبعیات (۸) مجلس ریاضیات (۹) مجلس شماریات (۱۰) مجلس نباتیات (۱۱) مجلس حیوانیات (۱۲) مجلس خورد حیاتیات (۱۳) مجلس کیمیا و صنائع کیمیا (۱۴) مجلس طب (بہ شمول علم فعلیات) (۱۵) مجلس علم دواسازی (۱۶) مجلس قانون (۱۷) مجلس علم کتب خانہ (۱۸) مجلس فن تدریس (۱۹) مجلس حیاتی کیمیا ۔

مقصد دوم، درسی کتابون کی فراہمی کے سلسلے مین اس شعبہ نے تین طریقے اختیار کیے ہین :۔

(الف) درسی سلسلہ : اس سلسلے مین اساتذہ اپنی اپنی جماعتون کے لیے درسی پارے تحریر کرتے ہین جنھین شعبہ کی طرف سے شائع کر کے لڑکون مین تقسیم یا فروخت کردیا جاتا ہے ۔

(ب) کتب درسیہ :۔ اس سلسلے مین مختلف علوم و فنون پر مستقل درسی کتابین تصنیف یا تالیف کرائی جاتی ہین ۔

(ج) تراجم :۔ اس سلسلے مین نصابی اور چند امدادی کتابون کے ترجمے کرائے جاتے ہین

مقصد سوم، ادبیات عالیہ کے سلسلے مین انگریزی اور دوسری بیرونی زبانون کے شہ پارون کا ترجمہ کرنا داخل ہے ۔ اب اس ادارہ کی چند اہم مطبوعات درج ذیل ہین ان سے اس کے دائرہ عمل کی صحیح تصویر نظر کے سامنے آجائے گی :۔

(۱) تعارف منطق جدید :- اس مین ارسطو، جارج بول، وائٹ ہیڈ اور رسل کے نظامات پر بحث کے ساتھ ہی ساتھ لائبیز، پیانو اور اقلیدس کے تصورات پر بھی تنقید و تبصرہ کیا گیا ہے اور ہندسہ الجبرا اور نظری طبعیات سے منطق کے تعلق پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اس کے مصنف قاضی عبدالقادر صاحب ہین ۔

(۲) تشریحات سمتیہ : یہ کتاب اعلا ریاضی کی اہم شاخ پر اردو مین بہت اہم تصنیف ہے اور کراچی یونیورسٹی اور دوسری یونیورسٹیون کی بی ۔ایس سی ایم ۔ایس سی کے نصاب مین داخل ہے اس کے مصنف حسن الدین احمد صاحب ہین ۔

(۳) ترابی خورد حیاتیات : اس کتاب کا موضوع ومبحث مٹی کی زرخیزی، فصلون کی پیداوار اور نامیاتی مادون کی تحلیل اور پودون کے لیے غذا کی فراہمی وغیرہ ہے ۔ اس کے مصنف سید عبدالسلام صاحب ہین ۔

(۴) عملی بیاض خورد حیاتیات : یہ کتاب بی ۔ایس ۔سی خورد حیاتیات کے مجوزہ تجربہ خانون مین طلبہ کی رہبری اور ان کے عملی کام کی باقاعدہ انجام دہی کے لیے تجربون کو اس بیاض کی صورت مین مرتب کیا گیا ہے ۔ اس کے مرتب ڈاکٹر احمد علی انور اور سید محمد حسین قادری ہین ۔

(۵) شمارياتی جدول : شماریات کے مطالعے کے سلسلے مین مختلف جدولون کو طلبہ کی سہولت کے لیے یک جا کردیا گیا ہے ۔ اس کے مرتب منیر احمد اور محمد حنیف میان ہین ۔

(۶) پاکستان ناگزیر تھا :- اس میں تحریک پاکستان کے راستے میں رکاوٹوں اور قائداعظم اور مسلمانوں کی کامیابیوں کی داستان تفصیل سے لکھی گئی ہے ۔اس کے مصنف سید حسن ریاض مرحوم ہیں ۔

(۷) اردو ذریعہ تعلیم اور اصطلاحات : اس کتابچے میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے دلائل دیتے ہوئے اس کے مخالفوں کو مسکت جواب دیا گیا ہے ۔اس کے مصنف آفتاب حسن صاحب ہیں ۔

(۸) شہادت حضرت عثمان کا پس منظر :- اسلامی تاریخ پر مفید مقالہ ہے اس کے مصنف ڈاکٹر محمد سلیم صاحب ہیں ۔

(۹) برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ : اس میں برعظیم پاک و ہند کی مسلم ملت کے ان فکری سانچوں کی تاریخ کا سراغ لگایا گیا ہے جن کی تشکیل اس کی مخصوص صورت حال کے نتیجے میں ہوئی تھی ۔اس کے مصنف ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ہیں ۔ یہ کتاب انگریزی میں لکھی گئی تھی ۔پھر اس کا ترجمہ ہلال احمد زبیری صاحب نے کیا ۔

(۱۰) اسلامی نظریہ حیات :- اس میں اسلامی نظریہ حیات پر ان مختلف ارباب علم و فضل کے مقالات شامل ہیں جن کی ساری زندگی اسلام کی خدمت میں گذری ہے ۔ ان ارباب علم و فضل میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں : مولانا ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر مصطفی احمد ، آغا سید محمد تقی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالاعلی مودودی، مولانا مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ وغیرہ۔اس کے مولف خورشید احمد صاحب ہیں

(۱۱) فرہنگ اصطلاحات فلسفہ (۱۲) فرہنگ اصطلاحات تاریخ و سیاسیات و عمرانیات

(۱۳) فرہنگ اصطلاحات کیمیا (۱۴) فرہنگ اصطلاحات طبعیات و فلکیات

(۱۵) "سلطنت دہلی کا نظم حکومت" کا اردو ترجمہ ۔ اس کے مصنف ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور مترجم ہلال احمد زبیری ہیں ۔

(۱۶) بادشاہ : سیاسیات پر نکولومکیاولی کی مشہور و معروف کتاب (ILPRINCIPE) کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمود حسین صاحب نے کیا ہے ۔

(۱۷) معاہدہ عمرانی :۔ عظیم فرانسیسی مفکر روسو کی تصنیف "کونٹراسوسیال" کا اردو ترجمہ ہے ۔جسے ڈاکٹر محمود حسین نے کیا ہے ۔

(۱۸) بین الاقوامی تعلقات دو عالمی جنگوں کے درمیان :۔ اس کے مصنف ای ۔ایچ کار ہیں اور مترجم ڈاکٹر م ۔ ر ۔ حسان ہیں ۔

(۱۹) سلوک المالک فی تدبیر الممالک :۔ یہ سیاسیات و عمرانیات پر ابن ابی الربیع کی عربی زبان میں نادر کتاب ہے ۔ اس کا ترجمہ عربی سے براہ راست مولانا مظہر علی کامل نے کیا ہے ۔

(۲۰) تاریخ فلسفہ : یہ کتاب مغربی فلسفہ کی جدید تاریخ پر کلیمنٹ ۔سی ۔جے۔ ویب نے انگریزی میں لکھا تھا ۔اس کا ترجمہ مولوی احسان احمد نے کیا ہے ۔

(۲۱) سائنس اور زندگی :۔ مصنفہ افتاب حسن

درسی کتابوں کے سلسلے میں اس ادارہ نے سوا سو سے زیادہ کتابیں شائع کی ہیں چند کے نام بہ لحاظ موضوعات درج ذیل ہیں :۔

" شماریات "

۱ ــ	تعارف شماریات کا موضوع و مبحث	از محمد رفیق، محمد حنیف میاں، منیر احمد
۲ ــ	جدول بندی	از منیر احمد، محمد شفیق، فرحت حسین
۳ ــ	وسطی پیمائے	از محمد رفیق، محمد حنیف میاں، منیر احمد
۴ ــ	ترسیم و اشکال	از " "
۵ ــ	انتشاری پیمائے	از " "
٦ ــ	ارتباط	از " "
۷ ــ	ریاضیاتی توقع و معیار اثر	از " "
۸ ــ	منحنا کا جمانا اور طریقہ تقلیل مربعات	از " "
۹ ــ	احتمال	از " "
۱۰ ــ	ثنائی اقسام	از " "
۱۱ ــ	ادراج	از " "
۱۲ ــ	معتمد حدود کی تعیین	از محمد حنیف میاں، محمد شفیق
۱۳ ــ	شماریات اوصاف	از " "
۱۴ ــ	تنظیم تجربات	از " "

سیاسیات

(الف) سیاسی افکار عہد قدیم و وسطی میں — از ڈاکٹر منظورالدین احمد

۱ ـ	سیاسی افکار کا مطالعہ	از ڈاکٹر منظور الدین احمد
۲ ـ	قدیم یونان کے سیاسی افکار کے ماخذ	از " "
۳ ـ	افلاطون کا نظریہ اشتمالیت	از " "
۴ ـ	افلاطون کا نظریہ عدل	از " "
۵ ـ	افلاطون اور ارسطو کا تقابلی مطالعہ	از " "
۶ ـ	ارسطو کے سیاسی افکار کا تنقیدی جائزہ	از " "
۷ ـ	عہد وسطی کے سیاسی نظریات اور ان کے ماخذ	از " "
(ب) ۱ ـ	ابتدائی خطبات	از وحید الدین قادری
(ج)	سیاسی نظام اور قانون سازی	از سید نہال حسن رضوی
(د)	نظریات عامہ	از سید شاھد علی رضوی

کیمیا

۱ ـ	نوبل گیسون کے مرکبات اور ان کی کیمیا	از عظمت علی خان
۲ ـ	کیمیائی کھادین	از ڈاکٹر بیگم انصاری
۳ ـ	ناشرک ترشہ کی صنعت	از "

حیوانیات

۱ ـ	حیوانیات کا تعارف	از ڈاکٹر محمد افضال حسین قادری
۲ ـ	حیوانیات کی تاریخ	از " "

۳ــ نخزمایہ اور حیوانی عضوی نظام از ڈاکٹر محمد افضال حسین قادری

۴ــ خشکی پر فقریون کا نمود از منظور احمد

۵ ــ فقریون کے اخراجی نظام کا تقابلی جائزہ از وقار احمد زبیری

٦ ــ حملیون کے درون افزائی غدود اور ان سے پیدا ہونے والے ہارمون از شہزادالحسن چشتی

۷ ــ حملیون کے قلب کا تقابلی مطالعہ از حفیظ الرحمن

علوم فطری

۱ ــ سائنسی فکر مین مسلمانون کا حصہ از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی مترجمہ عارف رضوی

۲ ــ کونیات از ش ـ ضحٰی

نفسیات

۱ ــ ذھنی حفظان صحت از سلمہ سہلا

۲ ــ سماجی نفسیات از سلمہ سہلا

ارضیات

۱ ــ زندہ غیرامینسی فیرا از سید شبیر علی

معاشیات

۱ ــ معاشیات کی تعریف اور وسعت از قمرالحسن صدیقی

۲ ــ بہبود ی معاشیات کے اصول از "

تاریخ عالم

۱ ـ تاریخ امریکا — از ڈاکٹر رئیس احمد خان

۲ ـ انقلاب امریکا — از " "

عمرانیات

۱ ـ اطلاقی عمرانیات تعارف — از صبیح الدین ہاشمی

۲ ـ سماجی مسائل — از "

اس ادارہ سے جریدہ کے نام سے ایک رسالہ بھی شائع ہوتا ہے جس میں شعبہ کا کام پیش کیا جاتا ہے اور مسائل زبان، علمی اصطلاحات اور ضروریات تدریس پر گران قدر مقالے شائع ہوتے ہیں ۔ اس میں باقاعدگی کے ساتھ تاریخ، سیاسیات، عمرانیات، معاشیات، فلسفہ، تجارت، نفسیات، جغرافیہ، ارضیات، حیوانیات، کیمیا، طب اور نباتیات وغیرہ پر اصطلاحات شائع ہوتی رہتی ہیں ۔

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی یہ ادارہ حکومت پاکستان کی مدد سے ۱۹۵۰ء میں قائم ہوا تھا ۔ اس کے سکریٹری اور روح رواں ڈاکٹر معین الحق صاحب ہیں ۔ اس کا مقصد تاریخ کے مطالعہ اور تحقیق کو ترقی دینا ہے ۔ اس ادارے کے تحت اسلامی تاریخ اور ہندوستان کی تاریخ پر خاصا کام ہوا ہے ۔ ایک سہ ماہی رسالہ الیصائر

کے نام سے نکلتا ہے جو ادب اور فن کے لحاظ سے اپنا معیار رکھتا ہے ۔ اس مین پاکستان کے اچھے اور صاحب نظر اہل علم حضرات شامل ہین ۔ خود ڈاکٹر معین الحق صاحب، سابق پروفسر تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے ہین لیکن حیرت ہے کہ اس کے باوجود اس کے کام کی رفتار حد درجہ سست ہے اور شائع ہونے والی کتابون مین ایک ہمایون نامہ بھی ہے جو دو سال پہلے کراچی ہی سے ایک صاحب نے شائع کر دیا تھا ۔ اور ڈاکٹر معین الحق صاحب نے اپنے ترجمہ کے دیباچہ مین اس کا ذکر بھی نہین فرمایا ہے ۔ حالانکہ یہ ضروری تھا ۔

انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ۱۸۵۷ء کے بعد ہی سے انگریزون نے ہندوؤن کی مدد اور مشورے سے مسلمانون کی زبان تہذیب اور کلچر کو مٹانا شروع کردیا تھا ۔ اس پر سب سے پہلا احتجاج کرنے والا وہ مرد مومن سرسید تھا ۔ ۱۸۷۳ء مین خاص الہ آباد مین انھون نے ایک بڑا جلسہ اردو زبان کی ~~حفاظ~~ حفاظت کی غرض سے منعقد کیا تھا ۔ سرسید کے انتقال کے بعد ان کے جانشین محسن الملک نے ۱۸ / اگست ۱۹۰۰ء کو لکھنو مین اسی اردو زبان کی ~~حفا~~ حفاظت کی غرض سے ایک اور اہم جلسہ کیا ۔ لکھنو کی مجلس تو "نشستند و گفتند و برخاستند" پر ختم ہوگئی لیکن علی گڑھ والون نے ۱۹۰۳ء مین اپنی تعلیمی کانفرنس مین "انجمن ترقی اردو" کے نام سے ایک شعبہ علمیہ قائم کردیا ۔ جس کے پہلے صدر پروفسر ٹامس آرنلڈ اور سکریٹری علامہ شبلی نعمانی منتخب ہوئے ۔

علمی مقصد کے اعتبار سے اس نئی انجمن کو سرسید کی قائم کردہ "سائنٹفک سوسائٹی" کی صدائے بازگشت کہہ سکتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی کے علاحدہ ہونے کے بعد سکریٹری کا عہدہ ۱۹۰۵ء میں مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کو سونپا گیا۔ انہوں نے دو سال بعد ۱۹۰۷ء میں کانفرنس کے اجلاس منعقدہ کراچی میں انجمن ترقی اردو کی روئداد پڑھ کر سنائی تھی وہ اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ اس میں انجمن ترقی اردو کے دور اول کا نقشہ نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"میں نے یہ تعمیل ارشاد اس بوجھ کو اپنے سرلیا اور لطیفہ غیبی کا منتظر رہا یعنی اس انتظار میں رہا کہ دیکھئے کیا سرمایہ اس کام کو چلانے کے واسطے میرے سپرد ہوگا۔ آٹھ مہینے کی کوشش کے بعد جو راس المال ملا وہ کاغذات کا ایک پلندہ تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد وہ سرمایہ میرے پاس پہنچا جو انجمن کی کل کائنات تھا ۰۰۰۰ اس راس المال کی تعداد ایک سو انتالیس روپیہ دس آنہ چھ پائی تھی۔"[1]

۱۹۰۹ء میں مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی سکریٹری کے عہدے سے دست بردار ہوگئے اور ان کی جگہ مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم نے یہ کام اپنے ذمہ لیا۔ وہ انگریزی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اردو کے بہت اچھے ادیب تھے۔ ریاست حیدرآباد میں بڑے عہدوں پر فائز رہنے کے بعد اسی سال (۱۹۰۹ء) میں) پنشن لے کر وہ علاحدہ ہوئے تھے۔ انہوں نے اصطلاحات علمیہ کے بنیادی کام پر خاص توجہ کی تھی۔ بدقسمتی سے

---

(۱) "پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو" مرتبہ سید ہاشمی فریدآبادی مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان ص ۱۵ - ۱۶

عزیز مرزا کا ایک ہی سال بعد انتقال ہوگیا ۔ ۱۹۱۲ء میں دہلی میں ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس صاحب زادہ افتاب احمد خان صاحب کی سربراہی میں منعقد ہوا اس موقع پر انجمن ترقی اردو کے سکریٹری کے عہدہ کے لیے افتاب احمد خان صاحب نے مولوی عبدالحق صاحب کا نام پیش کیا جسے سارے حاضرین نے بالاتفاق منظور کیا ۔ مولوی عبدالحق صاحب اس وقت اورنگ اباد دکن میں صدر مہتمم تعلیمات تھے ۔ اور علی گڑھ کالج کے ممتاز پرانے طالب علم اور ادبی حلقوں میں بہت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ۔ مولوی صاحب نے جس وقت انجمن ترقی اردو کے سیکریٹری کا عہدہ سنبھالا اور انجمن کا دفتر علی گڑھ سے اورنگ اباد (دکن) منتقل ہوا تو اسی وقت انجمن کے چوتھے سکریٹری کو جو سامان حوالہ کیا گیا اس کی تفصیل ہاشمی فرید ابادی صاحب نے اس طرح پیش کی ہے :-

"[1] یہ واقعہ اب ہماری ادبی تاریخ کا مشہور لطیفہ بن گیا ہے کہ جب شعبہ ترقی اردو کا دفتر علی گڑھ سے اورنگ اباد منتقل ہوا تو نئے سکریٹری کو ایک صندوق ملا جو بوسیدگی کی وجہ سے رسی سے کسا ہوا تھا ۔ اس میں ایک رجسٹر، چند پرانے اور غیر مرتب مسودات، ایک قلم دوات اور باقی اللہ کا نام ! یہ تھی کل کائنات انجمن ترقی اردو کی جو اس نے اپنے معتمد چہارم کے حوالے کی ۔"

انجمن ترقی اردو کا کام اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد مولوی عبدالحق صاحب نے اس میں چارچاند لگادیے ۔ اہم اور مفید کاموں کی داغ بیل ڈالی اور اپنی سعی و محنت سے

---

(۱) پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو ص ۲۰

دوسال کے اندر تقریبا " آٹھ ہزار روپیہ انجمن کے لیے جمع کرلیا ۔ ۱۹۱۸ء کے آخر میں علی گڑھ ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس سورت میں ہوا ۔ انجمن ترقی اردو کے ذیلی اجلاس کی صدارت مولوی وحیدالدین سلیم پانی پتی نے فرمائی ۔ خطبہ صدارت میں انھوں نے انجمن کے مقصد اور کارکردگی وغیرہ پر جس خوبی سے روشنی ڈالی ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کے کچھ اقتباسات یہاں پیش کیے جائیں :-

"اس انجمن کا مقصد کیا ہے ؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ اردو زبان کو ترقی دے ۔ اس میں دنیا کے بہترین افکار اور بلند ترین معلومات کا سرمایہ مہیا کرے ۔ اس کی حفاظت و اشاعت میں سرگرمی اور جوش سے کام لے ۔ آپ کی یہ انجمن ۱۹۰۳ء میں قائم ہوئی تھی ۔ بہار و خزاں کے پندرہ موسم اس پر گذر چکے ہیں شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی اور عزیز مرزا مرحوم اس کے معتمد رہ چکے ہیں ۔ اور اب مولوی عبدالحق بی ۔ اے کے ہاتھ میں اس کی عنان ادارت ہے ۔ اوائل ایام میں اس کی ترقی کی رفتار دھیمی رہی مگر اب وہ سرعت کے ساتھ آگے بڑھنا چاہتی ہے ۰۰ پہلے انجمن کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا اب کسی قدر سرمایہ بھی مہیا ہوگیا ہے ۔ انجمن نے اپنی مستقل حیثیت بھی قائم کرلی ہے ۔ متعدد کتابیں بھی انجمن کی طرف سے شائع کی گئی ہیں ۔ "[1]

" حضرات ! انجمن ترقی اردو کی ضرورت پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے مگر اب زمانے کے حوادث پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ۰۰۰۰۰ اپنی زبان کی حفاظت کرنا، اس کو زندہ رکھنا، ترقی دینا، اس میں بلندپایہ معلومات

---

(۱) پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو ص ۳۷

و خیالات کا سرمایہ جمع کرنا ہر اس قوم کا فرض ہے جو اس دنیا مین زندہ رہنا چاہتی ہے ۔ یورپ کا ایک ادیب لکھتا ہے کہ زبان ایک طلائی زنجیر ہے جو قوم کے افراد کو باہم ملاتی ہے، جو بکھرے ہوئے دلون کا کو ایک نقطہ پر جمع کرتی ہے، جو منتشر خیالات و افکار کو ایک مرکز پر لاتی ہے، جو ٹوٹے ہوئے ارادون اور حوصلون کو جوش کر ان مین زندگی اور تازگی کی روح پھونکتی ہے ۔ ایک زبان بولنے، لکھنے اور پڑھنے والی قومین ایک ہی دماغ سے سوچتی، ایک ہی دل سے ارادہ کرتی، ایک ہی ہاتھ سے کام کرتی اور ایک ہی پاؤن سے ترقی کے میدان مین جست لگاتی ہین ۔ "

ادبی ذوق کو ترقی دینے مین انجمن کے سہ ماہی رسالہ اردو سے بھی بڑی مدد ملی جنوری ۱۹۲۱ء سے اس رسالہ کی ابتدا مولوی عبدالحق صاحب کے زیر ادارت ہوئی اور آج تک اردو رسائل کے قافلہ سالار کی حیثیت سے جاری ہے ۔

۱۹۳۸ء مین انجمن ترقی اردو کا صدر دفتر اورنگ آباد دکن سے دہلی اس شان سے منتقل ہوا کہ ایک لاکھ روپیہ کی مالیت کی اپنی مطبوعات صندوقون مین بند تھین ۔ سب سے قیمتی سرمایہ جناب مولوی صاحب کا ذاتی کتب خانہ تھا جس مین انگریزی، اردو، فارسی اور عربی کی ہزارون اعلیٰ درجہ کی علمی کتابین موجود تھین ۔ صدہا قلمی نسخے تھے، بعض اتنے قدیم اور نادرالوجود کہ ان کی مثال نہین تھی ۔ کئی مہینون مین یہ سب سامان اورنگ آباد سے دہلی منتقل ہوا ۔ دہلی آتے ہی اپریل ۱۹۳۹ء سے انجمن کا ایک نیا اخبار " ہماری زبان " کے نام سے جاری کردیا گیا ۔ اہم کتابون کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری تھا ۔

۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود مین آیا اور پھر بھارت کے مسلم باشندون پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ انھین چن چن کر مارا گیا، لوٹا گیا اور دھکیل کر ملک بدر کیا گیا ۔ ان کی زبان، کلچر، تہذیب اور مذھب کو مٹانے کی کوشش مین بھارت کے ھندو حکمران اور عوام اندھے ھوگئے ۔ انجمن ترقی اردو کے ساتھ بھی بڑے بہیمانہ اور غیر منصفانہ حرکات کی گئے ۔ اس کا دفتر لوٹا گیا، مطبوعات اور بیش قیمتی کتب خانہ جلاکر خاکستر کردیا گیا ۔ انجمن کے ملازمین جان بچاکر بھاگے اور جو بیچارے نہ بھاگ سکے شہید کیے گئے ۔ انجمن کے پاس اس وقت تقریبا" دو لاکھ روپیہ نقد، مطبوعات اور کاغذ وغیرہ ملاکر تقریبا" تین لاکھ روپیہ کا اثاثہ تھا ۔ وہ سب کا سب حکومت ھند نے غصب کرلیا ۔ مولوی صاحب کی گاڑی اور ذاتی سامان ھزارون کی مالیت کا ھندو بلوائیون نے لوٹ لیا یا تباہ کر دیا ۔ مولوی صاحب نے تقریبا" ایک سال تک پوری تگ و دو کی کہ کوئی صورت مفاھمت کی نکل آئے لیکن جب خود ان کی زندگی اور عزت خطرے مین نظر آنے لگی تو وہ ۲۸ جنوری ۱۹۴۹ء کو بمبئی سے یہ شعر پڑھتے ھوئے جہاز مین سوار ھوئے ــــ

رخصت اے ھندوستان اے بوستان بے خزان
رہ چکے تیرے بہت دن ہم بدیسی میہمان

اور ساڑھے بارہ بجے کراچی پہنچے اور نئی مہم کا آغاز کردیا ۔ ویسے تو ۱۹۴۸ء ھی سے انجمن کا دفتر کراچی منتقل کردیا گیا تھا وھان سے مئی ۱۹۴۸ء کو انجمن کا اخبار " قومی زبان " بھی جاری ھوگیا تھا اور " انجمن ترقی اردو پاکستان " کا نیا دستور بھی مرتب کر کے رجسٹری کرالیا گیا تھا ۔ لیکن صحیح معنون مین مستقل طور پر انجمن ۱۹۴۹ء سے پاکستانی ادارہ بنی ۔ جب کہ مولوی عبدالحق صاحب ھر طرف سے

ناامید ہوکر کراچی تشریف لے آئے ۔ پاکستان میں اس انجمن کے پہلے صدر سر شیخ عبدالقادر منتخب ہوئے ۔ سال بھر کے بعد جب شیخ صاحب کا انتقال ہوگیا تو ۱۹۵۰ء میں مجلس نظما نے مولوی عبدالحق صاحب کو انجمن کا صدر بھی منتخب کرلیا اور وہ صدر اور سکریٹری دونوں کے فرائض انجام دیتے رہے ۔ مجلس نظما کے اراکین کی تعداد ۳۵ رکھی گئی ۔ حسب سابق آمد و خرچ کے باضابطہ حسابات صدر دفتر کراچی میں رکھے جاتے ہیں اور ان کی ہر سال مسلمہ آڈیٹرز سے تصدیق کرائی جاتی ہے اور مجلس نظما نظما میں پیش کرکے سالانہ مصارف کی منظوری لی جاتی ہے ۔

مملکت پاکستان میں انجمن کے عہد جدید کا آغاز بھی تقریباً اسی طرح ہوا جس طرح علی گڑھ سے اورنگ آباد (دکن) ہونے کے وقت ہوا تھا ۔ البتہ اس وقت اور اس وقت دونوں مشکل وقتوں میں انجمن کا اصلی معمار، اردو کی روح رواں، اپنی پیرانہ سالی میں شدید صدمہ جھیلنے کے باوجود تازہ جوش اور جوان ہمت کے ساتھ انجمن ترقی اردو کی شکستہ کشتی کو منجدھار سے نکال لے جانے کے لیے ہم میں موجود تھا ۔ اور یہ بہت بڑی بات تھی ۔ ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونیورسٹی اور احمد آباد کی دونوں اردو کانفرنسوں میں بابائے اردو نے خطبہ صدارت دیا وہ ان کے جوش و خروش اور پیرانہ سالی کے باوجود جوان ہمتی کی عکاسی کر رہا ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی کے خطبہ صدارت میں ایک جگہ فرماتے ہیں :-

> [1] " ہندوستان اردو کو شوق سے اپنی حدود سے خارج کر دے لیکن وہ اس کے خارج کئے خارج نہیں ہوسکتی ۔ اس کے قدردان اب بھی

---

(۱) پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو ص ۲۳۰

دنیا مین بہت ہین ــ وہ زندہ رہے گی، ترقی کرے گی اور اوج کمال پر پہنچے گی اور برآعظم پاکستان و ہند ہی کی نہین ساری ایشیا کی عام زبان ہوکے رہے گی ــ البتہ ہندوستان کی فرد جرم مین ایک جرم کا اور اضافہ ہوگیا جسے وہ ہزار پردے ڈال کر بھی نہین چھپا سکتا ــ یہ معمولی جرم نہین یہ قتل عمد ہے ــ تاریخ کے اوراق پکار پکار کر اس کے قاتلون پر نفرین کرین گے ــ "

احمدآباد کے خطبہ صدارت مین کچھ کچھ اور ہی جوش و ولولہ اور امنگ نظر آتا ہے ملاحظہ ہو :ــ

[1] " مصیبت بعض وقت رحمت ثابت ہوتی ہے دنیا مین اکثر بڑے بڑے کام مصیبت کے وقت انجام پاتے ہین ــ یہ تازیانے کا کام دیتی ہے جس سے سوئی ہوئی قوتین جاگ اٹھتی ہین اور اٹی ہوئی سوتین کھل جاتی ہین ــ بجھے ہوئے دلون مین ایک تازہ توانائی اور دماغون مین ایک نئی جلا پیدا ہوجاتی ہے ــ اختلاف اور نفاق مٹ جاتے ہین اور ان کی جگہ یک جہتی اور اتحاد کی برکت آجاتی ہے۔جو کام پہلے ان ہونے معلوم ہوتے تھے وہ آسان نظر آنے لگتے ہین ــ یہ وقت ہم پر بھی ایسا ہی آیا ہے ــ یہ درحقیقت ہمارے امتحان کا وقت ہے ــ اگر ہم ہمت نہ ہارے اور استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا تو انشاءاللہ ہم اس امتحان مین ضرور پورے اترین گے ــ ـــہ

مدد اے ہمت دشوار پسند کام آسان ہوا جاتا ہے "

چنان چہ پانچ سال کی مدت مین اس پیکر عمل ہمت و استقلال نے وہ کرشمہ کر دکھایا دکھایا کہ انکھین دیکھتی کی دیکھتی رہ گئین ــ سچ ہے " ہمت مردان مدد خدا ــ "

---

[1] پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو ص ۲۳۱

مقصد پاک اور لگن سچی ہو تو پکستان کی گلزار ہو جاسکتا ہے ۔ جنگل میں منگل کا نظارہ ہم کر سکتے ہیں ۔

اپریل ۱۹۵۱ء میں بہ مقام کراچی بابائے اردو نے "کل پاکستان اردو کانفرنس" منعقد کیا جس کا افتتاح پاکستان کے گورنر جنرل عالی جناب خواجہ ناظم الدین صاحب نے اس یادگار خطبہ سے فرمایا تھا :-

"حضرات ! میری نظر میں اردو کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ پاکستان کے کسی صوبے کی زبان نہیں اور سب کی زبان ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ اردو نہ تو بنگال کے دیہات میں بولی جاتی ہے نہ پنجاب سرحد سندھ یا بلوچستان کے، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ آپ بنگال میں پنجابی یا پنجاب میں بنگالی، سرحد میں سندھی یا سندھ میں پشتو بولیں تو آپ کی بات سمجھنے والا کوئی مقامی باشندہ مشکل سے ملے گا ۔ مگر اردو یا کم سے کم ٹوٹی پھوٹی اردو کو بولنے یا سمجھنے والے تھوڑے بہت قریب قریب ہرجگہ مل جائیں گے ۔ صرف یہی ایک زبان ہے جو پاکستان کے مختلف حصوں میں مشترک ہے بلکہ پاکستان سے باہر بھی اس سے کام چلایا جاسکتا ہے ۔ قائد اعظم کی مادری زبان اردو نہ تھی انہیں سب سے زیادہ مہارت انگریزی زبان میں حاصل تھی مگر ان کی دور بین نگاہوں نے دیکھ لیا کہ سوال ذاتی یا صوبائی نہیں بلکہ قومی اور ملی ہے ۔ اگر پاکستان کی مختلف زبانیں بولنے والوں کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنا ہے تو اس کی ایک قومی زبان بھی ہونی ضروری ہے ۔ اور یہ بڑا زبان سوائے اردو کے دوسری نہیں ہوسکتی ..... ہم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنی قومی زبان کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کی کوشش کریں ۔" [1]

---

(۱) پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو ص ۲۴۰ ۔ ۲۴۱

اردو کی تبلیغ و اشاعت کے علاوہ بابائے اردو نے ایک اردو کالج بھی قائم کیا جو اس انجمن کے تحت اب بھی شاندار طور پر چل رہا ہے لیکن انجمن کا اصل کام علمی، سائنسی اور فنی کتابون کی تصنیف و تالیف ہے ۔ اور اس کی طرف بابائے اردو نے خاص توجہ دی ۔ اس وقت تک انجمن ترقی اردو نے سو سے زیادہ اہم کتابین ارباب علم و فضل کے سامنے پیش کی ہین ۔ انجمن نے اپنا ایک مطبع بھی قائم کرلیا ہے ۔ جس کی طباعت، صفائی اور پاکیزگی کے لحاظ سے بہت پسندیدہ مانی جاتی ہے ۔ سہ ماہی رسالہ اردو کے علاوہ ماہانہ معاشیات اور قومی زبان بھی نکل رہا ہے ۔ قومی زبان ہماری زبان کی جگہ نکل رہا ہے ۔ لیکن اس بات کا دکھ ہے کہ حکومت پاکستان نے اس کی طرف خاطرخواہ توجہ نہ دی اور بابائے اردو عبدالحق صاحب مرحوم حکومت پاکستان کی سردمہری اور عوام کی بے اعتنائی پر جو اس ادارہ کے ساتھ مستقلاً ہوتی جاتی رہی ہمیشہ کڑھتے رہے اور دل گیر و دل شکستہ رخصت ہوئے ۔ وہ فرمایا کرتے تھے :

> [۱] " اگر مجھے پانچ سال آزادی سے کام کرنے دیا جائے تو مین اتنا بلند علمی و ادبی کام کرکے دکھا سکتا ہون جو نہ پچھلے دس سال مین ہوا اور نہ آئندہ دس سال مین کوئی ادارہ انجام دے سکتا ہے ۔"

ایک موقع پر بہت دل شکستگی کے عالم مین فرمایا تھا کہ :۔

> [۲] " کم و بیش ڈیڑھ سال سے یہ حالت ہے کہ علمی و ادبی کام معطل ہے انجمن اس وقت ایسے نااہل ہاتھون مین جاپڑی ہے جنھین علم و ادب

---

(۱)

(۲)

سے کچھ لگاؤ نہین البتہ جوڑ توڑ، سازش اور فرقہ پروری سے خاص دلچسپ
دلچسپی ہے ۔ اس تمام ابتری کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے بعض ایسی
کتابون کے مسودے واپس کرنے پڑے جن کی اشاعت انجمن ہی "اردو ادب
کے لیے موجب فخر ہوتی ۔"

اب انجمن ترقی اردو کی چند اہم مطبوعات کی فہرست بہ لحاظ موضوعات درج ذیل کی جاتی ہے اس سے انجمن کی علمی فنی اور سائنسی میدان مین تصنیفی کارگذاریون کا اندازہ ہوسکے گا :-

"لـــغات"

(۱)	اسٹینڈرڈ انگریزی اردو ڈکشنری	از بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب
(۲)	اسٹوڈنٹس انگریزی اردو ڈکشنری	از " "
(۳)	پاپولر انگریزی اردو ڈکشنری	از " "

"کتب حوالـــہ"

(۱)	قاموس الکتب	از بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب
(۲)	مخطوطات انجمن ترقی اردو (اردو) دو جلدون مین	از افسر امروہوی
(۳)	" " (فارسی عربی)	از سید سرفراز علی رضوی
(۴)	تقویم سنہ ہجری و عیسوی	از ابوالنصر خالدی

"لسانیات ـ قواعد ـ اردو تحریک"

(۱)	خطبات عبدالحق	از بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق

(۲) داستان زبان اردو — از ڈاکٹر شوکت سبزواری

(۳) تاریخ پنجاہ سالہ انجمن ترقی اردو — از سید ہاشمی فرید آبادی

"اصطلاحات علمیہ"

(۱) وضع اصطلاحات — از مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی

(۲) اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ — از بابائے اردو ڈاکٹر عبد الحق صاحب

(۳) فرہنگ اصطلاحات فلکیات — انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی

(۴) فرہنگ اصطلاحات پیشکاری — " "

(۵) فرہنگ اصطلاحات کیمیا — " "

(٦) فرہنگ اصطلاحات جغرافیہ — " "

"ب۔ سائنس"

(۱) اردو بہ حیثیت ذریعہ تعلیم سائنس — از بابائے اردو ڈاکٹر عبد الحق صاحب

(۲) جراثیمیات — از محمد احمد جامی

(۳) سیر افلاک — از مرزا محمد رشید

(۴) مہ و انجم مصنف مارٹن ڈیوڈسن — ترجمہ از شاہ الحق صدیقی

(۵) جدید معلومات سائنس — از میجر آفتاب حسن

(٦) اضافیت — از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی

(۷) قوائے طبعیہ — از ڈاکٹر صادق حسین

(۸) نباتی دباغت — از سید امداد علی

(۹) حیوانیات — از پروفیسر محشر عابدی

"فلسفہ و تصوف"

(۱) جھنا جاگتا مصنف ابن طفیل — ترجمہ از ڈاکٹر محمد یوسف

(۲) فلسفہ نفس — از ضامن نقوی

"پاکستان کا علاقائی ادب"

(۱) پشتو شاعری — از فارغ بخاری ـ رضا ہمدانی

(۲) ابیات سلطان باھو — از عبدالمجید بھٹی

(۳) پنجابی کے پانچ قدیم شاعر — از شفیع عقیل

"قدیم اردو"

(۱) قدیم اردو — از بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق

(۲) سب رس ملا وجہی (مرتبہ) " "

(۳) مثنوی گلشن عشق از ملا نصرتی " " "

(۴) مثنوی قطب و مشتری از ملا وجہی " " "

(۵) مثنوی من لگن از قاضی محمود بحری " سخاوت مرزا

(٦) دیوان حسن شوقی " جمیل جالبی

"ادبیات"

(۱) خیالات عزیز — از مولوی عزیز مرزا

(۲) مقالات حالی (حصہ اول) — از مولانا الطاف حسین حالی

(۳) مضامین سلیم (جلد اول و دوم و سوم) از مولوی وحید الدین سلیم

(۴) ارث ان اردو پوئٹری (انگریزی) از شہاب الدین رحمت اللہ

(۵) مقالات ناصری از میر ناصر علی (مرتبہ) انصار ناصری

"تذکرے"

(۱) گلشن ہمیشہ بہار مصنف نصر اللہ خان (مرتبہ) ڈاکٹر اسلم فرخی خویشگی

(۲) تذکرہ اہل دہلی مصنف سر سید احمد خان (مرتبہ) قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی

"عالمی ادب"

(۱) فن شاعری (بوطیقا) تصنیف ارسطو (ترجمہ) عزیز احمد

(۲) کندمالا از (دن نگا اچاریہ) (ترجمہ حمد انی ندوی

(۳) داس کیپٹال (مارکس) (ترجمہ) سید محمد تقی

(۴) رومیو جولیٹ (شکسپیر) (ترجمہ) عزیز احمد

(۵) فاؤسٹ (گوئٹے) (ترجمہ) عبدالقیوم باقی

"تاریخ"

(۱) چین و عرب کے تعلقات از مولوی بدر الدین چشتی

(۲) جنوبی یورپ پر عربوں کے حملے از امیر شکیب ارسلان (ترجمہ) نجم الدین احمد

(۳) کابل و یاغستان از مولوی محمد علی قصوری

(۴) ہندوستان پس منظر و پیش منظر — از سید محمد تقی

(۵) تاریخ سلطنت سلطانان روس — از مزمل یاسین

(٦) جغرافیہ قرآن — از مفتی انتظام اللہ شہابی

* فارسی ادب *

(۱) مرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب از پیر حسام الدین راشدی

(۲) ہفت مقالہ (فارسی زبان و ادب سے متعلق) از پیر حسام الدین راشدی

* تحقیق و تنقید *

(۱) نصرتی ملک الشعرائے بیجاپور — از بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق

(۲) مرحوم دہلی کالج — از " "

(۳) سید احمد خان حالات و افکار — از " "

(۴) مقالات گارسان دتاسی (جلد اول) — از انجمن ترقی اردو پاکستان

(۵) سودا — از شیخ چاند مرحوم

(٦) اردو تھیٹر (جلد اول دوم سوم) — از ڈاکٹر عبدالحلیم نامی

(۷) اردو کی منظوم داستانیں — از ڈاکٹر فرمان فتح پوری

(۸) اردو کی نثری داستانیں — از ڈاکٹر گیان چند

(۹) محمد حسین آزاد (جلد اول دوم) — از ڈاکٹر اسلم فرخی

(۱۰) جلال لکھنوی — از ڈاکٹر محمد حسن

(۱۱) کاروان صحافت — از ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

(۱۲) سعادت یار خان رنگین — از ڈاکٹر صابر علی خان

ادارہ ترقی اردو بورڈ کراچی | ۱۲/جون ۱۹۵۸ء کو حکومت پاکستان کے محکمہ تعلیمات نے ایک روزولوشن کی مطابقت میں ادارہ " ترقی اردو بورڈ " کے قیام کی اجازت دی اور یہ ادارہ عالم وجود میں آیا ۔ اس کے قیام کا بنیادی مقصد اردو زبان کی ایک مستند اور ضخیم لغت کی تدوین و ترتیب تھا ۔ اس کے علاوہ اردو زبان و ادب کی ترقی کے سلسلے میں جو بھی ضروری اقدام مناسب سمجھا جائے گا محکمہ تعلیمات کی ہدایت پر یہ ادارہ انجام دے گا ۔ اس کے چودہ اراکین بہ شمولیت صدر اور سکریٹری متعین کئے گئے ۔ ڈاکٹر ممتاز حسن صاحب اس کے صدر اور شان الحق حقی صاحب سکریٹری منتخب ہوئے ۔

اس وقت یہ ادارہ ممتاز ادبی شخصیتوں کے زیر نگرانی اردو زبان و ادب کی اہم فنی اور ادبی خدمات انجام دے رہا ہے ۔ اردو لغت کی تدوین کا کام زوروں پر ہورہا ہے ۔ کچھ ادبی اور فنی کتابیں بھی اردو زبان میں اس سے چھپ رہی ہیں اور ایک سہ ماہی رسالہ اردو نامہ کے نام سے پابندی سے نکل رہا ہے ۔ اس ادارہ کو روپیہ کی طرف سے کوئی دشواری نہیں ۔ حکومت پاکستان کی مدد اس کو برابر ملتی رہتی ہے ۔ اس ادارہ کی چند اہم مطبوعات درج ذیل ہیں :-

(۱) خاور نامہ (حصہ) — از رستمی بیجاپوری

(۲) رسوم دہلی — از مولوی سید احمد دہلوی

(۳) مخطوطات پیرس — از ڈاکٹر آغا افتخار حسین

(۴) ترکی اردو لغت — از ڈاکٹر محمد صابر

(۵) اردو کی پہلی کتاب (چار حصے) — از مولوی محمد حسین آزاد

(۶) بات کا سچا — از سید ابو شیم فرید آبادی

(۷) اذان کا اثر — از " "

(۸) خلیفہ کا انصاف — از " "

(۹) قاضی جی بکڑے گئے — از " "

(۱۰) جذبات نادر — از نادر کاکوروی

(۱۱) منتخب الحکایات — از مولوی نذیر احمد دہلوی

(۱۲) منازل السائرہ — از علامہ راشد الخیری

(۱۳) مراۃ العروس — از مولوی نذیر احمد دہلوی

(۱۴) مقالات اختر — از قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی

ادبیات

تقسیم ہند کے بعد دو سال تک پاکستان میں اردو زبان و ادب میں ہر طرف کچلی ہوئی انسانیت کی چیخیں اور تڑپتی ہوئی لاشوں کی سسکیاں سنائی دیتی رہیں۔ بہت سے ادیب خود طوفان کی زد میں آکر اپنے تخیل کی بلند پروازی کھو بیٹھے نتیجہ میں

بہت کم اچھی چیزیں قلم سے نکل سکیں ۔۔ چند ادیبوں نے اس دور میں کچھ افسانے اور ڈرامے لکھے بھی تو وہ سطحی اور پھیکے پھیکے سے ۔۔ بعض ادیبوں کو کمیونسٹوں کے نقطہ نظر کی تلاش ہوئی لیکن ترقی پسند ادیب تقسیم ہند سے پہلے ہی انگریزوں کے دست راست بن کر اپنا وقار کھوچکے تھے ۔۔ اس لئے وہ کھل کر سامنے آنے میں ہچکچاتے رہے ۔۔ بعضوں نے بہت محتاط اور دبے دبے انداز میں اپنے لکھنے کے لیے چند فارمولے تیار کیے مثلاً " ملک کی تقسیم بڑی غلطی تھی ـــــ فسادات انگریزوں کی اسکیم کے تحت ہوئے جس میں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں نے برابر کا حصہ لیا ۔۔ اور اس فارمولے پر اپنی نگارشات کو ڈھالتے رہے ۔۔ دو سال گذر جانے کے بعد دوسرے دو سال میں لوگوں کو ایک عجیب قسم کی مایوسی اور حرمان نصیبی کے احساس نے آدبوچا ۔۔ جو غریب تھے وہ اور غریب ہوگئے اور جو امیر تھے وہ بہت زیادہ امیر ہوگئے ۔۔ ادیب صحافی بن گئے اور صحافی ریڈیو سنگر اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر اور کالجوں کے پرنسپل تعلیم و تربیت دینے کی بجائے تجارت کرنے لگے ۔۔ انجام بہت مایوس کن ہوا ۔۔ ادب کا معیار گرنے لگا ۔۔ نئی پود صحیح تعلیم و تربیت کی کمی کے باعث ہاتھوں سے نکلی جارہی تھی ۔۔ اور والدین ہاتھ مل رہے تھے ۔۔ مایوسی، جمود اور کساد بازاری نے ساری امنگوں کو کچل کر رکھ دیا ۔۔ معیاری رسالے غیر مقبول اور بازاری رسالے مقبول ہونے لگے ۔۔ اندرونی اور بیرونی لوٹ کھسوٹ عام ہوگئی ۔۔ بدنام نکونام اور شریف طبع بدنام اور نکو بن گئے ۔۔ یکایک کچھ ادیبوں نے اپنی گراوٹ کو محسوس کیا اور سنبھل کر بیٹھ گئے ۔۔ وہ شکستہ کشتی کو سنبھالنے کے لیے آگے بڑھے ۔۔ تغیرات روزگار کے ساتھ وہ اپنی زبان، روایات، تمدن، معاشرت اور علم و فن کی روح کو نئے نئے قالبوں میں ڈھال کر ارتقا کے زیور سے سجانے لگے ۔۔

افسانے، ناول اور شعر و شاعری مین خاصی ترقی ہوئی ۔ اور پھر نگارشات کا سیلاب آگیا۔ سیکڑون معیاری اردو رسالے اور اخبارات نے اپنی کارکردگی سے السنہ عالم مین اپنی ساکھ بٹھا دی ۔ بہت سے ادبی ادارے جن مین پاکستان کلچرل سوسائٹی، رائٹرز گلڈ، حلقہ ارباب ذوق کراچی اور ادارہ مطبوعات حکومت پاکستان خاص طور پر قابل ذکر ہین جو بہتر سے بہتر تخلیقات پیش کرنے کے لیے سرگرم عمل ہوگئے اور انھون نے بے شمار ادبی کتابین دنیا کے سامنے پیش کین ۔ بعض تجارتی ادارون جیسے نفیس اکیڈمی وغیرہ نے بھی اردو شعر و ادب اور تاریخ و مذہب پر بہت ساری معیاری کتابین چھاپین اور برابر چھاپ رہے ہین ۔

پاکستان کلچرل سوسائٹی کراچی | اس کے بانی جمیل جالبی اور شاھد احمد دھلوی مرحوم ہین ۔ اس کا مقصد ادب کی خدمت اور پاکستان کے کلچر کی ترقی ہے ۔ ادب کے اس ادارے کے تحت ایک سہ ماہی رسالہ نیا دور بھی نکلتا ہے اور اب تک یہ کئی اچھی ادبی کتابین شائع کرچکا ہے ۔

رائٹرز گلڈ کراچی | اس ادارہ کی بنیاد ۲۹ جنوری ۱۹۵۹ء کو کراچی مین رکھی گئی تھی ۔ شاھد احمد دھلوی نے ۲۹ / جنوری ۱۹۵۹ء کو بہ مقام کے ۔جی ۔اے ہال کراچی اپنے خطبہ صدارت مین اس کی پیدائش پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا تھا :۔

[1] ۱۲/ دسمبر ۱۹۵۸ء کو کراچی کے آٹھ ادیبون نے ایک اعلان نامہ جاری کیا جس مین اس کنونشن کی تجویز پیش کی ۔ یہ ادیب کسی ایک مجلس

---

(۱) رسالہ ہم قلم سال گرہ نمبر ۱۹۶۱ء مطبوعہ ادارہ مصنفین پاکستان کراچی ص۲۳۸

کے رکن نہین تھے بلکہ کسی ایک شہر کے رہنے والے بھی نہین تھے ۔
اس اعلان نامے کے بعد انھون نے اپنے حلقہ عمل کو وسیع کیا اور مجھے
اپنے ساتھ کام کرنے کی دعوت دی ۔ میری دلی آرزو بھی یہی تھی ۔
اس لیے باوجود خرابی صحت کے مین ان کے ساتھ ہوگیا ۔ اس کے بعد
انھون نے ہر مکتب فکر کے کارکن بلائے اور یہ سب ان کی ان تھک کوششون
کا نتیجہ ہے کہ آج ہم سب ایک جگہ جمع ہین ۔ "

اس پہلی اجتماع مین تین اجلاس ۲۹ ۔ ۳۰ ۔ ۳۱ جنوری ۱۹۵۹ء کو ہوئے ۔ اسی پہلی اجتماع مین اس تنظیم کا نام " پاکستان رائٹرز گلڈ " (ادارہ مصنفین پاکستان) رکھا گیا اور اس تنظیم کا رجسٹرڈ صدر دفتر پاکستان کے وفاقی دارالحکومت مین ہوگا اور کراچی لاہور اور ڈھاکہ مین اس کے علاقائی دفاتر ہون گے ۔ اس ادارہ کے اغراض و مقاصد مین مندرجہ ذیل امور شامل کیے گئے ہین:-

(الف) ایسے حالات کو فروغ دینا جو خیالات اور ثقافت کے آزادانہ اظہار و فروغ کے ضامن ہون ۔

(ب) ادیبون کے ادبی مفادات کا تحفظ کرنا تاکہ وہ بے خوف و ہراس پاکستانی ادب کی خدمت کرنے کے قابل ہوسکین ۔

(ج) امداد باہمی کی بنیادون پر ایک ایسے دارالاشاعت کے قیام و انصرام کے لیے کام کرنا جو اس گلڈ کے ارکان کی علمی کاوشون کی اشاعت کے لیے سہولتین بہم پہنچائے ۔

(د) ادیبون کے لیے مشترکہ بیمے کی تجویز بروے عمل لانا تاکہ بہ وقت ضرورت ان کی اور ان کے کنبون کی اعانت ہوسکے ۔

(ہ) پاکستانی ادب کی بیرونی ممالک مین اشاعت کا اہتمام کرنا تاکہ عام دنیا مین پاکستانی تصنیفات کو متعارف کرایا اور مقبول بنایا جائے ۔

(و) بیرونی ممالک میں بھیجنے کے لیے گلڈ کے ارکان پر مشتمل ادبی اور ثقافتی وفود کی تشکیل کرنا ۔

(ز) کاپی رائٹ ایکٹ اور دوسرے متعلقہ قوانین میں ایسی تبدیلیوں کی کوشش کرنا جن سے مصنفوں کی ادبی کاوشوں کے عوض حاصل ہونے والی مالی منفعتوں کا مکمل قانونی تحفظ ہوسکے اور فی الجملہ مصنف اور ناشر کے مابین معقول بنیادوں پر تعلقات استوار ہوسکیں ۔

(ح) بوقت ضرورت ملک کی دوسری ادبی اور ثقافتی تنظیموں سے تعاون کرنا اور ان کی حمایت و اعانت کرنا ۔

(ط) گلڈ کے اغراض، دائرہ کار اور نصب العین سے مطابقت رکھنے والے ایسے دوسرے امور کی انجام دہی جو اس پر اس کی مرکزی انتظامیہ مقرر کرے ۔

اس ادارہ کے ارکان کی دو قسمیں مقرر کی گئیں (الف) بانی ارکان اور (ب) عام ارکان ۔ بانی ارکان میں وہ لوگ شامل ہوئے جو پاکستان رائٹرز گلڈ کے کنونشن ۱۹۵۸ء میں شریک تھے ۔ اور عام ارکان میں ہر وہ شخص شامل ہوسکتا ہے جو اس تنظیم کے اغراض و مقاصد سے متفق ہو نیز ادیب ہو اور قانون شہریت پاکستان کے مطابق پاکستان کا شہری ہو ۔

اس کے اچھے مقاصد کے تحت حکومت نے بھی اس سے بھرپور تعاون کیا اور آج بھی کر رہی ہے ۔ ۳۱ / جنوری ۱۹۶۱ء کو اس ادارہ کی دوسری سال گرہ کے موقع پر صدر مملکت جناب محمد ایوب خان صاحب نے جو پیغام بھیجا تھا اس سے اس ادارہ کی اہمیت اور حکومت کے تعاون کا صحیح اندازہ ہوگا :-

[1] " مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ادارہ مصنفین پاکستان (پاکستان رائٹرز گلڈ) اپنی دوسری سالگرہ کراچی میں اس وقت منا رہا ہے جب کہ

---

(۱) رسالہ ہم قلم سال گرہ نمبر بابت ۱۹۶۱ء ص ۳

اس کے پس منظر میں قابل فخر کارگذاریاں موجود ہیں ۔میں آپ کی رفتار ترقی کا گہری دلچسپی سے مطالعہ کرتا رہا ہوں ۔

"ڈھاکہ میں "ادارے" کی پہلی سالگرہ پر اپنے پیغام میں میں نے آپ لوگوں کو آزادی اظہار کی ذاتی ضمانت دی تھی ۔خدا کے فضل سے میں اپنے اس وعدے پر کاربند رہنے میں کامیاب رہا ہوں ۔ اس موقع پر میں پھر اسی عہد کو پوری ذمہ داری اور صمیم قلب سے دھراتا ہوں ۔

"میں آج اس تقریب میں آپ کی توجہ ایک قومی مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں حالانکہ مسئلہ ہذا نیا نہیں ہے ۔ آپ نے دو سال اپنی تنظیم میں صرف کئے ہیں کیا اب یہ واجب نہیں کہ آپ پاکستان کے قومی عزائم کے حصول کی طرف توجہ کریں ۔انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی ۔ اس میں شک نہیں کہ میری حیثیت ایک عام قاری کی ہے لیکن آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ کوئی ادب اگر وہ ادب ہے تو کتنا بھی داخلی ہو نتیجتاً "مقصدی ہوتا ہے اور انتہائی بین الاقوامی اور آفاقی نقطہ نظر رکھتے ہوئے بھی ادیب اس جغرافیائی، نظریاتی، روحانی اور فکری چہاردیواری سے بے نیاز نہیں ہوسکتا جس میں وہ رہتا اور سانس لیتا ہے ۔

میں آپ کو موضوعات اور پیرایہ اظہار کے بارے میں کوئی مشورہ نہیں دیتا میں آپ سے صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر چند قوم اور ملک پر آپ کے بہت سے حقوق ہیں لیکن آپ بھی اس معاشرے کے رکن ہیں — کوئی معمولی رکن نہیں بلکہ بڑے اہم اور غیر معمولی رکن، لہذا آپ کو پاکستان کی فکری سالمیت، استحکام اور عظمت کے تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے ان کے لیے نئی ہمت نئے ذوق و شوق کو بروے کار لانا چاہیے ۔

"یہ بات آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہین کہ تاریخ ہر شخص کے میزان عمل کا بڑی سختی سے محاسبہ کرتی ہے خواہ وہ ادیب ہو یا قاری۔ جہان تک میرا تعلق ہے مین آپ کی بہبود/آپ کی ترقی اور آپ کے حقوق کے تحفظ کے لیے ہمیشہ سرگرمی سے کوشان رہون گا۔

مین آپ کے لیے ایک عظیم مستقبل کی دعاکرتاہون۔"

اس ادارہ کے پہلے اجتماع کی چوتھی نشست مین جو ۳۱/جنوری ۱۹۵۹ء کو منعقد ہوئی تھی مندوبین کی درخواست پر صدر مملکت فیلڈ مارشل ایوب خان صاحب نے جلسہ کی صدارت فرمائی تھی۔ اس موقع پر جو خطبہ صدارت فی البدیہہ آپ نے دیا تھا وہ بعض لحاظ سے بہت اہم اور آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔صدر مملکت نے انگریزی مین خطبہ دیا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ رسالہ ہم قلم کے سال گرہ نمبر ۱۹۶۱ء مین چھپا تھا۔اس جگہ اس سے کچھ اقتباسات درج ذیل ہین:-

"مجھ سے کہہ دیا گیا تھا کہ مجھ سے کسی تقریر کے لیے نہین کہا جائے گا اور اسی لیے مین نے اپنی کرسی آرام سے سنبھال لی اب مجھے مجبور کر دیا گیا ہے کہ مین کچھ کہون۔ مین تقریر پر تیار نہین ہون جب کہ ایسے ایسے اہل علم و فضل سامنے ہین۔ [1]

مجھے اعتراف کرلینا چاہیے کہ مین آپ کی کارروائیون سے بہت متاثر ہوا ہون اس مین شک نہین کہ آج ادیبون کو بہت سی مشکلات درپیش ہین لیکن اصل مین پورا ملک چند در چند مشکلات مین گرفتار ہے۔ یہ مشکلات ماضی کی یادگار ہین مگر ہمین امید رکھنی چاہیے کہ ہم مل جل کر بہت جلد انہین دور کر دین گے۔

---

(۱) رسالہ ہم قلم سال گرہ نمبر بابت ۱۹۵۹ء ص ۲۶۶ – ۲۶۷

ایک فوجی کی سادہ زبان مین پاکستان کا نصب العین بہت واضح ہے انسانون کے لیے بہتر سے بہتر آرام دہ بھرپور اور مکمل زندگی ایک مضبوط اور ترقی پسند معاشرہ ۔ اس کے لیے ہمین گہری بنیادون پر منصوبہ بندی اور مخلصانہ اور مسلسل کام کی ضرورت ہے اور مین جانتا ہون کہ ہمارے عوام مین گیارہ برس کی خرابی کے باوجود ایک نہایت نمایان اور طاقتور روح بیداری موجود ہے جسے بروے کار آنے کا موقع ملنا چاہیے ہمین ایک مضبوط لائحہ عمل پر حقیقت پسندی اور تسلسل کے ساتھ دو تین قرن تک چلنا پڑے گا ۔

کام کا مطلب یہ نہین کہ صرف عمال حکومت یا فیکٹریون کے مزدور کام کرین ہم مین سے ہر ایک کو کام کرنا پڑے گا ہر کام کرنے والا ـــــ ایک خاک روب تک ـــــ اپنے کام مین ترقی کرسکتا ہے ـ وہ پاکستان کی مشین مین ایک اہم پرزے کی حیثیت رکھتا ہے اسے اپنے بہتر کام پر فخر کرنا چاہیے ـ

ہان کام کے سلسلے مین ہمین اعتماد ہونا چاہیے کہ ہم درست کام کر رہے ہین اور اس سلسلے مین ادیب اور دانشور بہت اہم کردار ادا کر سکتے ہین وہ بڑھتی ہوئی مادیت کی طرف سے لوگون کی توجہ ہٹا سکتے ہین ـ گو ہم اس عالم مین مادیت کی طرف سے آنکھین بند نہین کر سکتے مگر ہم اس کی قوت کو اسلامی نظریات کے تابع کر سکتے ہین تاکہ جلد اپنی منزل کی طرف پہنچ سکین ـ

پہلے انسانی جسمون کے لیے جنگین ہوتی تھین آج ذہن انسانی کی تسخیر کے معرکے بپا ہین ـ اس سلسلے مین آپ پر بہت سے فرائض عائد ہوتے ہین ظاہر ہے کہ آپ قرون وسطیٰ مین واپس نہین جاسکتے لیکن

آپ ذہن جدید کی زبان میں صالح نصب العین کی ترجمانی کر سکتے ہیں ۔
دنیا بہت مختصر ہوتی جارہی ہے اور ہمیں سب کو اس میں اپنی جگہ
قائم رہنا اور اپنا کردار ادا کرنا ہے ۔

کسی نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ سنسر کے قانون کا وجود تخلیقی قوتوں
کو دبا دیتا ہے ۔ ہاں یہ ناخوشگوار بات ہے لیکن اگر کوئی حکومت واقعی
حکومت کہلانے کی اہل ہے تو اسے آٹھ کروڑ انسانوں کے تحفظ کی ذمہ داری
پوری کرنی پڑے گی ۔ خواہ کوئی ادیب اتنا بڑا ہو کہ وہ مریخ سے باتیں
کرے اگر اس نے مادر وطن کی سلامتی کے خلاف کام کیا تو میں اپنے فرض میں
کوتاہی کروں گا اگر اس سے بازپرس نہ کروں ۔ میں نے آپ کا بہت وقت لیا ۔
مگر میں آپ سے بہت متاثر ہوا ہوں جو آپ نے جو انجمن بنائی ہے اس کے لیے آپ
کو بہت سی مشکلات درپیش ہوں گی ۔ میں اپنے طور پر کہیں نہ کہیں
سے دس ہزار روپے کا انتظام کروں گا جو میں اپنی پہلی پیش کش کے طور پر
دیتا ہوں مگر ازراہ کرم یقین کیجیے کہ میں جواب میں آپ سے کچھ
نہیں چاہتا ۔ آپ اسے ملکی مفاد کے لیے جس طرح چاہیں خرچ کیجیے ۔"

اس ادارے کی روح رواں جمیل الدین عالی صاحب ہیں ۔ اس وقت تک اس ادارے
نے مختلف اصناف ادب میں بہت سی قابل قدر کتابیں شائع کی ہیں جن میں سے چند کی
فہرست درج ذیل ہے :-

افسانوں کے مجموعے

(۱) گڑیا گھر	از ممتاز مفتی
(۲) ٹھکے ہارے	از خدیجہ مستور
(۳) سورج بھی تماشائی	از انور

ناول

(۱) آبلہ پا (آدم جی ادبی انعام یافتہ) از رضیہ فصیح احمد

(۲) چائے والا از اے ۔ حمید

(۳) لال چادر (بنگلہ زبان سے اردو ترجمہ) (ترجمہ) از سید ولی اللہ

شاعری

(۱) ہفت کشور (آدم جی ادبی انعام یافتہ) از جعفر طاہر

(۲) جاگتے جزیرے از احسن احمد اشک

(۳) صدا بہ صحرا از یوسف ظفر

ڈراما

(۱) فصیل شب از مرزا ادیب

علاقائی ادب

(۱) پنجابی لوک کہانیاں از شفیع عقیل

(۲) یون (پشتو) از امیر حمزہ شنواری

(۳) ماہیے (پنجابی) از سائیں فیروز

(۴) بھنور بھری آکاش (منظومہ) از شیخ ایاز

تاریخ و سیاست

(۱) پاکستان منزل به منزل — از سید شریف الدین پیرزاده

اسلامیات

(۱) قصص الاسلام — از پرنسپل ابراهیم خان

(۲) دانشوران اسلام — از عثمان علیم

تنقید و تحقیق

(۱) اردو میں سوانح نگاری — از ڈاکٹر سید شاه علی
(داؤد ادبی انعام یافته)

لسانیات

(۱) اردو بنگله مشترک الفاظ — از پروفسر شبیر علی کاظمی

بچوں کا ادب

(۱) چاند تارا (شاعری) — از غلام عباس

(۲) سائنس نامه (شاعری) — از محشر بدایونی

(۳) سیر پاکستان (سفرنامه) — از رضیه فصیح احمد

(۴) درخت کے بچے (کہانی) — از مسلم ضیائی

(۵) ایک تھا چور (کہانی) — از انور عنایت الله

(٦) لکڑھارا اور چور (کہانی) از رحمان

(۷) شہزادی کنول کلی (کہانی) از عصمت جعفری

(۸) سائنس کے دلچسپ تجربات از نکہت سلطانہ

اس ادارہ سے اردو ڈائجسٹ نامی ایک ماھنامہ بھی نکلتا ھے جو افادیت اور ادبیت کے لحاظ سے اپنا کوئی جواب نہین رکھتا ـ

نفیس اکیڈمی کراچی | ان سرکاری اور سرکاری مدد سے چلنے جانے والے ادارون کے علاوہ بعض ذاتی تجارتی ادارے بھی سندھ مین ایسے موجود ھین جن کی ادبی، علمی اور فنی خدمات قابل رشک ھین ـ ان ادارون مین نفیس اکیڈمی خاص طور پر قابل ذکر ھے جس نے اردو زبان و ادب کو اپنی مذھبی اور تاریخی مطبوعات سے مالا مال کر دیا ھے ـ

اس کی مطبوعات مین سے یہ چند خاص طور پر قابل ذکر ھین :-

(۱) طبقات الاولیا مصنفہ حضرت عبدالوھاب شعرانی (المتوفی ۹۷۳ھ) کا اردو ترجمہ از مولوی عبدالغنی وارثی مرحوم سابق اکونٹنٹ جنرل دولت آصفیہ حیدراباد، دکن ـ

(۲) سفینة الاولیا مصنفہ شاھزادہ دارا شکوہ کا اردو ترجمہ از مولانا محمد علی لطفی ـ

(۳) اسرار الاولیا ملفوظات حضرت بابا فرید گنج شکر مرتبہ حضرت بدر اسحق کا اردو ترجمہ از پروفسر محمد معین الدین دردائی ام ـ اے (علیگ) ـ

(۴) سیر الاقطاب مصنفہ حضرت الھدیہ بن شیخ عبدالرحیم کا اردو ترجمہ از پروفسر محمد معین الدین دردائی ام ـ اے (علیگ) ـ

(۵) تاریخ ابن خلدون مکمل گیارہ حصہ کا اردو ترجمہ از علامہ حکیم احمد حسین الہ آبادی

(٦) طبقات ابن سعد مصنفہ علامہ محمد ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کا اردو ترجمہ از علامہ عبداللہ العمادی

(۷) ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام مصنفہ علامہ عباس محمود العقاد المصری کا اردو ترجمہ از مولانا راغب رحمانی ـ

(۸) حضرت عمر بن عبدالعزیز مصنفہ عبدالعزیز سید الاھل کا اردو ترجمہ از مولانا راغب رحمانی

(۹) تاریخ الاسلام (مکمل تین حصوں میں) مصنفہ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

(۱۰) زادالمعاد مصنفہ علامہ حافظ ابن قیم کا اردو ترجمہ (چار حصوں میں)

(۱۱) فتوح البلدان ہر دو جلد مکمل مصنفہ احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری المتوفیٰ ۲۷۹ھ کا اردو ترجمہ از سید ابوالخیر مودودی

(۱۲) فقہ الاسلام مصنفہ حسن احمد الخطیب کا اردو ترجمہ از سید رشید احمد ارشد

(۱۳) حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر مصنفہ محمد فرج کا اردو ترجمہ از شیخ محمد احمد

(۱۴) امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی مصنفہ علامہ مناظر احسن گیلانی

(۱۵) اسلامی معاشیات مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی

(۱٦) تاریخ تمدن اسلام مصنفہ جرجی زیدان کا اردو ترجمہ از حلیم انصاری

(۱۷) تذکرہ شاہ ولی اللہ مصنفہ علامہ مناظر احسن گیلانی

(۱۸) کتاب الروح مصنفہ علامہ حافظ ابن قیم کا اردو ترجمہ از مولانا راغب رحمانی

(۱۹) خلافت بنو امیہ ہر دو حصہ مصنفہ امام عزالدین ابن الاثیر الجزری کا اردو ترجمہ از مولانا سید ~~خلیل~~ ہاشم ندوی

(۲۰) سیرت محمدیہ مصنفہ سر سید احمد خان

(۲۱) الادب المفرد (کتاب زندگی) مصنفہ حضرت امام بخاری کا اردو ترجمہ از سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی

(۲۲) زبدۃ البخاری مصنفہ حضرت امام بخاری کا اردو ترجمہ از آغا رفیق بلند شہری

(۲۳) تاریخ فاطمین مصر (مکمل دو حصے) مصنفہ ڈاکٹر زاہد علی ڈی فل (اکسفورڈ)

(۲۴) اقبال نامہ جہانگیری مصنفہ مرزا محمد خان و معتمد جان بخشی کا اردو ترجمہ از مولوی محمد زکریا مائل

(۲۵) آئینہ حقیقت نما مصنفہ مولانا اکبر شاہ خان نجیب ابادی

(۲۶) تاریخ غرناطہ (مکمل دو حصے) مصنفہ محمد لسان الدین الخطیب متوفی ۷۷۶ ھ کا اردو ترجمہ از حکیم سید احمد اللہ ندوی

(۲۷) مکتوبات سید احمد شہید اور کالا پانی مرتبہ مولانا محمد جعفر تھانیسری کا اردو ترجمہ از سخاوت مرزا ام — اے

(۲۸) حیات سید احمد شہید مصنفہ مولانا محمد جعفر تھانیسری

(۲۹) سفرنامہ ابن جبیر اندلسی کا اردو ترجمہ از حافظ احمد علی خان شوق رام پوری

(۳۰) تاریخ فلاسفۃ الاسلام مصنفہ محمد لطفی کا اردو ترجمہ از ڈاکٹر میر ولی الدین

(۳۱) نظام الملک طوسی مصنفہ مولانا عبدالرزاق کانپوری

(۳۲) البرامکہ مصنفہ مولانا عبدالرزاق کانپوری

(۳۳) منتخب اللباب (چاروں حصہ) مصنفہ ہاشم علی خان (خافی خان نظام الملکی) کا اردو ترجمہ از محمود احمد فاروقی

(۳۵) عبرت کدۂ سندھ مصنفہ گری لیوزفرم کا اردو ترجمہ از سید محمد ضامن کنتوری

(۳۵) ماثر عالمگیری مصنفہ محمد ساقی مستعد خان کا اردو ترجمہ از مولوی محمد فدا علی طالب

(۳٦) سفرنامہ ابن بطوطہ کا اردو ترجمہ از رئیس احمد جعفری

(۳۷) شاہجہان کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیب مصنفہ ڈاکٹر برنیر کا اردو ترجمہ از خلیفہ محمد حسین

(۳۸) داستان کربلا مرتبہ عبدالرحمٰن صدیقی

(۳۹) ہزار سال پہلے مصنفہ علامہ مناظر احسن گیلانی

(۴۰) دعوت اسلام ۔ سرتھامس آرنلڈ کی کتاب "پریچنگ آف اسلام" کا اردو ترجمہ از مولوی عنایت اللہ دہلوی

حلقہ ارباب ذوق کراچی | یہ ادارہ دراصل ترقی پسند ادیبوں نے قایم کیا تھا لیکن اس مین بعد مین مختلف الخیال افراد بھی شامل ہوگئے ۔ اس لیے اس ادارے کے افکار مین انتشار بہت نمایان ہے اس کو حکومت سے کافی امداد ملی لیکن خاطر خواہ کام اس کا دیکھنے مین نہین آیا ۔ سال مین ایک بار ایک رسالہ "نئی تحریرین" کے نام سے شایع ہوجاتا ہے ۔

ادارہ مطبوعات حکومت پاکستان | مملکت پاکستان کے وجود مین آتے ہی محکمہ اطلاعات حکومت پاکستان کے تحت یہ شعبہ قائم ہوگیا تھا ۔ اس ادارے کی مطبوعات بہ لحاظ کتابت و طباعت بہت نفیس ہوتی ہین ۔ اس ادارے کی مطبوعات کچھ تو اس کے رسالہ کے

مضامین پر مشتمل ہوتی ہین اور کچھ علاحدہ سے مستند علماء و ادباء کی تصانیف ہوتی ہین ۔ سرکاری محکمون مین جس رفتار سے کام ہوتا ہے اس لحاظ سے اس ادارے کا کام کچھ ایسا کم نہین لیکن اس کو وہ مقبولیت حاصل نہین جو ہونی چاہیے اور اس کی بڑی وجہ غالباً " اس ادارے مین قیام پاکستان کے نصب العین اور خالص اسلامی روح کا فقدان ہے ۔ اس ادارے نے پاکستان بننے کے بعد ان لوگون کے زیر سایہ پرورش پائی جن کے دل و دماغ پر مغربیت چھائی ہوئی تھی ۔ اور جن کے دماغ سے ہمیشہ مغربی انداز کی قومیت پرستی کے خاکے اور منصوبے ہی تیار ہوتے تھے ۔ محمد علی صاحب لیڈر نظام اسلام پارٹی نے اس کی طرف ان جملون مین اشارہ کیا ہے :-

"[1] مسلمانون کو آج کل مختلف مسائل درپیش ہین جو مغربی تسلط، قومیت پرستی، مادیت پرستی، کمیونزم اور مغربی آزاد خیالی کے متصادم عقائد سے رونما ہوتے ہین ۔ ہمین ان مسائل کے متعلق اسلامی شعور کے پیش نظر اپنے رویے اور اپنی راہ عمل کا فیصلہ کرنا ہے ...... ہمارے تعلیم یافتہ حضرات کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نہ اسلام کے مزاج کو سمجھتے ہین اور نہ انہین یہ معلوم ہے کہ اسلامی معاشرون کی تجدید و تشکیل کے لیے کیا طریقے اختیار کرنا ہے ۔ "

اس ادارہ کے تحت ایک بلند پایہ ماہنامہ ماہ نو کے نام سے بھی نکلتا ہے ۔ جو اپنی اعلیٰ معیاری اور حسن ترتیب کی وجہ سے خاصا مقبول اور پسندیدہ ہے ۔

---

(۱) پاکستان مین ذہنی رجحانات از عبداللہ قدسی مطبوعہ انٹرنیشنل پریس کراچی ۱۹۵۸ء ص ۱۵۳

اردو اخبارات و رسائل

مملکت پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے صوبہ سندھ صحافت کے لحاظ سے خاصا تہی دامن تھا ـ کراچی سے تین انگریزی اخبارات سندھ آبزرور، ڈیلی گزٹ اور کراچی ڈیلی نکلتے تھے ـ اور یہ تینوں غیر مسلم کی ملکیت میں تھے ـ جو ان کی نقل مکانی کے بعد عملاً " بے جان ہوگئے تھے ـ سندھی زبان کا اخبار "الوحید" البتہ سرگرم عمل تھا ـ اردو روزنامہ کراچی میں نہ ہونے کے برابر تھا ـ لاہور اور بمبئی سے نکلنے والے اردو روزنامے کسی حد تک ضرورت کو پوری کردیتے تھے ـ پاکستان بن جانے کے بعد سندھ میں اردو صحافت نے جو ترقی کی وہ معجزے سے کم نہیں اس کا ایک بڑا سبب تو ہندوستان سے کئی اخباروں کا یہاں منتقل ہوجانا تھا اور دوسرا ہندوستان سے بہت سے قابل صحافیوں اور ادیبوں کا ہجرت کرکے آجانا تھا ـ آج بھی کراچی اردو اخبارات و رسائل کا اہم مرکز بنا ہوا ہے ـ

تقسیم ہند سے پہلے کراچی کی آبادی بہت کم تھی اور اردو بولنے والوں کی تعداد گویا نہیں کے برابر تھی ـ تقسیم کے بعد مہاجرین کا ایک سیلاب امڈ آیا اور باب الاسلام کراچی نے اپنے قدیم روایات کے مطابق ان سب بے پناہوں کو پناہ دیا اور اسے سینے سے لگایا ـ ان آنے والوں میں بڑے بڑے ادیب، عالم و فاضل، شاعر و دانشور اور شہرہ آفاق صحافی بھی تھے ـ دیکھتے دیکھتے یہی چھوٹا سا بے آب و گیاہ علاقہ عروس البلاد بن کر ابھرا ـ اردو صحافت نے بھی یہاں خوب ہاتھ پیر پھیلائے ـ

اردو اخبارات مین جنگ کو یہان سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے ۔ پہلے یہ دھلی سے نکلتا تھا ۔ اگست ۱۹۴۷ء مین یہ کراچی پہنچا اور چند دنون مین کراچی کا کثیرالاشاعت اخبار بن گیا ۔ اس کے مالک میر خلیل الرحمن خود بھی ایک اچھے صحافی اور دانشور ہین ۔ اس مین خبرین سنسنی خیز انداز مین دی جاتی ہین ۔ تصاویر کا بہت اچھا انتظام ہے ۔ عام دلچسپی کے فیچر چھاپتا ہے۔ اس کا مزاحیہ کالم بہت دلچسپ ہوتا ہے ۔ اسے پہلے مجید لاہوری لکھتے تھے ۔ پھر ابراہیم جلیس اور شوکت تھانوی ۔ اور شوکت تھانوی کے انتقال کے بعد اب اسے صرف ابراہیم جلیس لکھتے ہین۔ جنگ کے ساتھ ہی اس کا دیرینہ حریف انجام بھی دھلی سے کراچی آگیا ۔ انجام کی مقبولیت دھلی مین جنگ سے زیادہ تھی لیکن یہان کراچی مین جنگ نے اسے دبا دیا ۔ انجام کا ایک اڈیشن پشاور سے بھی نکلتا ہے اور جنگ کا راولپنڈی اور لندن سے ۔ جنگ اور انجام کے علاوہ کراچی سے اور بھی کئی روزنامے نکلتے ہین جن مین نئی روشنی، انقلاب، جسارت اور مسلمان نمایان ہین ۔

مسٹر فنر ماتری کئی گجراتی، انگریزی اور اردو اخبارات کے مالک اور اڈیٹر ہین ۔ ملت گجراتی مین، لیڈر انگریزی مین اور حریت اردو مین نکلتا ہے ۔ ان مین اردو روزنامہ حریت خاصا مقبول اخبار ہے ۔ ۱۹۵۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق جس کو ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صاحب نے اپنی کتاب " صحافت پاکستان و ھند مین " نقل کیا ہے کراچی سے کل اٹھائیس روزنامے نکلتے ہین اور ان مین چھ انگریزی کے، سولہ اردو کے، تین گجراتی کے اور تین سندھی کے ہین ۔ حیدرآباد سے ایک اخبار پاسبان بھی نکلتا ہے ۔ فنی لحاظ سے اردو اخبارون نے پاکستان مین بہت ترقی کی ہے ۔

اردو رسائل کی طرف نظر ڈالتے ہین تو اس مین بھی سندھ اور بالخصوص عروس البلاد کراچی کسی سے کم نہین ۔ تقسیم کے بعد ساقی دھلی سے کراچی آ گیا اور شاھد احمد دھلوی کے زیر ادارت یہان بھی شان سے ٹھاٹ نکلنے لگا ۔ سرکاری ماھنامہ ماہ نو کا اجرا بھی اردو ادب کے لیے بہت مفید اور حوصلہ افزا ثابت ھوا ۔ ممتاز شیرین نے نیا دور اور پاکستان "رائٹرز گلڈ" نے کراچی سے ہم قلم نکال کر اردو رسائل مین نئی جان ڈال دی ۔ "ھسٹاریکل سوسائٹی" کا البصائر "آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس" کا العلم (سہ ماھی) اور "ترقی اردو بورڈ" کا اردو نامہ (سہ ماھی) اردو ادب مین اپنا ایک خاص مقام رکھتا ھے ۔ انجمن ترقی اردو پاکستان نے اردو (سہ ماھی) کے علاوہ سائنس، معاشیات اور قومی زبان جیسے علمی اور فنی رسائل نکال کر اردو زبان و ادب کو السنہ عالم کی مجلس مین بہت اونچی جگہ دلوادی ۔ نیاز فتح پوری مرحوم ھندوستان سے کراچی آئے تو اپنے ساتھ نگار بھی لیتے آئے تھے جو آج بھی اپنی شاندار روایات کو قائم رکھنے مین جی جان سے کوشان ھے ۔

رسائل کی دنیا مین تین نئے تجربون سے بڑی تبدیلی آئی ۔ پہلا تجربہ تو احمد ندیم قاسمی اور ھاجرہ مسرور کی ادارت مین نقوش لاھور کے خاص نمبرون کا ھوا ۔ اس رسالے نے شخصیات نمبر، طنز و مزاح نمبر، افسانہ نمبر، دہ سالہ نمبر، مکاتیب نمبر اور لاھور نمبر شائع کرکے بیش قیمت مواد پیش کیا ۔ دوسرے تجربے کا سہرا مولانا صلاح الدین احمد مرحوم اور ان کے رفیق کار ڈاکٹر وزیر آغا کے سر ھے ۔ انھون نے

تین سو صفحات کا ضخیم مجلہ صرف ایک روپیہ مین پیش کرنے کا سلسلہ شروع کرکے ادبی دنیا کی اشاعت مین محیر العقول افزائش کردی ۔ اور اس کی مانگ ہزارون تک پہنچ گئی ۔ تیسرا تجربہ اردو ڈائجسٹ نے مختلف النوع انگریزی، عربی اور فارسی رسائل سے مضامین اخذ کرکے بڑی محنت سے انہین اپنی زبان مین پیش کرکے کیا ۔ان تجربات نے ہمین یہ بات سمجھا دی ہے کہ اگر رسائل مین نئی نئی باتین پیدا کی جائین تو ان کا ان کی اشاعت اور مقبولیت پر خاصا اچھا اثر پڑے گا ۔ اور عوام و خواص اس کا جی کھول کر خیر مقدم کرین گے ۔ سندھ بھی ان تجربات سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہا ہے ۔

جامعات

صوبہ سندھ مین دو یونیورسٹیان ہین ۔ ایک کراچی یونیورسٹی اور دوسری سندھ یونیورسٹی حیدر آباد ۔اردو زبان و ادب کے دائرہ عمل کا مطالعہ کرنے کے لیے ہمین ان دونون یونیورسٹیون کی طرف بھی توجہ کرنی ہوگی ۔ اس لیے کہ علوم و فنون کے اصل سرچشمے اور منبع یہی ہین، ان ہی سے علوم و فنون کے سوتے پھوٹتے ہین جو دنیا کی علمی پیاس کو بجھانے مین بہت اہم کردار ادا کرتے ہین ۔ یونیورسٹیون کے اساتذہ اور طلبہ کی کارکردگی کا علوم و فنون پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے ۔ ہر شعبہ کے اساتذہ اپنی تصنیفات سے اور طلبہ اپنے مقالون سے اپنے متعلقہ مضامین مین اضافہ کرتے رہتے ہین ۔

شعبہ اردو

کراچی یونیورسٹی | کراچی یونیورسٹی میں شعبہ اردو کی باضابطہ تشکیل مارچ ۱۹۵۶ء میں ہوئی جب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب بہ حیثیت ریڈر اور صدر شعبہ مقرر ہوکر آئے ۔ اسی وقت شعبہ اردو میں تین لکچرار بھی مقرر ہوئے (۱) ڈاکٹر سید شاہ علی صاحب (۲) قدرت اللہ فاطمی صاحب (۳) عبدالقیوم صاحب۔ اس سے پہلے ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم شعبہ اردو کے اعزازی صدر تھے اور تدریس کا کام مقامی کالجوں کے اساتذہ انجام دے دیتے تھے ۔ ۱۹۵۶ء سے باقاعدہ شعبہ کے قیام کے بعد اس میں کافی ترقی ہوتی رہی ۔ ۱۹۵۸ء میں فاطمی صاحب ملایا تشریف لے گئے اور ان کی جگہ سید ابوالخیر کشفی صاحب لکچرر مقرر ہوئے ۔ ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب کو پروفسر بنایا گیا اور ڈاکٹر شاہ علی صاحب ریڈر ہوئے ۔ اس وقت اس شعبہ میں صدر شعبہ کے علاوہ چھ اساتذہ درس و تدریس میں مشغول ہیں ۔

شعبہ اردو میں بی ۔ اے اور بی ۔ ایس سی میں ذیلی مضمون اور متبادل لازمی مضمون کی تدریس کے علاوہ بی ۔ اے (امتیازی) اور ام ۔ اے کی تعلیم و تدریس کا بھی انتظام ہے ۔ ۱۹۶۱ء سے شعبہ میں غیر ملکیوں کو اردو پڑھانے کا باقاعدہ انتظام کیا گیا ہے اس سلسلے میں دو نصاب رائج ہیں ۔ ایک یک سالہ نصاب اردو جس میں غیر ملکیوں کو اردو بول چال اور معمولی نوشت و خواند کی تربیت دی جاتی ہے ۔ دوسرا دوسالہ ڈپلومہ کا نصاب جس میں اردو زبان و ادب، اردو زبان و ادب کی تاریخ اور تنقید پر مشتمل ایک نصاب پڑھایا جاتا ہے ۔ چین، جاپان، ملایا، فلپائن، سیلون، امریکہ، اردن، متحدہ عرب جمہوریہ، سعودی عرب اور روس سے آئے ہوئے طلبہ ان سے برابر مستفید ہورہے ہیں اور واپس اپنے ملک جاکر اردو کے شعبہ میں تعلیم دینے کے لائق

ہوجاتے ہین ۔ چنان چہ ٹوکیو یونیورسٹی کے ادارہ السنہ مین اردو کے استاد اسی شعبہ اردو کے تربیت یافتہ ہین ۔ اس شعبہ سے ایک غیر ملکی فرانسیسی خاتون للیان تذرو نے چار سال تک تحقیقی کام کرکے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی ڈگری بھی لی ہے ۔

اساتذہ اور طلبہ تحقیقات کے مختلف منصوبون مین مصروف رہتے ہین ۔ یونیورسٹی کی ترقیاتی رپورٹ کی مدد سے ان کے تحقیقی کامون کا سرسری جائزہ درج ذیل ہے :۔

(الف) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہین۔ آپ کا تعلق بدایون (یوپی) کے ایک شریف خانوادہ سے ہے ۔ آپ نے لسانیات پر لندن یونیورسٹی سے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی ڈگری لی ہے اور پاکستان مین ماہر لسانیات کی حیثیت سے اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہین ۔ مندرجہ ذیل اہم تحقیقی کتابین آپ کی اس وقت تک شائع ہوچکی ہین :۔

(۱) لکھنو کا دبستان شاعری پاکستانی اڈیشن سنہ طباعت		۱۹۵۶ء
(۲) نظیر اکبر ابادی ـــ ان کا عہد اور شاعری	"	۱۹۵۷ء
(۳) غزل اور متغزلین	"	۱۹۵۸ء
(۴) رسالہ اسباب بغاوت ہند مصنفہ سرسید احمد خان کو اپنے مقدمہ کے ساتھ مرتب کیا	"	۱۹۵۷ء
(۵) ادبی روایت اور بغاوت	"	۱۹۵۹ء
(۶) امراؤ جان ادا مقدمہ کے ساتھ مرتب کیا	"	۱۹۶۰ء
(۷) اردو کی ادبی تاریخ کا خاکہ شائع کردہ ویسٹ پاکستان ٹیکسٹ بک بورڈ	"	۱۹۶۱ء

(۸) بنیادی اردو شائع کردہ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۶ء

(۹) اردو کا صوتی نظام (توسیعی خطبہ پنجاب یونیورسٹی) ۱۹۶۶ء

(۱۰) ادب و لسانیات ۱۹۶۸ء

(۱۱) جامع قواعد اردو مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور

(۱۲) دیوان زادہ شاہ حاتم مقدمہ و حواشی کے ساتھ مرتب کیا گیا ۔ اردو بورڈ کراچی ۱۹۶۸ء

(۱۳) تاریخ زبان اور ادب (مجموعہ مقالات)

(۱۴) لسانیات کا ابتدائی نصاب

(۱۵) اردو زبان کی تاریخ مرکزی اردو بورڈ

ان کتابوں کے علاوہ وقتاً " فوقتاً " اہم مقالے مختلف علمی رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں جن میں سے چند کے عنوانات اس جگہ درج ہیں :-

(۱) اردو میں ترجمہ کے مسائل

(۲) پاکستانی ادب کی زبان کا مسئلہ مطبوعہ نگار

(۳) اردو کی ترقی میں تراجم کا حصہ مطبوعہ نگار

(۴) اردو ٹائپ رائٹر کا مسئلہ مطبوعہ اردو نامہ

(۵) زبان کی تعلیم اور تواتر شماری مطبوعہ سیپ

(۶) صوتی تغیرات مطبوعہ فنون

(۷) ۱۸۵۷ء اور اردو ادب مطبوعہ قومی زبان

(۸) بہادر شاہ ظفر اور ان کی شاعری وغیرہ وغیرہ

(ب) ڈاکٹر سید شاہ علی صاحب نے "اردو میں سوانح نگاری" پر ایک کتاب لکھی ہے جس پر ان کو کراچی یونیورسٹی سے پی ـ ایچ ـ ڈی کی ڈگری ملی اور داؤد کا ادبی انعام بھی ملا ہے ـ شاہ صاحب کے مضامین اور مقالات کا ایک مجموعہ "ادب اور تنقید" کے نام سے بھی شائع ہوا ہے ـ

(ج) ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب کی کتاب جس پر ان کو کراچی یونیورسٹی نے پی ـ ایچ ـ ڈی کی ڈگری دی ہے "حالی کی نثر نگاری" پر ہے ـ اس کتاب کو مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا ہے اس کے علاوہ ان کا ایک مجموعہ مضامین "تنقیدی نقوش" کے نام سے مشتاق بک ڈپو کراچی نے بھی شائع کیا ہے ـ

(د) سید ابوالخیر کشفی صاحب نے اپنے پی ـ ایچ ـ ڈی کے لیے "اردو شاعری کا سیاسی اور تہذیبی پس منظر" نامی کتاب لکھی ہے ـ اور وقتاً "فوقتاً" مقالے لکھتے رہتے ہیں ـ

(ھ) دلدار علی فرمان فتح پوری صاحب نے اپنے پی ـ ایچ ـ ڈی کی ڈگری کے لیے "شمالی ہند کی منظوم داستانیں" کے نام سے ایک اچھی کتاب لکھی ہے ـ اس کو انجمن ترقی اردو پاکستان نے شایع کر دیا ہے ـ آج کل نگار کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں ـ اور اکثر اس میں ان کے علمی اور تحقیقی مقالے شایع ہوتے رہتے ہیں ـ

(و) ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کی ایک اہم کتاب "محمد حسین آزاد" انجمن ترقی اردو پاکستان نے شایع کیا ہے اور اس کتاب پر ان کو "داؤد انعام" بھی ملا ہے ـ اس کتاب کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے انجمن ترقی اردو کی ایما پر عبداللہ خویشگی کا تذکرہ بھی مرتب کر کے شایع کرایا ہے ـ

(ز) جمیل اختر صاحب نے " امریکا کی خارجہ پالیسی " کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے جسے اردو اکیڈمی سندھ کراچی نے شائع کردیا ہے ۔ اس کے علاوہ وقتاً " فوقتاً " آپ کے مضامین اور مقالے مختلف ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

شعبہ اردو کا شعبہ لسانیات | لسانیات ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب کا خاص موضوع ہے اور ۱۹۳۲ء سے اب تک وہ مسلسل اس موضوع پر تحقیق کرتے رہے ہیں ۔انھوں نے لندن یونیورسٹی اور کولمبیا یونیورسٹی میں اس کی خاص تعلیم حاصل کی ہے ۔ ۱۹٦۱ء سے شعبہ اردو میں لسانیات کا ایک ذیلی شعبہ قایم ہے اور اس کے لیے ملک کی واحد صوتیات کی تجربہ گاہ شعبہ اردو میں قایم ہے جس میں صوتی ترسیمات کا سازوسامان موجود ہے ۔ شعبہ میں لسانیات کا ایک سرٹیفیکٹ کورس بھی جاری ہے ۔یہ پاکستانی یونیورسٹیوں میں اپنی نوعیت کا واحد کورس ہے ۔ شعبہ نے خاص طور پر اردو کی صوتیات پر تحقیق میں جدید میکانکی ذرائع کو پہلی مرتبہ استعمال کیا ہے ۔ اسی بنا پر اردو ٹائپ رائٹر اور بنیادی اردو کے منصوبے شعبہ کو سپرد کیے گئے ہیں ۔ شعبہ نے ام ۔اے فائنل کے لیے ایک متبادل نصاب لسانیات تجویز کیا ہے اس کام میں ڈاکٹر صدیقی صاحب کی مدد کے لیے سید ابوالخیر کشفی صاحب کو کولمبیا یونیورسٹی سے لسانیات میں ام ۔ اے کرنے کے لیے امریکہ بھیجا گیا ۔جہاں سے وہ ڈگری لے کر واپس آگئے ہیں ۔

شعبہ اردو سے پی ۔ایچ ڈی لینے والوں کی فہرست | شعبہ اردو تحقیقی کاموں کی طرف کافی متوجہ ہے اور وہاں پی ۔ایچ ۔ڈی کی ڈگری کے لیے اب تک کافی مقالے لکھے گئے ۔مندرجہ ذیل فہرست ان لوگوں کی ہے جن کو ان کی کتاب پر پی ۔ایچ ۔ڈی کی ڈگری مل گئی ہے :۔

ڈگری پانے والوں کے نام	مقالہ کا موضوع	زیر نگرانی
۱ ۔ ابوسعید نورالدین	اقبال اور تصوف	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
۲ ۔ للیان نذرو	گارسان دتاسی کی تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی فرانسیسی سے ترجمہ تنقیح ۔ حواشی تصحیح و اضافہ معہ مقدمہ	"
۳ ۔ عبدالقیوم	حالی کی اردو نثر نگاری	"
۴ ۔ اسلم فرخی	مولانا محمد حسین آزاد حیات اور تصانیف	"
۵ ۔ دلدار علی فرمان فتحپوری	شمالی ہند کی منظوم داستانین	"
۶ ۔ سید ابوالخیر کشفی	اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر	"
۷ ۔ عبدالسلام	بیسوین صدی مین اردو ناول	"

شعبہ اردو

سندھ یونیورسٹی حیدرآباد

سندھ یونیورسٹی حیدرآباد کا قیام پاکستان بننے کے فوراً بعد عمل مین آیا ۔ اس وقت اس کے صدر شعبہ اردو ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان صاحب ام ۔ اے (فارسی) ام ۔ اے (اردو) ایل ۔ ایل ۔ بی (علیگ) پی ۔ ایچ ۔ ڈی ڈی ۔ لٹ ہین ۔ آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مایۂ ناز فرزندون مین ہین ۔ آپ کی طبیعت تصوف کی طرف زیادہ مائل ہے ۔ آپ خشیت الٰہی اور حب باری کی مکمل تصویر

هین ۔ مولانا روم اور اقبال کے فلسفہ عشق سے بہت زیادہ متاثر هین ۔ اپنے علم و فضل اور تقدس کی وجہ سے آپ سندھ یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کے درمیان حد درجہ عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے هین ۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص طور پر قابل ذکر هین :۔

۱ ۔ فارسی پر اردو کا اثر

۲ ۔ سید حسن غزنوی (معاصر حکیم سنائی)

۳ ۔ تاریخ بہرام شاہ غزنوی (انگریزی زبان مین لکھی گئی ہے)

۴ ۔ حالی کا ذہنی ارتقا

۵ ۔ فارسی کے قدیم شعراء

٦ ۔ علمی نقوش

۷ ۔ ادبی جائزے

۸ ۔ تحریر و تقریر

۹ ۔ متین برہان پوری کے اردو مرثیے

۱۰ ۔ سندھی اردو لغت) به شراکت ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

۱۱ ۔ اردو سندھی لغت)

۱۲ ۔ دیوان روشن

۱۳ ۔ دیوان عظیم تستوی

۱۴ ۔ رسائل مشاهیر نقشبندیه

۱۵ ۔ ملفوظات

۱۶ ـ تحفہ زواریہ

۱۷ ـ تفسیر مولانا عبیداللہ سندھی

۱۸ ـ تاریخ اسلاف

۱۹ ـ ارشاد رحیمیہ (شاہ ولی اللہ دھلوی کے والد شاہ عبدالرحیم کے رسالہ کا اردو ترجمہ)

۲۰ ـ رسالہ اثبات النبوۃ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے عربی رسالہ کا اردو ترجمہ)

۲۱ ـ حضرت مجدد الف ثانی ـــ ایک تحقیقی جائزہ

۲۲ ـ انتخابات مکتوبات ـــ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات کا اردو خلاصہ)

ڈاکٹر صاحب نے بہت سی نادر فارسی تصنیفات کو اپنے مقدمہ اور تصحیح و حواشی کے ساتھ مرتب کرکے شائع کیا ھے ـ مثال کے طور پر یہ چند کتابیں پیش کی جاسکتی ھین ـ

(۱) سوانح امیر کلال (۲) مجمع البحرین از مولانا پاشدہ محمود

(۳) ضیاء القرات (۴) سعیدالبیان از حضرت شاہ احمد سعید دھلوی

(۵) مسائل اربعین از حضرت شاہ احمد سعید ~~[illegible]~~ دھلوی

(۶) گلشن وحدت از حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت مجددی کے مکتوبات

(۷) مکتوبات سیفیہ حضرت خواجہ سیف الدین مجددی کے فارسی مکتوبات وغیرہ وغیرہ

سندھ یونیورسٹی مین صدر شعبہ اردو کے علاوہ پانچ اساتذہ ھین ـ جن کی تصانیف اور مقالات کا سرسری جائزہ درج ذیل ھے ـ

محمد مرتضیٰ قاضی صاحب | آپ کے کئی اہم مقالے جو مختلف ادبی اور علمی جرائد میں شائع ہوئے ہیں درج ذیل ہیں :-

(الف) سرسید کا نظریہ قومیت ۱۸۸۵ء سے پہلے اور اس کے بعد

(ب) سرسید اور شبلی کے اختلافات

(ج) اقبال ـــــ باقیات اقبال کی روشنی میں

(د) سرسید اور پان اسلامزم

(ہ) سلیمان ندوی اپنے مکتوبات کی روشنی میں

(و) حکمت آزاد

ڈاکٹر خان رشید صاحب | ڈاکٹر خان رشید صاحب حلقہ اساتذہ اور طلبہ میں کافی مقبول تھے ۔ ابھی انقلاب ملک کے زد میں آکر علاحدہ ہوگئے ۔ آپ کی دو کتابیں شائع ہوچکی ہیں :-

(۱) اردو شاعری کا تاریخی و سیاسی پس منظر

(۲) اردو کی تین مثنویاں

آپ کے مضامین اور مقالات کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔

ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی صاحب | ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی صاحب کو ان کی کتاب " شبلی کا ذہنی ارتقا " پر پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی ڈگری ملی ہے ۔ لیکن ابھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی ہے ۔ دوسری کتاب لمعات نشتر ہے ۔ ان کے علاوہ بہت زیادہ مقالے علمی جرائد میں شائع ہوچکے ہیں ۔

ڈاکٹر سید شاہ نعیم ندوی صاحب | ڈاکٹر نعیم ندوی صاحب بہار کے ایک مشہور صوفی خانوادے کے چشم و چراغ ہین ۔ تصوف اور خشیت الٰہی کا بہت زیادہ غلبہ ہے ۔ عربی، فارسی پر مہارت تامہ رکھتے ہین اور اس کی جھلک آپ کی اردو تحریرون مین بھی نمایان ہے ۔ آپ کی کتاب "اردو مین شبلی اسکول کی خدمات" پر آپ کو پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی ڈگری ملی ہے ۔ اور عنقریب شائع ہونے والی ہے ۔ آپ کی دیگر تصانیف مین انتخاب کلام مومن، خیابان ادب، فارسی نصاب اور انگلش گرامر خاص طور پر قابل ذکر ہین ۔ حضرت شعیب فردوسی قدس اللہ سرہٗ کی شہرہ آفاق فارسی کتاب مناقب الاصفیا کا آپ نے بے مثل اردو ترجمہ کیا ہے جو ابھی شائع نہین ہوئی ہے لیکن راقم الحروف نے اس مسودے کا بہ نظر غائر مطالعہ اور استفادہ کیا ہے ۔ اور حضرت مخدوم جہان شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی مشہور و معروف کتاب "مکتوبات صدی" کو ایڈٹ کرکے شایع کیا ہے جو فارسی اور اس کے اردو ترجمے پر مشتمل ہے ۔ آپ کے مضامین اور مقالے وقتاً "فوقتاً" علمی رسائل مین شائع ہوتے رہتے ہین ۔

ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب | ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کی کتاب "دبستان دہلی کی نثر" جس پر آپ کو پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی ڈگری بھی ملی ہے تحقیق و تفتیش کے لحاظ سے بڑی اہم تصنیف ہے ۔ آپ کو قدرت سے تحقیق و تجسس کی خاص صلاحیت ودیعت ہوئی ہے ۔ اردو کے قدیم اور جدید ادب پر آپ کی گہری نظر ہے ۔ اپنی سنجیدگی اور علمیت کے باعث حلقہ اساتذہ اور تلامذہ مین بہت زیادہ مقبول ہین ۔ آپ کے مضامین وقتاً "فوقتاً" علمی رسائل مین بھی شائع ہوتے رہتے ہین ۔

سندھ یونیورسیٹی مین تحقیق کا کام بھی بہت زورون پر ہو رہا ہے ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب صدر شعبہ اردو کے زیر نگرانی مندرجہ حضرات نے اب تک مختلف موضوعات پر پی ۔ ایچ ڈی کے لیے مقالے لکھ کر پیش کئے ہین اور انہین پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی ڈگری

مل چکی ہے :-

ڈگری پانے والوں کے اسمائے گرامی	موضوع	ڈگری ملنے کا سنہ
	زیر نگرانی ڈاکٹر غلام مصطفے خان صاحب	
۱ ۔ ڈاکٹر کریم الدین	امیر مینائی اور ان کے تلامذہ	۱۹۶۲ء
۲ ۔ ڈاکٹر خان رشید	اردو شاعری کا تاریخی اور سیاسی پس منظر	۱۹۶۳ء
۳ ۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی	اردو اور سندھی کے لسانی روابط	۱۹۶۵ء
۴ ۔ ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی	شبلی کا ذہنی ارتقا	۱۹۶۶ء
۵ ۔ ڈاکٹر حسین بانو	ناسخ اور ان کے تلامذہ	۱۹۶۸ء
۶ ۔ ڈاکٹر نجم الاسلام	دبستان دہلی کی نثر	۱۹۶۹ء ۶۸
۷ ۔ ڈاکٹر احمد حسین خان احمر رفاعی	جگر مرادآبادی ۔۔۔ آثار و افکار	۱۹۷۰ء
۸ ۔ ڈاکٹر عبدالحق حسرت کاسگنجوی	پاکستان میں اردو ناول	۱۹۷۰ء
۹ ۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد	اردو میں قرآنی تراجم اور تفاسیر	۱۹۷۰ء
۱۰ ۔ ڈاکٹر نظیر الحسن زیدی	ظفر علی خان ۔۔۔ شاعر اور صحافی	۱۹۷۰ء
۱۱ ۔ ڈاکٹر شاہ محمد نعیم ندوی	دبستان شبلی کی علمی و ادبی خدمات	۱۹۷۱ء
۱۲ ۔ ڈاکٹر سردار احمد خان	میر سوز ۔۔۔ آثار و افکار	۱۹۷۱ء
۱۳ ۔ ڈاکٹر حسن محمد خان	اردو داستانوں پر قرآنی اثرات	۱۹۷۱ء
۱۴ ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی	دکنی ادب کا تحقیقی مطالعہ	۱۹۷۱ء

ڈگری پانے والوں کے اسمائے گرامی	موضوع	زیر نگرانی	ڈگری ملنے کا سنہ
۱۵۔ ڈاکٹر منیرالدین عرشی	ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نگاری	ڈاکٹر خان رشید صاحب	۱۹۷۲ء
۱۶۔ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن	غالبیات کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ	ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان صاحب	۱۹۷۲ء
۱۷۔ ڈاکٹر محمد اقبال احمد خان	اصغر گونڈوی ــ آثار و افکار	"	۱۹۷۲ء
۱۸۔ ڈاکٹر حبیب ثقلین	اردو میں احادیث نبوی کے تراجم و تفاسیر	"	۱۹۷۲ء

ایم ۔اے کے امتحانات کے لیے جن طلبہ نے مقالات لکھے ہیں ان کی فہرست خاصی طویل ہے ۔ یہ مقالے اساتذہ کے زیر نگرانی محنت سے لکھے گئے ہیں اور ادبی حیثیت سے وزن رکھتے ہیں ۔ یونیورسٹی سے کچھ طلبہ کے نام دستیاب ہوئے ہیں ان کی فہرست مع ان کے مقالے کے موضوعات کے درج ذیل ہے :۔

(۱۹۶۵ء سے قبل ایم ۔ اے کے امتحان کے لیے جو مقالے لکھے گئے)

نمبر شمار	موضوع	اسمائے گرامی
۱۔	اردو شاعری میں منقبت ۱۸۵۷ء تک	وقار احمد خان
۲۔	امیر مینائی کی نعتیہ شاعری	شمس الرحمٰن خان
۳۔	دین اسلام	(مترجم) سید حافظ غلام معین الدین احمد
۴۔	حالی پر سرسید کے سیاسی و ادبی تاثرات	شرف الدین
۵۔	اردو زبان میں صرف نحو کا ارتقاء	عبدالرشید

اسمائے گرامی	موضوع	نمبر شمار
(مترجم) شاہ ابوالحسن	ترجمہ تحفۂ مجددیہ	۶ـ
ظہیرالحسن رضوی	اردو مرثیے میں واقعات کا ارتقاء	۷ـ
خلیل احمد کلیم	پاکستان میں جدید اردو ادب کا ثقافتی پس منظر	۸ـ
محمد عبدالرحمٰن جامی	فانی اور ان کی شاعری	۹ـ
سردار احمد خان	اردو کی انقلابی شاعری	۱۰ـ
سید مظہرالحق	اردو میں سوانح نگاری	۱۱ـ
(مترجم) محمد الیاس خان	نقد ادب کے اصول (ترجمہ)	۱۲ـ
ممتاز سلیم	جوش اور انقلابی شاعری	۱۳ـ
(مترجم) عزیز احمد	تاریخ سندھ تاریخ معصومی	۱۴ـ
اقبال بیگم	جاپان میں اسلام	۱۵ـ
سید مشتاق علی جعفری	سندھ کے جدید اردو شعراء	۱۶ـ
(مترجم) سید شاہ علی زیدی	شاہ عبداللطیف بھٹائی (ترجمہ)	۱۷ـ
محمد نصیرالدین	شبلی بہ حیثیت سوانح نگار	۱۸ـ
(مترجمہ) شمیم احتشام	Sesame and Lilies	۱۹ـ
عابدہ رشید جہاں	غالب کے اثرات شعرائے مابعد پر	۲۰ـ
محفوظ احمد	اسماعیل میرٹھی اور ان کی شاعری	۲۱ـ
سید شاہ محمد محمودالرحمٰن	اردو میں بچوں کا ادب	۲۲ـ

نمبر شمار	موضوع	اسمائے گرامی
۲۳ـ	میر مہدی مجروح ـ ادبی و تحقیقی مطالعہ	مختار احمد صدیقی
۲۴ـ	Creative technique in Fiction	مس طاہرہ عثمانی
۲۵ـ	اردو مسدس کا ارتقا	نوشبہ زرین لکھنوی
۲۶ـ	Island and the Cross Road	(ترجمہ) نجم الدین مغل
۲۷ـ	فن و فکر اقبال	آغا ضیاء احمد شریفی
۲۸ـ	ڈپٹی نذیر احمد مرحوم میری نظر میں	شوکت علی
۲۹ـ	Mohammad the Educator	(ترجمہ) آصفہ بیگم نقوی
۳۰ـ	مولانا محمد حسین آزاد بہ حیثیت تنقید نگار	حسین بانو بیگم
۳۱ـ	اردو زبان اور ملکی سیاست	عالیہ رحمانی
۳۲ـ	اسیر لکھنوی کا ادبی اور تحقیقی مطالعہ	محمد افضل خان
۳۳ـ	سرسید کا طنز و مزاح	اقبال احمد خان
۳۴ـ	Principles of Literary Criticism	(ترجمہ) محمود الحسن جودھپوری
۳۵ـ	اردو لغت میں بہزاد کا مرتبہ	محمد صدیق صدیقی
۳۶ـ	حالی بہ حیثیت سوانح نگار	سید باقر رضا
۳۷ـ	تقسیم ہند کا اثر اردو ادب پر	شہیب نصرت شروالی
۳۸ـ	مولانا شبلی کے اردو فارسی کلام کا تقابلی مطالعہ	عبدالسبحان خان
۳۹ـ	مثنوی لیلیٰ مجنون	(مرتبہ) محبوب عالم خان

نمبر شمار	موضـــوع	اسمائے گرامی
۴۰ــ	کلیات عیش	(مرتبہ) شیخ محمد جمیل صدیقی
۴۱ــ	تاریخی ناول نگاری میں شرر کا مقام	نظام الدین قریشی
۴۲ــ	دیوان بیان دھلوی	(مرتبہ) ضیاء الدین احمد
۴۳ــ	مسلمانوں کے قومی مسائل ـــ اکبر الہ آبادی کی نظر میں	محمد شمیم خان درانی
۴۴ــ	شیخ ولی محمد نظیر اکبر آبادی کی شاعری کا عوامی پہلو	شیخ سلام الدین جاوید
۴۵ــ	اردو لغات کا ارتقاء	شیخ محمد عثمان علی
۴۶ــ	اردو میں خاکہ نگاری	مشتاق احمد خان زادہ
۴۷ــ	مولانا سید سلیمان ندوی کی علمی و ادبی خدمات (ایک جائزہ)	سید معظم علی
۴۸ــ	اردو کتابوں کے سندھی میں ترجمے	شاھد حسین
۴۹ــ	حالی کی قومی شاعری اور اس کا پس منظر	قمرالدین
۵۰ــ	مولانا ابوالکلام آزاد کی ادبی خدمات	محمد زبیر صدیقی
۵۱ــ	رشید احمد صدیقی کی ادبی خدمات	مس نسیم اختر
۵۲ــ	اردو ھندی کے لسانی روابط	نعیم اللہ خان
۵۳ــ	راشد الخیری کے یہاں عورت کا مرتبہ	رضیہ سلطانہ زیدی
۵۴ــ	اقبال کی قومی شاعری اور پاکستان کے قومی مسائل	محمد افضل صدیقی

نمبر شمار	موضوع	اسمائے گرامی
۵۵ ـ	اردو کی رزمیہ شاعری	بلقیس رفعت قریشی
۵٦ ـ	فن تحقیق	فردوس فاطمہ
۵۷ ـ	فن تنقید میں تذکروں کی اہمیت	اشفاق محمد خان
۵۸ ـ	نذیر احمد کے ناولوں کی مقصدیت	م ـ م ـ جلیل
۵۹ ـ	سندھ میں اردو کلہوڑوں اور تال پوروں تک	محمد ابراہیم بھٹو
٦۰ ـ	جدید تنقیدی رجحانات اور ان کا پس منظر	اقتدار علی خان
٦۱ ـ	پریم چند کے افسانے اور ان کا معاشرتی پس منظر	عبدالحمید شاہ
٦۲ ـ	اردو کے سفرنامے	سید محمود علی
٦۳ ـ	شوکت تھانوی کا ایک جائزہ	محمد صادق بیگ
٦۴ ـ	شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کے اصلاحی رجحانات	شمس النساء مجید
٦۵ ـ	اردو نثر پر تصوف کے اثرات	رفعت سلطانہ
٦٦ ـ	مولانا ڈپٹی نذیر احمد کا ادبی و مذہبی شعور	صفیہ خاتون میمن
٦۷ ـ	نذیر احمد کا ذہنی ارتقاء	محمد منیرالدین عرشی

(تکمیل شدہ مقالات برائے ایم ۔ اے سال ٦٦ ۔ ١٩٦٥ء)

نمبر شمار	موضـــوع	اسمائے گرامی
٦٨ ۔	مولانا ظفر علی خان کی شاعری مین سیاسی تلمیحات	افتخار احمد خان
٦٩ ۔	وشـ موجودہ جنگ سے متعلق اردو نظمین	حامد حسین
٧٠ ۔	رشید احمد صدیقی کی طنز نگاری	عبدالقیوم
٧١ ۔	نیاز فتح پوری کے ادبی مضامین	محمد حنیف خان لودھی
٧٢ ۔	سرور کا انشائیہ ادب	نربھے رام جوھر
٧٣ ۔	نظم جدید ـــــ ھئیت ترکیبی اور مواد	اشرف اللہ خان
٧٤ ۔	اقبال اور وطنیت	محمد شریف
٧٥ ۔	غالب پر بیدل کے اثرات	حسیبہ سعید
٧٦ ۔	مرزا مائل کے حالات زندگی اور ان کی شاعری	فصیحہ خورشید
٧٧ ۔	نذیر احمد کی کردار نگاری	کوکب الصباح روحی
٧٨ ۔	فسانۂ مبتلا کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ	مسرت نقوی
٧٩ ۔	صدق جدید لکھنو کی سچی باتین	صدق حسین
٨٠ ۔	پاکستان مین افسانہ	احمد شمیم خان
٨١ ۔	شاھد احمد دھلوی کے ادبی مضامین	قمر علی عباسی
٨٢ ۔	اردو کی جنسیہ شاعری	قیوم بیگ
٨٣ ۔	راشد الخیری کے ناولون کا سماجی پس منظر	محمد حیات اللہ خان

نمبر شمار	موضـــوع	اسمائے گرامی
۸۴ـ	اردو تضامین	محمد علی
۸۵ـ	فسانۂ عجائب کا تحقیقی مطالعہ	ریحانہ اصغر حسین
۸٦ـ	سرسید احمد کا سیاسی شعور	انجم سلطانہ
۸۷ـ	اردو شعراء کی پہیلیاں	عطاالرحمٰن
۸۸ـ	الفاروق مین مصنف کا مذاق ماحول اور اس پر سیر حاصل تبصرہ	مس جہان گیر فاطمہ صدیقی
۸۹ـ	باغ و بہار اور اس کے حواشی	مس زبیدہ خاتون
۹۰ـ	دھلی کی معاشرت قصائد سودا کے آئینہ مین	سید محمد عارف
۹۱ـ	حافظ محمود شیرانی بہ حیثیت محقق	محمد عزیز خان
۹۲ـ	مولانا عبدالسلام ندوی کے ادبی مضامین	عبداللہ شیخ
۹۳ـ	اردو مین مقالہ نگاری	عبدالمجید خان
۹۴ـ	آتش کے سوانح اور افکار	اعظم علی
۹۵ـ	رسوا کی کردار نگاری	ساجد حسین زیدی
۹٦ـ	اختر شیرانی کا اردو شاعری مین مقام	انوار احمد شیخ
۹۷ـ	ابوالکلام آزاد ـــ مکاتیب کی روشنی مین	سراج الدین قاضی
۹۸ـ	مثنوی گل زار نسیم کے حواشی	عابدہ نسیم
۹۹ـ	مثنوی سحرالبیان کے حواشی	خورشید جعفری
۱۰۰ـ	پاکستانی یونیورسٹیون کے ادباء	سلطانہ جہان

نمبر شمار	موضــوع	اسمائے گرامی
١٠١ ـ	رشید احمد صدیقی بہ حیثیت ایک خاکہ نگار	قمرالنسا خان
١٠٢ ـ	جدید جنگ سے متعلق اردو مضامین	سید شاکر علی جعفری
١٠٣ ـ	شہال سوہاروی اور ان کا کلام	عبدالغفور
١٠٤ ـ	مرزا محمد ہادی رسوا کے ناولوں مین لکھنوی معاشرہ	عصمت سلطانہ
١٠٥ ـ	ضرب کلیم کی تلمیحات	محمد شریف
١٠٦ ـ	بانگ درا کی تلمیحات	خالدہ انصاری
١٠٧ ـ	سید سلیمان ندوی کے تنقیدی مضامین	معین الدین شیخ

(تکمیل شدہ مقالات برائے ایم ـ اے سال ٦٧ ـ ١٩٦٦ء)

١٠٨ ـ	دیوان ابجدی	اسرار محمد خان
١٠٩ ـ	حفیظ جالندھری اور ان کا کلام	عابد علی عابد
١١٠ ـ	خواجہ اکبر حسین اکبر اجمیری	بدرالدین احمد قریشی
١١١ ـ	حالی اور اصلاح معاشرہ	بقاء اللہ خان
١١٢ ـ	افسانہ اور ہاجرہ مسرور	محمد طاہر
١١٣ ـ	حالی کی غزل	محمد عارف
١١٤ ـ	قابل اجمیری حالات زندگی اور شاعری	سید محمد تسلیم
١١٥ ـ	سندھ مین اردو مخطوطات	سید علی احمد زیدی

نمبر شمار	موضـــوع	اسمائے گرامی
۱۱۶ـ	مثنوی میر ضمیر	طاہر زکائی
۱۱۷ـ	سید سلیمان ندوی کے شذرات	آنسہ نسیم چودھری
۱۱۸ـ	سندھ مین اردو مطبوعات (اول)	خان اسلام اختر
۱۱۹ـ	سید سجاد حیدر یلدرم کے حالات زندگی اور ان کی علمی و ادبی خدمات	رفیق احمد انصاری
۱۲۰ـ	سندھ مین اردو مطبوعات (دوئم)	عبدالجمیل
۱۲۱ـ	اردو اور پنجابی کے لسانی روابط	عبدالغفور ساجد
۱۲۲ـ	رنگین کی مثنوی	ضمیر احمد
۱۲۳ـ	ماہرالقادری "فاران" کی روشنی مین	انوار احمد زئی
۱۲۴ـ	سرسید اور علم اخلاق	عبدالرفیق شیخ
۱۲۵ـ	دیوان ہلا صبا	صابرہ قاضی
۱۲۶ـ	مثنوی بارہ ماسہ از افضل جھنجھانوی	شاھدہ صدیقی
۱۲۷ـ	شہادت نامہ میر خوان (غیر مطبوعہ مثنوی)	نویلہ شہناز
۱۲۸ـ	اردو اور سرائیکی کے لسانی روابط	شاھدہ اشرف
۱۲۹ـ	انیس کے محاورات	مس سعیدہ پروین
۱۳۰ـ	سید سلیمان ندوی کے تبصرے	نسیم مرزا
۱۳۱ـ	کلام بہادر شاہ ظفر کا معاشرتی پس منظر	نسرین چوھدری
۱۳۲ـ	عبدالحلیم شرر کی کردار نگاری	ثقلین فاطمہ

نمبر شمار	موضوع	اسمائے گرامی
۱۳۳ ـ	غیر مطبوعہ مثنوی ایجاد و رنگین	نسیم نقوی
۱۳۴ ـ	مولانا احسن مارہروی بہ حیثیت شاعر	بوجہس سلطانہ
۱۳۵ ـ	دیوان عامل	حبیبہ حسن
۱۳۶ ـ	شبلی کا طنز و مزاح	نرگس زیدی
۱۳۷ ـ	عبدالحق کا طنز و مزاح	نورالنہار افضل
۱۳۸ ـ	ظفرعلی خان کا سیاسی پس منظر	مہر افروز
۱۳۹ ـ	حالی اور اصلاح ادب	راشدہ اختر
۱۴۰ ـ	انیس کے کلام میں ملکی رسم و رواج	بلقیس وارثی
۱۴۱ ـ	"میاں بشیر احمد کے ادبی مضامین "(ازھمایون)	امین فاروق
۱۴۲ ـ	حسرت کا سیاسی شعور	ایس ـ ایم ـ عتیق الدین
۱۴۳ ـ	اردو شاعری پر تصوف کی روایات	عبدالرزاق سومرو
۱۴۴ ـ	رشیداحمد صدیقی کی طنزنگاری	سید علی اختر جعفری
۱۴۵ ـ	مولانا اشرفعلی تھانوی بہشتی زیور کے آئینہ میں ـ	نظام الحق تھانوی
۱۴۶ ـ	انیس کے تلمیحات	محمد اعظم
۱۴۷ ـ	مرثیہ انیس کے نسوانی کردار	شوکت سلطانہ کاظمی
۱۴۸ ـ	اصغر گونڈوی کی شاعری میں تصوف کے اثرات	عائشہ سلطانہ

(تکمیل شدہ مقالات برائے ایم ۔اے سال ٦٨ ـ ١٩٦٧ء)

نمبر شمار	موضـــوع	اسمائے گرامی
١٤٩ ـ	غالب کا علمی ماحول ان کے خطوط کے آئینہ مین	رضاء اللہ خان
١٥٠ ـ	گزش بہاران (مصنفہ جمیلہ ہاشمی)	سید اقبال حسین زیدی
١٥١ ـ	خدا کی بستی (مصنف شوکت صدیقی)	سید مظاہر حسین
١٥٢ ـ	حالی کی منظومات کا ثقافتی پس منظر	محمد عمر خان
١٥٣ ـ	حالی کی زبان	اورنگ زیب خان
١٥٤ ـ	شبلی کی شاعری مین تشبیہات و استعارات	اسلم نواز
١٥٥ ـ	مشاہیر کے خطوط	سید خضر حیات
١٥٦ ـ	سندھ کے نعت گو شعراء	سید محمد طلعت توصیف
١٥٧ ـ	مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری	قدیر احمد خان
١٥٨ ـ	سودا کے ہندی الفاظ و محاورات	سید مبارک علی
١٥٩ ـ	شبلی اپنے خطوط کے آئینے مین	سید برکت علی
١٦٠ ـ	خلیل مانسوی کی نعتیہ شاعری	سید رفیق احمد جعفری
١٦١ ـ	اردو نظم کا ارتقاء	فضل حق
١٦٢ ـ	حیدر آباد کے اردو کتبات	محسن عطا
١٦٣ ـ	دیوان میر حسن	بلقیس بشیر
١٦٤ ـ	دیوان گلزار خلیل	فرحانہ حسن
١٦٥ ـ	شعر العجم مین شبلی کا تنقیدی اسلوب	زرینہ خاتون
١٦٦ ـ	شاہنامہ اسلام کا تنقیدی جائزہ	امینہ خاتون

نمبر شمار	موضـــوع	اسمائے گرامی
١٦٧ ـ	عصمت چغتائی بہ حیثیت افسانہ نگار	عشرت جاوید
١٦٨ ـ	اقبال اور مسلم مفکرین	زہرہ رحمان
١٦٩ ـ	دیوان نظام	طلعت پروین
١٧٠ ـ	امیر مینائی کی شاعرانہ تلمیحات	انیس نظر عسکری
١٧١ ـ	خطبات مدارس کے تعلیقات و حواشی	کشور سلطانہ
١٧٢ ـ	خواجہ میر درد کا فن	اقبال شاہین
١٧٣ ـ	انیس کی شاعری میں اخلاقی پہلو	تسیم فاطمہ نقوی
١٧٤ ـ	آنگن (مصنفہ خدیجہ مستور)	ریحانہ طلعت خان
١٧٥ ـ	انتخاب کلام رعنا اکبر آبادی	فرزانہ خان
١٧٦ ـ	ذوق کے محاورات	ریحانہ عزیز
١٧٧ ـ	حالی کا نظریہ تعلیم	مفخر رشید
١٧٨ ـ	رازی جئے پوری کے حالات زندگی اور ان کی شاعری	مومنہ مشتاق
١٧٩ ـ	بہشتی زیور کی ادبی اور ثقافتی اہمیت	نعیمہ عبدالمجید
١٨٠ ـ	داغ کی انفرادیت	ہاجرہ عبدالغفور
١٨١ ـ	القّین القیم کے حواشی و تعلیقات	شمیم نکہت
١٨٢ ـ	علامہ راشدالخیری اور تعلیم نسواں	بشریٰ بشیر
١٨٣ ـ	آتش کی غزل میں اخلاقی پہلو	فہمیدہ غنی

نمبر شمار	موضوع	اسمائے گرامی
۸/۷ ۱۸۴ ـ	نظیر اکبر آبادی کے ہندی محاورات	شمیم خان
۱۸۵ ـ	اردو زبان میں فارسی محاورات	صالحہ پروین
۱۸۶ ـ	ابوالکلام آزاد غبار خاطر کی روشنی	حسینہ کاظمی
۱۸۷ ـ	نذیر احمد اور تعلیم نسوان	عمران فاطمہ
۱۸۸ ـ	نواب اعتصام الدولہ نادر کے دیوان کی تنصیص کا تحقیقی مطالعہ	خوشتر آراء
۱۸۹ ـ	دیوان بشیر	شمیم فاطمہ
۱۹۰ ـ	ہادی مچھلی شہری کی اردو شاعری	صابرہ صدیقی
۱۹۱ ـ	مقالات حالی کے حواشی تعلیقات	اقلیم النساء
۱۹۲ ـ	تدوین دیوان شاہ قدرت اللہ قدرت	شمس الحق قریشی
۱۹۳ ـ	یادگار غالب کی شخصیات	محمد زاھد
۱۹۴ ـ	اکبر الہ آبادی کا معاشرتی پس منظر	سراج بانو رضوی
۱۹۵ ـ	اداس نسلیں (تنقید و جائزہ)	نور احمد خان
۱۹۶ ـ	نسیم حجازی بہ حیثیت ناول نگاری	عبداللہ قریشی
۱۹۷ ـ	اصغر گونڈوی کی شاعری	محمد عامر فاروقی
۱۹۸ ـ	مولانا ظفرعلی خان کی قومی شاعری	سید منیر احمد
۱۹۹ ـ	علمائے دیو بند کا ادبی ذوق	ارشاد علی خان
۲۰۰ ـ	مرزا فرحت اللہ بیگ	سید رسول

نمبر شمار	موضوع	اسمائے گرامی
۲۰۱ـ	سندھ میں اردو زبان کا ارتقا	محمد الیاس
۲۰۲ـ	شبلی کی سیرت نگاری	افتخار احمدی
۲۰۳ـ	علمائے اسلام کی اردو شاعری	نجمہ سلطانہ
۲۰۴ـ	کرشن چندر	اقبال نفیس
۲۰۵ـ	خطبات عبدالحق کا سیاسی پس منظر	سردار اختر
۲۰۶ـ	اقبال کا ذہنی ارتقاء مکاتیب کی روشنی میں	نصرت رحیم
۲۰۷ـ	خواجہ حسن نظامی کی ادبی خدمات	شکیلہ پروین زئی
۲۰۸ـ	سرسید اور اصلاح ادب	فرحت سلطانہ
۲۰۹ـ	داغ اور تلامذۂ داغ	طاہرہ خاتون
۲۱۰ـ	سرسید کا ادبی شعور	زرینہ نزہت
۲۱۱ـ	آبلہ پا (رضیہ فصیح)	شاہ بیگم

(تکمیل شدہ مقالات برائے ایم۔ اے سال ۶۹ ـ ۱۹۶۸ء

نمبر شمار	موضوع	اسمائے گرامی
۲۱۲ـ	کلام ذوق میں تشبیہات	رب نواز
۲۱۳ـ	بلگرام کے اردو شعراء	بلقیس بلگرامی
۲۱۴ـ	حیات جاوید کے حواشی و تعلیقات	فرزانہ تسیم
۲۱۵ـ	کلام غالب کے اردو محاورات	عائشہ نور
۲۱۶ـ	حیدر دہلوی	حاجرہ خانم

نوٹ ـ سنہ ۷۰ـ ۱۹۶۹ء میں جو مقالات پیش کیے گئے ہیں ان کی فہرست دستیاب نہیں ہوسکی ـ

(تکمیل شدہ مقالات برائے ایم ـ اے سال ۷۱ ـ ۱۹۷۰ء)

نمبر شمار	موضوع	اسمائے گرامی
۲۱۷ ـ	بہار کوشی اور ان کی ادبی خدمات	انصار احمد
۲۱۸ ـ	مرزا قلیچ بیگ کی اردو خدمات	ریاض احمد
۲۱۹ ـ	شاعر شیریں زبان ابوالبیان حضرت حیران شکوہ آبادی	محمد شمیم احمد خان
۲۲۰ ـ	مرزا عزیز بیگ کی مضمون نگاری	شوکت حسن
۲۲۱ ـ	امیر مینائی کی نعتیہ شاعری	عابدالرحیم عبدالرحیم
۲۲۲ ـ	کلیات ندرت میرٹھی ... حیات اور شاعری	مشکور احمد نجم
۲۲۳ ـ	فسانہ عجائب کا معاشرتی پس منظر	محمد یونس
۲۲۴ ـ	بلاد سندھ میں صوفیانہ شاعری	مظفر حسین
۲۲۵ ـ	مولانا محمد علی جوہر ـــ شاعر و صحافی	غلام غوث
۲۲۶ ـ	اردو شعراء کے قطعات تاریخ	مس سلمیٰ احمد
۲۲۷ ـ	پاکستان میں ریڈیائی ڈرامے	سیدہ رضیہ محمود
۲۲۸ ـ	مجالس رنگین کا ترجمہ اور حواشی	شاہدہ صلاح الدین

نمبر شمار	موضـــوع	اسمائے گرامی
۲۲۹ ـ	تذکرہ ریختہ گویان از سید فتح علی حسینی گردیزی کا ترجمہ اور حواشی	ماجدہ خاتون
۲۳۰ ـ	حفیظ جالندھری کے حالات زندگی	ساجدہ ابراہیم
۲۳۱ ـ	اقبال کے اردو کلام میں استعارات اور تشبیہات	نسیم فاطمہ
۲۳۲ ـ	پاکستان میں جدید اردو غزل	عزیزہ قدرت
۲۳۳ ـ	شاہد احمد دہلوی کی زبان	طاہرہ پروین
۲۳۴ ـ	ماہرالقادری اپنی شاعری کے آئینے میں	رخشندہ عثمان
۲۳۵ ـ	ترجمہ مخزن نکات مصحفی مع حواشی و تعلیقات	فرزانہ نامدار
۲۳۶ ـ	وضاحتی فہرست "نگار"	تسنیم جمال
۲۳۷ ـ	مخزن شعراء	منور سلطانہ

مقالات برائے ایم ـ اے ۷۲ ـ ۱۹۷۱ء

۲۳۸ ـ	فقیر محمد خان گویا ـــ احوال و آثار	نزہت آرہ
۲۳۹ ـ	دیوان شیرین	ناہید بدر

کل ۲۳۹ مقالات کی فہرست مل سکی ہے ـ ڈاکٹر سید نعیم ندوی صاحب اور ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب (پروفیسر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی) کا کہنا ہے کہ

ا تک کم و بیش پانچ سو مقالات سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے اساتذہ کی رہنمائی مین لکھے گئے ہین لیکن افسوس ہے کہ ۱۹۷۲ء کے سندھ کے لسانی ہنگامون مین مندرجہ ذیل دس مقالون کے علاوہ سب نذر آتش کر دیے گئے ۔۔ یہ ہماری تی زندگی کا ایک بڑا المیہ ہے :-

نمبر شمار	موضوع	اسمائے گرامی
۔	شاہ عبداللطیف بھٹائی از ایچ ۔ ٹی ۔ سورلے	(مترجم) سید شاہد علی زیدی
۔	بیسوین صدی کے قرآنی اردو تراجم	منظور الحق
۔	احسن مارہروی ۔۔ بہ حیثیت شاعر	برجیس سلطانہ صدیقی
۔	میر کی شاعری کا معاشرتی پس منظر	غیور حسین صدیقی
۔	تحفہ مجددیہ ۔۔ مع متن و ترجمہ	شاہ ابوالحسن
۔	جوش اور انقلابی شاعری	ممتاز سلیم
۔	اردو مین بہنون کی نظمین	محمد علی
۔	محسن کاکوروی کے کلام پر قرآن و حدیث کے اثرات	محمد عثمان علی خان
۔	تحفہ ساقی کوثر	(مرتبہ) سیدہ رئیس فاطمہ مہر
۱۰ ۔	اردو مین شرعی مصطلحات	عبدالکریم خان

صوبہ سندھ نے ۱۹۴۷ء کے بعد اردو زبان وادب کی خدمت مین جو بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اس کا یہ سرسری جائزہ تھا — تفصیل بہت طویل ہوگی — بعض ارباب علم وفضل اب اردو اور سندھی دونون زبان وادب کی ایک ساتھ خدمت پر مائل ہین — اور یہ بہت اچھا رجحان ہے — سندھی ادب مین جو شہ پارے ہین ان سب کو اردو مین منتقل کرلینا چاہیے ساتھ ہی اردو مین جو خزانے پوشیدہ ہین وہ سندھی ادب کے سامنے پیش کردینا چاہیے تاکہ مستقبل قریب مین سندھ کی یہ دو اہم زبانین ایک ساتھ شانہ بہ شانہ آگے بڑھین — اور اپنے کارنامون سے دنیا کو متحیر کردین —

تمام شـــد

کتابیات

(قلمی کتب)

نمبرشمار	اسماے کتب	اسماے مصنف	کتب خانہ و اسماے افراد
١	بھگوت گیتا	مولرام ولد آنند مہتہ رام	اورینٹل کالج منصورہ (سندھ)
٢	اکسیرالعاظم	فقیر هری سنگھ عاصی	پروفیسر میمن عبدالمجید سندھی، سکھر۔
٣	الفارقة بین اهل الله و بین المارقة (یعنی) پیر اور مرید کے لیے هدایت کرنے والا	(پیر جھنڈو) سید رشداللہ شاہ	کتب خانہ پیر محب اللہ شاہ پیر جھنڈو، سندھ۔
٤	عین المتانة فی تحقیق تکرار الجماعة	"	" "
٥	المقالة المحبوبه فی الدعا بعد الصلوة المکتوبه	پیر سید فضل اللہ شاہ	" "
٦	البلاغ التحقیق بالتحقیق العمیق	"	" "
٧	خالص توحید	پیر سید بدیع الدین شاہ	کتب خانہ پیر سید بدیع الدین شاہ سعیدآباد، (سندھ)
٨	تنقید السدید بورساله اجتهاد و تقلید	"	" "

نمبرشمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنف	کتب خانہ و اسمائے افراد
۹	نشاط العبد	پیر سید بدیع الدین شاہ	کتب خانہ پیر سید بدیع الدین شاہ، سعیدآباد، (سندھ)
۱۰	بدیع الفتاویٰ	"	" "
۱۱	سودائے خام (حصہ اول و دوم)	مرزا قلیچ بیگ	کتب خانہ مرزا اسد بیگ، ٹنڈو ٹھوڑو، حیدرآباد، (سندھ)
۱۲	ابکار الافکار	"	" "
۱۳	خصائص القرآن	"	" "
۱۴	توبہ اور اس کی حقیقت	"	" "
۱۵	خورشید (ڈراما)	"	" "
۱۶	لیل و نہار عرف تقدیر کا کھیل (ڈراما)	"	" "
۱۷	سندھ کے جدید اردو مصنفین	عبدالرشید خان تبسم	کتب خانہ شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی
۱۸	مجموعہ فتاویٰ قاسمیہ	مولانا محمد قاسم	کتب خانہ مدرسہ قاسمیہ، گڑھی یاسین
۱۹	مجموعہ فتاویٰ ناظمی	مولانا محمد ابراہیم ناظم	" "
۲۰	بیاض سیف سبحانی	مولوی درمحمد خاک	مولوی درمحمد خاک، حیدر آباد
۲۱	تفسیر غزنوی (اردو)	مولانا فضل احمد غزنوی	کتب خانہ فضل احمد غزنوی، لطیف آباد، حیدرآباد، سندھ -
۲۲	مسند فضل احمد	"	" "
۲۳	دینیات کی کتاب (سولہ جلدوں میں)	"	" "

کتب خانہ و اسمائے افراد	اسمائے مصنف	اسمائے کتب	نمبر شمار
کریم بخش نظامانی صاحب کے پاس محفوظ ہے اور اشاعت کی منتظر ہے	کریم بخش نظامانی	کامریڈ موسوف کی ڈائری (ناول)	۲۴
شاھد سومرو کے پاس محفوظ ہے اور اشاعت کی منتظر ہے	عبدالرزاق شاھد سومرو	حیات بیدل اور ان کی شاعری	۲۵

Names of English Books consulted:

S.Nos.	Name of the Books	Authors	Publications
1.	Prehistoric India	Stuart Pigget	London 1952
2.	Five thousand years of Pakistan	R.E.M. Wheeler	London 1950
3.	The Indo Sumerian Seals Deciphered	L.A. Waddel	London 1925
4.	Mohenjodaro and the Indus Civilization	John Marshall	London 1931
5.	Outlines of Indian Philology (Second Edition)	Johan Beams	London 1868
6.	Muslim Rule in Indo Pakistan (Second Edition)	K. Ali	Dacca 1858

مطبوعہ کتب کی فہرست

نمبرشمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنف	دارالاشاعت و سنین
۱	تاریخ سندھ	مولانا سید ابو ظفر ندوی	مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۲۷ء
۲	تاریخ سندھ المعروف بہ تاریخ معصومی	میر محمد معصوم بکھری	سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۹ء
۳	فتوح البلدان	بلاذری	نفیس اکیڈمی ــ کراچی ۱۹۶۲ء
۴	عرب و ہند کے تعلقات	سید سلیمان ندوی	ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد ۱۹۳۰ء
۵	نقوش سلیمانی	"	مکتبہ شرق آرام باغ، کراچی ۱۹۵۱ء
۶	تاریخ سندھ	مولانا غلام رسول مہر	سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد ۱۹۵۸ء
۷	سید احمد شہید	"	سنہ نہ دارد ــ ~~مکتبہ~~ محفوظ در کتب خانہ سید بدیع الدین شاہ، سعید آباد، حیدر آباد، (سندھ)
۸	مسلم ثقافت ہندوستان میں	مولانا عبدالمجید سالک	ادارہ ثقافت اسلامیہ، سنہ نہ دارد
۹	پاکستان میں ذہنی رجحانات	عبداللہ قدسی	انٹرنیشنل پریس، کراچی ۱۹۵۸ء
۱۰	صحافت پاکستان و ہند میں	ڈاکٹر عبدالسلام خورشید	مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۳ء
۱۱	فن صحافت	"	مرکزی اردو بورڈ، لاہور ۱۹۶۶ء
۱۲	پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو	سید ہاشمی فرید آبادی	انجمن ترقی اردو پاکستان، سنہ نہ دارد
۱۳	تاریخ سندھ	اعجاز الحق قدوسی	مرکزی اردو بورڈ، لاہور ۱۹۷۱ء

نمبر شمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنف	دارالاشاعت و سنین
۱۴	وادی سندھ کی تہذیب	محمد ادریس صدیقی	مکتبہ نیا راہی، کراچی ۱۹۵۹ء
۱۵	بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا	ڈاکٹر اختر اورینوی	لیبل لیتھو پریس، پٹنہ ۱۹۵۷ء
۱۶	مقدمہ تاریخ زبان اردو	ڈاکٹر مسعود حسین خان	اردو مرکز، لاہور ۱۹۶۶ء
۱۷	لسانی مطالعے	پروفیسر معین الدین دردائی	مجلس دانشوران، لاہور ۱۹۷۰ء
۱۸	رسالہ تاریخ و سیاست	مولانا ابوالجلال ندوی	انجمن ترقی اردو، پاکستان ۱۹۵۳ء
۱۹	اردو سندھی کے لسانی روابط	ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی	مرکزی اردو بورڈ، لاہور ۱۹۷۰ء
۲۰	سندھ میں اردو شاعری	ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ	مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۷۰ء
۲۱	سندھی بولی جی مختصر تاریخ	"	" " ۱۹۶۲ء
۲۲	تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند	ہسٹاریکل سوسائٹی پنجاب یونیورسٹی	پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۷۱ء
۲۳	ہندوستانی لسانیات (دوسرا ایڈیشن)	ڈاکٹر محی الدین زور	مکتبہ معین الادب، لاہور ۱۹۵۰ء
۲۴	صوفیائے بہار اور اردو	پروفیسر معین الدین دردائی	ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۷۲ء
۲۵	سندھ کے جدید اردو شعراء	مشتاق علی جعفری	سندھ یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۱ء
۲۶	اسرار الاولیا (ملفوظات حضرت بابا فرید گنج شکر)	(مترجمہ) پروفیسر معین الدین دردائی	نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۷۱ء

نمبرشمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنف	دارالاشاعت و سنین
۲۷	داستان تاریخ اردو	حامد حسن قادری	اردو اکیڈمی، سندھ ۱۹۲۱ء
۲۸	سندھ کی تاریخی کہانیاں	مولانا اعجازالحق قدوسی	جنرل پبلشنگ ہاؤس، کراچی ۱۹۵۷ء
۲۹	تذکرہ صوفیائے سندھ	مولانا اعجازالحق قدوسی	اردو اکیڈمی، سندھ ۱۹۵۹ء
۳۰	تاریخ زبان اردو (اردوئے قدیم)	حکیم سید شمس اللہ	تاج پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد (دکن) سنہ نہ دارد
۳۱	پنجاب میں اردو	پروفیسر محمود شیرانی	مکتبہ معین الادب، اردو بازار لاہور سنہ نہ دارد
۳۲	دکن میں اردو	نصیرالدین ہاشمی	مکتبہ معین الادب، لاہور ۱۹۵۲ء
۳۳	مفتاح رشداللہ تفسیر کلام اللہ (حصہ اول)	قاضی فتح محمد نظامانی	سنہ نہ دارد ـ محفوظ در کتب خانہ سید بدیع الدین شاہ (پیر جھنڈو) سعید آباد، حیدرآباد، (سندھ)
۳۴	زیادة الخشوع	پیر سید بدیع الدین شاہ	انجمن خدام الاسلام، حیدرآباد ۱۹۶۳ء
۳۵	الدلیل التام علی ان سنة المصلی الوضع کلما تام	"	فاروقی کتب خانہ ـ ملتان ۱۹۶۴ء
۳۶	الاعلام	"	محفوظ در کتب خانہ سید بدیع الدین شاہ (پیر جھنڈو)
۳۷	مخزن القوافی المعروف بہ تحفة الشعراء	مرزا قلیچ بیگ	پیسہ اخبار، لاہور ۱۸۹۸ء
۳۸	آئنہ سکندر تذکرہ لال شہباز قلندر	حکیم فتح محمد سہوانی	اردو اخبار، لاہور ۱۳۲۳ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنف	دارالاشاعت و سنین
۳۹	کابل میں سات سال	مولانا عبیداللہ سندھی	سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور ۱۹۵۵ء
۴۰	المقام المحمود	"	سندھ یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۹ء
۴۱	خطبات و مقالات	"	سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور ۱۹۷؟ء
۴۲	وصلت نامہ از سچل سرمست	(مرتبہ) قاضی علی اکبر درازی	سچل سرمست کوآپریٹیو اکیڈمی، خیرپور ۱۹۶۵ء
۴۳	حیات صبغۃ اللہ شاہ	(مترجم) حکیم ذوقی	آفسٹ پریس، کراچی ۱۹۷۱ء
۴۴	مینائے مصطفائی	صبغۃ اللہ شاہ ایرانی	ادارہ المصطفیٰ، حیدرآباد ۱۹۶۰ء
۴۵	جائزہ مدارس عربیہ اسلامیہ مغربی پاکستان		انجمن حمایت اسلام، لاہور ۱۹۶۰ء
۴۶	الہام القدیر فی مسئلۃ التقدیر	مولانا صاحب داد خان	انجمن حمایت اسلام، لاہور ۱۳۸۲ھ
۴۷	مرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب	پیر حسام الدین راشدی	انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۰ء
۴۸	جہان کہن	مولانا فضل احمد غزنوی	فضل الکٹرک پریس، حیدرآباد ۱۹۵۲ء
۴۹	مکمل دستور اسلام	"	" " ۱۹۵۱ء
۵۰	بنیادی اصول کی رپورٹ پر تبصرہ	"	" " ۱۹۵۳ء
۵۱	صحیح قرآنی فیصلے	"	" " ۱۹۵۲ء
۵۲	الایمان الاسلام	"	" " سنہ نہ دارد

نمبر شمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنف	دارالاشاعت و سنین
٥٣	مسلم خاتون اور پردہ	مولانا فضل احمد غزنوی	نور فضل الکٹرک پریس، حیدرآباد ١٩٥١ء
٥٤	تعداد ازدواج	"	" " سنہ نہ دارد
٥٥	کیا یہ صحیح ہے کہ اسلامی حکومت تیس برسوں کے بعد نہ چل سکی	"	" " "
٥٦	صحیح مقام حدیث	"	" " ١٩٥٥ء
٥٧	شیعہ سنّی اتحاد	"	" " ١٩٥٥ء
٥٨	ایک اسلام ایک قرآن	"	" " ١٩٥٥ء
٥٩	اسلام کیسے شروع ہوا	عبدالواحد سندھی	فاران لمیٹڈ کراچی ـــ سنہ نہ دارد
٦٠	اسلام کے مشہور سپہ سالار	"	سرسید پبلشنگ ہاؤس ـــ سنہ نہ دارد
٦١	انجام ظالم (ناول)	سرور علی سرور	کراچی ١٩٣٥ء
٦٢	سفرنامہ ایران	پیر اسحاق جان سرہندی	سندھ یونیورسٹی پریس، ١٩٦٠ء
٦٣	میکدہ مصطفائی	پروفیسر علی نواز جتوئی	ادارہ المصطفےٰ، حیدرآباد ١٩٦٥ء
٦٤	تاثرات	آفاق صدیقی	ادارہ مصنفین پاکستان، سکھر ١٩٦٩ء
٦٥	دھڑکنیں	شیخ عبدالرزاق راز	یونائیٹڈ پبلشرز لمیٹڈ، سکھر ١٩٦٨ء
٦٦	ماروی کے دیس میں	"	امیر پرنٹنگ پریس، ١٩٦٠ء

نمبرشمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنف	دارالاشاعت و سنین
٦٧	ادب کی آڑ مین	رشید احمد لاشاری	انجمن پریس، کراچی ١٩٧٠ء
٦٨	سچل سرمست	"	" ١٩٦٦ء
٦٩	ذکر ان کا باتین ان کی	——	مجلس ادب، حیدر آباد سنہ نہ دارد
٧٠	ذرات	محمودہ رضویہ	بشیر اینڈ سنز، کراچی ١٩٤٦ء
٧١	قصص انبیا کے رموز اور ان کی حکمتین	(مترجم) مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی	شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد ١٩٦٩ء
٧٢	مجبوبۃ المحمودیہ از خلیفہ محمود	(مترجم) میر محمود نظامانی	محمودیہ اکیڈمی، حیدر آباد ١٩٦٨ء
٧٣	ممتاز علمی مضامین	عبدالرزاق شاہد سومرو	سکھر ١٩٦٩ء
٧٤	دیس بدیس	غلام علی الانہ	باراول — کراچی (سرورق بوسیدہ تھا سنہ طباعت اور مطبع کا نام معلوم نہین ہوسکا)
٧٥	بازگشت (انگریزی نظمون کا اردو ترجمہ)	غلام علی الانہ	مکتبہ غضنفر، کراچی ١٩٦٦ء
٧٦	شاہ جورسالو (منظوم اردو ترجمہ)	شیخ مبارک ایاز	سندھ یونیورسٹی حیدر آباد ١٩٦٣ء (یونیورسیٹی،)
٧٧	ملفوظات حضرت سائین غنی	سائین عبدالغنی	مطبوعہ کامل پریس، کراچی — سنہ نہ دارد
٧٨	تحفہ علمی	محمد علم الدین علمی	جاوید پریس، کراچی ١٣٨٤ھ
٧٩	نغمہ نور	"	کامل پریس، کراچی ١٣٧٠ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنف	دارالاشاعت و سنین
۸۰	اقبال کی خودی اور حافظ کی بے خودی	بشیرالدین احمد مخفی	ضیا پریس، کراچی سنہ نہ دارد
۸۱	رود کوثر (پانچواں ایڈیشن)	شیخ محمد اکرام	فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۷۰ء
۸۲	موج کوثر (بار دوم)	شیخ محمد اکرام	فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۵۸ء

اخبارات و رسائل

نمبر شمار	اسمائے رسائل و اخبارات	شمارہ نمبر و سنہ اشاعت
۱	رسالہ الاعتصام ـ لاہور	بابت مارچ ۱۹۶۸ء
۲	رسالہ مخزن ـ لاہور	بابت ۶۷ ـ ۱۹۶۶ء
۳	رسالہ سرفراز لکھنؤ	محرم نمبر بابت ۱۳۵۶ھ
۴	رسالہ تاج کراچی	بابت اگست ۱۹۶۷ء
۵	صریر خامہ (قومی شاعری نمبر)	بابت ۱۹۶۶ء
۶	رسالہ الاسلام ـ کراچی	بابت ۱۳۶۹ھ
۷	ماہ نامہ سہارا (حیدرآباد)	بابت ۱۹۵۱ء
۸	رسالہ الرحیم حیدرآباد (فائل)	بابت ۶۶ ـ ۱۹۶۳ء
۹	رسالہ نفحات لطیف ـ حیدرآباد	محکمۂ اطلاعات حیدرآباد ۱۹۶۰ء
۱۰	اخبار جہان (ہفت روزہ)	بابت فروری ۱۹۶۸ء
۱۱	رسالہ صحیفہ سہ ماہی ـ لاہور	۱۹۷۱ء
۱۲	رسالہ اردو ـ کراچی	بابت اکتوبر ۱۹۵۲ء
۱۳	رسالہ پرچم ـ کراچی	نومبر ۱۹۴۹ء
۱۴	رسالہ الشہید ـ کراچی	محرم نمبر ۱۳۶۵ھ
۱۵	رسالہ لیل و نہار ـ لکھنؤ	بابت ستمبر ۱۹۶۱ء

نمبرشمار	اسمائے رسائل و اخبارات	شمارہ نمبر و سنہ اشاعت
۱۶	رسالہ نگار پاکستان ــ کراچی	مئی و جون ۱۹۶۷ء
۱۷	مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور	بابت ۱۹۶۸ء
۱۸	رسالہ نئی قدریں ــ حیدرآباد	شمارہ ۸ ــ ۹ ۱۹۷۰ء
۱۹	رسالہ شعاع اردو ــ کراچی	بابت مئی ۱۹۲۵ء
۲۰	رسالہ پرواز (خاص نمبر)	بابت اگست ۱۹۲۸ء
۲۱	ماہ نامہ ساقی ــ کراچی	بابت اگست ۱۹۶۶ء
۲۲	اسلامیہ کالج میگزین ــ سکھر	بابت ۶۲ ــ ۱۹۶۳ء
۲۳	نخلستان ــ میگزین ــ گورنمنٹ کالج شکارپور	بابت ۱۹۶۶ء
۲۴	ہفت روزہ ایشیا ــ لاہور	بابت ۱۹۶۰ء
۲۵	ماہ نامہ تعلیم القرآن ــ راولپنڈی	بابت ۱۹۶۱ء
۲۶	ال ــ نور (میگزین)	مسلم کالج حیدرآباد ۶۸ ــ ۱۹۶۷ء
۲۷	روزنامہ جنگ کراچی	بابت جنوری لغایت مارچ ۱۹۶۹ء
۲۸	اخبار جسارت ـ کراچی	بابت ۲۹ جنوری ۱۹۷۱ء
۲۹	روزنامہ حریت ـ کراچی	بابت ۱۸ مئی ۱۹۶۷ء
۳۰	ماہ نامہ نگارش کراچی	بابت ماہ مئی ۱۹۶۱ء
۳۱	رسالہ مرغوب موحدان	مطبوعہ عباسی پریس، کراچی ۱۳۵۸ھ